مقالاتِ بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ

جلد دوم

از

جامع المعقول والمنقول

حاوی الفروع والاصول

حضرت علامہ الحاج الحافظ

مولانا عطاء محمد چشتی گولڑوی بندیالوی نور اللہ مرقدہ

ناشر

استاذ العلماء اکیڈمی خوشاب

مقالات بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ

جلد دوم

از

جامع المعقول والمنقول
حاوی الفروع والاصول تاجور کشور تدریس ملک المدرسین
حضرت علامہ الحاج الحافظ مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی بندیالوی نور اللہ مرقدہ

ناشر
استاذ العلما اکیڈمی خوشاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب ...... مقالاتِ بندیالوی جلد دوم

مؤلف ...... ملک المدرّسین مولانا عطاء محمد چشتی گولڑوی نوّر اللہ مرقدہٗ

جمع وتدوین ...... مولوی نذر حسین چشتی گولڑوی عفی عنہ

کمپوزنگ ...... حافظ محمد خان چشتی گولڑوی

ترتیب کمپوزنگ...... محمد فیاض خان 0301-6344608

اہتمام ...... صاحبزادہ محمد اجمل عطاء چشتی گولڑوی، مہتمم جامعہ غوثیہ مہریہ عطاء العلوم

اشاعت اول...... 1436ھ/2015ء

تعداد 1100

ہدیہ 500/-

ملنے کے پتے:

☆ استاذ العلماء اکیڈیمی دھمن داخلی پدھراڑ (خوشاب)

جامعہ غوثیہ مہریہ عطاء العلوم، دھمن داخلی پدھراڑ تحصیل وضلع خوشاب

03005481958 0342-7559591

☆ مکتبہ سلطانیہ رضویہ تحصیل بازار خوشاب 0300-6077287

☆ تفہیم الاسلام پبلیکیشنز جامعہ رضویہ احسن القرآن دینہ

03205850951

☆ اہلسنّت پبلی کیشنز

شاندار بیکری والی گلی، منگلا روڈ، دینہ 0321-7641096

فہرست

149 انشورنش اور بیمہ کمپنیوں کی شرعی حیثیت

216 عورت کی حکمرانی کی شرعی حیثیت

218 عورت کی شرعی حیثیت کا رد بلیغ

234 شیخ محی الدین جیلانی کے مستند فضائل و قدم غوث

الانتساب

بندہ اپنی اس حقیر سعی وکوشش اور جدو جہد کو اس رجل عظیم کے نام جس کی زندگی کا ہر لمحہ اشاعت اسلام کیلئے وقف ہے اس مردِ درویش کے نام جس نے مسند تدریس کی عظمت رفتہ بحال کی اور اس علم وحکمت کے نیّر تاباں جو اپنے عظیم والد رحمۃ اللہ علیہ کی نسبتوں کے امین ہیں۔

میری مراد جانشین فقیہ العصر رحمۃ اللہ علیہ وارث علوم سلسلہ خیر آبادی عمدۃ الاذکیاء مخدوم العلماء تاج الفقہاء استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا صاحبزادہ **محمد عبدالحق** صاحب بندیالوی مدظلہ العالی کی بارگاہ والا جاہ میں ہدیہ نیاز و نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہے۔

جنہوں نے اپنی دیگر دینی خدمات کے علاوہ اپنے عظیم والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کو کامیابی سے ہمکنار کیا اور اپنے عظیم استاذ گرامی استاذ العرب والعجم جامع المعقول والمنقول الحاج الحافظ مولانا **عطاء محمد** چشتی گولڑوی بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی وساطت سے مدارس اہل سنت کو مدرسین کی ایک عظیم جماعت فراہم کی۔

سرود رفتہ باز آید کہ ناید ☆ نسیمے از حجاز آید کہ ناید

سر آمد روزگار ایں فقیرے ☆ دگر دانائے راز آید کہ ناید

تراب اقدام العلماء

مولوی نذر حسین چشتی گولڑوی عفی عنہ

۱۴ نومبر ۲۰۱۴ء

تحدیث نعمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بحمد اللہ تعالی :اب تک ہم استاذ العلماء اکیڈمی کے حوالہ سے قبلہ استاذی المکرّم رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کو منظر عام پر لانے کی سعادت حاصل کرر ہے ہیں،قبلہ استاذی المکرّم رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں برصغیر پاک و ہند دور حاضر میں آپ جیسی قد آور شخصیت پیش کرنے سے قاصر ہے آپ کی مجالس درس وتدریس مین اول سے آخر تک خشکی و جمود کا کوئی تصور نہ ہوتا بلکہ محفل طلباء پر فرط وانبساط طاری رہتا آپ کی خندہ جبینی ،نکتہ سنجی اور شگفتہ بیانی محفل طلباء کو باغ و بہار کر دیتی ،آپ کی زبان علم کی گتھیاں سلجھاتیں اور آپ کی ذات ملت اسلامیہ میں علم وعمل کا نور بانٹتی نظر آتی اور آپ نے چمنستان علم وفضل میں گلہائے رنگارنگ کی ایسی بہاریں چھوڑی ہیں جن سے تا قیامت مسلمان عالم کے دل ودماغ معطر رہیں گے۔اور آپ کی جلائی ہوئی مشعلیں تیرگی میں اجالا بن کر صدیوں تک دلوں کو منور کرتی رہیں گی۔

اور یہ حقیقت ہے کہ آپ آپنے زمانہ کی مایہ ناز مقتدر ہستی علم کا دریائے بے کنار و بحر ذخائر جس پر اہل علم وعرفان ناز کرتے ہیں آپ کو وقت کے اجلّہ علماء ومشاہیر صلحاء نے مختلف خطابات والقابات سے یاد کیا لیکن آپ کی عبقری شخصیت جو مجموعہ محاسن وکمالات تھی ان سے وراء الوراء تھی ۔اور عالمانہ وقار کے ساتھ ساتھ سادگی ،تواضع وانکسار کی بدولت آج چہار دانگِ عالم مین آپ کا چرچا ہے۔قرآن وحدیث تو بیان کرنا ہر ایک کو آتا ہے لیکن اسے دلوں میں اتارنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں یہ آپ کی ذات گرامی کا خاصہ تھا۔اگر آپ کے

کندھے پر مجاہد تحریک آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی تدریس عشق کا میخانہ تھا تو سر پر خیرآبادی علم وعمل کا تاج ایک طرف منقولات کا جلال تھا تو دوسری طرف معقولات کا کمال تھا۔قبلہ استاذی المکرّم رحمۃ اللہ علیہ کے مقالہ جات کو ضبط تحریر میں لاکر زیور طباعت سے آراستہ کرنا مجھ جیسے کم علم آدمی کا کام نہ تھا!

چه نسبت خاك را بعالم پاك

لیکن جانشین مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ونائب غوث الوریٰ حضور قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ وبابو جی رحمۃ اللہ علیہما کی نظر کرم سے بندہ ناچیز نے دن رات کوشش کی تاکہ عوام اہل سنت قبلہ استاذی المکرّم رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم علمی کارناموں سے کماحقہ مستفیض ہوسکیں۔

بایں وجہ اس ذمہ داری کو سرانجام دیا اور اپنی بساط کے مطابق اپنے شفیق مربی تاجور کشور تدریس تاجدار سلسلہ خیرآبادی حضرت علامہ الحاج الحافظ عطاء محمد چشتی گولڑوی بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی نیازمندی اور خدمت خلق کا حق ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔اللہ تعالیٰ میرے اس جذبے کو سلامت اور اس مشن کو مزید جاری رکھنے کی توفیق رفیق عطاء فرمائے۔

تاہم مقالات بندیالوی کی جلد اول میں تصحیح کا کام احسن طریقہ سے نہ ہوسکا جس کی وجہ سے کتاب کی افادیت بہت متاثر ہوئی اور مجھے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔اب مقالات بندیالوی جلد دوم میں قلت وقت کے باوجود اغلاط کو دور کرنے کی بہت کوشش کی گئی ہے پھر بھی بتقاضائے بشری کہیں کوتاہی سرزد ہوگئی تو معاف فرمائیں۔

آخر میں بندہ ان تمام احباب اور برادران علمی جن کا ہر وقت بندۂ ناچیز کے ساتھ علمی تعاون رہتا ہے متشکر ہوں۔

مقالات بندیالوی جلد دوم کی کمپوزنگ کی سعادت بھی عزیزم محمد خان چشتی گولڑوی کو حاصل ہوئی جو میرے پاس علمی استفادہ حاصل کرنے کے علاوہ اس کام کو بھی احسن طریقہ سے سرانجام دے رہے ہیں۔ اللہ جل مجدہ کا فضل وکرم اور آپ حضرات کی دعائیں شامل حال رہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ مقالات بندیالوی جلد سوم و چہارم کو بھی اسی طرح مزین و مرتب کیا جائے گا۔

میں اس کرم کے کہاں تھا قابل حضور کی بندہ پروری ہے

ورنہ میں تو کبھی اس قابل نہ تھا کہ استاذ العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے مقالات کو جمع کرنے کی سعادت حاصل کر پاتا۔

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِی مِسْكِيْناً وَاَمِتْنِی مِسْكِيْناً وَاحْشُرْنِی فِی زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنَ

اے اللہ (جل شانہ) مجھے دنیا میں مسکینی کی زندگی عطاء فرما اور وفات بھی مسکینی کی حالت میں نصیب فرما اور مجھے قیامت میں بھی مسکینوں کے زمرہ (گروہ) میں جمع فرما۔

سگِ بارگاہ غوث الوریٰ

تراب اقدام العلماء مولوی نذر حسین چشتی گولڑوی عفی عنہ

خادم جامعہ غوثیہ مہریہ عطاء العلوم ڈھوک دھمن داخلی پدھراڑ ضلع خوشاب

۷ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ ، ۳۰ نومبر ۲۰۱۴ء بروز اتوار

باسم سبحانہ

قطعہ تاریخ اشاعت

"مقالات بندیالوی کلام خوباں"

۲۰۱۴ء

مولانا نذر حسین ارفع طبیعت افتخار اہل سنت باسعادت
ہیں محبّ اولیاء عالی مراتب ان کو ایک علمی بصیرت ہے ودیعت
ہے دیا ترتیب یہ نادر مرقع قابل صد داد ہے ان کی لیاقت
مرحبا یہ ان کا نادر کارنامہ تھی زمانے میں بڑی اس کی ضرورت
اس میں ہیں حضرت عطاء کے کچھ مقالات تھے جو یکتاء فاضل دین وشریعت
ان کا سینہ تھا معارف کا خزینہ خوب کرتے وہ دقائق کی وضاحت
ہیں مضامین اس کے سب بحر معانی ہر مقالہ باحوالہ پر صداقت
مثل نیّر لفظ ہے ہر ایک تاباں اس سے پائیں گے ضیاء اہل محبت
یوں کہو سال رسا فیض الامین تم
"موجب تحسین" "زہے چمن فضیلت"

۱۴۳۵ھ

از قلم:۔ صاحبزادہ پیر فیض الامین فاروقی سیالوی ایم اے
مونیاں شریف ضلع گجرات

عقیدہ اہل سنت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ:۔ یہ فقیر پہلے صحابہ کرام کے عمومی فضائل بیان کرتا ہے اس کے بعد خلفاء راشدین کے خصوصی فضائل بیان کئے جائیں گے، اور پھر ان لوگوں کا حکم بیان ہوگا جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے ساتھ بغض عناد رکھتے ہیں اور ان کی ذات کو سب وشتم کا نشانہ بناتے ہیں، فضائل سے پہلے صحابی کی تعریف ملاحظہ ہو۔

صحابی کی تعریف ۔ اس خوش قسمت فرد کو کہا جاتا ہے جس نے ایمان کی حالت میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کی یا مجلس میں حاضری کی سعادت حاصل کی پھر ایمان پر ہی فوت ہو گیا۔

فضائل صحابہ۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے۔

☆مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرَاھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا۔ ﴿پ ۲۶ ، الفتح آیت ۲۹﴾

ترجمہ۔ " محمد ﷺ اللہ تعالی کے رسول ہیں اور آپ کے ساتھی کفار پر سخت ہیں آپس میں نرم دل ہیں اور تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے اور سجدہ میں گرتے "

☆ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ ۔

﴿پ ۲۶ الفتح آیت ۱۸﴾

ترجمہ۔ ''اے محبوب ﷺ بے شک اللہ تعالی راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کر رہے تھے۔

یہاں تک تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف میں دو آیتوں کا ذکر ہوا پہلی آیت میں فرمایا گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں مہربان اور اللہ تعالی کے عبادت گزار ہیں، جب یہ ثابت ہوا کہ صحابہ کرام آپس میں مہربان ہیں تو جو شخص کسی صحابی کے ساتھ بغض وعناد اور دشمنی رکھے تو وہ سب صحابہ کا دشمن ہے، کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ دوست کا دشمن بھی دشمن ہوتا ہے۔ دوسری آیت مبارکہ میں یہ ذکر ہوا کہ جن لوگوں نے درخت کے نیچے رحمت کائنات ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اللہ تعالی ان سے رضی ہو گیا، اس سے معلوم ہوا کہ جن صحابہ کرام نے بیعت کی ان سب کا خاتمہ ایمان پر ہوا کیونکہ اللہ تعالی کے علم میں ہے جس کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوتا اللہ تعالی اس سے راضی نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ سب لوگ اللہ تعالی کے مقبول بندے ہیں اب جو شخص کسی صحابی سے دشمنی رکھتا ہے (جس نے بیعت کی ہے) تو وہ اللہ تعالی کا بھی دشمن ہے، اب صحابہ کرام علیہم الرضوان کے فضائل میں چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں۔

☆ لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا مَابَلَغَ مُدَّ اَحَدِھِمْ لَا نَصِیْفَہٗ۔ ﴿متفق علیہ مشکوۃ شریف ص ۵۵۳﴾

حضور رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے صحابہ کو دشنام اور گالی نہ دینا اس لئے کہ اگر بالفرض تم میں سے کوئی ایک احد پہاڑ کے برابر اللہ تعالی کے رستے میں سونا خرچ کرے تو اسکا ثواب اتنا نہیں ہوگا جتنا صحابہ کرام کے ایک سیر یا آدھ سیر خرچ کرنے کا ہے۔

١٢١٢٢٥

حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں صحابہ کرام کی اس عظمت کے باوجود کوئی مسلمان کس طرح صحابہ کرام سے بغض کا تصور کرسکتا ہے۔؟

☆ اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّھُمْ خِیَارُکُمْ ﴿مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴﴾

میرے صحابہ کی عزت کرو اسلئے کہ وہ تم سب سے بہتر ہیں۔غور فرمائیں کہ آنحضرت ﷺ کا تو یہ فرمان ہے کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی عزت کرو اسلئے کہ وہ تم سب سے بہتر ہیں، اب کسی صحابی کے ساتھ عداوت اور اسکی توہین فرمان نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سراسر خلاف ہے۔لہذا کسی مسلمان سے اس کا صدور ہرگز نہیں ہوسکتا۔

☆ اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَاتَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ وَمَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَاللّٰہَ وَمَنْ اٰذَاللّٰہَ فَیُوْشِکُ اَنْ یَّاخُذَہٗ۔ ﴿مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴﴾

آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کرام کے متعلق خداتعالی سے ڈرو اور میرے بعد ان کو دشنام اور طعن کا نشانہ نہ بناؤ پس جس نے صحابہ کرام کے ساتھ محبت کی تو اس کا سبب میری محبت ہے اور جس شخص نے صحابہ کرام کے ساتھ بغض کیا اس کا سبب یہ ہے کہ اس نے میرے ساتھ بغض کیا اور جس آدمی نے صحابہ کرام کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ تعالی کی تکلیف کا ارادہ کیا اور جو اللہ تعالیٰ کی تکلیف کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالی عنقریب اس کو پکڑ لے گا۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی محبت جس کے دل میں ہے اسکی وجہ اور سبب یہ ہے کہ اس کے دل میں حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت ہے، اور جس کے دل میں کس

صحابی کے متعلق بغض اور دشمنی ہے تو اسکا سبب یہ ہے کہ اس کے دل میں حضور نبی اکرم ﷺ کے متعلق دشمنی اور عداوت ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ نیز حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص کسی صحابی کو تکلیف دیتا ہے یہ اللہ تعالی جل مجدہ الکریم اور اسکے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف دیتا ہے اور ایسا شخص بھی مسلمان نہیں ہوسکتا، خلاصہ یہ کہ حضور سرور کائنات ﷺ سے محبت اور کسی صحابی سے بغض یہ اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور کسی صحابی سے عداوت رکھتا ہے وہ دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے۔ صحابہ کرام کی فضیلت میں اور بہت سے دلائل ہیں لیکن اختصار کی وجہ سے اسی پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

اب خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی فضیلت کے سلسلے میں دلائل ملاحظہ ہوں۔

پہلی دلیل:۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔

اللہ تعالی نے وعدہ دیا ہے ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسی کہ ان کے پہلوں کو دی اور ضرور ان کے لئے جمادے گا ان کا دین جو ان کے لئے پسند فرمایا اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دیگا۔

آیت مذکورہ میں لفظ "ھُمْ" لایا گیا اور یہ جمع کے لئے استعمال ہوتا ہے، لہذا اس بات پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام سے متعدد خلفاء ہوں گے، اور اس خلافت کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان خلفاء کو جو پسندیدہ دین عطا فرمایا ہے ان کے دور میں یہ دین پختہ ہوگا، اور دوسری علامت یہ ہے کہ ان خلفاء کے دور خلافت میں وہ خوف نہیں ہوگا جو کفار کی

طرف سے مسلمانوں پر مسلط رہتا تھا۔ بلکہ اس کے بدلے مسلمانوں کو امن حاصل ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ وعدہ اللہ رب العزت نے خلفاء راشدین کی صورت میں پورا کیا اور ان خلفاء کے دور خلافت میں اسلام پھیلا اور دین کو پختگی ملی۔ قیصر و کسریٰ کو مسلمانوں نے شکست دی زمین عرب میں کفار مٹا دیئے گئے۔ خوف کے بدلے مسلمانوں کو امن حاصل ہوا جو اس سے پہلے نہیں تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو کفار طرح طرح کی ایذائیں دیتے اور بعد از ہجرت بھی اس سے باز نہ آئے۔ جنگ کے اعلان کرتے رہے، مختلف قسم کی دھمکیاں دیتے، بدر و احد کا واقعہ ہجرت کے بعد ہی کا ہے۔ پھر حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد تو کئی فتنوں نے سر اُٹھایا اور کفار یہاں تک کہنے لگے کہ بس اب دین اسلام ختم ہونے کو ہے، لیکن خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے ان سب فتنوں کا سر کچل کر رکھ دیا۔ اس وجہ سے دین اسلام کو پختگی حاصل ہوئی اور مسلمانوں کے دل سے کفار کا خوف نکل گیا، اب روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اس آیت کے مصداق صرف اور صرف خلفاء راشدین ہی ہیں۔ نیز اس آیت سے ثابت ہوا کہ خلفاء راشدین کا دین اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے، لہذا اہل تشیع کا یہ کہنا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد سوائے پانچ یا چھ اشخاص کے تمام صحابہ دین اسلام سے پھر گئے۔ یہ آیت قرآن کی کھلی تکذیب ہے، جو صریحاً کفر ہے۔ اگر آیت مذکورہ کا مصداق خلفاء راشدین کو قرار نہ دیا جائے تو پھر سوال یہ ہے کہ وہ کون متعدد خلفاء ہیں جن کے دور خلافت میں اسلام کو عروج حاصل ہوا۔؟ اور ان کے زمانہ خلافت میں مسلمانوں کو امن حاصل ہوا۔؟

خلفاء راشدین کے بعد تو مسلمانوں میں لڑائیاں اور جھگڑے پیدا ہوئے، کرب وبلا کا دردناک واقعہ اسی بعد والے زمانے کی خوف ناک وخونچکاں داستان ہے۔ اور پھر حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت اور اس کے بعد بنوامیہ اور بنوعباس کے جھگڑے تو صدیوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ثابت ہوا کہ مذکورہ بالا آیت کا مصداق خلفاء راشدین ہی ہیں۔ ان کو اللہ تعالی نے زمین میں خلیفہ بنایا اور ان کا دین اللہ تعالی کا پسندیدہ دین ہے۔ اب جس دین کو اللہ تعالی نے پسند فرمایا اس کے ساتھ بغض رکھنا نص قرانی کے خلاف اور اس کی تکذیب ہے، اور اس تکذیب کا حکم کفر اور ارتداد ہے۔

دوسری دلیل:۔ حدیث پاک میں ہے۔

اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ تَصِیْرُ مُلْکاً عَضُوْضاً۔

﴿مشکوٰۃ ص ۴۶۳﴾

حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی، یعنی تیس سال تک جو سربراہ مملکت ہوں گے، وہ آنحضرت کے خلیفہ، آپ کے نائب اور آپ کے طریقہ پر ہونگے۔ اور تیس سال کے بعد حکمرانوں کا مقصد محض حکومت وسلطنت ہوگا اور حکومت کے لئے ایک دوسرے کو دانتوں سے کاٹیں گے۔

(شرح عقائد نسفی)

اس حدیث پاک سے ظاہر ہوگیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد تیس سال تک حکمرانی شریعت مطہرہ کے مطابق ہوگی اور یہ حکمران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے طریقہ پر اور کامل مسلمان و مومن ہوں گے، تیس سال کے اندر جو حکمران ہوئے۔

حدیث پاک میں ان کی تعریف کی گئی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان تیس سالوں میں کون کون مسلمانوں کے حکمران ہوئے۔؟ اور ان کی مدت خلافت کتنی ہے۔

واضح ہو کہ اہل سنت اور شیعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور آپ کی مدت خلافت دو سال تین ماہ ہے۔ اور بالاتفاق خلیفہ دوم حضرت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور آپ کی مدت خلافت دس سال چھ ماہ ہے۔ اور بالاتفاق خلیفہ سوم حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی مدت خلافت بارہ سال سے صرف چند دن کم ہے۔ اور خلیفہ چہارم حضرت سیدنا امیر المومنین علی المرتضی رضی اللہ عنہ ہیں آپ کی مدت خلافت چار سال نو ماہ ہے۔ اور خلیفہ پنجم حضرت سیدنا امام حسن مجتبٰی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ان کی مدت خلافت صرف چھ ماہ ہے۔ ان پانچوں خلفاء کی مدت جمع کی جائے تو خلافت تیس سال بنتی ہے، یہ مشہور قول کہ خلفاء راشدین صرف چار ہیں درست نہیں۔ بلکہ اہل سنت کے نزدیک خلفاء راشدین پانچ ہیں، نیز اس حدیث پاک میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی کہ یہ خلفاء مسلمان ہوں گے۔ اور ان کی خلافت حق ہوگی۔ اب جو شخص بھی ان خلفاء میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی بغض رکھتا ہے وہ بے دین ظالم فاسق اور بعض صورتوں میں کافر اور مرتد ہوگا۔

تیسری دلیل:۔ حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اہل تشیع کے متعلق ایک مبسوط رسالہ تحریر فرمایا ہے، اور حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا خلاصہ اپنے رسائل میں درج فرمایا ہے، ملاحظہ ہو۔

اَمَّا قَذَفَ عَائِشَةَ فَکُفْرٌ بِالْاِجْمَاعِ قذف کے معنی ہیں کسی پر زنا کی تہمت لگانا

جیسا کہ منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ عابدہ زاہدہ پر تہمت لگائی اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی برائت و پاکدامنی نازل فرمائی اب جبکہ قرآنی آیت کی شکل میں ام المومنین رضی اللہ عنہا کی برائت نازل ہو چکی ہے پھر بھی اگر کوئی شخص ام المومنین رضی اللہ عنہا کی قذف کرتا ہے (جیسا کہ اہل شیعہ کرتے ہیں) تو وہ اجماعاً کافر ہے، کیونکہ اس نے قرآن پاک کی تکذیب کی جو کہ کفر ہے۔

اَیُّمَا مَنْ سَبَّ اَحَدًا مِّنَ الصَّحَابَةِ فَهُوَ فَاسِقٌ مُبْتَدِعٌ بِالْاِجْمَاعِ اِلَّا اَنَّهُ اِذَا اعْتَقَدَ اَنَّهُ مُبَاحٌ یَتَرَتَّبُ عَلَیْهِ الثَّوَابُ كَمَا عَلَیْهِ بَعْضُ الشِّیْعَةِ اَوِ اعْتَقَدَ كُفْرَ الصَّحَابَةِ فَاِنَّهُ كَافِرٌ بِالْاِجْمَاعِ۔

عبارت مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص کسی صحابی کو گالی دیتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔

صورت اول:۔ یہ کہ آدمی کا یہ عقیدہ نہیں کہ کسی صحابی کو گالی دینا مباح اور جائز ہے اور نہ ہی اس کا یہ عقیدہ ہے کہ صحابی کو گالی دینے سے ثواب حاصل ہوتا ہے تو اس صورت میں وہ کافر تو نہیں ہوتا لیکن اس پر اجماع ہے کہ وہ آدمی فاسق اور بدعتی ہے۔

صورت دوم:۔ یہ ہے کہ جو آدمی صحابہ کو گالی دیتا ہے اس کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ مباح اور جائز ہے یا یہ عقیدہ ہے کہ اس سے ثواب حاصل ہوتا ہے جیسا کہ بعض شیعہ یہی عقیدہ رکھتے ہیں یا اس کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام کافر ہو گئے (العیاذ باللہ) تو ان دونوں صورتوں میں اجماع ہے کہ وہ آدمی کافر ہے۔

غور فرماویں کہ دوسری صورت میں تین چیزوں میں سے ایک بھی کفر کے لئے کافی

ہے۔ اور اگر تینوں پائی جائیں تو وہ بطریق اولیٰ کافر ہونگے۔ اور ہمارے دور کے اہل شیعہ میں یہ تینوں چیزیں پائی جاتی ہیں ان کے نزدیک تبرا ارکان اسلام اور بناء اسلام میں سے ہے۔ تبرا کا معنی خلفاء راشدین سے بے زاری اور بغض کا اظہار ان کو گالیاں بکنا ہے۔ تو ان کے نزدیک صحابہ کرام کو گالیاں دینا جائز ہے۔ اور اس پر ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اور ان کا عقیدہ ہے کہ حضور نبی اکرم کے بعد صحابہ کافر ہوگئے (نعوذ باللہ من ذالک) لہذا ان کے کفر میں شک نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو اہل شیعہ ابتداء میں اہل سنت تھے اور پھر ام المومنین کو قذف کیا یا کہ خلفاء راشدین میں سے کس کو سب کیا اور ان کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کا سب جائز ہے اور اس پر ثواب ملتا ہے تو یہ مرتد ہے۔ اور اگر ابتداء اہل سنت نہ تھے اور مذکورہ بالا جرائم کا ارتکاب کیا تو یہ صرف کافر ہے۔ اور اگر کسی شیعہ نے کسی صحابی کو سب کیا لیکن نہ تو وہ اس کا جائز مانتا ہے اور نہ ہی اس پر ثواب حاصل ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے تو یہ اجماعاً فاسق اور مبتدع ہے۔

اَفْتَی الْعَلَّامَۃُ اَبُو سَعُوْدٍ لَمَّا سُئِلَ عَنِ الشِّیْعَۃِ اَیَحِلُّ قِتَالُھُمْ وَھَلْ یَکُوْنُ الْمَقْتُوْلُ مِنَّا شَھِیْدًا فَاَجَابَ اَنَّ قِتَالَھُمْ جِھَادٌ اَکْبَرُ وَالْمَقْتُوْلُ مِنَّا فِی الْمَعْرَکَۃِ شَھِیْدٌ وَاَنَّھُمْ کَافِرُوْنَ مِنْ وُجُوْہٍ کَثِیْرَۃٍ اِنَّھُمْ اِخْتَرَعُوْ کُفْرً وَضَلَالاً مُرَکَّباً فَمِنْ کُفْرِھِمْ اَنَّھُمْ یُھِیْنُوْنَ الشَّرِیْعَۃَ الشَّرِیْفَۃَ وَالْکُتُبَ الشَّرْعِیَّۃَ وَاَئِمَّۃَ الدِّیْنِ وَیَسُبُّوْنَ الشَّیْخَیْنِ رضی اللہ عنہما وَسَبُّھُمَا کُفْرٌ وَ یَسُبُّوْنَ الصِّدِّیْقَۃَ رضی اللہ عنہا وَ یُطِیْلُوْنَ اَلْسِنَتَھُمْ فِیْ حَقِّھَا وَقَدْ نَزَلَتْ بَرَاۃُ سَاحَتِھَا وَنَزَاھَتِھَا رضی اللہ عنہا ☆ وَیُلْحِقُوْنَ بِذَالِکَ الشَّیْنَ بِحَضْرَۃِ النَّبِیِّ ﷺ وَھُوَسَبٌّ مِّنْ ھُمْ لِحَضْرَتِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ فَلِذَا اَجْمَعَ عُلَمَاءُ الْاَعْصَارِ عَلٰی

اَبَاحَةِ قَتْلِهِمْ وَاَنَّ مَنْ شَكَّ فِيْ كُفْرِهِمْ كَانَ كَافِرً۔ ﴿رسائل شامیہ﴾

شیخ ابوسعود رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ کیا شیعہ سے قتال کرنا حلال ہے۔؟ اور اہل تشیعہ کے ساتھ لڑائی میں کوئی مسلمان قتل ہوجائے تو وہ شہید ہے۔؟ تو شیخ ابوسعود نے فرمایا کہ شیعہ کے ساتھ لڑائی کرنا جہاد اکبر ہے۔ اور جو اہل سنت ان کے ساتھ لڑائی میں قتل ہوجائے وہ شہید ہے۔ اور یہ لوگ کئی وجہ سے کافر ہیں۔

☆ شریعت مطہرہ اور شرعی کتابوں اور آئمہ دین کی توہین کرتے ہیں۔

☆ حضرات شیخین یعنی سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو سب وشتم بکتے ہیں۔ گالیاں دیتے ہیں اور ان دونوں حضرات کو سب کرنا کفر ہے۔

☆ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سب بکتے ہیں اور گالیاں دیتے ہیں۔ اور آپ کی ذات پر تہمت لگاتے ہیں اور آپ کے متعلق زبان درازی کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالی نے قرآن پاک (کی صریح آیات) میں آپ کی پاک دامنی بیان فرماتے ہوئے اس تہمت کو آپ سے بری کیا۔

دراصل یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عیب لگانا اور آپ کی ذات پاک کو گالیاں دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے علماء اہل سنت نے ان کے کفر پر اجماع کیا ہے۔ اور ان کے قتل کو مباح قرار دیا ہے۔ جو آدمی ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

یہاں تک حضرت علامہ ابن عابدین شامی اور حضرت علامہ علی قاری رحمہما اللہ تعالی کا اہل شیعہ کے متعلق فتویٰ نقل کیا گیا ہے، اور یہ فتویٰ ان دو حضرات کا نہیں بلکہ تمام علماء اہل سنت کا ہے۔

اب ہم اصل مسئلہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، کہ جو لوگ حضرت ابوبکر صدیق اور

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو سب کرتے ہیں اور زبان درازی کرتے ہیں ایسے لوگوں سے میل جول رکھنا اور شادی بیاہ میں ان کو مدعو کرنا اور اہل سنت کے جنازے میں ان کی شمولیت شرعاً جائز ہے یا نہیں۔؟

تو واضح ہو کہ اہل سنت و جماعت کو ایسے لوگوں کے ساتھ میل جول لین دین نشست و برخاست اور ہر قسم کا برتاؤ حرام و ناجائز ہے۔ نقلی دلائل پیش کرنے سے قبل ایک عقلی دلیل پیش کی جاتی ہے۔

عقلی دلیل :۔ اگر کسی باغیرت انسان کی ماں پر کوئی جھوٹی تہمت لگاتا ہے تو اس کی اولاد کی غیرت یہ کبھی برداشت نہیں کرتی کہ وہ تہمت لگانے والے کے ساتھ دوستی رکھے اور اس کی شادی اور غمی میں شریک ہو یا اس کو اپنی خوشی اور غمی میں شریک کرے اس طرح ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے متعلق قرآن کریم نے اعلان کیا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

اب جو گستاخ ان کے متعلق زبان درازی کرتا اور جھوٹی تہمت لگاتا ہے تو کوئی باغیرت مسلمان ان کے ساتھ کسی قسم کا بھی کوئی برتاؤ ہرگز نہیں کرسکتا۔

دلائل نقلیہ :۔ پہلی دلیل :۔

قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾

﴿پارہ ۱۲ ع ۱۰ آیت ۱۱۳ سورۃ ھود﴾

اور ان ظالموں کی طرف نہ جھکو اگر تم نے ایسا کیا تو تمہیں آگ چھوئے گی۔ آیت

شریفہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کے ساتھ میل جول اور راہ ورسم اور ان کے ساتھ دوستی اور محبت شرع میں منع اور دوزخ کا سبب ہے۔

دوسری دلیل:۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَءُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ۔

﴿پ ۵ سورۃ النساء ع ۲۰ آیت ۱۴۰﴾

بے شک اللہ تعالیٰ تم پر کتاب نازل فرما چکا کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جاتا ہے اور ان کی ہنسی اُڑائی جاتی ہے تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو، جب تک وہ اور بات میں مشغول نہ ہوں۔ ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو۔

صحابہ کرام کی تعریف میں عموماً اور خلفاء راشدین کی تعریف میں خصوصاً جو آیات قرآن پاک میں نازل ہوئی ہیں اہل تشیع ان کا انکار کرتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ہنسی کرتے ہیں، لہذا ان کے ساتھ بیٹھنا اور ان کے ساتھ صحبت اور دوستی کرنا قرآن پاک میں منع فرمایا ہے۔ ان کے ساتھ بیٹھنے والا اور مجلس کرنے والا ان کی مثل کافر ہے۔ (العیاذ باللہ)

تیسری دلیل:۔ ارشاد رب العلمین ہے۔

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔

﴿پ ۷ سورۃ الانعام ع ۸ آیت ۶۸﴾

اور اے سننے والے جب تو انہیں دیکھے جو ہماری آیتوں میں پڑتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لے جب تک اور بات میں پڑیں۔ اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے، تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

آیات الٰہیہ میں پڑنے کا مطلب یہ ہے کہ آیت کے ساتھ کفر اور انکار کیا جائے۔ اور طعن و تشنیع و استہزاء کیا جائے۔ جیسا کہ اہل شیعہ کا طریقہ ہے۔ کہ خلفاء راشدین کی مدح میں جو آیاتِ قرآنی نازل ہوئی ہیں ان کا انکار کرتے ہیں۔ اور ان میں طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی مجلسوں میں بیٹھنا ان کے ساتھ راہ و رسم رکھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک منع ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بے دینوں کی جس مجلس میں دین کا اکرام نہ کیا جاتا ہو مسلمانوں کو وہاں بیٹھنا جائز نہیں۔ جیسا کہ شیعہ کی مجالس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب و شتم کیا جاتا ہے۔ اور ان کے حق میں گستاخانہ کلمات استعمال کئے جاتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) لہٰذا ان سے روگردانی اور اظہار نفرت ضروری ہے۔ آیت مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کفار اور بے دینوں کے جلسوں میں جہاں دین کے خلاف تقریریں ہوتی ہوں سننے کے لئے شرکت کرنا ناجائز اور قطعاً منع ہے۔ البتہ بے دینوں کے جلسوں میں ان کا رد کرنے کے لئے جانا جائز ہے۔

آیت دوم سوم میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ جب تک وہ اور بات میں مشغول نہ ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار اور بے دینوں سے ایسی روگردانی اور قطع تعلق کرو کہ ان کو احساس ہو جائے کہ ہمارے ساتھ قطع تعلق اور روگردانی ہماری بے دینی کی وجہ سے ہے۔ تاکہ وہ بے دینی کو چھوڑ دیں۔ اور ان باتوں میں مشغول ہوں جو بے دینی نہ ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب تک وہ بے دینی سے تائب نہ ہوں اسوقت تک ان سے

روگردانی اور قطع تعلق لازم اور ضروری ہے۔ اور اگر مسلمان بھول کر بے دینوں کی مجلس میں بیٹھ جائے تو یاد آنے پر فوراً اٹھ جائے۔ ورنہ وہ بھی ان جیسا بے دین اور کافر ہے۔

چوتھی دلیل:۔ ہدایہ شریف میں ہے۔ وَلَا تَحْضُرُ اَهْلُ الذِّمَّةِ الْاِسْتِسْقَاءِ لِاَنَّهٗ لِاِسْتِنْزَالِ الرَّحْمَةِ وَاِنَّمَا تَنْزِلُ عَلَيْهِمُ اللَّعْنَةُ ﴿باب الاستسقاء ص ۱۷۷﴾

یعنی بارش کے لئے جو نماز پڑھی جاتی ہے اس میں کافر ذمی حاضر نہ ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز استسقاء اللہ تعالی سے رحمت طلب کرنے کیلئے ہوتی ہے۔ اور کافر ذمی پر لعنت نازل ہوتی ہے، بعینہ نماز جنازہ بھی اس لئے پڑھی جاتی ہے کہ نمازیوں اور میت پر اللہ تعالی رحمت نازل فرمائے، پس اگر نماز جنازہ میں ایسا آدمی شامل ہے جس کے عقائد کفریہ ہیں اور خلفاء راشدین کو سب بکتا ہے اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کو قذف کرتا ہے جو کہ یقیناً کفر ہے۔ تو ایسے آدمی پر اللہ تعالی کی لعنت نازل ہوتی ہے۔

جیسے کہ ارشاد ہوا۔ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ۔

جب ایسے آدمی پر اللہ تعالی کی لعنت نازل ہوئی تو نماز جنازہ کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔ یہاں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ایک کافر ذمی ہوتا ہے اور دوسرا کافر مرتد ہوتا ہے کافر ذمی وہ ہوتا ہے جو اباؤ اجداد سے کافر آرہا ہے۔ جیسا کہ پاکستان میں مستقل طور پر ہندو اور سکھ اور نصرانی رہتے ہیں۔ کافر کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت مسلمانوں کی حکومت پر لازم ہے۔ اور کافر مرتد وہ ہوتا ہے جو پہلے مسلمان تھا اسکے بعد عقائد کفریہ کی وجہ سے کافر ہوا، اور اسلام سے پھر گیا یہ کافر مرتد مسلمانوں کے ملک میں نہیں رہ سکتا، اور اس کی جان اور مال کی حفاظت

مسلمان حکومت پر لازم نہیں ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مرتدہ عورت ہے تو اسے قید کر دیا جائے جب تک وہ دوبارہ اسلام میں داخل نہ ہو قید میں ہی رہے گی۔ اگر مرتد مرد ہے تو اس کو سمجھایا جائے گا اگر وہ سمجھ گیا تو بہتر ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ پاکستان میں جو قادیانی مرزائی اور اہل شیعہ سبی رہتے ہیں یہ اباؤ اجداد سے ہندوؤں اور سکھوں کی طرح اس عقیدہ کفر پر نہیں آرہے بلکہ خود اسلام سے پھرے ہیں۔ یا ان کے اباؤ اجداد اسلام سے پھر کر مرتد ہوئے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ موجودہ دور کے مرزائی اور سبی اہل شیعہ یا تو خود مرتد ہوئے ہیں یا مرتدوں کی اولاد ہیں۔ لہذا یہ کافر ذمی سے بدتر ہیں۔ جب کافر ذمی پر اللہ تعالی کی لعنت پڑتی ہے اس لئے وہ نماز میں شامل نہیں ہوسکتا تو مرزائی اور سبی اہل تشیع پر بطریق اولیٰ اللہ تعالی کی لعنت پڑے گی اور وہ مسلمانوں کے جنازہ میں شامل نہیں ہوسکتے، بہرحال مرزائی اور اہل تشیع کا نماز جنازہ اور مسلمانوں کے شادی بیاہ میں شامل ہونا شرعاً سخت منع اور حرام ہے۔ اور جس جنازہ اور شادی بیاہ میں یہ لوگ شریک ہوں اہل سنت کو اس مین شریک ہونا منع ہے۔ ورنہ ان پر بھی اللہ تعالی کی لعنت پڑے گی۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ کسی مسلمان کا والد یا والدہ فوت ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے اسے سخت صدمہ پہنچتا ہے اس مسلمان پر لازم تو یہ ہے کہ اس بات کی کوشش کرے کہ اس کے والدین پر اللہ تعالی کی رحمت نازل ہو لیکن اگر اس کے والدین کے جنازہ میں ایسے لوگ شامل ہوئے جن پر اللہ تعالی کی لعنت نازل ہوئی اور اس مسلمان کو اس کا علم ہے کہ اس کے والدین کے جنازہ میں ملعون و مرتد لوگ شامل ہیں تو یہ اس کی والدین کے ساتھ زیادتی اور دشمنی ہے، جو کہ بہت نامناسب ہے۔ اہل سنت پر لازم ہے کہ جب جنازہ تیار ہو جائے تو جنازہ

پڑھنے سے پہلے اعلان کیا جائے کہ یہ اہل سنت کا جنازہ ہے لہذا کوئی مرزائی، قادیانی اور اہل شیعہ اس میں داخل نہیں ہوسکتا۔ بندہ نے ایک سوال کے جواب میں یہ فتویٰ تحریر کیا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

حررہ المفتقر الی اللہ الصمد

عطاء محمد چشتی گولڑوی

۱۰ مئی ۱۹۸۹ء ۴ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِاَھْلِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَھْلِھِمَا

اَمَّا بَعْدُ :۔ واضح ہو کہ بندہ عطاء محمد چشتی گولڑوی نے قبل ازیں ایک رسالہ عقیدہ اہل سنت کے نام سے تحریر کیا تھا اور اس میں زیادہ بحث مذہب اہل تشیع پر کی گئی تھی ، بعض نہایت محترم احباب نے بندہ سے مطالبہ کیا کہ رسالہ مذکورہ میں مزید اضافہ کیا جائے ، تا کہ عوام اہل سنت کو اس سے زیادہ فائدہ ہو۔ بناءً علیہ تعمیل ارشاد کرتے ہوئے رسالہ عقیدہ اہل سنت میں نہایت ضروری اضافہ کیا گیا۔ واضح ہو کہ اس اضافہ کے تین اجزاء ہیں۔

جزء اول :۔ یہ بیان کیا جائے گا کہ اہل تشیع کے متعلق علماء اہل سنت کا کیا فتویٰ ہے۔؟

جزء دوم :۔ یہ بیان کیا جائے گا کہ اہل بیت رسول ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عموماً اور سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا امیر عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ خصوصاً کیا تعلق ہے۔؟

جزء سوم :۔ یزید علیہ ما علیہ کے متعلق تحقیقی بحث کی جائے گی کہ علماء اہل سنت کے نزدیک عموماً اور علماء احناف کے نزدیک خصوصاً یزید کی کیا حیثیت ہے۔؟ کیا یزید کافر تھا یا مسلمان، اگر کافر تھا تو کیوں۔؟ اس پر کیا دلیل ہے۔؟ اور اگر مسلمان تھا تو نیک اور صالح تھا یا کہ فاسق، فاجر اور خبیث ظالم۔

جزء اول :۔ اہل سنت کے نزدیک اہل تشیع کا کیا حکم ہے۔ اور اہل سنت کا ان کے متعلق کیا فتویٰ ہے۔؟

ہدایہ شریف جو کہ احناف کے نزدیک فقہ حنفی کی مستند ترین کتاب ہے۔اس کے شروح اور حواشی بہت زیادہ ہیں، لیکن سب سے مستند ابن ہمام کی کتاب فتح القدیر ہے۔ابن ہمام کے متعلق علامہ ابن عابدین شامی صاحب رد المختار کی رائے یہ ہے کہ مرتبہ اجتہاد کے قریب مرتبہ پر فائز ہیں۔علامہ ابن ہمام حنفی نے فتح القدیر میں فرمایا ہے۔

وفی الروافض ان من فضّل علیاً علی الثلثة فمبتدع وان انکر خلافته الصدیق اوعمر رضی الله تعالی عنهما فهو کافر۔

یعنی رافضیوں اور اہل تشیع کا یہ حکم ہے کہ جو رافضی اور شیعہ حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کو دوسرے تین خلفاء راشدین سے صرف افضل جانتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں تو یہ کافر تو نہیں لیکن بدعتی اور فاسق ضرور ہے۔اور جو رافضی ابوبکر یا عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کا منکر ہے تو یہ بالکل کافر ہے۔اور ہمارے ملک پاکستان میں جو رافضی ہیں یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو خلیفہ بلافصل اعتقاد کرتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت صدیق اور حضرت عمر اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے خلافت کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حق عمداً غصب کیا ہے۔تو یہ کافر ہیں۔اور رافضی جو ان دو خلفاء کی خلافت کا انکار کرتے ہیں، تو اس میں دو احتمال ہیں۔

احتمال اول:۔ یہ کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سرے سے خلافت کے حقدار نہیں تھے نہ اول درجہ اور نہ دوم اور نہ سوم اور نہ چہارم درجہ میں۔

احتمال دوم:۔ یہ کہ ہر دو خلیفہ جس مرتبہ میں خلیفہ مقرر ہوئے اس مرتبہ میں حق

دار نہ تھے۔ اگر چہ کسی دوسرے مرتبہ میں خلیفہ بن سکتے تھے۔ مثلاً صدیق اکبر خلیفہ بلافصل اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما دوسرے مرتبہ میں خلیفہ مقرر ہوئے، یہ ہر دو اس خلافت کے مستحق نہ تھے۔ اور رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ خلیفہ بلافصل صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں۔ تو اہل سنت کے نزدیک ہر دو احتمال کا منکر کافر ہے۔ اور ملک پاکستان کے رافضی دونوں قسم کی خلافت کے منکر ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خلافت کی اسی ترتیب پر راضی تھے۔ جو کہ واقعہ میں ہوئی۔ یعنی خلیفہ اول ابوبکر صدیق خلیفہ دوم عمر فاروق اور خلیفہ سوم عثمان غنی اور خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہم اور قرآن پاک سے بھی اسی ترتیب پر خلافت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ

الآیۃ۔ یعنی اللہ تعالیٰ وعدہ کی صورت میں فرماتا ہے کہ تم سے یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جو دل وجان سے ایمان لائے اور نیک کام کئے اللہ تعالیٰ ان سے وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ اب آیت مذکورہ میں لفظ منکم جو ہے تو دراصل بالاصالت ہے۔ یہ خطاب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے اور اس آیت میں دو ضمیریں ہیں۔ اول، منکم میں ضمیر جمع مذکر مخاطب کی ہے۔ اور دوسری ضمیر، ھم ہے۔ جو کہ جمع مذکر غائب کی ہے۔ بہرحال دونوں ضمیریں جمع مذکر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو خلافت فی الارض کا وعدہ دیا ہے۔ اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے وعدہ میں خلاف محال ہے۔

تو اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے ساتھ اس وعدہ کو کس صورت میں پورا کیا۔ تو ظاہر ہے کہ خلفاء اربعہ راشدین کی خلافت جس ترتیب سے زمین میں قائم ہوئی اسی

میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے صحابہ کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کیا ہے۔ اگر خلفاء ثلاثہ کی خلافت حق نہ ہو اور صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم خلیفہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ صحابہ کرام کے ساتھ پورا نہیں ہوتا۔ اور وعدہ خلافی لازم آئے گی جیسا کہ اہل تشیع کا مذہب ہے۔ اہل سنت کے نزدیک خلاف اجماعی یعنی خلیفہ اور امام وہ ہے جس پر مسلمان متفق ہو جائیں اور اہل شیعہ کے نزدیک خلافت اور امامت نصی ہے۔ یعنی خلیفہ وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور نبی ﷺ جس کو صراحۃً نامزد کریں اور قرآن وحدیث میں جس کی امامت کی نص ہو۔

اہل شیعہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص تھی اہل سنت نے خلافت کے اجماعی ہونے پر اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حق ہونے پر اور علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص نہ ہونے پر مندرجہ ذیل عبارت سے دلیل دی ہے۔ جس کو شرح عقائد میں علامہ تفتازانی نے بایں الفاظ ذکر فرمایا ہے۔

ان الصحابة رضی الله تعالی عنهم قد اجتمعو ایوم توفی رسول الله ﷺ فی سقیفة بنی ساعدة واستقرر ائیهم بعد المشاورة والمنازعة علی خلافت ابی بکر رضی الله عنهم فاجمعوا علی ذالك وبایعه علی رضی الله عنه علی رؤس الاشهاد بعد توقف منه ولولم تکن الخلافة حقا لمااتفق علیه الصحابه لان اجماع الامة علی الباطل ممنوع ولا سیّما الصّحابة ولنازعه علی رضی الله عنه کما نازع معاویة رضی الله تعالی عنه ولو کان فی حقه نص کما زعمت الشیعة لاحتج به وکیف یتصور فی حق اصحاب رسول الله ﷺ الاتفاق علی الباطل وترك العمل باالنص الوارد۔

خلاصہ عبارت مذکورہ بالا کا یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کا انتقال ہوا تو صحابہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ سقیفہ اس مکان کو کہا جاتا ہے جس کی چھت ستونوں پر قائم ہوا اور دیوار بالکل نہ ہو۔ اور بنی ساعدہ انصار کا ایک قبیلہ ہے۔ اور مشورہ اور جھگڑے کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق رائے ہوا۔ اور سب نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کیا۔ اور کچھ توقف کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت نہ ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر اتفاق نہ کرتے۔ کیونکہ عام امت کا بھی باطل پر اجماع منع ہے۔ چہ جائیکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم باطل پر اتفاق کریں۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ جھگڑا کرتے۔ جیسا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جھگڑا کیا تھا۔ اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت پر نص ہوتی جیسا کہ شیعہ کا زعم باطل ہے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ضرور اس نص کے ساتھ اپنی خلافت پر دلیل لاتے اور نص کی موجودگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ باطل پر اتفاق کریں اور نص پر عمل چھوڑ دیں۔ اب طویل عبارت سے جو امور ثابت ہوئے ان کو بالترتیب ذکر کیا جاتا ہے۔ اور بعض الفاظ کی وضاحت بھی ہوگی۔

امر اول:۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت شوریٰ اور کثرت رائے کے مطابق جمہوری طریقہ سے ہوئی اور اس دور میں کثرت رائے موجودہ دور کے ووٹوں کا بدل تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس دور میں رائے معلوم کرنے کا ذریعہ زبان اور بیعت تھا اور ہمارے دور میں رائے معلوم کرنے کا طریقہ ووٹ ہے۔ لہذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ موجودہ طریقہ انتخاب اسلامی نہیں بلکہ مغربی ہے وہ لوگ حقیقت میں دین سے ناواقف اور نابلد ہیں۔

امر دوم: ۔ چونکہ خلافت صدیق رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع اور اتفاق سے ہوئی لہذا یہ خلافت حق ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔

''لا تجتمع امتی علی الضلالۃ '' میری امت گمراہی پر متفق اور مجتمع نہ ہوگی۔

تو جب عام امت گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کہ تمام امت سے افضل ہیں، باطل اور گمراہی پر کیسے متفق ہوسکتے ہیں۔

امر سوم: ۔ اسلام میں پہلی خلافت جب اتفاق رائے اور اجماع صحابہ کرام سے ہوئی تو ثابت ہوا کہ خلافت اجماعی ہے نصی نہیں۔

امر چہارم: ۔ خلافت نصی نہیں ہے۔ اگر نصی ہوتی تو صحابہ پہلی خلافت کے وقت نص کا مطالبہ کرتے۔

امر پنجم: ۔ کیونکہ خلافت صدیق حق ہے لہذا خلیفہ بلافصل صرف اور صرف ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

امر ششم: ۔ حضرت علی کی خلافت بلافصل پر کوئی نص نہ تھی اگر نص ہوتی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ ضرور وہ نص پیش کرتے۔ اور اس سے سکوت نہ فرماتے۔ کیونکہ حق سے سکوت ایک عام آدمی کے لئے بھی مناسب نہیں ہے چہ جائیکہ اسد اللہ الغالب حق سے سکوت کریں۔

امر ہفتم:۔ اگر خلافت بلا فصل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حق ہوتا تو وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے حق کے لئے ضرور جھگڑا کرتے۔ جیسا کہ اپنا حق حاصل کرنے کے لئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جھگڑا کیا۔ اور طرفین سے ہزاروں آدمی قتل ہوئے۔

امر ہشتم:۔ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر نص موجود ہوتو لازم آئے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کر کے نص کی مخالفت کی اور یہ مخالفت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متصور نہیں ہوسکتی۔

امر نہم:۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حق ہونے پر بندہ نے جو دلائل ذکر کئے ہیں یہ دلائل علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شہرہ آفاق تصنیف شرح عقائد نسفی میں ذکر کئے ہیں۔ جو کہ مذہب اہل سنت کے بالکل مطابق ہیں۔ اور اسی طرح علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح عقائد نسفی میں فاروق اعظم اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما کی خلافت اور اس کی حقانیت پر دلائل ذکر کئے ہیں۔ وہ بھی مذہب اہل سنت کے مطابق ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت ہی تھے۔ جو ناواقف لوگ ان کو مائل بہ تشیع کہتے ہیں یہ ان پر بہتان محض ہے۔ اور بہتان کی تین وجہ ہیں۔

وجہ اول:۔ علامہ مرحوم محبّ اہل بیت ہیں۔ اور خارجی ذہن رکھنے والے لوگ محبّ اہل بیت پر اس قسم کی بہتان تراشی کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ محبت اہل بیت عین ایمان ہے۔ بلکہ ایمان کی جان ہے۔

جب حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے اہل بیت کی محبت کا اظہار کیا تو ان پر بھی کسی نے شیعہ ہونے کا بہتان لگایا۔ تب امام شافعی رضی اللہ عنہ نے برجستہ عربی شعر پڑھا۔ جو یہ ہے۔

ان کان رفضاً حب آل محمد ☆ فلیشهد الثقلان انی رافض

یعنی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پاک کی محبت کا نام رافضی ہونا ہے تو پھر تمام انسان اور جن گواہ ہو جائیں کہ شافعی بڑا رافضی ہے۔

وجہ دوم:۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح عقائد نسفی میں یزید پلید پر شخصی لعنت کا قول کیا ہے۔ اور وہ اس میں منفرد نہیں ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے قائل ہیں اور انہوں نے قرآن پاک کی ایک آیت سے استدلال کیا ہے۔

وجہ سوم:۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مختصر المعانی میں ایک مثال ذکر کی ہے۔ جو یہ ہے۔

" رَكِبَ عَلِيٌّ وَهَرِبَ معاوية "

معترضوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کی گئی ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس مثال میں لفظ علی اور معاویہ سے دونوں صحابی مراد نہیں ہیں جیسے ایک عام محاورہ ہے کہ لوگ موقع بموقع کہتے ہیں حب علی بغض معاویہ۔ اس مثال میں بھی دونوں صحابی مراد نہیں بلکہ کوئی شخص مراد ہوتے ہیں جن کا نام علی اور معاویہ ہے۔ ایک اور کہاوت ہے " لکل فرعون موسیٰ " اس کہاوت میں بھی موسیٰ علیہ السلام اور فرعون مراد نہیں۔

امر دہم:۔ قبل ازیں جو علامہ تفتازانی کی عبارت بندہ نے خلافت صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کی ہے اس عبارت میں دو لفظ وضاحت کے قابل ہیں۔

اول:۔ " بعد المشاورة والمنازعة "

دوم:۔ " وبايعه عَلِيٌّ على رؤوس الاشهاد بعد توقف كان منه "

تو لفظ اول میں جھگڑے سے کیا مراد ہے۔؟ اور لفظ دوم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت صدیق رضی اللہ عنہ میں توقف کیا اس سے کیا مراد ہے۔ تو وضاحت یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت جھگڑا یہ ہوا کہ انصار نے کہا "منا اميرٌ ومنكم امير" یعنی دو امیر اور امام ہونے چاہئیں۔ ایک انصار سے اور دوسرا مہاجرین سے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انصار کو یہ حدیث سنائی۔ "الآئمة من قريش" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام امام قریش سے ہونگے۔ کیونکہ قریش صرف مہاجرین سے تھے نہ کہ انصار سے۔ تو انصار یہ حدیث سن کر اپنے مطالبہ سے دست بردار ہوگئے۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا۔

دوسرے لفظ کی وضاحت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت میں توقف دو وجہ سے کیا

وجہ اول:۔ توقف اسلئے تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل اور کفن وغیرہ میں مشغول تھے اور یہ توقف بہت تھوڑا سا تھا۔

وجہ دوم:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا صدمہ حضرت فاطمہ زہرا کے لئے نا قابل

برداشت تھا اور وصال کے متصل حضرت خاتون جنت بیمار ہوگئیں اور چھ ماہ کے بعد انتقال فرما گئیں۔اس مدت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ خاتون جنت کی تیمارداری میں مصروف رہے اور چھ ماہ کے بعد بیعت کی۔

یہاں تک بندہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر دلائل دیئے ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ خلافت اجماعی ہے نصی نہیں۔اب یہ دیکھنا ہے کہ شیعہ نے اہل سنت کے دلائل کا کیا جواب دیا؟ اور اہل سنت نے ان کا کیا رد کیا۔؟ اہل سنت کی دلیل اول یہ تھی کہ اگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت حق نہ ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اتفاق نہ ہوتا کیونکہ امت کا باطل پر اجماع منع ہے۔چہ جائیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باطل پر اجماع ہو۔اس دلیل کا جواب جو روافض نے دیا ہے اس کو صاحب نبراس نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

" وجاب الروافض بانهم ارتدوا بعد موت النبی ﷺ الا اربعة نفر ابوذر وسلمان والمقداد وعلی رضی الله تعالی عنهم ونقلوا ذالك عن جعفر الصادق افتراء باطلًا "

دلیل اول کا شیعہ نے یہ جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد تمام صحابہ چار افراد کے سوا مرتد ہوگئے تھے (نعوذبالله من هذه الخرافات) اور شیعہ نے یہ جواب حضرت امام جعفر صادق سے نقل کیا ہے۔اہل سنت نے یہ جواب کئی وجوہ سے رد کیا ہے۔

وجہ اول:۔ صاحب نبراس نے جواب دیا کہ یہ اہل تشیع نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ پر افتراء اور بہتان باندھا ہے۔امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ایسا ہرگز نہیں کہا۔

وجہ دوم:۔ جو صحابہ کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے وقت موجود تھے ان کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی اور جس طرح یہ صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کے جانثار اور فرماں بردار تھے کسی اور نبی کے صحابہ ایسے فرماں بردار نہ تھے۔ تو اگر شیعہ کی بات تسلیم کر لی جائے کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد چار کے سوا سب صحابہ دین سے پھر گئے تھے نعوذ باللہ من ذالک تو اس میں آنحضرت ﷺ کی شدید توہین ہے کہ آپ کی تربیت اتنی کمزور اور ضعیف تھی کہ وہ صحابہ جو کہ جانثاری میں اپنی نظیر آپ تھے سب آپ کے وصال کے بعد دین سے پھر گئے۔

الغرض شیعہ کے عقائد ایسے ہیں کہ ان سے صحابہ کرام کے سوا آنحضرت ﷺ اور اہل بیت اطہار کی بھی سخت توہین ہوتی ہے۔ دراصل یہ ٹولہ صحابہ کرام کے علاوہ آنحضرت ﷺ اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کا بھی دشمن ہے۔ اور ان کا دعویٰ محبت اہل بیت بالکل باطل ہے۔

وجہ سوم:۔ نبراس میں ہے۔

"ولا یخفیٰ ان من بلغت حماقته بکفر الصحابة اجمع فلیس باهل الخطاب"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ جس گروہ کی حماقت اور بے عقلی اس درجہ کو پہنچ چکی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرتے ہیں وہ اس لائق ہی نہیں کہ ان کو خطاب کیا جائے کیونکہ ان کا یہ دعویٰ ہی بالکل باطل ہے۔

وجہ چہارم:۔ نبراس شرح، شرح عقائد میں ہے۔

ذُکِرَ بَعْضُ الْاَکَابِرِ اَنَّ الرَّوَافِضَ شَرٌّ مِّنَ الْیَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی فَاِنَّ الْیَهُوْدَ عَلٰی اَنَّ خَیْرَ الْاُمَمِ اَصْحَابُ مُوْسٰی علیہ السلام وَالنَّصَارٰی عَلٰی اَنَّ خَیْرَهُمْ اَصْحَابُ

عِیْسٰی علیہ السلام وَالرَّوَافِضُ عَلٰی اَنَّ شَرَّ النَّاسِ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ ۔

خلاصہ ردیہ ہے کہ رافضی یعنی شیعہ یہود اور نصاریٰ سے بدتر ہیں کیونکہ یہود کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام امتوں سے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب افضل اور خیر ہیں۔ اور نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام امتوں سے افضل حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب ہیں، لیکن اس کے برعکس رافضیوں اور اہل تشیع کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام لوگوں سے بدتر اور شرّ محمد ﷺ کے اصحاب ہیں۔

وجہ پنجم: ۔قَالَ الْاِمَامُ الرَّازِیْ نَمْلَۃُ وَادِی النَّمْلِ اَعْقَلُ مِنَ الرَّافِضِی فَاِنَّھَا قَالَتِ ادْخُلُوْا مَسَاکِنَکُمْ لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمَانُ وَجُنُوْدُہٗ وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ فَاِنَّھَا لَمْ تُجَوِّزِ الظُّلْمَ مِنْ اَصْحَابِ سُلَیْمَانَ عَمَداً عَلَی النَّمْلِ وَالرَّوَافِضُ یَعْتَقِدُوْنَ الظُّلْمَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ۔

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ امام رازی نے فرمایا: کہ قرآن کی سورۃ نمل میں جس نملۃ اور چیونٹی کا ذکر ہے وہ چیونٹوں رافضی اور شیعہ سے زیادہ سمجھدار ہے کیونکہ اس چیونٹی نے اور چیونٹیوں کو کہا تھا کہ اپنے بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تمہیں بے سمجھی اور بھول سے روند ڈالے، تو اس چیونٹی کا یہ عقیدہ تھا کہ سلمان علیہ السلام کے اصحاب چیونٹی جیسی حقیر چیز پر بھی عمداً اور جان بوجھ کر ظلم نہیں کرتے۔ اور رافضی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب نے اہل بیت نبی ﷺ پر عمداً اور جان بوجھ کر ظلم کیا ہے۔

یہاں تک اہل سنت نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کی دلیل اول پر ہونے والے اعتراض کا پانچ وجہ سے جواب دیا، اور رد کیا۔ اب خلافت صدیق پر اہل سنت

کی دلیل دوم کا شیعہ کی طرف سے جواب اور اس کا رد ملاحظہ ہو۔

خلافت صدیق پر اہل سنت کی دلیل دوم:۔

خلافت صدیق پر دلیل دوم یہ ہے کہ اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت درست اور صحیح نہ ہوتی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسی طرح لڑائی کرتے جیسی لڑائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کی، اور دونوں طرف سے ہزاروں آدمی قتل ہوئے، حالانکہ ایسی کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اس خلافت پر راضی تھے، حالانکہ اسد اللہ الغالب باطل پر راضی نہیں ہو سکتے۔

اہل تشیع کی طرف سے دلیل دوم کا جواب:۔

" اجيب بانه لم يكن له شوكة زمن ابى بكر الصديق رضى الله عنه ۔

اہل تشیع نے دلیل دوم کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ بہت کمزور تھے اور ان میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی اور مقابلہ کرتے۔

اس جواب کو اہل سنت نے رد کیا ہے جس کا خلاصہ صاحب نبراس نے بایں الفاظ ذکر کیا ہے۔

وَهُوَا بَاطِلُ لِاَنَّ بَنِى هَاشِمٍ يَوْمَئِذٍ فِى غَايَةِ الْقُوَّةِ لِقُرْبِ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَثْرَةِ اَتْبَاعِهِمْ وَكَانَ اَبُوْ بَكْرِ الصِّدِّيقِ رضی اللہ عنہ مِنْ بَنِى تَيْمٍ وَهُمْ اَضْعَفُ وَلَمَّا سَمِعَ اَبُوْ قُحَافَةَ اَنَّ النَّاسَ بَايَعُوْا اِبْنَه قَالَ اَرْضِىَ بِذَالِكَ بَنُوْ عَبْدِ مُنَافٍ قِيْلَ نَعَمْ

وَمِنْ جِهَالَاتِ بَعْضِ الرَّوَافِضِ اَنَّهُمْ یُکَفِّرُوْنَ عَلِیًّا لِسُکُوْتِہٖ عَنِ الْخُصُوْمَۃِ۔

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ شیعہ کا یہ کہنا کہ خلافۃ الصدیق کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کمزور تھے، بالکل باطل ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ قریب تھا لہذا بنو ہاشم اس وقت بڑے طاقتور تھے اور ان کے تابعین کثرت سے تھے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافۃ الصدیق کی مخالفت کرتے تو بہت لوگ ان کی حمایت کرتے۔ بظاہر اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کمزور تھے اور ان کا قبیلہ بنو تیم ضعیف تھا حتی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا کہ لوگوں نے تمہارے بیٹے کے ساتھ بیعت کی ہے تو انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا عبد مناف کی اولاد بھی اس پر رضا مند ہوگئی ہے۔؟ تو ان کو جواب دیا گیا کہ ہاں راضی ہوگئی ہے۔

اب بندہ ایک تاریخی واقعہ ذکر کرتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تم ہاتھ پھیلاؤ کہ میں تمہارے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرتا ہوں، تاکہ لوگ کہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا نے نبی علیہ السلام کے چچا زاد کی بیعت کی ہے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے انکار کیا کہ اس سے مسلمانوں میں انتشار پھیلتا ہے، لہذا امام اور خلیفہ وہ ہوگا جس پر مسلمان متفق ہو جائیں گے۔

صاحب نبراس لکھتے ہیں کہ بعض جاہل رافضیوں نے دلیل دوم کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لازم تھا کہ خلافت صدیق کی مخالفت کرتے، ان جاہلوں نے ترک مخالفت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اہل شیعہ نے اہل سنت کی دلیل دوم کا جو جواب دیا یہاں تک اس جواب کا اور اہل

سنت کی طرف سے اس کے رد کا ذکر ہوا۔

اب اہل سنت کی دلیل سوم کا اہل شیعہ نے جو جواب دیا ہے، اس جواب اور اس کے رد کا ذکر کیا جاتا ہے۔

دلیل سوم یہ تھی کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس نص کو ضرور ذکر کرتے اور اس نص سے اپنی خلافت پر دلیل قائم کرتے حالانکہ آپ نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ آپ کی خلافت پر کوئی نص نہیں ہے، اور خلافت اجماعی ہے۔

اس دلیل سوم کا اہل شیعہ نے جو جواب دیا ہے، صاحب نبراس نے اس کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

''وَاُجِیْبَ بِاَنَّہٗ خَافَ عَنْ شَرِّھِمْ وَکَذَالِکَ کُلِّ مَا رُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ فِیْ حَقِّ الْخُلَفَاءِ الثَّلٰثَۃِ وَعْتِرَافِہٖ بِفَضْلِھِمْ اِنَّمَا کَانَ لِلتَّقِیَۃِ''

دلیل سوم کا اہل شیعہ نے جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باوجود اس کے کہ ان کے پاس اپنی خلافت پر نص تھی اس نص کو چھپایا اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ڈر تھا کہ اگر نص کو ظاہر کیا گیا تو دوسرے صحابہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تکلیف دیں گے، یعنی حضرت علی نے ڈر کر نص کو چھپایا اور تقیہ کیا۔ اور جہاں جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایات ہیں جن میں خلفاء ثلثہ کی تعریف اور ان کی بزرگی کا اعتراف و اقرار ہے۔ اہل شیعہ اس کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں۔ یعنی اسد اللہ الغالب نے یہ سب ڈر اور خوف کی وجہ سے کیا۔

اہل سنت نے اس جواب کو رد کیا ہے اور اس رد کو صاحب نبراس نے ان الفاظ میں

ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

”وَهٰذَا بَاطِلٌ لِاَنَّہٗ لَوْ کَانَ کَذٰلِكَ لَمْ يَصِحَّ اَنْ يَسْكُتَ عَلِیٌّ رضی اللہ عنہ عَنْ اِظْهَارِ النَّصِّ لِاَنَّ السُّكُوْتَ عَنِ الْحَقِّ وَالرِّضَاءَ بِالْبَاطِلِ لَا يَجُوْزُ“

اس رد کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص ہوتی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس کو ضرور بیان کرتے کیونکہ اظہار حق سے سکوت ایک مسلمان سے بھی جائز نہیں چہ جائیکہ اسد اللہ الغالب حق سے سکوت کرتے باقی رہی یہ بات کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ کیا ہے تو اس کا رد صاحب نبراس نے ان الفاظ میں بیان کیا۔

”وَهٰذَا فِیْ غَايَةِ الْبُطْلَانِ لِاَنَّہٗ نسبةُ الذُّلِ اِلٰى اَسَدِاللّٰهِ الْغَالِبِ وَلَوْ ثَبَتَ التَّقِيَّةُ لِارْتَفَعَ الْاِعْتِمَادُ عَنْ اَقْوَالِهِمْ وَاَفْعَالِهِمْ وَمَا رُوِیَ عَنْ جَعْفَرِ الصَّادِقِ اَنَّہٗ قَالَ التَّقِيَّةُ دِيْنِیْ وَدِيْنُ آبَائِیْ فَافْتِرَاءٌ“

خلاصہ یہ کہ تقیہ کی نسبت اسد اللہ الغالب کی طرف بالکل باطل ہے کونکہ تقیہ کمزور اور ذلیل اور ڈرپوک آدمی کرتا ہے اور کوئی مسلمان اس ذلت اور کمزوری کی نسبت حیدر کرار کی طرف نہیں کرسکتا۔ تقیہ حق کو چھپانا اور باطل کر ظاہر کرنا ہے۔ اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم کے لئے تقیہ ثابت کر دیا جائے تو ان کے قول و فعل پر سے اعتماد اُٹھ جائے گا۔ کیونکہ وہ جو بھی کریں گے تو یہ احتمال ہوگا کہ یہ ظاہری قول باطل ہے۔ اور حق کو چھپا رکھا ہے اور یہ جو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تقیہ میرا اور میرے آباء کا دین ہے جس نے تقیہ نہیں کیا وہ ہم سے نہیں ہے۔ یہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ پر افتراء ہے۔ اور اگر روایت درست ہو تو تقیہ سے مراد تقویٰ اور خدا سے ڈرنا ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کا اتفاق ہے اور صحابہ کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ باطل پر اتفاق کریں۔ اور نص پر عمل کو ترک کریں تو ثابت ہوا کہ خلافت الصدیق رضی اللہ عنہ حق ہے اور خلافت اجماعی ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر کوئی نص نہیں ہے۔

ابتداء میں بندہ بیان کر چکا ہے کہ بندہ نے اپنے رسالہ عقیدہ اہل سنت پر جو اضافہ کیا ہے اس کے تین اجزاء ہیں۔ جزء اول میں بیان کیا گیا ہے کہ اہل تشیع کے متعلق علماء اہل سنت کا کیا فتویٰ ہے۔ اب اضافہ کی دوسری جزء بیان کی جاتی ہے۔ جس میں بیان کیا جائے گا کہ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے ساتھ کیا تعلق ہے۔؟

جزء دوم:۔ یہ تعلق ایک تاریخی حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا اہل سنت اور شیعہ اس تاریخی واقعہ پر متفق ہیں۔

تاریخی واقعہ:۔

خلافت فاروق اعظم میں فارس فتح ہوا اور مسلمانوں نے فارس کے جو قیدی بنائے ان میں شاہ فارس کی تین شہزادیاں تھیں ایک مائی شہر بانو اور دو ان کی ہمشیرگان تھیں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ ان شہزادیوں کو بیچ دیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ شہزادیاں ہیں ان کے ساتھ دوسرے قیدیوں والا معاملہ نہ کیا جائے تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تینوں شہزادیاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت مائی شہر بانو رضی اللہ عنہا اپنے صاحبزادے امام حسین رضی اللہ عنہ کے عقد میں دیں۔ اور ان سے حضرت سیدنا امام علی

زین العابدین پیدا ہوئے۔ اور دوسری شہزادی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے عقد میں دیں۔ اور ان سے حضرت سالم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور تیسری شہزادی حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے عقد میں دیں اور ان سے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ اب غور فرمائیں کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور سیدنا محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما یہ تینوں جو کہ خلفاء راشدین کی اولاد ہیں آپس میں ہم زلف ٹھہرے، اور یہ پہلا تعلق ہے جو کہ اہل بیت کا سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیدا ہوا اور پھر یہ جاننا ضروری ہے کہ حضرت زید العابدین اور حضرت سالم اور حضرت قاسم رضی اللہ عنہم یہ تینوں باہم خالا زاد ٹھہرے۔ کیونکہ تینوں مائیں باہم ہمشیرگان تھیں۔ اور فارس کے آخری بادشاہ یزدجرد کی شہزادیاں اور بیٹیاں تھیں۔

اہل بیت اطہار کا سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ یہ دوسرا تعلق ہے، اور ہر آدمی جانتا ہے کہ خالا زادوں کی باہم کتنی الفت اور محبت ہوتی ہے۔ پنجابی میں اس محبت کے متعلق ایک مقولہ قارئین کی ضیافت طبع کے لئے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

مقولہ:۔ ﴿ماں نہ سوئی ماسی سوئی﴾ یعنی ماں نے بچے کو نہیں جنا، خالہ نے جنا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ماں، ماں نہیں ہے بلکہ خالہ ماں ہے۔ یہ تینوں خالا زاد اپنے دور کے محدث اور فقیہ اور صوفی ہوئے ہیں۔ یہ دو تعلق جو اہل بیت کے سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہیں۔ ہر دو کے درمیاں مشترک ہیں۔

اب بندہ اہل بیت کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مختص تعلق ذکر کرتا ہے۔ جو کہ مابہ الاشتراک کے بعد مابہ الامتیاز ہے۔ یہ مختص تعلق یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے تھے ایک محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے عبدالرحمن بن ابی بکر

رضی اللہ عنہما۔ پہلے گزر چکا ہے کہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی شادی خانہ آبادی فارس کے بادشاہ یزدجرد کی شاہزادی کے ساتھ ہوئی اور اس سے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور دوسرے صاحبزادے عبدالرحمن کی ایک لڑکی تھی جس کا نام اسما بنت عبدالرحمن تھا تو حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کی شادی اپنی چچازاد اسماء بنت عبدالرحمن رضی اللہ عنہما سے ہوئی اور ان کی ایک صاحبزادی پیدا ہوئی جن کا نام ام فروۃ تھا قبل ازیں گزر چکا ہے کہ سیدنا علی زین العابدین اور سیدنا قاسم اور سیدنا محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم ہر تینوں خالہ زاد تھے، سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ کا صاحبزادہ تھا جن کا نام امام محمد باقر رضی اللہ عنہ تھا اور سیدنا قاسم رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھی جن کا نام ام فروۃ تھا۔ سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اپنے لڑکے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے لئے اپنے خالا زاد حضرت قاسم رضی اللہ عنہ سے ان کی صاحبزادی حضرت ام فروۃ کا رشتہ مانگا جو انہوں نے دے دیا تو حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی حضرت ام فروۃ کے ساتھ شادی ہوئی۔ اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

اب غور کریں کہ حضرت ام فروۃ رضی اللہ عنہا جو کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں ان کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو رشتے ہیں ان کے والد حضرت قاسم رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں اور ان کی والدہ حضرت اسماء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پوتی ہیں۔ تو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بھی والدہ کے واسطہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو رشتے ہیں۔

اول:۔ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ جو کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں، حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے نانا ہیں۔

دوم:۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا جو کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پوتی ہیں یہ امام جعفر صادق

رضی اللہ عنہ کی نانی ہیں۔ اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنی والدہ ام فروۃ رضی اللہ عنہا کے لحاظ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں۔ اس لئے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ﴿ولدنی الصدیق مرتین﴾ یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے دو دفعہ جنا۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا اشارہ اسی دوہرے تعلق کی طرف تھا جو کہ ان کو اپنے نانا قاسم اور نانی اسماء کی وجہ سے حاصل تھا۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ذی عزت اور شریف لوگ اپنی اولاد کے رشتے خود کرتے ہیں اور اس خاندان میں کرتے ہیں جو کہ ہر طرح سے شریف اور ذی عزت اور دین دار اور ہم مرتبہ اور ہم پلہ ہوتا ہے۔ خصوصاً اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ دین اور دنیا کے لحاظ اور حسب ونسب کے لحاظ سے تمام امت سے اشرف اور ذی عزت ہیں یہ تو اپنی اولاد کے رشتے یقینی طور پر شریف اور ذی عزت اور دین دار گھرانوں میں ہی کرتے ہوں گے۔

تو سیدنا علی زین العابدین رضی اللہ عنہ نے جو اپنے صاحبزادے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ سے جو رشتہ مانگا اور پھر شادی ہوئی اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ یقینی طور پر حضرت قاسم رضی اللہ عنہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھرانہ کو شریف اور ذی عزت اور دین دار سمجھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے متعلق جو اہل شیعہ کا عقیدہ ہے اگر سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ کا اہل شیعہ والا عقیدہ ہوتا تو وہ اپنے بزرگ تر صاحبزادے کا رشتہ کبھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں نہ کرتے۔

تو ثابت ہوا کہ اہل تشیع اہل بیت اطہار کے طریقہ پر نہیں ہیں اور اہل بیت کے دوستوں اور رشتہ داروں کے دشمن ہیں اور یہ امر مسلم ہے کہ دوست کا دشمن بھی دشمن ہوتا ہے تو اہل تشیع دشمن اہل بیت ٹھہرے اور ان کا دعویٰ محبت نرا ڈھونگ اور نفاق ہے۔

اہل بیت کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ خصوصی تعلق ہے جس میں کوئی شریک نہیں یہ ایسا تعلق ہے کہ جو اس امر کا مقتضی ہے کہ مسلمان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے گھرانے کے ساتھ محبت کریں اور اچھا عقیدہ رکھیں نہ کہ دشمنی اور اس گھرانے کے ساتھ دشمنی اہل بیت کے ساتھ دشمنی ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اب بندہ یہاں عظیم امام، امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی ایک خصوصی منقبت اور عزت اور شرافت ذکر کرتا ہے۔ حدیث کی کتابوں میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث ذکر کی گئی ہے جس کو صاحب نبراس نے بایں الفاظ ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنْتُ جَالِساً عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَالْحُسَيْنُ فِي حَجْرِهٖ فَقَالَ يَا جَابِرُ يُوْلَدُ لَهٗ وَلَدٌ اِسْمُهٗ عَلِيٌّ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ نَادٰى مُنَادٍ لِيَقُمْ سَيِّدُ الْعَارِفِيْنَ فَيَقُوْمُ وَلَدُهٗ ثُمَّ يُوْلَدُ لَهٗ وَلَدٌ اِسْمُهٗ مُحَمَّدٌ فَاِنْ اَدْرَكْتَهٗ يَا جَابِرُ فَاقْرَئْهُ مِنِّي السَّلَامَ رَوَاهُ اِبْنُ الْمَدِيْنِي"

خلاصہ حدیث یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا تھا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی گود میں بیٹھے تھے پس آپ ﷺ نے فرمایا اے جابر (رضی اللہ عنہ) اس یعنی امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام علی ہوگا جب قیامت کا دن ہوگا تو ندا کرنے والا ندا کرے گا کہ عارفوں کا سردار کھڑا ہو جائے تو سیدنا حسین کا ولد کھڑا ہوگا۔ یعنی سیدنا علی زین العابدین۔ پھر اس علی زین العابدین کا ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام محمد ہوگا یعنی امام محمد باقر پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے جابر (رضی اللہ عنہ) اگر تو اس کو یعنی محمد کو پائے تو اس کو میرا سلام پہنچانا۔

آنحضرت ﷺ کے اس فرمان سے حضرت جابر کو یقین ہو گیا کہ وہ ضرور امام محمد باقر کو پائیں گے آخر وقت گزرتا رہا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس انتظار میں رہے کہ کب ملاقات ہوتی ہے۔؟ ایک دین سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کے ساتھ ان کا بیٹا محمد باقر بھی تھا اس وقت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نابالغ بچے تھے، تو حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے بیٹے محمد کو فرمایا کہ اپنے چچا کے سر کو بوسہ دو۔ تو امام محمد باقر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قریب ہوئے اور ان کے سر کو بوسہ دیا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ چونکہ اس وقت نابینا ہو چکے تھے اس لئے انہوں نے سوال کیا کہ یہ بوسہ دینے والا کون ہے۔؟ تو حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا محمد ہے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کو گلے لگایا اور آنحضرت ﷺ کا سلام پہنچایا۔

یہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے اور اہل بیت کا صدیق اکبر کے ساتھ خصوصی تعلق ہے۔ کہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی شادی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں ہوئی اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور ان سے تمام اہل بیت اور آئمہ اطہار پیدا ہوئے۔

یہاں تک بندہ نے اہل بیت کے ساتھ حضرت ابوبکر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کا مشترک تعلق اور ابوبکر صدیق کا مختص تعلق بیان کیا۔ اور یہ تعلق اس امر کا متقاضی ہے کہ اہل بیت سے محبت کرنے والا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ محبت کرے اور ان دو کا دشمن اہل بیت رسول ﷺ کا دشمن ہے۔ اب بندہ اہل بیت کے ساتھ امیر عمر رضی اللہ عنہ کا مختص اور مابہ الامتیاز تعلق بیان کرتا ہے اور اس کی دو تقریریں ہیں۔

تقریر اول:۔ امیر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم سے اسلامی لشکر نے فارس پر حملہ کیا

اور فارس سے جہاد کیا تو حضرت شہر بانو قیدی ہو کر آئیں اور ان کے ساتھ ان کی دو ہمشیر گان بھی قید ہو کر آئیں اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ تینوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حوالے کیں اور انہوں نے حضرت شہر بانو اپنے صاحبزادے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے عقد میں دیں اور سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور ان سے تمام اہل بیت حسینی چلی، اور پھیلی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہر بانو کی ایک ہمشیرہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے عقد میں دیں اور ان سے حضرت قاسم پیدا ہوئے جو کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے نانا اور ان کے والد ماجد امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے سسر ہیں۔ اور پھر حضرت قاسم کی اپنے چچا حضرت عبدالرحمن کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی تو ام فروہ پیدا ہوئیں جو کہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں اور پھر ان سے اہل بیت کی نسل چلی اور پھیلی۔

خلاصہ یہ کہ فاروق اعظم کے ذریعے تمام اہل بیت کی نسل پھیلی اور چلی اگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کو فارس پر حملہ کا حکم نہ دیتے تو نہ حضرت شہر بانو اور ان کی دو ہمشیر گان قید ہو کر آتیں اور نہ حضرت شہر بانو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے عقد میں آتیں اور نہ سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ پیدا ہوتے۔ اور نہ اہل بیت حسینی کی نسل وجود میں آتی۔ اسی طرح فاروق اعظم رضی اللہ عنہ لشکر کو فارس پر حملہ کا حکم نہ دیتے تو فارس فتح نہ ہوتا اور حضرت شہر بانو کی ہمشیر گان بھی قید ہو کر نہ آتیں۔ تو وہ محمد بن ابی بکر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے عقد میں بھی نہ آتیں۔ اور نہ حضرت قاسم پیدا ہوتے اور نہ حضرت سالم اور نہ ام فروہ پیدا ہوتیں اور نہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آتیں اور نہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ پیدا ہوتے۔ اور یوں اہل بیت کی نسل آگے نہ بڑھتی۔

خلاصہ یہ کہ اہل بیت حسینی کے پھیلنے کا سبب سیدنا امیر عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں اور فاروق

اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی تعلق ہے کہ یہ اہل بیت کے پھیلنے کا سبب ہیں۔اور اہل تشیع اور تمام مسلمانوں کو امیر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ وہ اہل بیت کی نسل کے پھیلنے کا سبب بنے اور اب جو امیر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض رکھتا ہے وہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پھیلے، بلکہ اہل بیت کے انقطاع کو پسند کرتا ہے، تو ایسا آدمی اہل بیت کا بدخواہ اور دشمن ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ فاروق اعظم کا دشمن اہل بیت کا بدخواہ اور دشمن ہے۔امیر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اہل بیت کے ساتھ جو مختص اور مابہ الامتیاز تعلق ہے اس کی دو تقریریں تھیں ایک تقریر ختم ہوئی دوسری تقریر ملاحظہ ہو۔

تقریر دوم:۔ قبل ازیں گزر چکا ہے کہ اہل تشیع اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت برا عقیدہ رکھتے ہیں یہاں تک کہ اہل تشیع کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چار صحابہ کے سوا تمام صحابہ دین سے پھر گئے۔اور امیر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو ملک فارس فتح کیا یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے۔تو اہل شیعہ کے عقیدہ کے مطابق حضرت امیر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو ملک فارس فتح کیا تو یہ جہاد اور کار ثواب نہیں ہوگا بلکہ ظلم اور زیادتی ہوگا اور پھر حضرت شہربانو اور ان کی دو ہمشیرگان کو قیدی بنانا بھی ناجائز اور ظلم و زیادتی میں داخل ہوگا۔اور پھر ان تینوں شہزادیوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد اور حوالے کرنا بھی ناجائز اور ظلم و زیادتی ہی ہوگا۔اور پھر ان تینوں سے جو اولاد پیدا ہوئی یعنی سیدنا علی زین العابدین اور سیدنا قاسم اور سیدنا سالم رضی اللہ عنہم شیعہ کے مذہب کے مطابق ان کے نسب پر عموماً اور اہل بیت اطہار کے نسب پر خصوصاً ایسا [illegible] اس کے تصور سے ہی مسلمان کے رونگٹے کھڑے

ہو جاتے ہیں اور مسلمان کا کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

حیرت ہے کہ شیعہ مذہب میں بڑے بڑے علماء بھی گزرے ہیں وہ ان فاسد عقائد پر مرتب برے اثرات سے کیوں غافل اور جاہل ہیں۔؟

درحقیقت مذہب شیعہ ابن سبا یہودی کا گھڑا ہوا ہے اور اس نامراد یہودی کا تو مقصد ہی اہل بیت رسول ﷺ کی توہین اور ان کے نسب پاک پر بہتان باندھنا ہے تو اب ایسے عقائد فاسدہ پر حیرت اور تعجب نہیں ہے۔

حیرت تب ہے اور تعجب اس وقت ہے کہ کوئی مسلمان ایسا بدعقدہ رکھتا ہوا گر کوئی یہودی النسل ایسا عقیدہ بد اور ناپاک رکھے تو حیرت اور تعجب نہیں کیونکہ وہ اسلام اور نبی کریم ﷺ اور آپ کی اہل بیت پاک کا دشمن ہے، اور کوئی شخص اپنے دشمن کے متعلق اچھے عقائد نہیں رکھتا بلکہ ایسے عقائد رکھتا ہے کہ جس سے اس کے دشمن کی توہین ہو اور ذلت۔

بندہ قبل ازیں ذکر کر چکا ہے کہ بندہ نے ایک رسالہ بنام عقیدہ اہل سنت لکھا اور بعض معزز احباب نے فرمائش کی کہ اس رسالہ میں زیادتی اور اضافہ کیا جائے لہذا بندہ نے اصل رسالہ پر تقریباً چار حصہ اضافہ کیا اور اس اضافہ کے تین اجزاء ہیں۔ دو جزء یہاں تک ختم ہوئے

اب جزء سوم بیان کیا جائی ہے۔ جو کہ بہت اہم ہے تو یہ جزء سوم ایک تو اہم ہے اور دوسرا یہ کہ طویل بھی ہے تو گویا کہ یہ جزء سوم ایک پورا رسالہ ہے اس لئے کہ اس کے ابتداء میں مستقل خطبہ تحریر کیا جاتا ہے تا کہ کوئی صاحب اس جزء سوم کو مستقل رسالہ کے طور پر شائع کرنا چاہے تو خطبہ کی وجہ سے اسے آسانی ہو۔ اور اس کو اپنی طرف سے خطبہ تحریر کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ اب جزء سوم ملاحظہ ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمْ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتُ الْمُؤْمِنِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ:۔ بندہ فقیر الی اللہ الصمد عطاء محمد چشتی گولڑوی عفی عنہ اہل اسلام کی خدمت میں مخلصانہ عرض کرتا ہے کہ مسلمانوں کے کئی مکاتب فکر ہیں جو کہ ایک دوسرے کے خلاف رسالے تحریر کرتے ہیں اور ان رسالوں میں اپنے مسلک کے حق میں اپنے اور مخالف مکتبہ فکر کے رد میں دلائل دیتے ہیں لیکن ایک مسئلہ ایسا ہے کہ باوجود اس کے کہ وہ بڑا اہم اور مشکل تر ہے اس مسئلہ پر کسی مسلمان عالم دین کی تحریر آج تک کم از کم بندہ کی نظر سے نہیں گزری کہ اس تحریر میں اس اہم مسئلہ پر تحقیقی بحث کی گئی ہو اور جن علماء نے اس اہم مسئلہ پر کچھ تحریر کیا ہے تو ان سے بندہ کے خیال میں بڑی اور شدید لغزشیں واقع ہوئی ہیں، ان محررین علماء کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ اہل سنت و جماعت ہیں، لیکن ان کی تحریر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ خارجی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں، بندہ قارئین سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس اہم مسئلہ کے متعلق بندہ کی تحریر پر پورا غور وخوض کریں تاکہ ان پر حق واضح ہو۔ اب بندہ وہ اہم مسئلہ ذکر کر کے اس پر اپنی تحقیق سپرد قلم کرے گا۔

مسئلہ یہ ہے کہ محققین علماء اہل سنت اور اکابر علماء احناف کے نزدیک یزید پلید علیہ ما یستحق کی کیا حیثیت ہے۔؟ اصل مقصد سے پہلے بندہ ایک تمہیدی مقدمہ ذکر کرتا ہے۔

مقدمہ:۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یزید کی بیعت نہیں کی جن میں حضرت عبداللہ بن زبیر بھی داخل ہیں۔ اور

یہ بات بھی تواتر سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر اور یزید علیہ ما علیہ کے لشکر کے درمیان میدان کرب وبلا میں شدید اور تاریخی رَن پڑا، جس کی نظیر اور مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے اس جنگ میں سید شباب اہل جنت حضرت امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے بہت سارے جانثار شہید ہوئے۔ یزیدی لشکر علیہم ماعلیہم نے میدان کرب وبلا میں اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے لوٹے اور محترمات مستورات اہل بیت کی توہین کی اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ پردہ دار مستورات اہل بیت کو کھلے چہرے کے ساتھ برہنہ پیٹھ اونٹوں پر کربلا سے شام تک سوار کیا۔ اور اہانت اہل بیت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

اب بندہ اصل مقصد شروع کرتا ہے اور اس مقصد کی دو جزء ہیں۔

جزء اول:۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کیوں نہ کی۔؟

جزء دوم:۔ اس جنگ اور لڑائی میں حق کس کے دامن میں تھا اور باطل پر کون تھا۔؟

جواب جزء اول:۔ اس کے جواب میں کتاب نبراس شرح، شرح العقائد نسفی میں تحریر ہے کہ یہ بڑا اہم اور مشکل مسئلہ ہے، عبارت کتاب نبراس ملاحظہ ہو۔

﴿وَهٰهُنَا بَحْثٌ مِنَ الْاَشْكَالَاتِ الْقَوِيَّةِ وَهُوَ اَنَّ الْحُسَيْنَ ابْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا خَرَجَ عَلٰى يَزِيْدَ مَعَ اَنَّ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ نَصَبَهٗ وَبَايَعَهُ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ﴾

خلاصہ عبارت اشکال یہ ہے کہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف خروج کیا حالانکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو خلیفہ مقرر کیا تھا اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے

بھی یزید کے ساتھ بیعت کی تھی اس سوال کے صاحب نبراس نے تین جواب دیئے۔

جوابِ اول:۔ اُجِیْبَ بِاَنَّ وَجُوْبَ طَاعَةِ هٰذَا الشَّقِیِّ عَلٰی بِضْعَةِ النَّبِیِّ ﷺ غَیْرُ مَعْقُوْلٍ۔

خلاصہ جواب اول یہ ہے کہ یزید شقی اور بد بخت تھا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم ﷺ کے بدن پاک کا ٹکڑا اور حصہ تھے اور یہ امر بالکل غیر معقول اور خلاف عقل ہے کہ نبی ﷺ کے بدن کے ٹکڑے پر ایک خبیث کی طاعة اور بیعت واجب ہو۔ اور ایک خبیث طیب وطاہر کا امیر قرار پائے۔ طیب وطاہر پر تو یہ واجب ہے کہ خبیث کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کرے اور اس کے خلاف خروج کرے۔ تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے جو خروج کیا تو یہ ادائے واجب کیا، جس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ اعتراض کنندہ احمق دین سے بے خبر ہے اس جواب کو صاحب نبراس نے بایں الفاظ رد کیا ہے ملاحظہ ہو۔

”وَلَا یَخْفٰی اَنَّ هٰذَا الْجَوَابَ لَیْسَ عَلٰی قَانُوْنِ الشَّرْعِ لِمَا سَمِعْتَ مِنِ انْعِقَادِ الْاِمَامَةِ بِبَیْعَةِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْ اَهْلِ الْحَلِّ وَالْعَقْدِ ثُمَّ وَجُوْبُ طَاعَةِ الْاَمِیْرِ وَلَوْ فَاسِقاً جَائِراً“

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یزید شقی بد بخت اور خبیث فاسق اور ظالم تھا اس میں کوئی نزاع نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی شک اور نزاع ہے کہ جناب امام حسین رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے بدن اطہر کا ٹکڑا ہیں۔ سوال یہ تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں یزید کو امام اور خلیفہ مقرر کیا اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یزید سے بیعت کی اور اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ ایک بزرگ مرد کی بیعت سے بھی امامت ثابت ہو جاتی ہے تو

جب یزید کے ہاتھ پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیعت کی تو یزید شرعی امام ہو گیا۔ اور شرعی امام کی اطاعت واجب ہے اگر چہ فاسق اور ظالم ہو۔ تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید فاسق وظالم کے خلاف خروج کیا۔؟ تو اعتراض اور اشکال باقی رہا واضح ہو کہ بندہ نے یہ کمزور جواب اسلئے ذکر نہیں کیا کہ اس سے اصل اشکال اور سوال دور ہو گیا، اس جواب سے اشکال دور نہیں ہوا بلکہ اصل اشکال باقی رہا جواب اول کے نقل کرنے سے بندہ کا مقصد یہ ہے کہ یزید کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ بد بخت خبیث فاسق اور ظالم تھا۔ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ یہ کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک کا ٹکڑا ہیں۔ چنانچہ اشکال مذکورہ بالا کے دو جزء تھے۔ اول یہ کہ یزید کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ مقرر کیا۔ جزء دوم کہ بعض صحابہ نے یزید کی بیعت کی تو یزید دو وجہ سے شرعی امام ٹھہرا اور اس کی اطاعت واجب ہوئی۔ جزء اول کا جواب صاحب نبراس نے یہ دیا۔

”اِنَّ اجْتِهَادَهٗ حُكْمٌ بِاَنَّ خِلَافَتَهٗ غَيْرُ صَحِيْحَةٍ لِاَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ رضی الله تعالی عَنْهُمَا سَلَّمَ الْخِلَافَةَ اِلٰى مُعَاوِيَةَ رضی الله تعال عنهم بِشَرْطِ اَنْ لَا يَجْعَلَهَا فِيْ اَوْلَادِهٖ وَيَكُوْنَ الْاَمْرُ بَعْدَهٗ شُوْرٰى فِي الْمُسْلِمِيْنَ“

جزء اول کے جواب دوم کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر چہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو خلیفہ اور امام نامزد کیا تھا لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ نامزدگی درست نہیں تھی کیونکہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب خلافت اور امامت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی تھی تو اس شرط پر سپرد کی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی اولاد میں خلافت منتقل نہیں کریں گے بلکہ خلافت مسلمانوں کی ثواب دید پر ہو گی وہ جسے چاہیں خلیفہ منتخب کریں۔ چونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس شرط کی

خلاف ورزی [1] کی تو یزید خلیفہ ہی نہ ہوا تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے شرعی خلیفہ کے خلاف خروج نہ کیا، اور نہ بیعت کی۔

اب سوال کی جزءدوم یعنی بعض صحابہ نے یزید سے بیعت کی۔ کا جواب۔ صاحب نبراس نے اس کا جواب ان الفاظ سے دیا۔

''رُوِیَ اَنَّ بَیْعَتَهُمْ وَقَعَتْ جَبْراً وَّلَوْ سُلِّمَ فَکَانَتْ مُتَفَرِّعَةً عَلَی التَّسْلِیْمِ فَاِذَا فَسَدَ الْاَصْلُ فَسَدَ الْفَرْعُ وَلِذَا صَحَّ عَنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ اَنَّهُمْ خَلَعُوْ بَیْعَتَه اَیْ عَزَلُوْهُ وَکَانَ فِیْهِمُ الصَّحَابَةُ وَعُلَمَاءُ التَّابِعِیْنَ''

جزءدوم کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جن صحابہ نے یزید سے بیعت کی یہ جبراً تھی اور اہل حل وعقد کی بیعت سے خلافت تب ثابت ہوتی ہے کہ جب بیعت رضا مندی اور اختیار سے ہو جب صحابہ کی بیعت یزید کے ساتھ رضا مندی اور اختیار سے نہ تھی بلکہ جبراً تھی تو یہ اہل حل وعقد کی بیعت سے خلافت شرعی ثابت نہیں ہوتی اور اگر مان لیا جائے کہ صحابہ کی بیعت رضا مندی اور اختیار سے تھی تو یہ تسلیم پر موقوف ہے۔

یعنی امیر معاویہ نے جو خلافت یزید کو تسلیم کی، اس تسلیم کی صحت پر موقوف ہے اور جب تسلیم ہی صحیح نہیں تو صحابہ کی بیعت بھی درست نہ ہوئی تو یزید شرعی خلیفہ نہ ٹھہرا تو حضرت

---

[1] علامہ عبدالعزیز پرہاڑوی رضی اللہ عنہ نے نبراس میں یہ سوال اُٹھایا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس شرط کی مخالفت کیوں کی۔؟ پھر اس کا جواب یہ دیا کہ ان کی رائے یہ تھی کہ حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی وفات سے وہ شرط ختم ہوگئی تھی (یعنی ان کی رائے میں یہ شرط حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حیات میں منحصر تھی)

شرف قادری

حسین رضی اللہ عنہ نے شرعی امام امیر اور خلیفہ کی مخالفت نہ کی اور شرعی امام کے خلاف خروج نہ کیا، تو اب اشکال قوی رفع ہو گیا۔ یہاں تک اشکال قوی کے دو جواب آئے۔

اول:۔ کمزور دوم:۔ قوی

دوسرے جواب کے قوی ہونے پر صاحب نبراس نے ایک دلیل بھی دی ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے جو یزید کو خلیفہ مقرر کیا تو چونکہ اس میں شرط کی خلاف ورزی کی گئی تھی لہذا یزید کو خلیفہ مقرر کرنا درست نہ ہوا۔ اور جن صحابہ نے یزید کے ساتھ بیعت کی یہ جبری تھی تو اس سے بھی یزید کی خلافت صحیح نہ ہوئی اسلئے اہل مدینہ نے بھی یزید کو خلافت سے معزول کر دیا اوران اہل مدینہ میں صحابہ اور علماء تابعین بھی تھے اس ساری عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ یزید کی خلافت صحیح نہیں تھی لہذا یزید نہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امیر المومنین ہوا اور نہ ہی امام حسین رضی اللہ عنہ کا امیر۔ تو اب یہ کہنا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ یزید کو امیر المومنین مانتے تھے یہ باطل ہے اور کوئی اہل سنت اس کا قائل نہیں ہے البتہ خوارج کا یہ عقیدہ ہو سکتا ہے کہ یزید کے جن لشکریوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے جان نثاروں کو شہید کیا تھا ان کی مذمت کرتے ہوئے صاحب نبراس فرماتے ہیں۔

"قُلْتُ لَمْ يَتَقَلَّدُوْا فِيْ ذَالِكَ مُجْتَهِداً بَلْ فَعَلُوْهُ بِهَوٰى نُفُوْسِهِمْ وَاَيْضاً هَتَكُوْا الْحُرُمَاتِ مِنْ نَهْبِ الْحَرِيْمِ وَحُمْلِ الذَّرَارِيْ اِلَى الشَّامِ عَلٰى خِلَافِ وَجْهِ التَّكْرِيْمِ"

یعنی یزید کے جن لشکریوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے لوگوں رضی اللہ عنہم کو شہید کیا تو انہوں نے کسی عالم اور مجتہد کے فتویٰ پر یہ فعل قبیح اور شنیع کا ارتکاب

نہیں کیا بلکہ انہوں نے خواہش نفسانی پر ایسا کیا مثلاً ابن زیاد کوفہ کی گورنری کا خواہش مند تھا اور اسی طرح ابن سعد وغیرہما۔

اب بندہ یہاں ایک ضروری امر کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ یہ کہ اہل تشیع کہتے ہیں کہ واقعہ کربلا کے موقع پر سینکڑوں علماء اور مجتہدین نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف فتویٰ دیا تھا کہ انہوں نے چونکہ یزید امام برحق کے خلاف خروج کیا تھا لہذا یہ قتل کے مستحق ہیں۔ اہل تشیع کا اس سے یہ مقصد ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف فتویٰ دینے والے علماء اہل سنت تھے۔ تو ان سے ان کا مقصد علماء اہل سنت کی مذمت ہے۔ تو اہل تشیع کے اس اتہام کے تین جواب ہیں۔

جواب اول: ۔ صاحب نبراس کی عبارت مذکورہ بالا سے اس اتہام کا رد ہو گیا کہ یزیدی لشکر کو اس وقت کسی عالم مجتہد نے حضرت امام کے خلاف فتویٰ نہیں دیا تھا بلکہ یزیدی لشکر نے جس جرم عظیم کا ارتکاب کیا یہ محض خواہش نفسانی کی بنا پر کیا تھا تو اہل تشیع کا یہ قول باطل ہوا کہ اس وقت کے علماء مجتہدین نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔

جواب دوم: ۔ اہل تشیع کے اس اتہام سے امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے جرم میں کمی آ گئی اور وہ شدید مذمت کے مستحق نہ رہے کیونکہ جو جرم کسی عالم اور مجتہد کے فتویٰ کی بناء پر کیا جائے اسکا مرتکب اتنا قابل مذمت نہیں ہے جتنا کہ اس جرم کا ارتکاب کرنے والا جو کسی عالم مجتہد کے فتویٰ کے بغیر محض خواہش نفسانی کی بناء پر کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بغیر فتویٰ کے محض خواہش نفسانی کی بناء پر جرم کرنے والا زیادہ قابل

مذمت ہے اور کسی عالم کے فتویٰ کی بناء پر جرم کا ارتکاب کرنے والا پہلے جرم سے ذرا کم قابل مذمت ہے۔ تو اہل سنت کے نزدیک قاتلین امام حسین رضی اللہ عنہ نے چونکہ یہ جرم بغیر فتویٰ عالم کے محض خواہش نفسانی کی بناء پر کیا تو یہ شدید مذمت کے مستحق ہیں۔ اور ان کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ برخلاف اہل تشیع کے کہ ان کے نزدیک قاتلین نے یہ جرم عالم اور مجتہد کے فتویٰ کی بناء پر کیا، تو قاتلین زیادہ مذمت کے قابل نہیں ہیں تو اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ محب اہل سنت ٹھہرے، نہ کہ اہل تشیع۔ تو اہل تشیع اہل بیت کے نادان دوست ٹھہرے اور اہل سنت دانا دوست ٹھہرے۔

اب اہل تشیع کے اتہام کا جواب سوم ملاحظہ ہو۔

جواب سوم:۔ یہ امر تاریخ سے ثابت ہے جس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو جن کوفیوں نے خط لکھے تھے کہ آپ عراق تشریف لائیں یہ شیعیان علی تھے کرم اللہ وجہہ الکریم، اور جب آپ رضی اللہ عنہ مع اہل وعیال تشریف لائے تو یہی شیعہ آپ کے خلاف جنگ میں صف آراء ہو گئے۔ تو ان شیعوں کو علماء و مجتہدین کے فتویٰ کی ضرورت تھی کیونکہ ان پر اعتراض تھا کہ خود سینکڑوں خطوط لکھ کر جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور جب وہ تشریف لائے تو ان کے خون کے پیاسے ہو گئے، تو انہوں نے اپنے علماء سے فتویٰ قتال لے کر اعتراض مذکورہ بالا کو جواب دیا کہ بے شک ہم نے خطوط لکھ کر آپ رضی اللہ عنہ کو بلایا لیکن ہمارے علماء مجتہدین نے ان کے ساتھ قتال کا فتویٰ دیا ہے اور ہم اپنی خواہش کے مقابلہ میں اپنے علماء مجتہدین کے فتویٰ کو ترجیح دیتے ہیں برخلاف اہل سنت کے کہ انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ تشریف آوری کے خطوط نہیں لکھے بلکہ یہ عرض کیا کہ یہ کوفی لا یوفی

ہیں، انہوں نے ہمیشہ آپ کے خاندان کے ساتھ غداری کی ہے آپ ہرگز کوفہ تشریف نہ لے جائیں۔ تو اب اہل سنت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں صف آراء نہ تھے تو ان پر کوئی اعتراض نہ تھا تو ان کو جواب کے لئے فتویٰ کی ضرورت نہ تھی تو ثابت ہوا کہ فتویٰ دینے والے اور فتویٰ لینے والے سب اہل تشیع اور ان کے علماء و مجتہدین تھے۔ اب بندہ اتمام کے تین جوابوں کا خلاصہ ذکر کرتا ہے کہ قاتلین امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں قیامت کبریٰ بپا کی، یہ محض ان کی خواہش نفسانی کی بناء پر تھی نہ کہ کسی عالم مجتہد کے فتویٰ پر۔ جس طرح کہ اہل سنت کا مذہب ہے اور اگر تسلیم کرلیا جائے کہ قاتلین کو کسی عالم اور مجتہد نے فتویٰ قتال دیا تھا جیسا کہ اہل تشیع کا مذہب ہے تو یہ فتویٰ دینے والے اور لینے والے سب اہل شیعہ اور ان کے علماء و مجتہدین تھے۔

ابتداء میں صاحب نبراس نے ایک قوی اشکال ذکر کیا تھا کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو خلیفہ مقرر کیا اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یزید کے ساتھ بیعت کی تو یزید شرعی امام ہو گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ یزید امیر المومنین ہو گیا تو نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ نے یزید کی بیعت کیوں نہ کی۔؟ اور اس کے خلاف خروج کیوں کیا۔؟ حالانکہ شرع شریف میں امام کے خلاف خروج منع ہے اور اس کی اطاعت واجب ہے تو اس کے دو جواب ذکر کئے جا چکے ہیں اب تیسرا جواب ملاحظہ ہو۔ اور یہی جواب بندہ کا مختار ہے۔

جواب سوم:۔ یہ جواب بھی صاحب نبراس رحمہ اللہ تعالی نے ذکر فرمایا ہے عبارت ملاحظہ ہو۔

”وَثَالِثُهَا لَعَلَّهُ وَجَدَ مَا يَدُلُّ عَلَى كُفْرِهِ وَقَدْ تَقَرَّرَ اَنَّ مَنْعَ الْخُرُوْجِ اِنَّمَا

هُوَاِذَا لَمْ یَبْلُغِ الْاِمَامُ الْکُفْرَ وَیُرْوىٰ مِنْ شِعْرِ یَزِیْدَ

قولہ شعر:۔

وَشُمَیْسَةُ کَرْمٍ بُرْجُهَا قَعْرُدُنِّهَا وَمَطْلَعُهَا السَّاقِیْ وَمَغْرِبُهَا فِمِیْ

فَاِنْ حَرُمَتْ یَوْماً عَلٰی دِیْنِ اَحْمَدَ فَخُذْهَا عَلٰی دِیْنِ الْمَسِیْحِ بْنِ مَرْیَمْ

وَقَوْلُهٗ یَوْمَ حُمِلَ اِلَیْهِ رَاسُ الْحُسَیْنِ رضی اللہ عنہ

شعر:۔

لِعِبَتْ هَاشِمْ بِالْمُلْكِ فَلَا جَرْجَاءَ وَلَا وَحْیٌ نَزَلْ

لَسْتُ مِنْ خَذَفٍ اِنْ لَمْ اَنْتَقِمْ مِنْ بَنِیْ اَحْمَدَ مَاکَانَ فَعَلْ

جواب سوم اور اسکی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نزدیک یزید کافر تھا اور امام اور خلیفہ کے خلاف خروج اس وقت منع ہے کہ وہ کفر تک نہ پہنچے اگر وہ کفر تک پہنچ جائے تو اس کے خلاف خروج جائز ہے۔اور امام حسین کے نزدیک چونکہ یزید کافر تھا اس لئے اس کے خلاف خروج صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب تھا چونکہ کسی پر کفر کا فتویٰ لگانے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے لہذا صاحب نبراس نے یزید کے چار شعر بطور دلیل پیش کئے ہیں۔

شعر اول میں یزید نے شراب کی تعریف کی ہے کہ یہ شراب انگور کا چھوٹا سا سورج ہے کہ مٹکے کی گہرائی اس کا برج ہے اور اس کے طلوع ہونے کی جگہ ساقی یعنی شراب پلانے والا کہ جب وہ مٹکے سے پیالا بھر کے باہر نکالتا ہے تو اس کا سورج طلوع ہو جاتا ہے۔اور جب میں (یعنی یزید) اس کو پیتا ہوں تو میرا منہ اس کا مغرب ہے یعنی غروب کی جگہ ہے۔

شعر دوم میں یزید نے شراب کو اپنے لئے حلال قرار دیا ہے اور یہ اس کے کفر پر

دلالت کرتا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دین اللہ تعالیٰ جل مجدہ کے دین اور حق ہیں لہذا شراب اگرچہ احمد ﷺ کے دین میں حرام ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں حلال ہے تو میں یزید اور ہر شرابی عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر شراب کو حلال سمجھ کر پیتے ہیں۔ اب اس شعر میں یزید نے شراب کو حلال سمجھنے کا عندیہ دیا ہے بلکہ ہر شرابی کو اس کفر میں اپنے ساتھ شریک کیا ہے۔

یہ سب صریح کفر ہے اور دو آخری شعروں میں دو کفر بکے ہیں تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک یزید کے سامنے پیش کیا گیا تو یزید نے یہ کفر بکا کہ نبی کریم ﷺ پر کوئی وحی نہیں اتری۔ وحی کے دعویٰ سے مقصد صرف سلطنت حاصل کرنا اور حکومت سے کھیلنا اور بنی ہاشم میں حکومت لانا تھا۔ اس شعر میں اس نے آنحضرت ﷺ پر نزول وحی کا انکار کیا ہے جو صریح کفر ہے اور آخری شعر میں اس نے جنگ بدر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس جنگ میں ہندہ کا والد اور بھائی جو کہ کافر تھے آنحضرت ﷺ کے حکم سے قتل ہوئے اور ہندہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ اور یزید کی دادی تھی ۔تو ہندہ کا باپ اور بھائی یزید کے رشتہ میں دادے ٹھہرے۔ تو یزید کا مطلب یہ ہے کہ ان مقتولان بدر کا بدلہ میں آنحضرت ﷺ سے تو نہ لے سکا لیکن میں نے وہ بدلہ آنحضرت ﷺ کی اولاد کو قتل کر کے لیا ہے۔ اگر میں یہ بدلہ نہ لیتا تو بڑا ذلیل ہوتا اور یہ بھی صریح کفر ہے۔ کیونکہ جہاد بدر میں کفار مارے گئے تھے ان کا انتقام اور بدلہ آنحضرت ﷺ کی اولاد پاک کو شہید کر کے لینا یہ کافروں کا کام ہے کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اب یزید کے ان چار اشعار میں بلا تاویل تین صریح کفر ہیں۔

کفر اول:۔ شراب کو اپنے لئے حلال سمجھنا۔

کفر دوم:۔ آنحضرت ﷺ پر نزول وحی کا انکار۔

کفر سوم:۔ نبی کریم ﷺ کے حکم سے جو کفار بدر میں قتل ہوئے ان کا انتقام اور بدلہ آنحضرت ﷺ کی اولاد پاک کو شہید کر کے لینا۔ان تین کفروں میں سے اگر ایک بھی کسی آدمی عاقل بالغ میں پایا جائے تو اس آدمی کے کفر میں کوئی شک نہیں چہ جائیکہ تین کفر کسی میں پائے جائیں، جیسے یزید میں پائے گئے ہیں تو یزید کے کفر میں ان تین کفروں کے اجماع کے علم کے بعد کون شک کرسکتا ہے۔؟ بندہ نے یہاں تک مولانا عبدالعزیز پرہاڑوی صاحب نبراس رحمۃ اللہ علیہ کی یزید اور اس کی خلافت کے متعلق تحقیق ذکر کی ہے، اب بندہ یزید کے متعلق علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ صاحب روح المعانی کی تحقیق بیان کی جاتی ہے، اور پہلے اس علامہ مفسر کا مختصر تعارف بیان کیا جاتا ہے۔قرآن پاک کی تفاسیر تو بہت ہیں جن کا شمار بہت مشکل ہے لیکن جن تفاسیر کا مطالعہ کیا ہے تو یہ فقیر اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ تحقیق اور تدقیق کے لحاظ سے تفسیر روح المعانی کا ہم پلہ شاید ہی کوئی تفسیر ہو۔بعض تحقیقات میں تفسیر روح المعانی امام رازی کی تفسیر کبیر سے بھی بہت آگے ہے۔اور بندہ کے اساتذہ کا بھی یہی نظریہ ہے۔قرآن پاک میں ہے۔

”فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ اُولٰٓئِكَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ الآیة پ ۲۶ آیۃ ۲۲“

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے اس آیۃ کا یہ ترجمہ کیا ہے۔

تو کیا تمہارے یہ لچھن (انداز) نظر آتے ہیں کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں

فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتے کاٹ دو یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور انہیں حق سے بہرہ کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ الخ۔

مولوی محمود الحسن دیو بندی نے اس آیۃ مذکورہ کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو اپنی رقابتیں ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے پھر کر دیا ان کو بہرہ اور اندھی کر دیں ان کی آنکھیں۔ الخ۔

اس آیت کریمہ میں دو گناہوں کا ذکر ہے، جن کے ارتکاب کرنے والے پر تین سزاؤں کا ذکر ہے۔

پہلی سزا:۔ ان پر اللہ کی لعنت۔

دوسری سزا:۔ اللہ جل مجدہ نے ان کو بہرہ کیا۔

تیسری سزا:۔ اللہ جل مجدہ نے ان کو اندھا کیا۔

اور وہ دو گناہ یہ ہیں۔

گناہ اول:۔ جب اللہ تعالی نے ان کو حکومت کی نعمت عطاء فرمائی تو بجائے شکریہ کرنے کے انہوں نے اللہ تعالی کی زمین میں فساد پھیلایا۔

گناہ دوم:۔ حکومت کی نعمت حاصل کرنے کے بعد قطع رحم والے عظیم گناہ کا ارتکاب کیا چونکہ ان لوگوں اور مجرموں نے اللہ تعالی کی عظیم نعمت کی ناشکری اور کفران نعمت

کیا۔لہذا ان پر خداوند عالم کی لعنت اور وہ خداوند رحیم کی رحمت سے بعید اور دور ہوئے۔اور اللہ تعالی نے ان کو بہرہ اور اندھا کر دیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آیۃ مذکورہ میں ان مذکورہ حاکموں نے کون سا فساد فی الارض اور قطع رحمی کی۔اگر چہ تاریخ میں بہت سے فساد فی الارض اور قطع رحمی کا ذکر ہے لیکن سب سے بڑا فساد فی الارض اور قطع رحمی وہ ہے جس کا ارتکاب یزید پلید نے میدان کربلا میں کیا۔اور اس نبی ﷺ کی اولاد کو شہید کیا، جس کا کلمہ اس نے اور اس کے باپ اور دادا نے پڑھا اور جس نبی ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے یزید کو اور اس کے باپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک بہت بڑی اسلامی حکومت حاصل ہوئی۔حالانکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ ایک عورت نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو نکاح کا پیغام دیا ہے اور آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں مشورہ طلب کیا تو آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو فرمایا کہ معاویہ ایک تنگ دست بھوکا اور مفلس آدمی ہے۔اس کے ساتھ تم کو نکاح کرنا مناسب نہیں اس کے باوجود پیغمبر ﷺ کی برکت سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور ان کے بعد یزید کو ایک بہت بڑی اسلامی حکومت حاصل ہوئی جو کہ تمام عالم اسلام پر محیط تھی۔اور پھر یزید نے اہل بیت رسول ﷺ کو میدان کربلا میں شہید کر کے ایک بہت بڑے فساد فی الارض کا ارتکاب کیا۔اور قطع رحمی کے فعل قبیح کو اپنایا۔جس فساد فی الارض کا یزید نے ارتکاب کیا وہ تو ظاہر اور تواتر سے ثابت ہے اور یزید نے جو قطع رحمی کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہاشمی تھے، یعنی حضرت ہاشم کی اولاد میں سے تھے اور یزید اموی تھا یعنی امیہ کی اولاد سے تھا اور ہاشم اور امیہ بھائی تھے۔اور حضرت عبد مناف کے بیٹے تھے۔حضرت عبد مناف پر دونوں اکھٹے

ہو جاتے ہیں۔ یعنی دونوں حضرت عبد مناف کی اولاد سے ہیں اور دونوں کا رحم ایک ہو گیا۔ تو یزید میدان کربلا میں اس بڑی قطع رحمی کا ارتکاب کر کے مستحق لعنت ہوا۔

لہذا آیت مذکورہ بالا میں جس فساد فی الارض اور قطع رحمی کا ذکر ہے یزید اسکا مصداق اول اور لعنت خداوندی کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے آیت مذکورہ کی یہی تفسیر کی ہے اور اس آیت سے یزید پر لعنت شخصی پر استدلال کیا ہے۔ استدلال کی تقریر روح المعانی کی عبارت میں ملاحظہ ہو۔

"وَاسْتَدَلَّ بِهَا اَيْضاً عَلٰى جَوَازِ لَعْنِ يَزِيْدَ عَلَيْهِ مِنَ اللهِ مَايَسْتَحِقُّ"

یعنی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیۃ سے استدلال کیا ہے کہ یزید پر شخصی لعنت جائز ہے۔ کیونکہ مفسد فی الارض اور قاطع الرحم کی طرف لفظ اُولٰـئك سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اور اُولٰئك اسم اشارہ ہے، جو کہ محسوس مبصر کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اور محسوس جزئی اور معین ہوتا ہے۔ تو جب اللہ تعالی کی لعنت اولٰـئك کے مصداق پر ہے اور یزید اس کا مصداق اول ہے تو یزید معین پر اولاً اور اصالۃً لعنت ثابت ہوئی۔ اس کے بعد روح المعانی میں ہے۔ "

اِنَّ الْاِمَامَ اَحْمَدَ لَمَّا سَئَلَهُ وَلَدُهٗ عَبْدُاللهِ عَنْ لَعْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَيْفَ لَا يُلْعَنُ مَنْ لَعَنَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِىْ كِتَابِهٖ فَقَالَ عَبْدُاللهِ قَدْ قَرَءْتُ كِتَابَ اللهِ عز وجل فَلَمْ اَجِدْ فِيْهِ لَعْنَ يَزِيْدَ فَقَالَ الْاِمَامُ اِنَّ الله تعالى يَقُوْلُ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ اُولٰئِكَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ (الآية) وَاَیُّ فَسَادٍ وَّقَطِيْعَةٍ اَشَدُّ مِمَّا فَعَلَهٗ يَزِيْدُ اِنْتَهٰى"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی سے ان کے لڑکے عبداللہ نے

یزید پر لعنت کے متعلق پوچھا تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ جس پر اللہ عز وجل نے لعنت کی ہے اس پر لعنت کیوں نہ کی جائے۔؟ تو عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں نے کتاب اللہ پڑھی ہے اس میں لعنت یزید کو میں نے نہیں پایا تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولٰئِكَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ (الآية)۔

اور یزید نے میدان کربلا میں جو فساد فی الارض اور قطع رحم کیا ہے اس سے بڑھ کر کون سا فساد فی الارض اور قطع رحمی ہو سکتی ہے۔؟ تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وَنے آیۃ مذکورہ سے جو یزید کی لعنت شخصی پر استدلال کیا ہے اس کی تقریر قبل ازیں گزر چکی ہے کہ لعنت ان محسوسات پر ہے جو کہ لفظ اُولٰئِكَ کا مشارٌ الیہ ہیں۔ اور وہ مفسدین فی الارض اور قطع رحمی کرنے والے ہیں اور قبل ازیں گزر چکا ہے کہ ہر دو صفات کا مصداق اول اور اصل یزید مشخص اور معین ہے تو لعنت خداوندی کا اولاً اور اصالۃً یزید مشخص اور معین ہوا تو یزید پر لعنت شخصی اس آیۃ مبارکہ سے ثابت ہوئی۔ اور اس کی مثال ایک منطقی مسئلہ ہے۔ مثلاً "کل انسان حیوان" تو حیوان کا ثبوت قطعی اور یقینی طور پر انسان کے ہر فرد کے لئے ہے اب یہاں مناطقہ کے دو قول ہیں۔

قول اول:۔ افراد اور جزئیات حقیقیہ کے لئے ثبوت بالذات ہے اور کلی کے لئے بالواسطہ، یہ ایک قول ہے۔

قول دوم:۔ یہ ہے کہ حکم کلی کے لئے بالذات اور افراد کے لئے کلی کے واسطہ

سے بہر حال دونوں اقوال اس پر متفق ہیں کہ جب موضوع کلی ہو تو افراد کے لئے محمول کا ثبوت ہوتا ہے خواہ بالذات ہو یا بالواسطہ۔ چونکہ آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی لعنت مفسدین فی الارض اور قطع رحمی کرنے والوں پر ہے تو مفسد اور قاطع کے ہر فرد پر ہوگی اور چونکہ یزید ہر دو کا فرد ہے لہذا اس کے لئے بھی لعنت کا ثبوت ہوگا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جو آیۃ مبارکہ سے یزید کی شخصی لعنت پر استدلال کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے جو مذکور ہوا۔ اس کے بعد صاحب روح المعانی نے فرمایا:

”وَعَلٰی هٰذا لَا تَوَقُّفَ فِی لَعْنِ یَزِیْدَ لِکَثْرَةِ اَوْصَافِه الْخَبِیْثَةِ وَارْتِکَابِهِ الْکَبَائِرَ فِیْ جَمِیْعِ اَیَّامِ تَکْلِیْفِهٖ وَیَکْفِیْ مَافَعَلَه اَیَّامَ اسْتِیْلَائِهٖ بِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَمَکَّةَ فَقَدْ رُوَی الطبرانیُّ بسندٍ حسنٍ اَللّٰهُمَّ مَنْ ظَلَمَ اَهْلَ الْمَدِیْنَةِ وَاَخَافَهُمْ فَاَخِفْه وَعلیهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَا یُقْبَلُ مِنْه صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ وَالطَّامَّةُ الکبریٰ مَافعله باهلِ البیتِ وَرِضَائُه بِقَتْلِ الْحُسَیْنِ رضی الله تعالٰی عنه وَعَلٰی جَدِّهٖ وَعَلَیْهِ الصَّلٰوة والسلامُ واستبشارُه بذالكَ واهانَتُه لِاَهْلِ بَیْتِهٖ مِمَّا تَوَاتَرَ مَعْنَاهُ وَفِی الْحَدِیْثِ سِتَّةٌ لعنتُهم وفی روایة لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَکُلُّ نَبِیٍّ مُّجَابُ الدَّعْوَةِ والْمُحَرِّفُ لِکِتَابِ اللّٰهِ وفی روایة اَلزَّائِدُ فِی کِتَابِ اللّٰهِ وَالْمُکَذِّبُ بِقَدْرِ اللّٰهِ وَالْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوْتِ لِیُعِزَّ مَنْ اَذَلَّ اللّٰه وَیُذِلَّ مَنْ اَعَزَّ اللّٰهُ وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِیْ وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِیْ“

خلاصہ اس طویل عبارت کا یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جو آیت مبارکہ سے یزید کی بشخصہ لعنت پر استدلال کیا ہے اس بناء پر یزید کی بشخصہ لعنت میں توقف

نہیں کیا کیونکہ یزید کے اوصاف خبیثہ بہت ہیں اور جب سے وہ بالغ اور مکلّف ہوا ہے تو اس نے کبائر کا ارتکاب کیا ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت سے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یزید پہلے صالح تھا جب برسر اقتدار آیا تو فاسق اور برا ہوگیا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب سے وہ مکلّف اور بالغ ہوا کبائر کا ارتکاب شروع کردیا۔ قارئین کو واضح ہو کہ یہ درمیان میں جملہ معترضہ آ گیا ہے دراصل بندہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی طویل عبارت کا ترجمہ کر رہا تھا اب پھر ادھر رجوع کرتا ہے اور اس کے یعنی یزید کے اوصاف خبیثہ اور ارتکاب کبائر کیلئے یہ کافی ہے کہ اس نے حکومت اور اقتدار میں آ کر اہل مدینہ اور اہل مکہ پر ظلم کیا حالانکہ اس کیلئے ایک حدیث وارد ہے جس کو طبرانی نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدبخت کے خلاف دعا کی ہے جس نے اہل مدینہ اور اہل مکہ شرفهما الله تعالى الى قيام الساعة۔

یہ ظلم کیا وہ دعا یہ ہے اے اللہ تعالیٰ جس نے اہل مدینہ اور اہل مکہ پر ظلم کیا اور ان کو ڈرایا تو تو اس کو ڈرا اور اس پر اللہ تعالیٰ اور تمام ملائکہ اور لوگوں کی لعنت ہو۔ اور اس کے نہ فرض قبول کئے جائیں اور نہ نفل۔ اور یزید نے ایک بڑی قیامت یہ برپا کی کہ جو ظلم اس نے اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ساتھ کیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر اس نے خوشی کا اظہار کیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اہل بیت کی اہانت کی یہ سب باتیں تواتر معنوی سے ثابت ہیں۔ علامہ آلوسی نے یہاں تواتر کا ذکر کر کے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یزید نے نہ تو امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا اور نہ اس پر اظہار مسرت کیا نہ اہل بیت کی اہانت کا حکم دیا اور علامہ نے ان لوگوں کا بھی رد کیا جو یہ کہتے ہیں کہ واقعہ کربلا سرے سے ہوا ہی نہیں یہ بالکل من گھڑت واقعہ

ہے اور ناول ہے جس کا کوئی وجود نہیں تو علامہ اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ سب باتیں تواتر سے ثابت ہیں جن کو جھٹلایا نہیں جا سکتا جیسا کوئی یہ کہے کہ روئے زمین پر کوئی ایسا شہر نہیں ہے جس کا نام مدینہ شریف یا مکہ مکرمہ ہے۔ آگے چل کر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک حدیث ہے جس کا ترجمہ یہ کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں چھ آدمی ایسے ہیں جن پر میری لعنت ہے اور ہر نبی ﷺ کی دعا قبول ہوتی ہے۔

اول:۔ وہ جو کتاب اللہ کو بگاڑتا اور اس میں اپنی طرف سے زیادتی کرتا ہے۔

دوم:۔ وہ جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا انکار کرتا ہے۔

سوم:۔ وہ جو ڈنڈے کے زور پر ملک پر مسلط ہو جاتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ شریفوں کو ذلیل اور ذلیلوں کی عزت افزائی کرے۔

چہارم:۔ وہ جو آنحضرت ﷺ کی اولاد پر ظلم اور اہانت کو حلال جان کر یہ فعل قبیح کرے۔

پنجم:۔ وہ جو میری سنت کا تارک ہے۔

یزید بھی مستحل ہے لہذا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی لعنت بھی ہے اس سے آگے روح المعانی میں ہے۔

"وقد جَزَمَ بِكُفْرِهٖ وَصَرَّحَ بِلَعْنِهٖ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ مِنْهُمْ نَاصِرُ السُّنَّةِ الْحَافِظُ ابْنُ الْجَوْزِيِّ وَسَبَقَهُ الْقَاضِيُ اَبُوْ يَعْلٰى وَقَالَ الْعَلَّامَةُ التَّفتازانی (رحمهم الله

تعالی) لَا نَتَوَقَّفُ فِیْ شَانِہٖ بَلْ فِیْ اِیْمَانِہٖ لَعْنَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اَنْصَارِہٖ وَاَعْوَانِہٖ وَمِمَّنْ صَرَّحَ بِلَعْنِہٖ الْجَلَالُ السیوطیُّ علیہ الرحمۃ''

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ علماء کی ایک جماعت نے یزید کے کفر کا جزم کیا ہے اور یقین کیا ہے اور یزید پر لعنت کی تصریح کی ہے ان علماء سے ایک محدث ابن جوزی ہے اور اس سے پہلے قاضی ابویعلیٰ نے بھی یزید کی لعنت کا قول کیا اور علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ کہا کہ ہم یزید کے بارے میں توقف نہیں کرتے کہ اس کو برا کہیں یا اس کی مذمت کریں بلکہ ہم بلا توقف اس کو برا کہتے ہیں اور اس کی مذمت کرتے ہیں بلکہ ہم تو اس کے ایمان میں بھی توقف نہیں کرتے بلکہ بلا توقف اس کو کافر کہتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ کی لعنت اس پر اور اس کے مددگاروں پر۔[1] اور یزید کی شخصی لعنت پر علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تصریح کی ہے۔

[1] یاد رہے کہ یزید پر اس کی موت کے بعد شخصی طور پر لعنت کرنے میں علماء اہل سنت کا اختلاف ہے بعض علماء لعنت کو جائز قرار دیتے ہیں جیسا کہ حضرت استاذ الاساتذہ مولانا عطاء محمد چشتی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی سے تفصیلاً نقل کیا ہے جب کہ دیگر حضرات شخصی لعنت سے منع کرتے ہیں منع کرنے والوں کا مقصد معاذ اللہ یزید کی حمایت کرنا ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی العیاذ باللہ اہل بیت کی مخالفت مقصود ہے۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں یزید پر لعنت کی ہے اس جگہ پر علامہ عبدالعزیز پر ہاڑوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب نبراس لکھتے ہیں کہ شارح کی گفتگو اس بات پر مبنی ہے کہ فاسق پر شخصی طور پر لعنت کرنا جائز ہے اگرچہ اس کی موت کفر پر ثابت نہ ہو۔ اور یہ خلاف تحقیق ہے۔ علامہ پر ہاڑوی فرماتے ہیں کہ محققین کی تحقیق یہ ہے کہ لعنت کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) وصف عام پر لعنت جو شریعت میں وارد ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کافروں اور یہودیوں پر لعنت فرمائے اور یہ جائز ہے۔ (۲) ایسے شخص معین پر لعنت کرنا جس کی موت کفر پر شارع علیہ السلام کی خبر سے ثابت ہو۔ جیسے فرعون اور ابلیس۔ (۳) ایسے شخص پر لعنت کرنا جس کی موت کفر پر معلوم نہ ہو اور یہ ناجائز ہے

چاہے وہ شخص زندہ ہو یا مردہ۔ اس طرح وہ بظاہر مومن ہو یا کافر کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالی کافر کو اسلام کی توفیق عطا فرما دے یہ محققین کا مذہب ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے لعنت سے منع فرمایا ہے اور اس پر سختی فرمائی ہے۔ حدیث شریف میں ہے مومن لعان نہیں ہوتا۔ (ترمذی) اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالی کی لعنت کے ساتھ لعنت نہ کرو (ابوداؤد) یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی چیز پر لعنت بھیجے اور وہ چیز لعنت کی اہل نہ ہو تو بھیجنے والے پر لوٹ آئے گی۔ پھر نبی اکرم ﷺ سے وصف عام اور کفر پر ہلاک ہونے والے پر لعنت ثابت ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تیسری قسم بدستور ممنوع ہے خصوصا جب کہ ایک شخص بظاہر مومن ہو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے (بخاری) خصوصا جب کہ وہ فوت ہو چکا ہو، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے مردوں کو گالی نہ دو کیونکہ انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے وہ وہاں تک پہنچ چکے ہیں۔ (بخاری) اس گفتگو سے ثابت ہوا کہ مجوزین کا عام نصوص سے یزید کی شخصی لعنت پر استدلال صحیح نہیں ہے اور ان عام نصوص میں لعنت کا مطلب اس فعل کی مذمت ہے یہ مطلب نہیں کہ اس کام کے کرنے والے پر شخصی طور پر لعنت کو جائز قرار دیا گیا ہے اس تحقیق کو اچھی طرح یاد کر لیں اور ان لوگوں میں سے نہ ہوں جو شریعت کے قواعد کی رعائت نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں کہ جو یزید کی لعنت سے منع کرتا ہے وہ خوارج میں ہے۔ ہاں یزید کے افعال کی قباحت مشہور ہے اور اہل بیت کی محبت واجب (چہ نسبت خاک رابعالم پاک۔؟) سچ تو یہ ہے کہ یزید خاک کے برابر بھی نہیں لیکن اس کی لعنت سے جو منع کیا جا رہا ہے اس لئے نہیں کہ اہل بیت کی محبت میں کمی ہے بلکہ قواعد شریعت کی رعایت پیش نظر ہے۔ نبراس عربی صفحہ ۵۵ ـ۵۵۴ (مکتبہ رضویہ لاہور) یہ ملخص ترجمہ ہے۔

امام سراج الملۃ ابوالحسن علی بن عثمان محمد الدوسی رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ بدء الامالی میں فرماتے ہیں۔

وَلَمْ یَلْعَنْ یَزِیْدًا بَعْدَ مَوْتٍ سِوَی الْمِکْثَارِ فِی الْاِغْرَاءِ غَالِ

موت کے بعد یزید پر وہی لعنت کرے گا جو ضرورت سے زیادہ بات کرنے والا اور اکسانے میں غالی ہو۔ شرف قادری۔۱۲

بندہ یہاں دو امروں کی تصریح کرتا ہے۔

امر اول:۔ یہ کہ آج کل بعض نام ونہاد اہل سنت بھی چونکہ یزید کی طرف داری کرتے ہیں اور حضرت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یزید کی شدید مذمت کی ہے تو یہ نام ونہاد علماء علامہ تفتازانی پر اعتراض کرتے ہیں کہ علامہ شیعہ ہے یا کہ مائل بہ تشیع ہے۔ اور اس پر کئی قرائن پیش کرتے ہیں۔ بندہ نے اسی مضمون میں دوسری جگہ پر ان کے قرائن کا رد کیا ہے۔ اب بندہ یہاں بھی موقع کی مناسبت کی وجہ سے ان کا رد کرتا ہے، کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اتنا مستند اہل سنت ہے کہ علامہ سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حنفی المذہب ہے یزید کے کفر اور لعنت شخصی کے مشکل ترین مسئلہ پر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے استدلال کر رہا ہے تو معلوم ہوا کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی پکا اہل سنت ہے۔ بلکہ بندہ کے نزدیک علامہ حنفی المذہب ہے۔ تو یہ نام ونہاد اہل سنت جو کہ مائل بہ خوارج ہیں ان کا علامہ پر اعتراض باطل ہے۔ امر اول ختم ہوا۔

امر دوم:۔ جن نام ونہاد اہل سنت مائل بہ خوارج کا ابھی بندہ نے ذکر کیا ہے یہ چونکہ یزید کے طرف دار اور معاون وانصار ہیں یہ بھی ان اعوان وانصار یزید میں داخل ہیں۔ جن پر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے لعنت کی ہے۔ لہٰذا ان کو یزید کی طرف داری سے بچنا لازمی ہے اس طرح صاحب روح المعانی نے بھی یزید کے ان طرف داروں پر لعنت کی ہے جن کا ذکر کسی اور جگہ پر اسی مضمون میں کیا گیا ہے اس کے بعد علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ یزید کے متعلق اپنی تحقیق اور اس پر دلائل ذکر کرتے ہیں اور یہ دلائل اسی قسم کے ہیں جیسے بندہ قبل ازیں صاحب نبراس کی عبارت میں ذکر کر چکا ہے۔ روح المعانی کی عبارت ملاحظہ ہو۔

"وفی تاریخ ابن الوردی وکتاب الکافی بالوفیات اَنَّ السبی لما ورد من العراق علی یزید خرج فلما لقی الاطفال والنساء من ذریة علی والحسین رضی اللہ تعالی عنہما والرؤس علی اطرف الرماح واشرفوا علی ثنیۃ جیرون فلما رای ھم نعب الغراب فانشد یقول"

شعر :۔

فلما بدت تلک الحمول واشرفت　تلک الرؤس علی شفا جیرون

نعب الغراب فقلت قل اولم تقل　فقد اقتضیت من الرسول دیونی

یعنی انہ قتل بمن قتلہ رسول اللہ ﷺ یوم بدر کجدہ عتبۃ وخالہ ولد عتبۃ وغیرھما وھذا کفر صریح فاذا صح عنہ فقد کفر بہ۔

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ تاریخ ابن الوردی اور کتاب الوافی میں ہے کہ اہل بیت رسول ﷺ کے قیدی جو کہ یزید کے لشکر نے قید کئے تھے یہ قیدی عراق سے جب یزید کے سامنے پیش ہوئے تو یزید باہر نکلا اور حضرت علی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد سے جو نابالغ بچے اور مستورات تھیں یزید نے ان سے ملاقات کی اور شہدا کرب و بلا کے سر نیزوں کی نوکوں پر تھے اور یزید کے لشکریوں نے جیرون پہاڑ کی گھاٹی پر چڑھ کر شہداء کرب و بلا کے سروں کا جو کہ نیزوں کی نوکوں پر تھے مظاہرہ کیا اور یزید سے درخواست کی کہ وہ باہر نکل کر سروں کے مظاہرہ کو دیکھے۔ تو جب یزید نے شہداء کرب و بلا کے سروں کو دیکھا تو سیاہ کوے نے چیخ ماری تو یزید نے یہ شعر پڑھے۔

شعر :۔

قَلَمَّا بَدتُ تِلك الحُمولُ واشرفتُ تـلـك الـرؤسُ عـلـى شِفاجيرون

نَعب الغُرابُ فقلت قل اولم تقل فقد اقتضَيتُ من الرسول دُيونی

ترجمہ:۔ جب اہل بیت کے کجاوے ظاہر ہوئے اور پہاڑ جیرون کی چوٹی پر سربلند ہوئے اور سیاہ کوے نے چیخ ماری تو میں نے اس کو کہا۔ کہ تو چیخ یا نہ چیخ میں نے تو آج رسول اللہ ﷺ سے تمام قرضے چکا لئے ہیں۔

صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ ہندہ جو کہ یزید کی دادی تھی جنگ بدر میں اس کا باپ عتبہ اور اس کا بھائی جو کہ عتبہ کا بیٹا تھا مسلمانوں کے ہاتھوں یہ دونوں کافر اور ان کے سوا جو کافر قتل ہوئے چونکہ عتبہ اور اسکا بیٹا یزید کے رشتے دار تھے، تو مذکورہ بالا شعر میں جو یزید نے کہا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے تمام قرضے چکا دئیے ہیں تو یزید کی اس سے مراد یہی ہے کہ بدر میں جو رسول اللہ ﷺ نے میرے رشتے داروں کو قتل کیا ہے آج میں نے میدان کرب وبلا میں آپ کی اہل بیت کو شہید کر کے اہل بدر کا بدلہ لے لیا ہے۔

صاحب روح المعانی ان اشعار کو نقل کر کے اپنی تحقیق بیان کرتے ہیں کہ یہ صریح کفر ہے جس کی کوئی تاویل نہیں ہے۔ جب یہ اشعار صحیح طور پر یزید سے ثابت ہیں تو اس کی وجہ سے یزید کافر ٹھہرا۔ بندہ نے قبل ازیں نمبر اس سے جو اشعار نقل کئے ہیں یہ اشعار جو روح المعانی سے بندہ نے نقل کئے ہیں سابقہ اشعار کا حصہ ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار صحیح طور پر یزید سے ثابت ہیں۔ اور وہ یقیناً کافر تھا۔

آگے چل کر صاحب روح المعانی نے اپنا مختار ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

"وَاَنَا اَقُوْلُ الَّذِیْ یَغْلِبُ عَلٰی ظَنِّیْ اَنَّ الْخَبِیْثَ لَمْ یَکُنْ مُصَدِّقاً بِرِسَالَةِ النَّبِیِّ ﷺ وَاَنَّ مَجْمُوْعَ مَافَعَلَ مَعَ اَهْلِ حَرَمِ اللّٰهِ تعالی وَاَهْلِ حَرَمِ نَبِیِّهٖ علیه الصلوٰۃ والسلام وَمَعَ عِتْرَتِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ فِی الْحَیَاتِ وَبَعْضَ الْمَمَاتِ وَمَاصَدَرَ مِنْهُ مِنَ الْمَخَاذِیْ لَیْسَ بِاَضْعَفَ دَلَالَةً عَلٰی عَدَمِ تَصْدِیْقِهٖ مِنَ اِلْقَاءِ وَرَقَةٍ مِّنَ الْمُصْحَفِ الشَّرِیْفِ فِیْ قَذَرٍ وَلَا اَظُنُّ اَنَّ اَمْرَهٗ کَانَ خَافِیاً عَلٰی اَجِلَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ اِذَا ذَاکَ وَلٰکِنْ کَانُوْا مَغْلُوْبِیْنَ مَقْهُوْرِیْنَ لَا یَسَعُهُمْ اِلَّا الصَّبْرُ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا وَلَوْ سُلِّمَ اَنَّ الْخَبِیْثَ کَانَ مُسْلِماً فَهُوَمُسْلِمٌ جَمَعَ مِنَ الْکَبَائِرِ مَالَا یُحِیْطُ بِهٖ نِطَاقُ الْبَیَانِ وَاَنَا اَذْهَبُ اِلٰی جَوَازِ لَعْنِ مِثْلِهٖ عَلَی التَّعْیِیْنِ وَالظَّاهِرُ اَنَّهٗ لَمْ یَتُبْ وَاحْتِمَالُ تَوْبَتِهٖ اَضْعَفُ مِنْ اِیْمَانِهٖ وَیُلْحَقُ بِهٖ ابْنُ زِیَادٍ وَابْنُ سَعْدٍ وَجَمَاعَتُهٗ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عز وجل علیهم اجمعین وَعَلٰی اَنْصَارِهِمْ وَاَعْوَانِهِمْ وَشِیْعَتِهِمْ وَمَنْ مَالَ اِلَیْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ مَادَمَعَتْ عَیْنٌ عَلٰی اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ الْحُسَیْنِ رضی الله تعالی عنهم "

خلاصہ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ صاحب روح المعانی کے مختار کا یہ ہے کہ یزید خبیث تھا اور مسلمان نہیں تھا کافر تھا اور اس کو آنحضرت ﷺ کی رسالت کے ساتھ تصدیق نہیں تھی اور جو اس نے اہل حرم مکہ اور اہل حرم مدینۃ الرسول ﷺ اور آپ کی اولاد پاک کے ساتھ ظلم کیا ان سب کا مجموعہ اس جرم سے کم نہیں ہے کہ کوئی آدمی قرآن پاک کا ورق گندگی میں پھینک دے۔ علامہ آلوسی کا مقصد یہ ہے کہ کتب فقہ میں مصرح ہے کہ اگر کوئی آدمی قرآن یعنی مصحف کا ورق پاخانہ اور گندگی میں پھینک دے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اور یزید سے جو جرائم

صادر ہوئے جن کا ابھی ذکر ہوا ہے ان جرائم کا مجموعہ ورق مصحف گندگی میں ڈالنے والے کے جرم سے کم نہیں ہے، بلکہ زیادہ ہے۔ پس یزید بطریق اولی کافر ہو گیا۔ کیونکہ اہل بیت رسول ﷺ بھی آنحضرت ﷺ کے بدن کا جزء اور حصہ ہیں جیسے ورق مصحف کا جزء اور حصہ ہے۔ اور مصحف جو کہ مجموعہ اوراق ہے یہ مخلوق ہے اور آنحضرت جب تمام مخلوق سے افضل ہیں تو مصحف شریف سے بھی افضل ہیں۔ تو جب مصحف شریف کے ورق اور جزء کی توہین کفر ہے تو آنحضرت ﷺ کی جزء کی توہین بلکہ اجزاء کی توہین بطریق اولیٰ کفر ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ آلوسی بغدادی نے یزید کے کفر کی دو وجہ بیان کی ہیں۔

وجہ اول:۔ یزید کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید کو آنحضرت ﷺ کی رسالت کے ساتھ تصدیق نہیں تھی۔

وجہ دوم:۔ یزید خبیث نے اہل حرم مکہ اور اہل حرم مدینہ اور اہل بیت رسول ﷺ پر جو ظلم کیے ان کا مجموعہ اس آدمی کے جرم سے کم نہیں ہے جس نے مصحف شریف کا ورق گندگی پر پھینک دیا اس کے بعد علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ان صحابہ کا عذر بیان کرتے ہیں جنہوں نے یزید سے بیعت کی ہے کہ یزید کی خباثتیں اس دور کے بزرگ مسلمانوں پر مخفی نہ تھی لیکن وہ بزرگ مسلمان یزید کے ہاتھوں مغلوب اور قہر زدہ تھے۔ اس لئے ان کے لئے سوائے صبر کے چارہ نہ تھا۔ یہاں تک علامہ آلوسی نے دو وجہ سے یزید کا کفر ثابت کیا ہے۔ اب کہتے ہیں کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یزید خبیث مسلمان تھا تو اس نے اتنے کبائر کا ارتکاب کیا کہ زبان ان کے بیان سے قاصر ہے یزید کے متعلق دو امر ہیں۔

امر اول:۔ یہ کہ کافر تھا یا مسلمان۔؟ تو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مختار ذکر کر دیا کہ دراصل وہ کافر تھا، یا کہ بہت بڑا فاسق وفاجر۔

امر دوم:۔ یزید پر بشخصہ لعنت جائز ہے یا نہ۔؟ تو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا مختار یہ ہے کہ یزید اور اس کی مثل جو ظالم ہو اس پر بشخصہ اور بعینہ لعنت جائز ہے اگر چہ یزید کی مثل کوئی فاسق نہیں ہے۔ اور یزید ان کبائر میں منفرد ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال اور نظیر نہیں۔ تو آپ کی اہل بیت کی بھی نظیر اور مثال نہیں ہے۔ تو پھر آپ کی اہل بیت پر ظلم کی بھی کسی اور کی اہل بیت پر ظلم کی نظیر نہیں ہے۔ پھر مشہور یہ ہے کہ یزید نے اس جرم کے بعد توبہ کی تھی، علامہ آلوسی اس توبہ کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جزمی بات یہ ہے کہ یزید نے توبہ نہیں کی اور اس کی توبہ کا احتمال اس کے ایمان کے احتمال سے زیادہ ضعیف ہے یعنی یزید میں ایمان کے لحاظ سے دو احتمال ہیں۔

احتمال اول:۔ یہ کہ مسلمان ہے۔

احتمال دوم:۔ یہ کہ کافر ہے۔

لیکن راجح اور ظن غالب کفر کا ہے اور ایمان کا احتمال مرجوح اور ضعیف ترین ہے لیکن اس کی توبہ اس کے احتمال ایمان سے بھی ضعیف ترین ہے۔ یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ ایمان تصدیق ہے اور تصدیق ظن سے شروع ہوتی ہے اور مرجوح جانب تصور ہے لہذا اگر ایمان کا احتمال مرجوح اور ضعیف ہو تو یہ ایمان نہیں ہے بلکہ ایمان کا صرف تصور ہے۔ یہاں در اصل علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ ان کا مختار یہ ہے کہ یزید پر لعنت شخصی جائز ہے

اس کے بعد علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو کفر اور لعنت بشخصہ کا حکم یزید کے لئے ذکر کیا جا چکا ہے وہی حکم ابن زیاد اور ابن سعد اور دوسری جماعت کا ہے، جو یزید کی حمایت میں لڑنے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے میں شریک تھے اس کے بعد علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی طرف سے ان سب پر لعنت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالی غالب اور بزرگ کی لعنت ان سب پر ہو اور ان کے مددگاروں اور معاونوں اور ان کے شیعہ گروہ پر اور جس نے ان کی طرف میلان کیا یعنی جنہوں نے یزید کو حق بجانب سمجھا اور یہ لعنت قیامت تک ہو جب تک کہ ابو عبداللہ امام حسین رضی اللہ عنہ پر آنکھیں آنسو بہاتی رہیں۔ صاحب روح المعانی کی عبارت مذکورہ بالا کے بعد اب حضرت محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا یزید کے متعلق فتویٰ ملاحظہ ہو۔ محشی نبراس مولوی برخوردار ملتانی نے حاشیہ نبراس میں شیخ محقق کی عبارت یوں نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

" قال الدهلوی بعد عد القبائح منه ودر اثناء ایں ازد نیا بجهنم شتافته دیگر احتمال تو به ورجوع او را خدا داند "

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ حضرت شیخ دہلوی نے پہلے وہ قبائح ذکر کئے جو یزید سے سرزد ہوئے اور اس کے بعد شیخ نے کہا کہ اس مدت کے درمیان یزید دنیا سے جہنم اور دوزخ کی طرف دوڑا۔ اب اس کی توبہ اور رجوع کو خدا جانے۔

اس عبارت میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے دو چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اول:۔ یہ کہ یزید کافر تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کے متعلق یہ کہنا درست نہیں کہ وہ دنیا سے دوزخ کی طرف دوڑا۔

دوم:۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ یزید نے اپنے افعال بد سے توبہ کی یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ:

''اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ''

وارد ہے تو تائب دنیا سے جنت کی طرف جاتا ہے نہ کہ جہنم اور دوزخ کی طرف۔ اور یزید بقول شیخ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ دنیا سے دوزخ کی طرف دوڑا۔اب آخر میں خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کے متعلق فتویٰ ملاحظہ ہو۔نبراس میں ہے۔

''وَاَنَّمَا نَصَبَہٗ مُعَاوِیَۃُ رضی اللہ تعالی عنہ ظَنًّا بِصَلَاحِہٖ کَمَا رُوِیَ عَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ یَزِیْدُ عَلٰی مَاظَنَنْتُہٗ وَاِلَّا فَعَجِلْ مَوْتَہٗ وَقَدِ اسْتُجِیْبَ دُعَائُہٗ فَلَمْ یَطُلْ مُلْکُہٗ''

یعنی یزید اپنے والد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں فاسق و فاجر تھا لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا علم نہ تھا ان کا گمان تھا کہ یزید صالح اور اچھا ہے اس لئے اس کو اپنا نائب مقرر کیا۔اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو نائب مقرر کرنے کے بعد اللہ تعالی جل شانہ سے یہ دعا مانگی کہ اے رب العزت اگر یزید اچھا اور نیک ہے جیسا کہ میرا ظن اور گمان تو پھر تو ٹھیک ہے کہ میں نے صالح کو نائب مقرر کیا اور اگر یزید فی الواقع برا ہے اور صالح نہیں ہے تو اس پر جلدی موت آجائے۔کیونکہ یزید برا تھا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بددعا یزید کے متعلق اللہ تعالی نے قبول فرمائی اور اس کی حکومت اور سلطنت مختصر ہوئی، اور لمبی نہ ہوئی یعنی صرف تین سال اور کچھ ماہ یزید حاکم رہا۔یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جو دعا مقبول ہوئی تو پتہ چلا کہ یزید فاسق و فاجر اور برا تھا۔اور خلافت کا مستحق

نہ تھا۔اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مطلقاً یزید کی خلافت پر راضی نہ تھے۔

اب بندہ صاحب نبراس کی ایک عبارت نقل کرتا ہے جس سے اہل سنت کا یزید اور اہل بیت کے متعلق عقیدہ معلوم ہوتا ہے۔کہ اہل سنت کو ان دونوں کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہئے۔

یزید کے طرف داروں کے خلاف علماء اہل سنت کا عقیدہ اور فتویٰ:۔

عبارت ملاحظہ ہو۔

”نَعَمْ قُبْحُ اَفْعَالِهٖ مَشْهُوْرٌ وَحُبُّ اَهْلِ الْبَيْتِ وَاجِبٌ“

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ یزید خبیث نے جو بُرے اور قبیح فعل کئے ہیں وہ اتنے مشہور ہیں کہ دلیل سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر مسلمان پر واجب ہے۔اور اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے۔اب جو لوگ یزید کی طرف داری کرتے ہیں اور اس کو حق بجانب جانتے ہیں ان کے متعلق علماء اہلسنت کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔حاشیہ نبراس میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت یوں نقل کی گئی ہے۔

”قَالَ عَلِیُّ الْقَارِیُّ وَاَمَّا مَا تَفَوَّهَ بَعْضُ الْجَهَلَةِ مِنْ اَنَّ الْحُسَیْنَ رضی اللہ تعالی عنہ کَانَ بَاغِیاً فَبَاطِلٌ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ“

یعنی وہ لوگ بڑے جاہل ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یزید حق بجانب تھا اور امام حسین رضی اللہ عنہ باغی تھے۔نعوذ باللہ۔یہ بالکل باطل ہے۔اور اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔محشی نبراس کہتا ہے کہ ملا علی قاری کی مراد بعض الجہلۃ سے کیا ہے۔؟ عبارت ملاحظہ ہو۔

”اَلْمُرَادُ بِبَعْضِ الْجَهَلَةِ ابْنُ الْعَرَبِیِّ الْمَالِکِیُّ الشَّارِحُ لِلتِّرْمِذِیِّ کَانَ

عَالِماً فَاضِلًا وَعَبَّرَهُ الْقَارِیْ هٰهُنَا بِبَعْضِ الْجَهَلَةِ لِاَنَّه قَالَ فِیْ هٰذَا الْمَقَامِ خِلَافَ الْعِلْمِ وَهُوَ جَهْلٌ وَلَنِعْمَ مَاقِیْلَ"

"علمے که راه حق ننماید جهالت است"

یعنی ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مراد بعض جاہلوں سے ابن عربی مالکی ہے جس نے ترمذی شریف کی شرح لکھی ہے اور یہ بڑا عالم فاضل تھا اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جاہل اس لئے کہا ہے کہ اس نے یزید کی طرف داری کی اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی کہا۔ یہ بات علم کے خلاف ہے۔ اور کوئی عالم ایسا نہیں کہتا اور علم کا خلاف جہل ہے۔ چنانچہ فارسی کے مصرع کا یہی مطلب ہے کہ وہ علم جو راہ حق نہ دکھائے وہ جہالت ہے چونکہ ابن عربی اگرچہ عالم فاضل تھا لیکن اس کو علم نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے متعلق راہ حق نہ دیکھایا۔ لہٰذا اس کا علم جہالت ہے۔ تو علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا اس کو بعض الجھلۃ سے تعبیر کرنا درست ہے۔ اب یزید کے طرف داروں کے متعلق سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ صاحب روح المعانی کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

"وَاَبُوْ بَكْرِ بْنُ عَرَبِیِّ الْمَالِكِیُّ عَلَیْهِ مِنَ اللّٰهِ تعالی مَایَسْتَحِقُّ اَعْظَمَ الْفِرْیَةَ فَزَعَمَ اَنَّ الْحُسَیْنَ رضی الله تعالی عنه قُتِلَ بِسَیْفِ جَدِّهٖ ﷺ وَلَهٗ مِنَ الْجَهَلَةِ مُوَافِقُوْنَ عَلٰی ذٰالِكَ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ یَقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِباً قَالَ اِبْنُ الْجَوْزِیِّ علیه الرحمة فِیْ كِتَابِهِ السِّرُّ الْمَصُوْنُ مِنَ الْاِعْتِقَادَاتِ الْعَامَّةِ الَّتِیْ غَلَبَتْ عَلٰی جَمَاعَةٍ مُنْتَسِبِیْنَ اِلَی السُّنَّةِ اَنْ یَقُوْلُوْا اِنَّ یَزِیْدَ كَانَ عَلَی الصَّوَابِ وَاِنَّ الْحُسَیْنَ رضی الله تعالی عنه اَخْطَاَ فِی الْخُرُوْجِ عَلَیْهِ"

جس ابن مالکی کی قبل ازیں علی قاری نے مذمت کی ہے اور اس کے قول کو علم کے

خلاف قرار دے کر اس کو جاہل قرار دیا ہے اسی ابوبکر بن عربی مالکی کی سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی نے بھی مذکورہ بالا عبارت میں شدید مذمت کی ہے کہ ابن عربی نے کہا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے جد امجد ﷺ کی تلوار سے قتل کئے گئے۔ یعنی یزید نے جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا یہ شریعت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مطابق تھا۔ تو علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ ابن عربی نے یہ بہت بڑا بہتان امام عالی مقام پر باندھا ہے خدا اسے وہ عذاب دے جس کا وہ مستحق ہے۔ اور بعض اور جاہل بھی ہیں جنہوں نے ابن عربی مالکی کی موافقت کی ہے۔ پھر صاحب روح المعانی نے قرآن پاک کی ایک آیت سے اقتباس کرتے ہوئے کہا کہ ابن عربی اور اس کے موافقین نے جو قول کیا ہے یہ بہت بڑا کلمہ ہے جو ان کے منہ سے خارج ہوا ہے۔ یہ انہوں نے بہت بڑا جھوٹ بولا ہے۔ محدث ابن جوزی نے کہا کہ ایک جماعت ہے جو کہ اہل سنت کی طرف منسوب ہوتی ہے ان کا یہ عام عقیدہ جو ان پر غالب ہے وہ یہ کہ یزید نے جو کچھ کیا یہ صواب ہے۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جو یزید کے خلاف خروج کیا یہ خطا ہے۔ یہ قول بھی ابن عربی کی طرح جھوٹ اور بالکل باطل ہے۔

اس کے بعد صاحب روح المعانی ابن عربی اور اس کے موافقین کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”وَلَوْ نَظَرُوْا فِي السِّيَرِ لَعَلِمُوْا كَيْفَ عُقِدَتْ لَهُ الْبَيْعَةُ وَأُلْزِمَ النَّاسُ بِهَا وَلَقَدْ فُعِلَ فِيْ ذَالِكَ كُلُّ قَبِيْحٍ ثُمَّ لَوْ قَدَّرْنَا صِحَّةَ عَقْدِ الْبَيْعَةِ فَقَدْ بَدَتْ مِنْهُ بَوَادٍ كُلُّهَا تُوْجِبُ فَسْخَ الْعَقْدِ وَلَا يَمِيْلُ اِلٰى ذَالِكَ اِلَّا كُلُّ جَاهِلٍ عَامِيِّ الْمَذْهَبِ يَظُنُّ اَنَّهٗ يَغِيْظُ بِذَالِكَ الرَّافِضَةَ هٰذَا“

ابن عربی مالکی کے رد کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ یزید کی طرف داری کرنے والے اگر سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اول تو یزید کی بیعت جبری ہے اور متحقق ہی نہیں ہوئی اور اگر بالفرض متحقق ہوئی ہے تو یزید سے اتنے قبائح صادر ہوئے ہیں جس سے عقد بیعت فسخ ہو جاتا ہے اور یزید کی طرف داری صرف جاہل لوگ ہی کرتے ہیں اور ان کا مقصد محض اہل شیعہ اور رافضیوں کو غصہ دلانا ہے۔

یہ فقیر عرض کرتا ہے کہ آج کل بھی بعض منسوبین الی اہل السنّت والجماعت نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ اہل شیعہ کو غصہ دلانے کے لئے یزید کی بے جا طرف داری کرتے ہیں۔ چنانچہ ان ہی لوگوں کا تالیف کردہ ایک رسالہ بندہ نے دیکھا ہے جس میں یہ جرأت کی گئی ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ یزید کو امیر المومنین کہتے اور مانتے تھے۔ بندہ بھی یہاں سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع میں کہتا ہے۔

نوٹ:۔ ﴿عطاء اللہ بندیالوی کا رسالہ واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر ہے﴾

"كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِباً"

اہل سنت کے لئے یہ سخت نامناسب ہے کہ روافض کو غصہ دلانے کے لئے یزید کو امیر المومنین کہا جائے کیونکہ یہ طریقہ خوارج کا ہے اس فقیر نے رسالہ عقیدہ اہل سنت میں اہل تشیع کا رد بلیغ کیا ہے شاید ہی اس دور میں کسی اہل سنت نے ایسا رد کیا ہو۔ اس کے باوجود بندہ نے بالفاظ علماء اعلام یزید کو کافر خبیث ملعون لکھا ہے۔ اب بندہ رسالہ کی جزء سوم کا خلاصہ نقل کرنے سے قبل حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خصوصاً اور اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عموماً چند مناقب ذکر کرتا ہے اس لئے کہ ان مناقب پر جزء سوم کا خلاصہ موقوف ہے۔ ملاحظہ ہو۔

حدیث اول:۔ مشکوۃ شریف بحوالہ ترمذی شریف۔

"عَنْ زَيْدِ ابْنِ اَرْقَمْ رضی الله تعالی عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ الله ﷺ اِنِّی تَارِكٌ فِيكُمْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِیْ اَحَدُ هُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْآخَرِ كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ وَعِتْرَتِی اَهْلُ بَيْتِی وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ فَنْظُرُوْا كَيْفَ تَخْلُفُوْنِّی فِيْهِمَا رواه الترمذی"

خلاصہ حدیث شریف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑنے والا ہوں اگر تم نے ان چیزوں کے ساتھ اتباع اور استدلال کیا تو میرے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ان میں سے ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے۔ایک اللہ تعالی کی کتاب جو کہ ایسی رسی ہے جو کہ آسمان اور زمین کے درمیان کھینچی گئی ہے۔اور دوسری میری اولاد اور اہل بیت ہے۔یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔حتی کہ دونوں حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کریں گے۔پس تم پر لازم ہے کہ تم اس امر کا خیال کرو گے کہ تم ان دونوں کے متعلق میرے کیسے خلیفہ بنو گے۔

غور فرمائیں کہ آنحضرت ﷺ نے تصریح فرمادی کہ میری موجودہ اولاد اور اہل بیت حق صراط مستقیم پر ہوگی۔کیونکہ آپ نے موجودہ اہل بیت کو ہادی قرار دیا۔کہ ان سے دوسرے لوگ ہدایت حاصل کریں گے اور ان کی اتباع کی وجہ سے گمراہ نہ ہوں گے۔تو جو دوسرے کے لئے ہادی ہو خود بطریق اولیٰ ہدایت پر ہوگا۔اور یہ امر ظاہر ہے کہ جس عترت اور اہل بیت کا حدیث شریف میں ذکر ہے حسنین کریمین ان میں اصالۃً اور اولاً داخل ہیں اور یہ ہر دو صرف ہادی ہی نہیں بلکہ مینار ہدایت ہیں۔کسی اور کو وہ فضیلت جزئی حاصل نہیں جو ان

دونوں کو حاصل ہے۔ یزید فاسق و فاجر خبیث کو قطعاً یہ حق نہیں تھا کہ وہ ان کا امیر المومنین ہو۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ان کی تعریف و توصیف حدیث مذکورہ بالا میں مصرح ہے۔ ان کو باغی کہنا اور یزید کو امیر المومنین یہ اسلام سے بغاوت اور حدیث بالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔ کیا ایک باغی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مینار ہدایت قرار دیا۔؟ اور ایک فاسق و فاجر کو اس کا امیر المومنین قرار دیا۔؟

حدیث دوم:۔ ''وعنہ ان رسولَ اللہ ﷺ قَالَ لِعَلِیّ وَّ فَاطِمَۃَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ رضی اللہ تعالی عنھم اَنَا حَرْبٌ لِّمَنْ حَارَبَھُمْ وَسِلْمٌ لِّمَنْ سَالَمَھُمْ رواہ الترمذی''

یہ حدیث بھی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے متعلق فرمایا کہ جس آدمی نے ان چار سے لڑائی کی میں اس سے لڑائی کرنے والا ہوں۔ لڑائی چونکہ دشمن سے ہوتی ہے تو معنی یہ ہوا کہ جو ان کا دشمن ہے میں اس کا دشمن ہوں۔ اور جس نے ان چار سے صلح کی میں اس سے صلح کرنے والا ہوں، چونکہ یزید نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید سے لڑائی کی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یزید کے دشمن ہیں۔ تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن مسلمانوں کا خلیفہ اور امیر المومنین بن سکتا ہے۔؟ اور کیا امام حسین رضی اللہ عنہ اس جلالت قدر کے باوجود یزید کے مقابلہ میں باغی قرار دیئے جاسکتے ہیں۔؟ ہرگز نہیں۔

حدیث سوم:۔ ''عَنْ اَبِی سعیدٍ قال قال رسول اللہ ﷺ اَلْحَسَنُ

والحسینُ رضی اللہ تعالی عنهما سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ رواہ الترمذی''

یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما ان جنتیوں کے سردار ہیں جو کہ جوانی میں فوت ہوئے۔ اگر چہ یہ دونوں خود جوانی میں فوت نہیں ہوں گے۔ اس حدیث شریف میں بھی ان لوگوں کا رد بلیغ ہے جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے مقابلہ میں باغی کہتے ہیں۔ اور یزید کو حق پر مانتے ہیں۔ اور یہ نہیں سوچتے کہ باغی جوان جنتیوں کیسے سردار ہو سکتا ہے۔؟ اور یزید جس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا جو کہ جوان جنتیوں کے سردار ہیں یہ یزید کیسے حق پر ہو سکتا ہے۔؟

حدیث چہارم:۔ '' عن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالی عنه قال قال رسول اللہ ﷺ مَنْ اَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسینَ رضی اللہ تعالی عنهما فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ رواہ ابن ماجه ''

یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے اور جوان دونوں سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے۔

اب غور کریں کہ آنحضرت ﷺ نے حسنین کریمین کی محبت کو اپنی محبت اور ان کے ساتھ بغض کو اپنے ساتھ بغض قرار دیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یزید نے جو امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت کو قتل کرایا اور ان کی توہین کی تو ظاہر ہے کہ یزید ان کے ساتھ محبت نہیں کرتا تھا بلکہ بغض رکھتا تھا۔ تو فرمان نبوی ﷺ کے مطابق وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی بغض رکھتا تھا۔ اور اس نے اس بغض کی اپنے اشعار میں تصریح بھی کی ہے کہ جنگ بدر میں یزید کے اجداد کفار جو آنحضرت ﷺ نے قتل کئے یزید کہتا ہے کہ میں نے میدان کرب وبلا میں ان کفار

کے قتل کا بدلہ لے لیا ہے اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ نبی کریم ﷺ سے بغض رکھنے والا نہ تو مسلمان ہو سکتا ہے اور نہ ہی امیر المومنین۔

اب ان مناقب کے بعد بندہ اصلی اور نہایت پیچیدہ مسئلہ ذکر کرتا ہے جس کی طرف موجودہ دور کے علماء اہل سنت نے توجہ نہیں کی۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف خروج کیا ہے اور جہاد کیا ہے اور اسی جہاد کے لئے مدینہ شریف سے نکل کر کوفہ آنے کا ارادہ فرمایا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اپنی مستورات مطہرۃ اور چھوٹے بچوں کو ساتھ لائے رضی اللہ عنہم۔ تاکہ زندگی اور موت میں اکٹھے رہیں۔ کیونکہ اگر اہل وعیال کو مدینہ منورہ میں چھوڑ آتے تو ان کا کوئی سرپرست نہیں تھا اس لئے حضرت امام رضی اللہ عنہ کو ان کی فکر رہتی۔ اس جگہ دو طرح کی تقریر ہے۔

تقریر اول:۔ یزید مومن تھا یا کہ کافر۔؟ اگر وہ مسلمان تھا اور مسلمانوں کا امیر تھا تو صاحب نبراس کے حوالہ سے بندہ قبل ازیں بیان کر چکا ہے کہ شرع شریف کا حکم یہ ہے کہ

”وجوب طاعة الامير ولو فاسق جائراً“

یعنی مسلمان امیر کی اطاعت دوسرے مسلمانوں پر واجب ہے اگرچہ وہ امیر فاسق اور ظالم ہو۔ تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لازم اور واجب تھا کہ وہ یزید کی اطاعت کرتے اور یزید سے بلاچون وچرا بیعت کر لیتے۔ اور اس امر پر تقریباً اجماع ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی نہ اطاعت کی اور نہ بیعت کی۔

سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

تو اب اطاعت اور بیعت نہ کر کے حضرت امام رضی اللہ عنہ نے ترک واجب کیا، اور گناہ کا ارتکاب کیا اور اہل سنت کو اس کی مذمت کرنی چاہئے۔ اور نیز امام نے یزید کے خلاف خروج کیا اور مسلمان امیر کے خلاف خروج بغاوت ہے، تو امام نے بغاوت کا ارتکاب کیا اور باغی ٹھہرے۔ حالانکہ چار احادیث سے جو امام کے مناقب ذکر کئے گئے ہیں، وہ تارک واجب اور باغی کے مناقب نہیں ہو سکتے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی تارک واجب اور باغی کے متعلق نہیں فرما سکتے کہ اس کی محبت میری محبت اور اس سے بغض مجھ سے بغض ہے اور نہ ہی یہ فرما سکتے ہیں کہ باغی جوان جنتیوں کا سردار ہوگا۔

خلاصہ تقریر اول:۔ یہ ہے کہ یزید کو اگر مسلمان اور امیر المومنین تسلیم کیا جائے تو لازم آئے گا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تارک واجب اور باغی ہوں۔ ملازمہ پر دلیل یہ ہے کہ مسلمان امیر اگر چہ فاسق ظالم ہو اس کے خلاف خروج بغاوت ہے اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے خروج کیا اور لازم باطل ہے اور حضرت امام رضی اللہ عنہ کو باغی کہنا باطل ہے اس کی دلیل چار احادیث مذکورہ بالا ہیں۔ کہ باغی جنتیوں کا سردار نہیں ہو سکتا اور اس کی محبت نبی علیہ السلام کی محبت نہیں ہو سکتی۔ اور اس سے بغض نبی علیہ السلام سے بغض نہیں ہو سکتا۔ جب لازم باطل ہوا تو ملزوم بھی باطل ٹھہرا اور ملزوم یہ تھا کہ یزید مسلمان اور امیر المومنین ہو جب ملزوم باطل ہوا تو یزید کا مسلمان اور امیر المومنین ہونا باطل ہوا۔ تو یزید کا کافر اور غاصب ہونا ثابت ہوا۔ کیونکہ ایمان اور کفر کے درمیان واسطہ نہیں ہے۔ بندہ کی یہ تقریر اول قیاس استثنائی اتصالی ہے جس کا خلاصہ یہ ہوگا کہ اگر یزید مسلمان اور امیر المومنین ہو تو امام حسین رضی اللہ عنہ تارک واجب اور باغی ہوں گے۔ اور تالی باطل ہے۔ تو مقدم بھی باطل ہوگا۔ تو یزید کا کفر اور غاصب ہونا ثابت ہوگا۔

تقریر دوم:۔ یہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے جو یزید کے خلاف خروج کیا اور کرب وبلا میں شدید معرکہ ہوا اور کسی شاعر نے کہا۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

تو اس معرکہ میں حق پر کون تھا۔؟ اگر یہ کہا جائے کہ یزید حق پر تھا تو لازم آئے گا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ باطل پر تھے کیونکہ دونوں حق پر نہیں ہو سکتے اور لازم اور تالی باطل ہے۔ کیونکہ جو باطل پر ہو اس سے محبت نبی علیہ السلام کی محبت اور اس سے بغض نبی علیہ السلام سے بغض نہیں ہوسکتا، اور جو باطل پر ہو وہ جنتیوں کا سردار نہیں ہوسکتا۔ جب لازم اور تالی باطل ہوا تو ملزوم اور مقدم بھی باطل ہوا، اور مقدم اور ملزوم یہ تھا کہ معرکہ کرب وبلا میں یزید حق پر تھا جب یہ باطل ٹھہرا تو یہ ثابت ہوا کہ یزید باطل پر تھا یہ بھی قیاس استثنائی اتصالی ہے۔ منطق میں جس دلیل اور قیاس سے بحث ہوتی ہے یہ ابتداء میں دو قسم ہے۔

اول:۔ قیاس اقترانی۔ **دوم:۔** قیاس استثنائی۔

پھر قیاس اقترانی کی دو قسمیں ہیں۔

اول:۔ قیاس اقترانی حملی۔ **دوم:۔** قیاس اقترانی شرطی۔

اور ان دو قسم اقترانی کی چار چار شکلیں ہیں۔

شکل اول:۔ بدیہ الانتاج ہے یعنی شکل اول کا نتیجہ اتنا واضح ہے کہ اس کی صحت پر دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس کی صحت واضح ہے۔ اب بندہ قیاس اقترانی حملی

کی شکل اول سے یزید کی لعنت شخصی پر دلیل قائم کرتا ہے۔

صغریٰ یہ ہے۔ یزیدُ ظالمٌ

کبریٰ یہ ہے۔ کُلُّ ظَالِمٍ عَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ

اب نتیجہ یہ ہوگا۔ یَزِیْدُ عَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ

صغریٰ پر تو اہل سنت کا اجماع ہے۔ کہ یزید کا رویہ اہل بیت کے ساتھ ظالمانہ تھا۔ اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

اور کبریٰ پر دلیل قرآن پاک کی آیت مبارکہ ہے۔ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظَّالِمِیْنَ ۔

جب صغریٰ اور کبریٰ دونوں صحیح ہوئے اور شکل کے تمام شرائط ایجاب صغریٰ کلیۃ کبریٰ متحقق ہوئے تو نتیجہ یقیناً درست ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بندہ ابتداء میں ذکر کر چکا ہے کہ اس فقیر نے ایک رسالہ بنام عقیدہ اہل سنت تحریر کیا تھا۔ اور بعض احباب کے فرمان پر اس رسالہ میں زیادتی کی اور اس زیادتی کے تین اجزاء تھے ،اب تینوں اجزاء ختم ہوئے۔ فالحمد للہ تعالی عزوجل۔

اب آخر میں خاتمہ کے طور پر بندہ ایک ضروری امر بیان کرتا ہے۔ وہ یہ کہ بندہ نے ایک رسالہ دیکھا ہے جو کسی قریشی صاحب کی تصنیف ہے جس میں بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے اس فقیر کو شدید اختلاف ہے اس رسالہ میں یزید کی ناجائز طور پر طرف داری کی گئی ہے ںس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ کے مؤلف قریشی صاحب کا میلان یزید کی طرف ہے رمؤلف بھی یزید کے اعوان وانصار سے ہے۔

اس لئے بندہ کو مناسب معلوم ہوا کہ اس رسالہ میں قریشی صاحب نے جو قابل تراض باتیں کی ہیں ان کی نشاندہی کی جائے۔ رسالہ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

مالہ کے صفحہ نمبر ۲ پر قریشی صاحب رقم طراز ہیں۔

'' حضورؐ نے اپنی چار صاحبزادیوں میں سے تین شہزادیاں خاندان بنوامیہ کو بیاہ ں اور چوتھی شہزادی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہاشمی کو بیاہ دیں۔ جن سے شکر ا ہوجانے کو رسول اللہؐ نے بڑی ناگواری سے محسوس فرمایا تھا۔ تو حساب کے تناسب سے ۷ فیصدی دامادی کا شرف بنوامیہ کو حاصل ہوا۔ اور ۲۵ فیصدی دامادی کا شرف بنوہاشم کے ہ میں آیا '' رسالہ کی عبارت ختم ہوئی۔

بندہ عرض کرتا ہے کہ جناب قریشی صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک مذکورہ

بالا عبارت میں دو جگہ پر کیا ہے۔

اول:۔ حضور ؐ نے اپنی چار صاحبزادیوں۔ اور لفظ حضور پرؐ سے درود شریف کی طرف اشارہ کیا اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک یہ کہ پورا درود لکھنے میں وقت زیادہ صرف ہوتا ہے اور لفظ ؐ میں وقت کی بچت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پورا درود شریف لکھنے میں کاغذ ذرا زیادہ خرچ ہوتا ہے اور صرف ؐ لکھنے میں کاغذ کی بچت ہے۔ تو قریشی صاحب نے نقش ؐ لکھ کر وقت اور کاغذ دونوں کی بچت کی ہے جو کہ بہت کنجوسی اور نامناسب ہے۔ حدیث میں تین آدمیوں کو بدبخت کہا گیا ہے ان میں سے ایک وہ مسلمان ہے جو کہ آنحضرت ﷺ کا نام آئے اور وہ درود شریف نہ پڑھے بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ قریشی صاحب کی طرح ایک آدمی کی درود شریف کے متعلق یہی عادت تھی تو اس کی انگلیاں شل ہوگئیں۔

دوم:۔ عبارت مذکورہ بالا میں قریشی صاحب کی دوسری قابل اعتراض بات یہ ہے کہ قریشی صاحب نے شرف دامادی کا ۷۵ فیصدی حصہ بنوامیہ کو اور ۲۵ فیصدی حصہ بنو ہاشم کو حاصل ہونے کا ذکر کیا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بنوامیہ تین چوتھائی بنو ہاشم سے زیادہ شریف ہے۔ تو ایک تو کسی اہل سنت کا یہ عقیدہ نہیں ہے اور دوسرا حدیث شریف کے بھی خلاف ہے۔ قریشی صاحب کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمام انسانوں سے قریش افضل ہیں اور تمام قریش سے بنو ہاشم افضل ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے قریش اور بنو ہاشم میں پیدا فرمایا۔

سوم:۔ قریشی صاحب کی تیسری قابل اعتراض چیز یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراض ہوئیں تو آنحضرت ﷺ نے بہت ناگوار محسوس کیا اور قریشی صاحب نے دوسرے دو دامادوں کے متعلق شکر رنجی کا ذکر نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قریشی صاحب کے نزدیک دوسرے دو داماد رضی اللہ عنہما، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ اور یہ بھی عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے۔

چہارم:۔ قریشی صاحب کی چوتھی لغزش یہ ہے کہ ایک کم یعنی گنتی ہے، اور دوسرا کیف۔ قریشی صاحب نے کم کو کیف پر ترجیح دی ہے حالانکہ اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ شراف اور کیف کے لحاظ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بجزء ایک دو استثناء تمام عورتوں سے افضل ہیں تو شرف دامادی کے لحاظ سے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام بنو امیہ سے افضل ہیں باقی رہا دوسرے بنو ہاشم تو ان کی شرافت تمام بنو امیہ پر ہے۔ تو یہ اہل سنت کے مسلمات سے ہے۔ کیف اور کم کے درمیان فرق عظیم کی طرف علامہ اقبال مرحوم نے بھی اپنے ایک شعر میں لطیف اشارہ کیا ہے۔ علامہ مغربی جمہوریت کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

رائے کو گنا کرتے ھیں تولا نھیں کرتے

یعنی مغربی جمہوریت والوں کے نزدیک کم اور گنتی معتبر ہے اور اہل اسلام کے نزدیک کیف اور شرافت اور علم و فضل اور تقویٰ معتبر ہے۔ قریشی صاحب نے بھی مغرب کا اتباع کر کے ۷۵ فیصدی اور ۲۵ فیصدی کی وجہ سے شرف دامادی پر اعتماد کیا ہے۔ شاید قریشی صاحب اموی قریشی ہیں۔ اسلئے بنو امیہ کو بنو ہاشم پر ترجیح دے رہے ہیں۔ قریشی صاحب اپنے رسالہ کی ابتدا میں فرماتے ہیں۔

" حقیقت یہ کہ نہ تمام بنو امیہ مطلقاً قابل مذمت ہیں اور نا ہی تمام بنو ہاشم علی الاطلاق قابل تعریف "

قریشی صاحب نے حقیقت کو چھپانے کے لئے گول مول عبارت کا سہارا لیا ان پر لازم تھا کہ بنو امیہ کے قابل مذمت اور بنو ہاشم کے قابل مذمت افراد کی تصریح کرتے۔ بنو امیہ میں سب سے بڑا قابل مذمت تو یزید خبیث ہے اس کو تو قریشی صاحب نے صاحب روایت تابعی قرار دیا اور حدیث قسطنطنیہ کا مصداق اور فقہی قرار دیا۔ پھر تو تمام بنو امیہ قابل تعریف قرار پائے۔

قریشی صاحب اپنے رسالہ کے صفحہ نمبر ۲ پر رقم طراز ہیں۔ " پھر فتح مکہ کے دن حضرت ابوسفیان کے بابرکت گھر کے متعلق فرمایا:

﴿مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ﴾

حالانکہ حضرت عباس ہاشمی کا گھر بھی مکہ میں موجود تھا "

قریشی صاحب نے اس عبارت میں بھی بنو امیہ کو بنو ہاشم پر فضیلت کی سعی نامشکور کی ہے۔ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو شرافت کے لحاظ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر ترجیح دی ہے۔ جو کہ خلاف مذہب اسلام اور خلاف عقیدہ اہل سنت ہے۔ قریشی صاحب نے تجاہل عارفانہ کا مظاہرہ کیا ہے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کے متعلق تو فرمایا:

﴿من دخل دار ابی سفیان فهو امن﴾

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہاشمی کے گھر کے متعلق ایسا نہیں فرمایا تو قریشی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ابتداء میں مؤلفة القلوب تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کو امن کا گھر قرار دیا تاکہ اس عزت افزائی سے ان کے دل میں ایمان پختہ

ہو جائے بخلاف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کہ وہ ابتداء سے پختہ ایمان والے تھے لہذا ان کے ایمان کو پختہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ تو اب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے برتری ثابت ہوئی۔ تو قریشی صاحب جو ثابت کرنا چاہتے ہیں اس کا الٹ ثابت ہوا۔ نیز بندہ یہاں ایک اور حدیث قریشی صاحب کے گوش گزار کرتا ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔

امیر عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسل سے بارش طلب کرتے تھے کہ اے اللہ ہم تیرے نبی کے توسل سے بارش کی دعا کرتے تو تو بارش برساتا تھا اب ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا رضی اللہ عنہ کے توسل سے بارش طلب کرتے ہیں تو ہم پر بارش برسا تو اللہ تعالی بارش برساتا تھا۔

قریشی صاحب یہ بتائیں کہ بنو امیہ سے کوئی ایسا آدمی ہے جس کے توسل سے صحابہ کرام نے اللہ تعالی سے بارش طلب کی ہو۔؟ ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔

اس حدیث کے راوی خود ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر میں ملک شام گیا تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لے کر ہرقل بادشاہ کے پاس گئے تو ہرقل نے اپنے آدمیوں سے پوچھا کہ جس آدمی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کی قوم سے یہاں کوئی آدمی ہے۔؟ تو ہرقل کو کہا گیا کہ ہاں: اس قوم کے بہت آدمی یہاں ہیں۔ تو ابوسفیان اور کئی اور قریش جو ابوسفیان کے ساتھ تھے ان کو ہرقل کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو ہرقل نے ان کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جس آدمی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تم سے نسب کے لحاظ سے اس آدمی کا زیادہ قریبی کون ہے۔؟ ابوسفیان رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہرقل کو کہا کہ نسب میں میں اس آدمی کا زیادہ قریبی ہوں۔ تو ہرقل کے حکم سے مجھے آگے بٹھایا گیا اور

دوسرے قریش میرے پیچھے بٹھائے گئے۔ اور ہرقل نے ان قریش کو کہا کہ میں ابوسفیان سے اس آدمی کے متعلق جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے چند سوال دریافت کروں گا اگر ابوسفیان مجھے جھوٹا جواب دے تو تم صاف کہہ دینا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اب ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

"قَالَ اَبُوْ سُفْيَانَ وَاَيْمُ اللّٰهِ لَوْ لَا مَخَافَةُ اَنْ يُّؤْثَرَ عَلَيَّ الْكَذِبُ لَكَذَبْتُه"

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے الفاظ کا معنیٰ یہ ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی قسم اُٹھا کر کہتے ہیں کہ مجھے یہ خوف تھا کہ اگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوالات کا جھوٹا جواب دیا تو میرے پیچھے بیٹھے ہوئے قریش صاف کہہ دیں گے کہ ابوسفیان جھوٹ بول رہا ہے اور پھر میں جھوٹا مشہور ہو جاؤں گا۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ضرور جھوٹ بولتا۔ اب ہرقل نے ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دس سوال کئے اور ابوسفیان نے سب کے ٹھیک اور درست جواب دئے۔ اگرچہ اس کی دلی خواہش جھوٹے جوابات کی تھی لیکن جھوٹا کہلوانے کے خوف سے ابوسفیان کو مجبوراً سچ بولنا پڑا۔ ان سوالات میں سے آٹھواں سوال یہ تھا۔

"قَالَ فَهَلْ يَغْدِرُ قُلْتُ لَا وَنَحْنُ مِنْهُ فِي هٰذِهِ الْمُدَّةِ لَا نَدْرِيْ مَا هُوَا صَانِعٌ فِيْهَا قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَمْكَنَنِيْ مِنْ كَلِمَةٍ اُدْخِلُ فِيْهَا شَيْئاً غَيْرَ هٰذِهٖ"

خلاصہ سوال ہشتم اور اس کا جواب یہ ہے کہ ہرقل نے یہ سوال کیا کہ جس آدمی نے دعویٰ نبوت کیا ہے اس نے کبھی دھوکا اور وعدہ خلافی کی ہے۔؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ اس نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ لیکن ہمارے اور مدعی نبوت کے درمیان اب صلح حدیبیہ کا معاہدہ

ہے ہم نہیں جانتے کہ وہ اس مدت معاہدہ میں کیا کریگا۔؟ ابوسفیان کا مطلب یہ تھا کہ ہوسکتا ہے کہ اس مدت معاہدہ میں وہ غدر کرے۔ چونکہ نبی علیہ السلام کی اس احتمال غدر میں گستاخی تھی اور طعن تھا کیونکہ نبی علیہ السلام میں غدر کا احتمال ہی نہ تھا۔ اس لئے ابوسفیان فرماتے ہیں کہ اور کسی سوال کے جواب میں کوئی گستاخانہ کلمہ داخل کرنا میرے لئے ممکن نہ تھا البتہ اس سوال کے جواب میں مجھے موقع مل گیا اور میں نے یہ کلمہ داخل کرلیا۔

اب جناب قریشی صاحب سے التماس ہے کہ وہ بتائیں کہ سادات بنوامیہ کا یہی کمال ہے کہ ان کی دلی خواہش یہ ہو کہ آنحضرت ﷺ کے متعلق سوالات کے جھوٹے جواب دیں۔؟ لیکن مجبوراً کسی خوف کی وجہ سے ان کو سچ کہنا پڑے اور پھر جہاں موقع ملے تو گستاخانہ کلمہ داخل کردے۔ اب ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔

”عَنْ معاوية رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله ﷺ يَا مُعَاوِيَةُ اِنْ وُلِّيتَ اَمْر اً فَا تَّقِ اللّٰهَ وَاَعْدِلْ قَالَ فَمَا زِلْتُ اَظُنُّ اِنِّي مُبْتَلىً بِعَمَلٍ لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ حَتّٰى اُبْتُلِيْتُ رواه احمد“

خلاصہ یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ اے معاویہ اگر تجھے کسی کام کا والی بنایا جائے تو اللہ تعالیٰ سے ڈر اور عدل وانصاف کر۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چونکہ آپ ﷺ نے فرمادیا لہذا مجھے یقین ہوگیا کہ میں کسی کام میں ضرور مبتلاء ہوں گا۔ تا آنکہ میں مبتلاء ہوگیا۔

شیخ محقق برکت مصطفیٰ فی الہند شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں اس حدیث کے ماتحت فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ولایت کی پیش گوئی

فرمائی۔ اور تقویٰ اور عدل کا امر فرمایا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس کو تقویٰ اور عدل سے قاصر سمجھا۔ اس لئے اس ولایت کو ابتلاء سے تعبیر کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہوا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ولایت حاصل ہوگی لہذا حدیث میں مذکور لفظ ظن سے مراد جزم ہے۔ اب ایک اور حدیث شریف ملاحظہ ہو۔

"عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ رَاْسِ السَّبْعِیْنَ وَاِمَارَةِ الصِّبْیَانِ رواه احمد"

خلاصہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو فرمایا کہ ستر کے سرے سے اللہ تعالی کی پناہ مانگو اور نوعمر لڑکوں کی امارت سے پناہ مانگو۔ حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات میں فرمایا۔ کہ راس سبعین سے اس فتنہ کی طرف اشارہ ہے جو سبعین کے ابتداء سے شروع ہوگا۔ اور سبعین سے مراد یا تو ہجری ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بہرحال رأس سبعین سے مراد واقعہ کربلا ہے جو کہ یزید کی امارت میں واقع ہوا۔

نیز علامہ ملا علی قاری نے مرقات میں فرمایا کہ مِنْ اِمَارَتِ الصِّبْیَانِ سے مراد:

مِنْ حُکُوْمَةِ الصِّغَارِ الْجُهَّالُ کَیَزِیْدَ بْنِ مُعَاوِیَه وَ اَوْلَادِ حَکَمِ بْنِ مَرْوَانَ وَاَمْثَالِهِمْ قِیْلَ رَاٰهُمُ النَّبِی ﷺ فِیْ مَنَامِهٖ یَلْعَبُوْنَ عَلٰی مِنْبَرِهٖ علیه الصلوٰة والسلام۔

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ امارۃ الصبیان جس سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد صغار جہلاء کی حکومت ہے۔ مثلاً یزید بن معاویہ اور حکم بن مروان کی اولاد اور ان کی مثالیں۔ کہا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید وغیرہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے ممبر پر کھیل رہے ہیں۔ جناب قریشی غور کریں کہ آپ نے رأس سبعین یعنی واقعہ کرب وبلا سے پناہ مانگنے

کا حکم فرمایا جو کہ یزید کی امارت میں واقع ہوا۔اور نیز آنحضرت ﷺ نے امارۃ الصبیان سے بھی پناہ مانگنے کا حکم فرمایا۔جس سے مراد بالا صالۃ یزید اور حکم بن مروان کی اولاد اور دوسرے بنو امیہ ہیں۔تو جن لوگوں کی آنحضرت ﷺ نے مذمت فرمائی اور ان کے فتنوں اور ان کی امارت سے پناہ مانگنے کا حکم دیا اور جو نالائق آنحضرت ﷺ کے ممبر پر کھیلتے ہیں اور آپ ﷺ نے ان کو اپنے ممبر پر کھیلتے دیکھا ہے اور ان فتنہ سازوں کا سرکردہ یزید خبیث ہے۔

قریشی صاحب اس یزید کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں۔اور اس کو فقیہ اور صاحب روایت اور محدث قرار دے رہے ہیں۔اور حدیث قسطنطنیہ کا مصداق ٹھہرا رہے ہیں کوئی اہل سنت ایسا نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ یہ طریقہ خوارج اور دشمنان اہل بیت رسول ﷺ کا ہے۔حیرت ہے کہ یزید کی مذمت میں جو احادیث وارد ہیں جناب قریشی صاحب ان سے کیوں غافل ہیں۔؟اور یزید کے اعوان و انصار میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں اور ان کا میلان یزید خبیث کی طرف ہے۔اب ایک اور حدیث شریف یزید کی مذمت میں ملاحظہ فرمائیں۔

"عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه قال حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وِعَائَیْنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهٗ فِیْكُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهٗ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ یَعْنِیْ مَجْرَی الطَّعَامِ ☆ رواه البخاری"

خلاصۃ عبارت یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے دو برتن محفوظ کیے ہیں ان میں سے ایک برتن تو میں نے پھیلا دیا اور اگر دوسرا برتن پھیلاؤں تو میری وہ رگ کاٹ دی جائے جس سے طعام پیٹ میں جاتا ہے۔شیخ محقق علی

الاطلاق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی شرح لمعات میں اس حدیث شریف کی شرح میں فرمایا کہ دو برتنوں میں دو احتمال ہیں اور دونوں حق ہیں۔ دوسرے احتمال کے متعلق فرمایا۔

”اَرَادَ بِهٖ اَخْبَارَ الْفِتَنِ وَفَسَادَ الدِّيْنِ عَلٰى يَدِ اُغَيْلِمَةٍ مِّنْ قُرَيْشٍ وَّكَانَ ابو هريرة رضى الله تعالى عنه يُكَنِّيْ عَنْ بَعْضٍ وَّلَا يُصَرِّحُ بِهٖ خَوْفًا عَلٰى نَفْسِهٖ كَقَوْلِهٖ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ اِمَارَةِ الصِّبْيَانِ يُشِيْرُ اِلٰى اِمَارَةِ يَزِيْدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ لِاَنَّهَا كَانَتْ سَنَةَ سِتِّيْنَ فَاسْتَجَابَ اللّٰهُ تَعَالٰى دُعَائَهٗ فَمَاتَ قَبْلَهَا بِسَنَةٍ (لمعات)“

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خوف کی وجہ سے جس برتن کو لوگوں کے سامنے نہیں پھیلایا اس سے مراد وہ فتنے اور دین کا فساد ہے جس کی خبریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیں۔ اور وہ خبریں اتنی زیادہ تھیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پورا ایک برتن بھر لیا۔ اور ان فتنوں اور فساد دین کا تعلق بنو امیہ اور قریش کے چند غنڈے نو جوانوں سے تھا۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان نوجوان قریش کے غنڈوں سے جان کا خطرہ تھا اس لئے ان فسادیوں کے صراحت کے ساتھ نام نہیں لیتے تھے بلکہ کنایۃ کرتے تھے۔ اس عبارت سے پتا چلا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بنو امیہ کے ان غنڈوں کے نام تک معلوم تھے۔ لیکن صراحت سے ان کے نام نہیں لیتے تھے، کیونکہ ان کو ان غنڈوں سے جان کا خطرہ تھا۔ بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان غنڈوں کو بطریق کنایۃ ذکر کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہتے کہ:

اعوذ باللہ من امارت الصبیان

اے اللہ میں تیری طاقت کے ساتھ غنڈے نوجوانوں کی امارت سے پناہ مانگتا ہوں اور اس سے ان کی مراد یزید بن معاویہ تھا کیونکہ یزید کی امارت ۶۰ ہجری میں تھی۔ اور حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یزید کی امارت سے ایک سال قبل یعنی ۵۹ ہجری میں وفات پا گئے۔ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی اور یزید غنڈے کی امارت سے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پناہ دی۔

اب بندہ پھر قریشی صاحب سے نہایت ادب کے ساتھ گزارش کرتا ہے کہ یزید اور بنو امیہ کے دوسرے غنڈے جن سے اور جن کی امارت سے اور جن کے فتنہ و فساد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت اور صحابہ کو کئی سال پہلے خبر دی اور فرمایا کہ ان غنڈوں کے فتنہ اور فساد اور امارت سے پناہ مانگو۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ سے یزید کی امارت سے پناہ کی دعا کی۔ اور پھر یہ دعا قبول ہوئی۔

قریشی صاحب اس فاسق و فاجر ظالم کو محدث اور فقیہ اور جنگ قسطنطنیہ کا کمانڈر اور مصداق قرار دیتے ہیں۔ اور ایک بڑے بدعتی کی تعظیم اور توقیر کر کے دین کے محل کو گرا رہے ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ اہل بدعت کی تعظیم و توقیر کرنے والا دین کو گرا رہا ہے۔ اور پھر تعجب ہے کہ بنو امیہ کے ان غنڈوں کو جن کی طرف حدیث شریف میں اشارہ ہے قریشی صاحب ان غنڈوں کو سادات بنی امیہ سے تعبیر کر رہے ہیں۔ تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے جو اس فقیر نے بیان کیا ہے، نہ وہ جو کہ قریشی صاحب نے رقم فرمایا۔ قریشی صاحب اپنے رسالہ کے صفحہ نمبر ۶ پر رقم طراز ہیں یزید صاحب روایت تابعی تھے۔ یزید نے اپنے والد حضرت معاویہ سے روایت کی ہے۔

اس عبارت میں جناب قریشی صاحب نے یزید کی روایت کا ذکر کیا ہے۔ ان پر لازم تھا کہ روایت کا ذکر سند کے ساتھ کرتے نیز قریشی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ روایت سے

کیا مراد ہے۔ اگر روایت سے مراد قصہ اور کہانیوں کی روایت ہے تو بندہ کو اس پر اعتراض نہیں ہے لیکن اس روایت سے یزید فقیہ اور محدث، تابعی نہیں بن سکتا۔ مزید برآں بندہ قبل ازیں مستند حوالہ سے ذکر کر چکا ہے کہ یزید کو آنحضرت ﷺ کی رسالت کے ساتھ ایمان نہیں تھا۔ تو اب یزید کے محدث اور صاحب روایت تابعی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر قریشی صاحب ابو جہل اور ابولہب وغیرہ کفار کو محدث صاحب روایت صحابی قرار دیں تو قریشی صاحب کو کون روک سکتا ہے۔؟ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ یزید کسی موضوع حدیث کا راوی ہو اور یہ حدیث اس نے خود وضع کر کے اپنے والد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دی ہو۔

قریشی صاحب نے مذکورہ بالا عبارت گول مول ذکر کر کے قارئین کو دھوکا دیا ہے جو کہ ان کے لئے مناسب نہیں تھا۔ قریشی صاحب اپنے رسالہ کے صفحہ نمبر ۶ پر تحریر فرماتے ہیں

”بقول امام ابن حجر عسقلانی وہ بالاتفاق غزوۂ قسطنطنیہ کا کمانڈر تھا“

بندہ کو قریشی صاحب پر حیرت ہے کہ انہوں نے مذہب شافعی کی کتاب 'فتح الباری' کا مطالعہ تو کر لیا لیکن عینی شرح بخاری جو حنفی مذہب کی مستند کتاب ہے اس کا مطالعہ کیوں نہیں کیا۔؟ بندہ کے نزدیک کئی ابن حجر جو کہ متعصب شافعی ہیں، علامہ عینی کا مقابلہ نہیں کر سکتے جو کہ منصف حنفی ہے۔

اب بندہ قریشی صاحب سے پوچھتا ہے کہ آپ کی یزید کے کمانڈر ہونے سے کیا مراد ہے اگر محض ایک فوج کا سردار مراد ہے تو اس میں کیا فضیلت ہے۔؟ فوج کا کمانڈر تو ابو جہل بھی تھا اور اگر کمانڈر سے مراد وہ ہے جس کے لئے حدیث قسطنطنیہ میں بشارت ہے تو یہ

بالکل غلط ہے، کہ اس فوج کا کمانڈر یزید تھا۔ علامہ عینی نے اس حدیث کے تحت تصریح کی ہے کہ یزید فاسق و فاجر اس کا مصداق کیسے ہوسکتا ہے۔؟ وہ کمانڈر ایک اور نیک بخت تھا۔ قریشی صاحب شرح عینی کا مطالعہ فرمالیں تو بندہ کے معروض کی تصدیق ہو جائیگی۔ [1]

قریشی صاحب اپنے رسالہ کے صفحہ ۷ پر رقم طراز ہیں " یزید صحابی نہ تھا، نہ ہاشمی تھا، نہ اہل بیت سے تھا، اگر صحیح روایت سے اس کا فسق ہی نہیں بلکہ کفر تک ثابت ہو جائے تو ہمارے سر آنکھوں پر۔ ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاشمی چچا ابولہب کا کفر جب تسلیم کرلیا ہے تو اموی یزید اہل سنت کا کیا لگتا ہے۔؟ کہ وہ یزید کا کفر تسلیم نہ کریں۔ بشرطیکہ اس کا کفر صریح روایات سے ثابت ہو سکے "

بندہ اس عبارت پر قریشی صاحب کو ہدیہ تبرک پیش کرتا ہے اور یہ دعا دیتا ہے۔

عمرت دراز باد چہ خوش گفتی

قریشی صاحب نے یزید کے متعلق دو چیزوں کا صحیح روایات سے ثابت ہونے کا مطالبہ کیا ہے۔ بندہ نے اپنے علم کے مطابق یزید کے متعلق تین چیزوں کا مستند دلائل سے اثبات کیا ہے۔

اول:۔ یزید کا فسق و فجور اور ظلم اور خباثت۔

---

[1] حدیث قسطنطنیہ پر تفصیلی گفتگو " خطبات محرم " از حضرت فاضل جلیل علامہ جلال الدین احمد امجدی رحمہ اللہ تعالی میں ملاحظہ فرمائیں ۱۲ شرف قادری۔

دوم:۔ اس کا کفر۔ سوم:۔ اس پر شخصی لعنت۔

یہ تینوں امر دلائل عقلیہ نقلیہ سے ثابت کیے گئے ہیں۔ اگر قریشی صاحب بندہ کے دلائل سے مطمئن ہو جائیں تو فبہا جھگڑا ختم اور اگر وہ مطمئن نہ ہوں تو پھر بندہ کے دلائل سے زیادہ مستند دلائل سے بندہ کو مطمئن کریں۔ وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

آخر میں بندہ بنو امیہ اور بنو عباس کے سلاطین اور خلفاء کا مختصر ذکر کرتا ہے۔

بنو امیہ کا تذکرہ:۔ بنو امیہ کی سلطنت حضرت امیر معاویہ سے شروع ہو کر مروان بن حکم پر جا کر ختم ہو جاتی ہے، یہ تمام چودہ خلفاء ہیں۔ ان میں تیسرا خلیفہ یزید کا بیٹا ہے۔ اس کا نام بھی دادا کے نام پر معاویہ ہے۔ یہ بڑا صالح انسان تھا۔ صرف چالیس دن خلیفہ رہا اور پھر خلافت سے دست بردار ہو گیا۔ اور یہ کہا کہ یہ ظلم کی حکومت ہے میں اس سے دست بردار ہوتا ہوں۔ یہ محب اہل بیت تھا۔ اور اپنے باپ یزید کو ظالم کہتا تھا۔ یہ چالیس دن کے بعد جلد ہی فوت ہو گیا۔ اور مروان بن حکم امیر مقرر ہوا جو اچھا آدمی نہ تھا۔ اور پھر آٹھویں خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز تھے۔ یہ مروان بن حکم کے پوتے تھے۔ یہ بہت بڑے محدث اور مجتہد اور متقی اور عادل تھے۔ بنو امیہ کے بعد بنو عباس کی خلافت کا دور آیا۔

بنو عباس کا تذکرہ:۔

بنو عباس کے کل خلفاء سینتیس ہیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اولاد سے ہیں۔ ان کا اول عبداللہ السفاح اور آخر المعتصم باللہ اور اس کو تاتاری کفار نے قتل کیا اور خلافت

اسلامیہ ختم ہوئی۔ بنو امیہ اور بنو عباس دونوں کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دونوں تمام عالم اسلام کے حاکم اور خلیفہ تھے۔ ان کے مقابلہ میں کوئی مستقل مسلمان بادشاہ نہ تھا۔ بنو عباس کی خلافت ۶۰۰ھ کو ختم ہوئی۔ ان کے بعد تمام عالم اسلام کا کوئی باشرائط خلیفہ نہیں ہوا۔ اور اب تک امت اسلامیہ باشرائط خلیفہ سے محروم چلی آرہی ہے۔ اب بندہ آخر میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مناقب اور یزید کے سوانح ذکر کرتا ہے۔

مناقب امام حسین رضی اللہ عنہ:۔

حسین آپ کا علم اور نام ہے اور عبد اللہ آپ کی کنیت ہے۔ آپ ۶۱ھ جمعہ کے دن دسویں محرم کو کوفہ کے نزدیک فرات کے کنارے شہید ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف پچاس سال اور چند ماہ تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں تقریباً ۶ شعبان ۴ھ کو پیدا ہوئے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن آسمان سیاہ ہو گیا اور خون کی بارش برسی۔ اور جن لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کی اور آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا وہ مصائب اور قبیح موت میں مبتلاء ہوئے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کا متولی عبد اللہ بن زیاد امیر کوفہ تھا اور لشکر کا کمانڈر عمرو بن سعد تھا۔ اور لشکر کی تعداد ۶۰۰۰ نفوس پر مشتمل تھی۔ اور شہید کرنے والا شمر تھا۔ پھر مسلمانوں نے ان سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا انتقام لیا۔ اور کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ اور موصل فرات کے کنارے عاشورا کے دن عبد اللہ بن زیاد کے ساتھ لڑائی کی اور اس کو قتل کیا۔ اور عبد اللہ بن زیاد کے قاتل کا نام ابراہیم بن الاشتر تھا۔ اس ابراہیم نے ابن زیاد کا سر مختار بن ابی عبید ثقفی کو بھیجا۔ اور مختار نے وہ سر ابن زبیر کو بھیجا۔ اور ابن زبیر نے وہ سر سیدنا علی زین

العابدین کو بھیجا۔ جب ابن زیاد قتل ہوا تو مجمع عام میں ایک سانپ ظاہر ہوا اور کئی بار ابن زیاد کے منہ اور ناک میں داخل ہوا۔ اور پھر مسلمانوں نے عمرو بن سعد اور شمر کو بھی نہایت قبیح طریقہ سے قتل کیا۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے یہ نہایت مختصر سوانح ہیں۔ یہ سوانح بندہ نے نبراس شرح، شرح العقائد سے نقل کئے ہیں۔

یزید کے مختصر سوانح:۔ اب نبراس سے یزید کے نہایت مختصر حالات بیان کئے جاتے ہیں۔ یزید مختلف روایات کے مطابق پچیس یا چھبیس یا ستائیس ہجری کو امیر عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اخیر میں پیدا ہوا۔ اور اپنے والد کی وفات کے بعد تین سال چند ماہ ملک پر حکومت کی اور اہل شیعہ نے جو یہ حکایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید کو دیکھا اور فرمایا کہ یہ دوزخی ہے۔ یہ حکایت موضوع ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بہت بعد یزید پیدا ہوا ہے البتہ یزید سے بری باتیں روایت کی گئی ہیں کہ وہ فاسق و فاجر تھا اور سب سے بڑھ کر وہ برا رویہ ہے جو کہ اس نے اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ساتھ کیا ہے۔

اب بندہ اس مضمون کو ختم کرتا ہے اور اللہ تعالی سے دعا مانگتا ہے کہ ببرکت اور بتوسل اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مولا تعالی اس مضمون کو قبول فرمائے۔ اور اس فقیر اور اس کے اہل وعیال اور احباب کو دارین میں کامران فرمائے۔

آمین یارب العالمین برحمتك یا ارحم الراحمین

۱۲ شوال ۱۴۱۲ھ بروز جمعرات

بمطابق ۱۶ اپریل ۱۹۹۲ء فقیر عطاء محمد چشتی گولڑوی عفی عنہ

صلوٰۃ وسلام عند الآذان

آذان سے پہلے اور بعد درود وسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَهٗ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

اما بعد :۔ یہ فقیر عطاء محمد چشتی گولڑوی اہل علم کی خدمت مین خصوصاً اور عوام اہل سنت کے حضور عموماً عرض کرتا ہے کہ آج کل اخبارات میں ایک خاص مسئلہ کا ذکر چل رہا ہے کہ آذان سے پہلے اور بعد درود شریف پڑھنا شرع شریف میں کیسا ہے۔؟ ایک گروہ اہل علم کا اسطرح درود شریف پڑھنے کو بدعت قرار دیتا ہے۔ اور اس نے حکومت کے اس حکم کی تائید میں بیان دیا ہے جو کہ حکومت نے آذان سے پہلے درود شریف پڑھنے کی ممانعت کی ہے، اس کے علاوہ علماء کا ایک اور جم غفیر ہے جس نے حکومت کے اس حکم کی شدید مذمت کی ہے، اور کی جارہی ہے۔ بندہ اس مسئلہ پر غیر جانب دارانہ طور پر شرعی بحث کرنا چاہتا ہے اور علماء اور عوام اہل سنت سے اپیل کرتا ہے کہ وہ بندہ کے معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں، اور خالی الذہن اور تعصب مسلک سے دور ہو کر بندہ کے مضمون کا جائزہ لین۔ اسی صورت میں ان کو حق سمجھ آئے گا لیکن اگر انہوں نے تعصب کی عینک سے بندہ کے مضمون کا مطالعہ کیا تو پھر حق سمجھنا بہت مشکل ہے، ایسے علماء اور عوام بندہ کے مضمون کے مخاطب نہیں ہیں قبل اس کے کہ

بندہ درود شریف کے مذکورہ بالا اختلافی مسئلہ پر بحث کرے چند تمہیدی مقدمات بیان کرنے ضروری ہیں جو کہ اصل مسئلہ کے سمجھنے میں مد اور معاون ثابت ہوں گے۔

مقدمہ اول۔ کتاب وسنت چونکہ قدیم عربی زبان میں ہے لہذا کتاب وسنت کو پورے طور پر وہی سمجھ سکتا ہے جو کہ قدیم عربی محاورہ کو سمجھتا ہے اس لئے اہل سنت کے آئمہ مجتہدین نے کتاب وسنت کے سمجھنے کے لئے قواعد اور ضوابط مقرر فرمائے ہیں لہذا ان ضوابط کے مطابق جو معنی کیا جائے گا وہی مبنی بر حقیقت اور درست ہوگا۔ اور کتاب وسنت کا جو معنی قوانین وقواعد کی پابندی کے بغیر کیا جائے گا۔ وہ تحریف اور خرافات کے زمرہ میں آئے گا، اس کی مثال نحوی قواعد ہیں۔ ان قواعد کی روشنی میں جو آدمی عربی عبارات پڑھے گا وہ تو درست اور حقیقت ہوگی، لیکن اگر کوئی صاحب ان قواعد کی خلاف ورزی کر کے عربی عبارات پڑھتا ہے وہ خرافات ہوگی۔ اور اس پر بچے بھی ہنسیں گے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، شعر

یہ امت روایات میں کھوگئی حقیقت خرافات میں کھوگئی

جو چیز قواعد وضوابط کے مطابق ہے وہی حقیقت ہے اور قواعد کی خلاف ورزی کر کے کوئی بات کرنی خرافات ہے۔ موجودہ دور کا یہی المیہ ہے کہ ہر آدمی سمجھتا ہے کہ میں کتاب و سنت کو سب سے زیادہ سمجھتا ہوں، حالانکہ وہ کتاب وسنت کے فہم کے قواعد سے قطعی طور پر نابلد ہے۔ اہل اسلام میں مذہبی افتراق وانتشار کا ایک سبب یہ بھی ہے۔

مقدمہ دوم:۔ پاکستان میں کئی انتخابی ادارے ہیں جن کی ابتداء یونین کونسل

سے اور انتہاء مرکزی انتخاب ہیں۔ ان سب اداروں میں جیت اور ہار کی مدار ووٹوں کی اکثریت پر ہے اور ملک میں وہی آئین نافذ ہوتا ہے جس کو اکثریت کی تائید اور حمایت حاصل ہو۔

ہم پاکستانیوں کا المیہ یہ ہے کہ دنیاوی امور میں تو ہم عقل سے کام لے کر جمہوریت اور اکثریت سے کام لیتے ہیں اور جس کے ووٹ زیادہ ہوں اس کو کامیاب و کامران خیال کرتے ہیں۔ لیکن دینی امور میں ہم اس اکثریت اور جمہوریت کو نظر انداز کر دیتے ہیں، جو کہ بالکل نامناسب طرز عمل ہے۔ اب اس جمہوریت کے دور میں ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں کہ پاکستان میں کس مکتب فکر کی اکثریت ہے۔ تو شمس و امس کی طرح یہ بات واضح ہے کہ پاکستان میں بہت بڑی غالب اکثریت احناف اور فقہ حنفی کے پیروکاروں کی ہے۔ ان کے مقابلہ میں دوسرے مکاتب اس قدر اقلیت میں ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔

اب قاعدہ تو یہ تھا کہ اقلیت اکثریت کے اس حق کو تسلیم کرتی، اگر ان سے یہ نہیں ہوسکتا تو کم از کم اقلیت اپنے معاملات میں جو چاہے کرے لیکن اس کو یہ حق قطعاً حاصل نہیں کہ اکثریت پر زبان درازی کرتے ہوئے اکثریت کے ان اعمال کو جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں، ان کو بدعت قرار دے۔ یہ بڑے دکھ کی بات ہے جو قابل معافی نہیں ہے۔

غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اقلیت کو اکثریت کی کثرت ہی اس کے حق پر ہونے کی دلیل ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

يدالله على الجماعة اتبعو السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی امداد بڑی جماعت کو حاصل ہے اور اس بڑی جماعت کا اتباع

ضروری ہے۔ جو اس بڑی جماعت سے نکلا وہ اکیلا دوزخ میں جائیگا۔

اور اگر اقلیت اکثریت کی کثرت کو دلیل تسلیم نہیں کرتی تو سب سے پہلے اکثریت سے اس کے معمولات پر کتاب وسنت سے دلیل طلب کرے، یہ امر بڑا ہی افسوس ناک ہے کہ اقلیت بجائے اس کے کہ دلیل طلب کرے اکثریت کے معمولات کو بدعت قرار دے دے اور اقلیت کو یہ خوف نہیں آتا کہ کہیں ہم کتاب وسنت سے ثابت معمولات کو تو بدعت قرار نہیں دے رہے، اقلیت کی یہ بڑی دلیری ہے جو کہ دینی امور میں بہت مناسب ہے۔

مقدمہ سوم:۔ یہ مقدمہ سوم نہایت ضروری ہے وہ یہ کہ علوم شرعیہ خصوصاً کتاب وسنت قواعد کلیہ سے عبارت ہیں کیونکہ جزئیات غیر متناہی اور ان گنت ہوتے ہیں اور ان کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔ اس کی مثال ملاحظہ ہو: علم نحو کا ایک مسئلہ ہے کل فاعل مرفوع۔ اب اس سے ہر فاعل جزئی کا حکم معلوم ہوگیا۔ اور فاعل کے جزئیات کا احاطہ مشکل ہے۔ اب اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ مثلاً: ”ضرب زید“ میں زید پر رفع اس وقت پڑھوں گا کہ کسی نحوی کتاب میں مذکور ہو کہ مذکورہ بالا عبارت میں زید کا لفظ مرفوع ہے تو ایسے آدمی کو احمق کہا جائے گا کہ نحو کی کتابوں میں فاعل کے جزئیات کا احاطہ مشکل ہے لہذا ہر فاعل جزئی کا حکم قاعدہ کلیہ سے معلوم کیا جائے گا۔

اسی طرح علم اصول فقہ ہے کہ اس میں قواعد کلیہ کا ذکر ہے اور جزئیات کا حکم قاعدہ کلیہ سے معلوم ہوگا، مثلاً اصول فقہ کا ایک مسئلہ اور قاعدہ کلیہ ہے:

”الامر للوجوب والنهي للتحريم“ یعنی ہر امر وجوب کے لئے اور ہر نہی تحریم کیلئے ہے۔ تو اس سے امر اور نہی کے ہر فرد اور جزئی کا حکم معلوم ہو جائے گا، کہ وہ بھی

وجوب اور تحریم کے لئے ہے۔فرد امر کی مثال: "اقیموا الصلوٰۃ" اور نہی کے فرد کی مثال "لا تقربوا الزناء" ہے۔اب پہلا وجوب کے لئے اور دوسرا تحریم کے لئے ہے۔ اب اگر کوئی نام نہاد عالم یہ کہے کہ میں نماز کو واجب اور زناء کو حرام اس وقت تسلیم کروں گا کہ کسی مستند کتاب میں یہ صراحت ہو کہ "اقیموا الصلوٰۃ" میں جو صیغہ امر ہے یہ وجوب کیلئے ہے اور "لا تقربوا الزناء" میں جو صیغہ نہی ہے یہ تحریم کے لئے ہے تو ایسے نام نہاد کی جگہ پاگل خانہ ہے۔

اب بندہ اس پر حدیث شریف سے ایک دلیل لاتا ہے کہ علم شرع قواعد کلیہ سے عبارت ہے اور آنحضرت ﷺ سے جب کسی خاص آدمی کے متعلق پوچھا جاتا تو آپ ﷺ عموماً قاعدہ کلیہ کی طرف اشارہ فرماتے۔حدیث شریف ابوداؤد کی ہے اور مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۶ پر ہے۔جس کا ابتدائی مضمون یہ ہے کہ ایک شخص عاص تھا جو کہ کفر کی حالت میں مر گیا، اس کے دو بیٹے تھے، ایک کا نام ہشام اور دوسرے کا نام عمرو تھا۔عاص نامی شخص نے اپنے دونوں بیٹوں کو وصیت کی کہ میری طرف سے یک صد عبد یعنی گولا آزاد کرنا تو اس کے بیٹے ہشام نے والد کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اپنے حصے کا پچاس عبد والد کی طرف سے آزاد کر دیا۔دوسرے بیٹے عمرو جو کہ مسلمان تھا یہ خیال آیا کہ میں بھی اپنے حصے کا پچاس عبد والد کی طرف سے آزاد کروں تو اس نے یہ مسئلہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر میں اپنے والد کی طرف سے پچاس عبد آزاد کروں تو اس کا کیا حکم؟ آنحضرت ﷺ نے ان الفاظ کے ساتھ جواب دیا:

لو کان مسلماً فاعتقتم عنه او تصدقتم عنه او حججتم عنه بلغه ذالك۔

یعنی اگر وہ مسلمان ہے پس تم نے اس کی طرف سے آزاد کیا یا صدقہ دیا یا کہ حج کیا تو اس کو پہنچ جائے گا۔

اب شارحین حدیث نے یہاں ایک سوال کر کے اس کا جواب دیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ سائل نے ایک خاص شخص کے متعلق سوال کیا جو کہ سائل کا باپ تھا اور کفر کی حالت میں مرا تھا کہ کیا میں اس کی طرف سے آزاد کر سکتا ہوں۔؟ تو جواب یہ مختصر دینا تھا کہ لا۔ یعنی تو اس کی طرف سے آزاد نہ کر اور اس کو کوئی نفع نہیں ہے۔ تو یہ دو حرفی جواب چھوڑ کر ایک پورا جملہ شرطیہ کیوں ذکر فرمایا۔؟

تو شراح حدیث نے اس کا یہ جواب دیا کہ اگر مختصر جواب دیا جاتا تو صرف ایک جزئی اور فرد کا حکم معلوم ہوتا تو اس کے سوا دوسرے لوگوں کا حکم معلوم نہ ہوتا۔ اور جب جملہ شرطیہ کے ساتھ طویل جواب دیا تو تین قاعدے کلیے معلوم ہوئے۔

اول:۔ ہر مسلمان میت کو صدقہ و خیرات سے نفع حاصل ہوتا ہے۔

دوم:۔ میت اگر کافر ہو تو صدقہ و خیرات سے اس کو کوئی نفع نہیں ہے۔

سوم:۔ میت کے لئے صدقہ مالی بھی کیا جا سکتا ہے اور بدنی بھی۔

حاشیہ مشکوٰۃ شریف کی عبارت ملاحظہ ہو۔

”دل علی ان الصدقة لا تنفع الكافر ولا تنجيه وعلى ان المسلم ينفعه العبادة المالية والبدنية وهذه النكتة باعثة على انه لم يقل لا في الجواب“

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سائل کے جواب میں لا۔ نہیں فرمایا۔

اس کا نکتہ یہ ہے کہ تین قواعد کلیہ معلوم ہو گئے۔

اس طویل مقدمہ سے بندہ کا مقصد یہ ہے کہ تمام علوم عموماً اور علم شرعی خصوصاً قواعد کلیہ سے عبارت ہیں، اور جزئیات کا ذکر صرف ایضاح قواعد کیلئے ہوتا ہے، نہ کہ حصر کیلئے کہ یہ حکم صرف انہیں جزئیات اور افراد کا ہے۔ اب اگر کوئی بھلا مانس یہ کہہ دے کہ اس امر کو تو میں تسلیم کرتا ہوں کہ میت اگر مسلمان ہو تو اس کو صدقہ و خیرات کا ثواب پہنچتا ہے، لیکن میں اپنے فوت شدہ مسلمان والد کے متعلق تب تسلیم کروں گا کہ اس کا نام ذکر کیا جائے تو پھر اس کو یہی جواب دیا جائے گا کہ تمہارے عقل کے ناخن بڑھ گئے ہیں، انکی حجامت کراؤ۔

بندہ یہاں ایک دلیل ذکر کرتا ہے کہ شرع شریف اور دوسرے آئین قواعد کلیہ ہیں اور جزئیات غیر متناہی اور ان گنت ہیں۔ ملاحظہ ہو، علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے مطول میں فرمایا ہے۔

" والعدل لا يتناول الجزئيات الغير المحصورة بل لا بدلها من قوانين كلية وهى علم الشرائع "

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ دنیا کا کاروبار اس وقت چل سکتا ہے جبکہ لوگ عدل و انصاف سے کام لیں اور عدل کے جزئیات تو ان گنت ہیں اور ان کا احاطہ مشکل ہے۔ لہذا عدل قائم کرنے کیلئے قوانین کلیہ کی ضرورت ہوگی اور قوانین کلیہ علم شرع ہے۔

اب اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ علم شرع قوانین کلیہ کا نام ہے، اور جزئیات کے احکام قوانین کلیہ سے حاصل کئے جائیں گے۔ کیونکہ جزئیات کا شمار نہیں ہو سکتا، تو اب جزئی مسئلہ کیلئے علیحدہ مخصوص دلیل طلب کرنا بے عقلی اور علوم دینیہ سے ناواقفی ہے۔

مقدمہ چہارم:۔ اگر ہر جزئی اور خاص مسئلہ کے لئے مخصوص دلیل طلب کی جائے تو سارے دین کی تکذیب لازم آئے گی، اور پورے دین کو بدعت کہنا پڑے گا۔ غور فرمائیں کہ مثلاً ایک مسلمان دن کے ایک بجے قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے تو آج کل کا نام نہاد فاضل کہے گا کہ یہ ثابت نہیں ہے کہ سرور دو عالم ﷺ نے ایک بجے دن تلاوت کی ہو، لہذا تمہاری یہ تلاوت بدعت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی نیک کام کسی وقت معین میں کیا جائے گا تو آج کل کا نام نہاد محقق اس کو بناء بر بدعت قرار دے گا کہ یہ کام اگرچہ نیک ہے میں اس کی نیکی کو تسلیم کرتا ہوں لیکن یہ نیک کام اس وقت معین میں آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ لہذا بدعت ٹھہرا اور اس کو بند کرنا یا بند ہونا چاہئے۔ تو اب غور کا مقام ہے کہ جو نام نہاد ہر نیک کام کو بدعت اس لئے کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت معین نہیں کیا تو ان لوگوں کے نزدیک سارا دین بدعت ہو کر رہ جائے گا۔

لہذا ہر کام کے جواز یا عدم جواز کیلئے دلیل کلی اور قاعدہ کلیہ کی طرف رجوع کیا جائے گا کہ اس کام کا اصل شرع شریف میں ثابت ہے یا نہیں۔؟ اور شرع شریف نے جو اس کام کو جائز یا ناجائز قرار دیا ہے تو یہ حکم مطلق اور عام ہے یا کہ کسی خاص وقت کے ساتھ مقید ہے۔ اگر حکم مطلق ہے تو ہم اس کی بلا دلیل تقلید نہیں کر سکتے اور چونکہ مذہب احناف کے مطابق یہ تقیید نسخ ہے، لہذا تقیید کیلئے خبر متواتر یا خبر مشہور کی ضرورت ہوگی، حالانکہ ان نام نہاد محققین کے پاس خبر واحد بھی نہیں ہے۔ صرف ایک منفی طرز استدلال ہے کہ یہ کام آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

بندہ کو ان علماء پر حیرت اور افسوس ہے کہ ان کا زبانی دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں، لیکن حضرت امام نے قرآن اور حدیث فہمی کے جو قواعد ذکر فرمائے ہیں ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اور اپنی رائے کو معیار دین بنا رکھا ہے کہ جو وہ کہیں وہ تو دین ہے باقی سب بدعت۔ یہ لوگ یا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اصول فقہ سے جاہل اور ناواقف ہیں اور یا وہ گلابی طرز عمل اختیار کیے ہوئے ہیں کہ ان کے زبانی دعویٰ اور باطن میں یگانگت نہیں۔ بندہ عنقریب اسی مضمون میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ان قواعد کو ذکر کرے گا جو کہ امام رضی اللہ عنہ نے معیار قرآن فہمی قرار دیا ہے۔

مقدمہ پنجم:۔ آج کل ایک رسم چل نکلی ہے کہ کسی فعل سے کسی مکتبہ فکر کو اختلاف ہو تو فوراً وہ مکتبہ فکر یہ سوال کرتا ہے کہ آیا یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اور اس سوال سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ چونکہ ان کے خیال میں یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، لہذا یہ ناجائز ہے۔ بندہ کے خیال میں یہ سوال اور اس کا مقصد سائل کی کج فہمی اور علوم اسلامیہ سے جہالت اور ناواقفی پر مبنی ہے اور اس کے چند وجوہ ہیں۔ قارئین سے غور کی اپیل ہے۔

وجہ اول:۔ اہل سنت اور آئمہ اربعہ کے نزدیک چار قسم کے دلائل ہیں، کتاب و سنت و اجماع و قیاس، اور پھر سنت کی دو قسمیں ہیں۔ سنت قولی اور فعلی۔ تو اب مجموعہ دلائل پانچ ہوئے۔ اب جو آدمی یہ کہتا ہے کہ فلاں کام چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام نہیں کیا، مثلاً اذان سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے درود و سلام نہیں پڑھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ کام نہیں سکھایا، لہذا آذان سے

پہلے درود وسلام ناجائز اور بدعت ہے۔تو اس آدمی کے اس قول سے اس خبث باطن کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اس آدمی کے نزدیک صرف سنت فعلی ہی دلیل ہے۔اور کتاب اللہ اور سنت قولی اور اجماع دلیل نہیں ہے۔اور وہ ان تینوں دلائل کا تکذیب کنندہ اور منکر ہے۔کیونکہ اگر اس کے نزدیک مذکورہ بالا تینوں دلائل مسلم ہوتے اور اس آدمی کا ان تینوں دلائل کے ساتھ ایمان ہوتا تو یہ آنحضرت ﷺ کے فعل کی تخصیص نہ کرتا۔ بلکہ یہ کہتا کہ قبل از آذان درود وسلام کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت نہیں ہے۔لہذا یہ ناجائز اور بدعت ہے لیکن اس آدمی نے ایسا نہیں کیا۔تو ثابت ہوا کہ اس کے نزدیک کتاب اللہ جل شانہ اور سنت قولی رسول اللہ ﷺ نہ دلیل ہے اور نہ ہی اسکا اسکے ساتھ ایمان ہے۔اس سے لزوم کفر کی بدبو آتی ہے۔

وجہ دوم:۔ اصول فقہ کا ایک قاعدہ ہے کہ ایک دلیل ہوتی ہے اور دوسرا اس دلیل کا مدلول۔تو ایک خاص دلیل کی نفی سے مدلول کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ ایک مدلول کی متعدد دلیلیں ہوتی ہیں۔تو ایک خاص دلیل کی نفی سے مدلول کی نفی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ مدلول دوسری دلیل سے ثابت ہوسکتا ہے۔اصول فقہ میں اس قسم کے استدلال کو احتجاج بلا دلیل کہا گیا ہے جو کہ باطل ہے۔اور علماء اصول نے اس مسئلہ کو ایک مثال سے سمجھایا ہے۔کہ مثلاً موت ہے اس کے کئی اسباب اور علل ہیں۔مثلاً قتل، پہاڑ سے گرنا یا اور کسی شدید بیماری کا عارض ہونا۔اب زید کی موت پر کوئی نام ونہاد منکر درود وسلام یہ دلیل دیتا ہے کہ زید پہاڑ سے نہیں گرا لہذا نہیں مرا تو یہ استدلال بلا دلیل ہے اور باطل ہے۔کیونکہ ہوسکتا ہے کہ زید پہاڑ سے تو نہیں گرا لیکن اس کو کسی نے قتل کردیا ہو۔تو اب اس کی موت کی نفی خاص سبب کی نفی سے

ثابت نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کی موت دوسرے سبب سے ثابت ہو جائے گی۔

اب بندہ اس قاعدہ اصولیہ کو درود وسلام میں جاری کرتا ہے کہ درود وسلام قبل از آذان کے جواز کے کئی دلائل اور علل ہیں۔ کتاب اللہ جل شانہ، سنت رسول ﷺ قولی یا فعلی اور اجماع امت۔ لہذا متنازعہ درود وسلام ان چار دلائل میں سے ہر ایک دلیل سے ثابت ہوسکتا ہے۔ تو اب اگر نام ونہاد اور منکر اس طرح استدلال پیش کرے کہ چونکہ درود وسلام کے متعلق کوئی سنت فعلی نہیں ہے لہذا یہ درود وسلام جائز نہیں اور بدعت ہے تو اس نام نہاد کا یہ استدلال باطل محض ہوگا۔ کیونکہ درود وسلام قبل از آذان کتاب اور سنت قولی سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔ اور تمہیدی مقدمات کے بعد یہ فقیر انشاء اللہ تعالی کتاب وسنت قولی سے اس کو ثابت کرے گا۔ انتظار فرمایئے۔

بندہ نے جو اصول فقہ کا قاعدہ ذکر کیا ہے اس پر دلیل ملاحظہ ہو۔ اصول شاشی میں ہے۔

"الاحتجاج بلادليل انواع منها الاستدلال بعدم العلة على عدم الحكم (الى) بمنزلة مايقال لم يمت فلان لانه لم يسقط عن السطح"

یعنی اگر کوئی آدمی اس طرح استدلال پیش کرے کہ حکم اور مدلول اس لئے معدوم ہے کہ اس کی علت معدوم ہے۔ مثلاً یہ کہے کہ فلاں آدمی نہیں مرا۔ اس لئے کہ چھت سے نہیں گرا۔ تو یہ استدلال بلادلیل اور باطل ہے۔

البتہ اگر کسی حکم اور مدلول کی علت اور دلیل صرف ایک ہی ہے تو اس صورت میں یہ استدلال درست ہوگا اسی بناء پر کہا جاتا ہے کہ دلیل اور علت خاص کی نفی سے مدلول اور معلول کی نفی نہیں ہوتی۔ البتہ مدلول اور معلول کی نفی سے ہر دلیل اور علت کی نفی ہو جاتی ہے۔

وجہ سوم:۔ کسی نام ونہاد منکر درود وسلام کا یہ کہنا کہ درود وسلام قبل آذان اسلئے بدعت اور جائز نہیں کہ اس کے متعلق سنت فعلی نہیں ہے تو منکر کے اس قول سے درود وسلام کا بدعت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ منفی طرز استدلال ہے۔ اگر تم نے اس کو بدعت ثابت کرنا ہے تو اسکے لئے تم پر لازم ہے کہ کتاب وسنت سے کوئی ایسی دلیل لاؤ جس کا معنی ہی یہ ہو کہ قبل از آذان درود وسلام نہ پڑھو یہ بدعت ہے۔ اگر منکر میں ہمت ہے تو ایسی دلیل پیش کرے لیکن قاعدہ احناف کے مطابق یہ دلیل خبر متواتر یا خبر مشہور ہو۔

" فان لم تفعلوا ولن تفعلو فاتقوا النار التی وقودھاالناس والحجارۃ "

نص قطعی سے ثابت درود شریف کا منکر نار اور آگ کا ایندھن ہوگا۔

وجہ چہارم:۔ آنحضرت ﷺ کی سنت دو قسم ہے۔ سنت قولی اور فعلی۔

سنت قولی:۔ آپ ﷺ کے فرمان کو کہتے ہیں۔

سنت فعلی:۔ آپ ﷺ کا فعل اور کام ہے۔ کہ آپ ﷺ نے وہ کام کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان ہر دو سنت میں فرق کیا ہے۔؟ تو اصول فقہ میں ہر دو سنت کے تین فرق ہیں۔

فرقِ اول:۔ سنت قولی پر اتفاق ہے کہ یہ حجت اور دلیل ہے اور اس سے استدلال پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ اور حدیث فعلی میں اختلاف ہے کہ اس سنت کے ساتھ مطلقاً استدلال درست ہے یا نہ۔؟ بعض علماء سنت فعلی کے ساتھ استدلال کو درست نہیں مانتے

یعنی محض سنت فعلی سے نہ تو اباحت ثابت ہوتی ہے نہ ندب اور وجوب ۔ بلکہ اباحت اور ندب اور وجوب کسی اور دلیل سے ثابت ہوگا۔اور بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے فعل کی اتباع واجب ہے۔البتہ اگر کسی دلیل سے ثابت ہوجائے کہ آپ ﷺ کے اس فعل کی اتباع منع ہے۔اور بعض علماء نے تفصیل کی ہے کہ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ آپ نے یہ فعل وجوب یا ندب یا اباحت کے طور پر کیا ہے تو ہم بھی وہ فعل اسی جہت پر کریں گے۔اور اگر یہ معلوم نہ ہوسکا کہ آپ ﷺ نے یہ فعل کس طریقہ پر کیا ہے۔؟ تو اس صورۃ میں آپ ﷺ کے فعل کو اباحت پر محمول کیا جائے گا۔

فرق دوم :۔ اکثر احکام شرع حدیث قولی پر مبنی ہیں نہ کہ حدیث فعلی پر۔

فرق سوم :۔ حدیث قولی کی وضع بیان کے لئے ہے نہ کہ حدیث فعلی سے۔

اب ان فرقوں پر دلائل ملاحظہ ہوں۔نورالانوار میں ہے۔

"اختلفوا فی اقتداء افعال لم تصدر عنه سهواً ولم یکن له طبعاً ولم تکن مخصوصة به"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ آپ کے افعال چار قسم پر ہیں۔

قسم اول:۔ جو سہو سے صادر ہوئے جیسے آپ ﷺ نے ظہر کی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔

قسم دوم:۔ وہ فعل جو کہ آپ ﷺ سے طبعاً صادر ہوئے جیسے کہ آپ

ﷺ سوتے تھے جاگتے تھے ان ہر دو قسم کی اقتداء ہم پر واجب نہیں ہے۔

قسم سوم:۔ وہ فعل جو کہ آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا کہ ایک وقت میں آپ ﷺ کے نکاح میں چار سے زیادہ ازواج مطہرات تھیں۔اس فعل کی اقتداء ہمارے لئے جائز ہی نہیں۔

قسم چہارم:۔ وہ افعال جو کہ ان تینوں اقسام کے سواء ہیں ان میں اختلاف ہے۔تلویح میں ہے۔

" السنة ضربان قول وفعل والقول هو الموضوع لبيان الشراع المبني عليه اكثر الاحكام المتفق على حجته بين الانام "

معنی اس عبارت کا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سنت دو قسم ہے قولی اور فعلی ۔اور سنت قولی کی وضع شرعی احکام کے بیان کے لئے ہے۔فعلی سنت کی وضع بیان شریعت کے لئے نہیں ہے۔اور سنت قولی پر اکثر شرعی احکام کی مدار ہے۔سنت فعلی پر نہیں ہے۔یہاں تک دو فرق آگئے۔تیسرا فرق یہ ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ سنت قولی حجت اور دلیل ہے۔اور سنت فعلی کے حجت اور دلیل ہونے میں اختلاف ہے انہی تین فرق کو حاشیہ تلویح میں بایں طور ذکر کیا گیا ہے۔ملاحظہ ہو۔

" القول اقوى بوجوه ثلاثة ، الاول : ان القول موضوع للبيان بخلاف الفعل ، الثاني : ان اكثر الاحكام مبنية عليه بخلاف الفعل ، الثالث: ان حجية القول متفق عليه يعني اذا جاء الحديث القولي وجب الامتثال عند الكل بخلاف الفعل "

اس عبارت میں مذکورہ بالا تین فرق کو بیان کیا گیا ہے۔ اور آخر میں فرمایا کہ جب حدیث قولی آ جائے تو سب کا اتفاق ہے کہ اس پر عمل واجب ہے۔ سب آئمہ کے نزدیک بخلاف حدیث فعلی کے کہ اس پر عمل سب آئمہ کے نزدیک واجب نہیں بلکہ اس میں اختلاف ہے۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ حدیث قولی بہت قوی ہے حدیث فعلی سے۔ اب ان معاندین منکرین منصوص درود وسلام پر حیرت ہے کہ درود وسلام پر حدیث فعلی غیر اقوی اور مختلف فیہ طلب کرتے ہیں۔ اور اس کی نفی پر درود وسلام منصوص کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ اور کتاب اللہ جل شانہ اور حدیث قولی آنحضرت ﷺ کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ یہ کھلا عناد اور جہالت ہے۔ یہاں تک پانچ تمہیدی مقدمات ختم ہوئے۔

مقدمہ ششم:۔ رابطہ عالم اسلامی اور تنظیم المساجد عالمی کی طرف سے جو سرکلر جاری ہوا ہے اور اس کی تائید پاکستان میں اس تنظیم کے کاسہ لیسوں نے کی ہے اس سرکلر کے الفاظ یہ ہیں کہ آذان سے قبل ان اعمال سے اجتناب کیا جائے جو بطور بدعت ایجاد کردہ ہیں اور پھر تصریح کر دی کہ اس بدعت سے مراد درود وسلام ہے جو کہ آذان سے پہلے پڑھا جاتا ہے اور پھر معاندین اور دشمنان درود وسلام نے اپنی جہالت کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ درود وسلام نہ آذان سے پہلے جائز ہے اور نہ بعد۔ لہذا اس کی حمایت نہیں کی جاسکتی۔ سو بندہ گزارش کرتا ہے کہ درود وسلام آذان سے پہلے پڑھنا اور آذان کے بعد پڑھنا کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ اور ثواب اور برکت کا سبب ہے اور اس عمل خیر کو روکنا یہ بدعت سیئہ ہے۔ لہذا ان مبتدعین کے منہ میں لگام دینے کی ضرورت ہے جو درود وسلام کو بدعت کہتے ہیں ہم اہل سنت وزارت مذہبی امور سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ کیا

پاکستان بے شمار قربانیوں کے بعد اسی لئے قائم ہوا تھا کہ یہاں وزارت مذہبی امور کی طرف سے درود وسلام کو بدعت قرار دیا جائے گا۔ اور نیز یہ کہا جائے گا کہ درود وسلام سے مسجد کا تقدس مجروح ہوتا ہے۔؟ کیا کوئی کلمہ گو بقائمی ہوش وحواس ایسے الفاظ استعمال کر سکتا ہے۔؟ ہم وزیر صاحب سے مؤدبانہ گزارش کرتے ہیں کہ جو مساجد اوقاف کے قبضہ میں ہیں ان کی آمدن تو محکمہ ہڑپ کر جاتا ہے اور مسجد کے مصارف از قبیلہ صفیں اور پانی اور بجلی اور رمضان المبارک میں ختم کے موقع پر شیرینی کی تقسیم اہل محلہ اپنی گرہ سے ادا کرتے ہیں۔ جناب والا مسجد کا تقدس تو اس سے مجروح ہو رہا ہے۔ نہ کہ درود وسلام سے۔ جس کا حکم کتاب وسنت میں ہے۔

ہمارے خیال میں وزیر صاحب نے جو تقدس کے مجروح ہونے کے الفاظ استعمال کئے ہیں اگر واقعہ میں انہوں نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں تو وہ بذریعہ اخبار ان الفاظ سے رجوع کرنے کا اعلان کریں کیونکہ ان کے ان الفاظ سے اہل سنت کے دل میں شکوک شبہات پیدا ہو رہے ہیں اور اگر آپ نے یہ الفاظ نہیں کہے اور اہل سنت کا یہی خیال ہے کہ ایک عام مسلمان بھی ایسے الفاظ استعمال نہیں کر سکتا چہ جائیکہ وہ وزیر ہو اور پھر مزید برآں اوقاف اور مذہبی امور کا مرکزی وزیر ہو اگر آپ نے یہ نہیں کہا تو اس کا اعلان بھی ضروری ہے۔ نیز ہمیں وزیر اعظم پاکستان کی خدمت میں بھی یہ عرض کرنا ہے کہ آپ نے تجربہ کار وزیر مقرر نہیں فرمائے۔ ہر محکمہ کا وزیر ایسا ہونا چاہئے کہ اس کو اس محکمہ کی پوری واقفیت ہو۔ اور اس کو اپنے محکمہ کا تجربہ ہو۔ لیکن آج کل وزارتیں سیاسی رشوت کے طور پر دی جاتی ہیں، تا کہ وہ حکومت کے ہر حکم پر انگوٹھا لگا دیں۔ حیرت ہے کہ مرکز اور صوبوں میں اکثر وزراء وہ ہیں جو کہ آذان سے پہلے اور بعد درود وسلام کو عبادت جانتے ہیں لیکن کسی وزیر کا بیان اس سیاہ سرکلر کی مذمت میں

نہیں آیا۔ وزراء صاحبان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایک سال تو تقریباً گزر چکا ہے چار سال کے بعد آپ نے اہلسنت سے پھر ووٹوں کی بھیک مانگنی ہے آپ کی وزارت کچی نوکری ہے آخر وزیر صاحب کو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ کسی بیرونی تنظیم کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں دخل دے۔ وزیر کا حق تھا کہ اس بیرونی سرکلر کو واپس کر کے بیرونی تنظیم کو متنبہ کرتا کہ آپ کا یہ سرکلر غیر آئینی اور غیر معقول ہے اور پاکستان میں فتنہ وفساد کا باعث ہے۔ آئندہ آپ کو احتیاط لازم ہے۔ وزیر صاحب کا تذکرہ تو اس مضمون میں طبعاً آ گیا۔

اصل میں بندہ یہ کہہ رہا تھا کہ جن معاندین جہلاء نے یہ کہا ہے کہ آذان سے پہلے اور بعد درود وسلام بدعت ہے یہ ان کی بڑی دلیری ہے۔ اور اس سے ان کی علمی کم مائیگی کا پتہ چلتا ہے۔ آذان سے پہلے اور بعد درود وسلام کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ بندہ یہ چیلنج کرتا ہے کہ کتاب وسنت سے کوئی آیت یا حدیث پیش کریں جس کا معنی یہ ہو کہ آذان سے پہلے اور بعد درود وسلام پڑھنا ناجائز ہے یا بدعت ہے۔ یا کہ نہ پڑھو۔ محض آپ کا یہ استدلال کہ آنحضرت ﷺ نے یہ فعل نہیں کیا اس سے یہ فعل ناجائز اور بدعت ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ قبل ازیں اصول فقہ سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ منفی طرز استدلال ہے اور اصول فقہ نے اس کو استدلال بلا دلیل فرمایا ہے۔ کہ ایک حکم کی متعدد دلیلیں ہوتی ہیں، ایک دلیل کی نفی سے حکم کی نفی نہیں ہوتی۔ تفصیل گزر چکی ہے اگر منکرین درود وسلام کی دلیل تسلیم کر لی جائے کہ چونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ عمل نہیں کیا لہذا اس قسم کا درود وسلام پڑھنا بدعت ہے۔

بندہ منکرین پر ایک سوال کرتا ہے کہ ان منکرین اور ان کی عالمی تنظیم کو یہ علم ہے کہ عالم اسلام میں عموماً اور حجاز مقدس میں خصوصاً نماز اور آذان اور خطبہ اور دیگر کئی عبادات میں

سپیکر استعمال کیا جاتا ہے حالانکہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام اور آئمہ مجتہدین نے یہ آلہ مذکورہ بالا عبادات میں استعمال نہیں کیا تم منکرین کی دلیل سے یہ بھی بدعت ٹھہرا۔ اور اس بدعت کا ارتکاب بیت اللہ شریف میں ہو رہا ہے۔ اور عالمی تنظیم اور ان کے پاکستانی کاسہ لیس ساکت عن الحق ہیں۔ اور شیطان اخرس کا رول ادا کر رہے ہیں۔ لیکن خدا کے محبوب پر درود و سلام ان کو چبھ رہا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس کا سبب بغض رسول ﷺ ہے اور چونکہ نجدی حکومت کا کھاتے ہیں لہذا کعبہ میں بدعت پر خاموش ہیں حالانکہ درود و سلام اور سپیکر میں بڑا فرق ہے۔ درود و سلام فی ذاتہ عبادت اور ماموربہ منصوص ہے اور سپیکر نہ فی ذاتہ عبادت اور نہ ماموربہ اور منصوص ہے۔

یہاں کئی اور لطیفے بھی ہیں۔ لیکن طوالت کے خوف سے ان کی تفصیل ذکر نہیں کیا جاتی۔ اجمالی طور پر اشارہ کافی ہے۔ عالمی تنظیم اور ان کے وظیفہ خوروں کی مساجد میں گھڑیاں اور گھڑیال نصب ہیں ان کے مطابق انہوں نے اوقات نماز وغیرہ مقرر کر رکھے ہیں حالانکہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ اقدس میں ایسا کوئی انتظام نہیں تھا تو منکرین درود و سلام کے اپنے قاعدہ کے مطابق یہ سب انتظام بدعت ٹھہرا۔ اور وہ ان بدعات کا ارتکاب کر کے مبتدع ہو رہے ہیں۔ اپنی بدعت پر تو ان کی نظر نہیں ہے، لیکن نہایت ڈھٹائی سے درود و سلام کو بدعت کہہ رہے ہیں۔

مشہور ہے کہ وقت کا پہچاننا فرض ہے۔ کیونکہ اس پر صحت نماز موقوف ہے۔ وقت معلوم کرنے کے طریقے کتاب و سنت اور کتب فقہ میں مذکور ہیں یہ منکرین ان طریقوں سے بالکل ناواقف ہونے کی وجہ سے ان پر عمل نہیں کرتے اور اوقات کی پہچان ان کے نزدیک

گھڑیوں اور گھڑیالوں پر موقوف ہے۔ گھڑی پر وقت ہو گیا تو یہ آذان دے دیتے ہیں خواہ شرعی قواعد کے مطابق وقت نہیں ہوتا۔ خصوصاً شام کے وقت ان کی آذان بے وقت ہوتی ہے اور رمضان المبارک میں اس بے وقت آذان سے اپنے اور لوگوں کے روزے خراب کرتے ہیں۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ ہم تعجیل فی الافطار پر عمل کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا عمل تعجیل فی الافساد ہے۔ تعجیل فی الافطار یہ ہے کہ افطار کا وقت ہو جائے تو افطار میں جلدی کرنی چاہئے وقت سے پہلے روزہ کے افساد میں تعجیل ہے جو کہ مذموم ہے۔ بندہ ان کو چیلنج کرتا ہے کہ کتاب وسنت کے مطابق شام اور افطار صوم کا وقت بیان کریں۔

جب ان منکرین درود وسلام کا کوئی نجدی معزز مہمان آتا ہے تو یہ لوگ کثیر تعداد میں ایئر پورٹ اور اسٹیشن پر اس کا استقبال کر کے جلوس کی شکل میں اس کو قیام گاہ پر لاتے ہیں اور پھر اس کو پر تکلف استقبالیہ دیتے ہیں۔ جس پر پانی کی طرح روپیہ بہایا جاتا ہے۔ اور پھر اس نجدی مہمان کو سپاس نامہ پیش کرتے ہیں۔ اور اس کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملاتے ہیں ان سب بدعات کو تو یہ نام ونہاد اہل توحید سنت جانتے ہیں اور اگر اہل سنت میلاد شریف کی خوشی میں کھانا تقسیم کریں تو یہ لوگ اس کو فضول خرچی قرار دیتے ہیں۔ اور مجلس میلاد شریف کو نعوذ باللہ جنم کنہیا سے تشبیہ دیتے ہیں اور میلاد شریف کے جلوس کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ اور ان کا استدلال وہی منفی طریقہ استدلال ہے۔ کہ چونکہ یہ کام آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا لہذا ناجائز اور بدعت ہے۔ اور ان کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ کتاب وسنت سے اس کا جواز تلاش کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ میلاد شریف کا اصل کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ قرآن پاک میں وارد ہے۔

"قولہ تعالی ☆ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا"

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول کو مومنوں میں مبعوث فرما کر احسان کیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نعمت عظمٰی ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی اپنا محبوب کسی کو نہیں دیتا خصوصاً جبکہ محبّ کو معلوم ہو کہ لوگ میرے محبوب کو بڑی بڑی تکالیف دیں گے، تو اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ لوگ بے قدری کریں گے۔ اور پتھر ماریں گے اور اللہ تعالیٰ کے محبوب کو لہولہان کریں گے۔ اس کے باوجود اپنا محبوب مومنین کو عطا فرما کر احسان جتلایا اور پھر دوسری جگہ فرمایا۔

"قولہ تعالی ☆ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ"

اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا تو اللہ تعالیٰ نعمت میں زیادتی فرمائے گا۔ اور پھر جناب رسول ﷺ نے مومنین پر بڑے بڑے احسان فرمائے اور سب سے بڑا احسان یہ فرمایا کہ مومنوں کو ایمان کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ تو اللہ تعالیٰ منعم حقیقی اور اس کا محبوب ﷺ اللہ تعالیٰ کی عطاء سے منعم ٹھہرے۔ اور جس آدمی کو ذرا بھی عقل و تمیز ہے وہ جانتا ہے کہ منعم کا شکریہ لازم ہے۔ اس بناء پر میلاد شریف منا کر سنت منعم کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور منکرین درود و سلام اس شکریہ کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ اگر وہ غور کریں تو ان کو معلوم ہو گا کہ منعم جل جلالہ اور منعم ﷺ کے شکریہ سے مومنوں کو روکنا یہ صرف بدعت ہی نہیں بلکہ بدعت سیئہ اور صریح بغض رسول ﷺ ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ پیر کے دن روزہ رکھتے تھے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا "فیہ ولدتُ" میں اس دن پیدا کیا گیا ہوں۔ محدثین رحمہم اللہ نے تصریح فرمائی کہ یہ روزہ ولادت کا شکریہ تھا۔ حیرت

ہے کہ آنحضرت ﷺ تو سال میں تقریباً پچاس دفعہ اپنا میلاد خود مناتے ہیں اس سے اپنی امت کو سمجھا گئے کہ اس دن کی آپ کے نزدیک خصوصی اہمیت ہے۔ لیکن ہم اہلسنت سال میں ایک دفعہ میلاد مقدس کا اہتمام کریں تو یہ منکرین بغض رسول کا اظہار کرتے ہوئے اس کو بدعت ٹھہراتے ہیں۔ منکرین کی یہ الٹی سیاست ہے کہ اہل سنت کے معمولات پر تو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کام آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا، اور پھر اس کے برعکس جو کام آنحضرت ﷺ نے خود اپنی ولادت کا شکریہ ادا کرنے کے لئے کیا منکرین یہ کام نہیں کرتے بلکہ اس کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ میلاد شریف کو بدعت قرار دینے کے لئے وہ بڑے بڑے اشتہار شائع کرتے ہیں لیکن ان کو کبھی یہ توفیق نہیں ہوئی کہ بذریعہ اشتہارات اپنے چیلوں کو حکم دیں کہ پیر کے دن روزہ رکھ کر ولادت پاک کا شکریہ ادا کریں۔ لیکن جس کے ساتھ بغض ہو اس کی ولادت کا یہ کیونکر شکریہ ادا کریں۔

اہل سنت کے نزدیک ولادت طیبہ کا شکریہ پیر کے روزہ میں منحصر نہیں بلکہ روزہ سے مراد بدنی عبادت ہے۔ کیونکہ مالی عبادت بھی شکریہ کے لئے ادا کی جا سکتی ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ نیز سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی میں ابولہب کافر نے اپنی لونڈی کو آزاد کیا تو بعد از موت پیر کے دن اللہ تعالیٰ اس کو پانی پلاتا ہے تو محدثین کرام فرماتے ہیں کہ ابولہب کو بھی ولادت کی خوشی میں فائدہ ہوا۔ اور ہفتہ میں ایک دن اس کے عذاب میں تخفیف ہوئی۔ حالانکہ وہ سر سے پاؤں تک ان منکرین کی طرح بغض رسول ﷺ سے بھرا ہوا تھا اور مسلمانوں کے تو رگ و ریشہ میں اپنے نبی ﷺ کی محبت ہی محبت ہے۔ اگر سارا ہفتہ ان سے عذاب اُٹھا لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے کیا بعید

ہے لیکن یہ منکرین تو ابولہب سے بھی گئے گزرے ہیں۔اور شیطان کا مقصد ان کے گمراہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو سارا ہفتہ عذاب شدید ہے۔اور ان کا شیطان خوشی میں گھی کے چراغ جلائے۔

"وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ ☆ الآية"

ابولہب کو جو خوشی سے تخفیف ہوئی تو اس سے معلوم ہوا کہ ولادت کی خوشی میں مال بھی خرچ کرنا جائز ہوا۔تو ثابت ہوا کہ مومنین ولادت کی خوشی میں عبادت بدنی اور مالی دونوں کر سکتے ہیں۔

مقدمہ ہفتم:۔ دن کے بارہ گھنٹے ہیں اور چوبیس نصف گھنٹے اور اڑتالیس چوتھائی حصے اور اسی طرح رات کے بھی اڑتالیس چوتھائی حصے ہیں۔تو مجموعہ چھیانوے حصے ہوں گے۔اب بندہ ان معاندین منکرین درود وسلام سے پوچھتا ہے کہ ان چھیانوے حصوں سے تمہارے نزدیک کس حصہ میں درود وسلام جائز اور سنت ہے۔؟ تم جس حصہ کو اختیار کرو گے اس پر بقول تمہارے یہ اعتراض ہوگا کہ یہ ثابت کرو کہ اس حصہ میں آنحضرت ﷺ نے درود وسلام پڑھا ہے۔؟ اور تم کسی حصہ میں یہ ثابت نہیں کر سکو گے تو پھر تمہارا دین یہ ہوگا کہ درود وسلام پڑھنا ہی بدعت ہے۔اور پھر ہر عبادت نفلی پر یہی اعتراض ہوگا۔مثلاً قرآن پاک کی تلاوت کے متعلق اگر تم یہ کہو کہ رات اور دن کے فلاں فلاں حصہ میں جائز ہے۔تو تم کو ثابت کرنا ہوگا کہ اس حصہ میں آنحضرت ﷺ نے تلاوت فرمائی ہے۔اور تم ہر حصہ کے متعلق ایسا ثبوت نہ پیش کر سکو گے تو پھر قرآن پاک کی تلاوت بھی تمہارے نزدیک بدعت ٹھہرے گی۔تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا مسلک دین اسلام کی تکذیب ہے۔اگر تم مذکورہ بالا سوال کا یہ جواب دو

کہ ہم ثابت کر سکتے ہیں کہ رات اور دن کے فلاں حصہ میں آنحضرت ﷺ نے درود وسلام پڑھا ہے اور وہ وقت نماز کی ادائیگی کا وقت ہے۔ اور اس وقت میں انحضرت ﷺ اور صحابہ کرام اور آئمہ مجتہدین نے درود وسلام پڑھا ہے۔ اور ہم بھی اس وقت پڑھتے ہیں تو پھر بندہ تم پر کئی اعتراض کرے گا۔

اعتراض اول:۔ تمہارے نزدیک صرف نماز میں درود وسلام جائز ہے اور اس کے سوا ناجائز اور بدعت ہے۔

اعتراض دوم:۔ تمام محدثین اور مصنفین تمہارے نزدیک اہل بدعت ٹھہریں گے اور اس میں تمہارے خصوصی اکابر بھی داخل ہونگے۔ کیونکہ حدیث کی ابتداء میں آنحضرت ﷺ کا نام پاک آتا ہے تو محدث آپ کے نام مبارک کے بعد درود پڑھتا ہے اور یہ وقت نماز کے علاوہ ہے۔ اسی طرح ہر مصنف اپنی کتاب کے خطبہ میں آنحضرت ﷺ پر درود وسلام پڑھتا ہے تو تم اس حدیث شریف کا مصداق بنو گے۔

"لعن آخر الامة اولها"۔

اعتراض سوم:۔ قرآن پاک میں جو وارد ہے۔

"قوله تعالى ☆يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ☆ الآية"

اے ایمان ولو! تم نبی ﷺ پر صلوٰۃ بھیجو۔

تو آیت میں جو لفظ صلوا ہے یہ امر تمہارے نزدیک نماز کے ساتھ مقید ہوگا حالانکہ یہ مطلق ہے کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ مطلق کی تقیید نسخ

ہے اور نسخ اگر قرآن کے ساتھ نہ ہو تو خبر متواتر یا کہ خبر مشہور سے ہوتا ہے۔ حالانکہ تمہارے پاس خبر واحد بھی نہیں ہے۔ جس کا یہ معنیٰ ہو کہ سوائے نماز کے درود و سلام ناجائز اور بدعت ہے۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ تم لوگ اپنی رائے سے قرآن پاک کا نسخ کرتے ہو۔ یہ خرابی اس سے پیدا ہوئی کہ تم نے یہ قاعدہ اختراع اور گھڑ لیا کہ جائز وہی کام ہے جو کہ آنحضرت ﷺ نے کیا ہے اور جو کام آپ ﷺ نے نہیں کیا وہ ناجائز اور بدعت ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے مطول میں فرمایا۔

"مفاسد قلته التامل مما يضيق عن الاحاطة بها نطاق البيان"

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ غلطی کا اعتراف کر لیا جائے اور اگر وہ آدمی اپنی غلطی کو درست ثابت کرنے کیلئے تاویلات باطلہ کا سہارا لے گا تو ان گنت غلطیوں میں پڑ جائے گا۔

مقدمہ ہشتم:۔ یہ مقدمہ نہایت اہم ہے۔ قارئین سے غور کی اپیل ہے۔ اصول فقہ میں منسوخ کے چار اقسام بیان کئے گئے ہیں۔ چوتھی قسم کو نور الانوار اور اس کے متن منار میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"ونسخ وصف في الحكم بان ينسخ عمومه واطلاقه ويبقىٰ اصله وذالك مثل الزيادة على النص فانها نسخ عندنا وعند الشافعي تخصيص وبيان فلا يجوز عندنا الا بالخبر المتراتر والمشهور كسائر النسخ وعنده يجوز بخبر الواحد والقياس"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ نسخ کی چوتھی قسم یہ ہے کہ ایک حکم عام اور مطلق تھا اس کے

عموم اور اطلاق کو نسخ کیا گیا اور اصل حکم باقی رہا اور اس کی مثال یہ ہے کہ نص پر زیادتی کی جائے۔ اور یہ نص پر زیادتی احناف کے نزدیک نسخ ہے۔ اور حضرت امام شافعی کے نزدیک یہ زیادتی نسخ نہیں بلکہ تخصیص اور بیان ہے۔ تو چونکہ احناف کے نزدیک نص پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ اگر حدیث شریف سے ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ حدیث متواتر یا مشہور ہو تب نسخ ہوگا۔ لہذا احناف کے نزدیک یہ زیادتی اور نسخ صرف خبر متواتر یا خبر مشہور سے ہوگی۔ خبر واحد سے نہیں ہوگی۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چونکہ یہ زیادتی علی النص نسخ نہیں ہے بلکہ تخصیص اور بیان ہے۔ لہذا دوسرے بیانوں کی طرح یہ زیادتی خبر واحد اور قیاس سے ہو سکے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالی دونوں اس پر متفق ہیں کہ حکم عام اور حکم مطلق کی تخصیص اور تقیید کسی کے محض قول سے نہیں ہو سکے گی بلکہ اس تقیید اور تخصیص کے لئے احناف کے نزدیک حدیث مشہور اور حدیث متواتر کی ضرورت ہوگی۔ اور امام شافعی کے نزدیک خبر واحد یا مجتہد کے قیاس کی ضرورت ہوگی۔ اس مسئلہ کو کتاب حسامی میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

”والزیادة علی النص نسخ عندنا خلافاً للشافعی لان باالزیادة یصیر اصل المشروع بعض الحق“

یعنی نص پر زیادتی احناف کے نزدیک نسخ ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نسخ نہیں ہے بلکہ تخصیص اور بیان ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ نص پر زیادتی کی وجہ سے اللہ تعالی نے جو حکم اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمایا ہے اور یہ اللہ تعالی کا بندوں پر حق ہے۔ یہ

کہ بعض حق رہ جائے گا اور بعض ختم ہو جائے گا۔ اور اس بعض حق سے کل حق کا تحقق نہیں ہوا، اور اللہ تعالی کے حقوق میں تجزی اور تقسیم نہیں ہوتی۔

حسامی کے شروح میں اس کی مثال یہ دی گئی ہے کہ مثلاً اللہ تعالی نے نماز فجر کے لئے فرائض دو رکعت فرمائے ہیں اب اگر کوئی آدمی صرف ایک رکعت نماز فجر پڑھتا ہے تو یہ اللہ تعالی کے حقوق میں تجزی اور تقسیم لازم آئے گی۔ جو کہ منع ہے۔ اور ایک رکعت پڑھنے والے کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے نماز فجر ادا کی ہے۔ جبتک کہ وہ ایک رکعت کے ساتھ دوسری رکعت نہ ملائے۔

اب بندہ نص پر زیادتی کی مثال بیان کرتا ہے جو کہ اصول فقہ میں مذکور ہے، کہ اللہ تعالی نے قسم اور ظہار کے کفارہ میں یہ الفاظ فرمائے۔

" فتحریر رقبة " یعنی غلام آزاد کرنا، اب یہ غلام مطلق اور عام ہے اس میں مومن اور کافر دونوں داخل ہیں۔ اب اللہ تعالی کا حق یہ ہے کہ خواہ غلام مومن آزاد کرے یا غلام کافر۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ قسم اور ظہار کے کفارہ میں جس غلام کے آزاد کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد صرف مومن غلام ہے نہ کہ مطلق غلام جو کہ کافر کو بھی شامل ہے۔ تو اب اللہ تعالی کے حقوق میں تجزی اور تقسیم لازم آئے گی۔ اور اللہ تعالی نے جو مطلق غلام ذکر فرمایا ہے اس سے بعض مراد ہوگا۔ یعنی غلام مومن جو کہ مطلق غلام کا فرد اور بعض ہے۔ تو یہ نسخ ہے۔ لہذا اس تقیید کے لئے خبر متواتر یا خبر مشہور پیش کرنا ضروری ہوگا خبر واحد اور قیاس اللہ تعالی کے مطلق کی تقیید اور نسخ نہیں کر سکتی۔ حالانکہ کوئی خبر متواتر اور مشہور نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ قسم اور ظہار کے کفارہ میں جس غلام کو آزاد کرنے کا حکم ہے اس غلام سے مراد مومن ہے۔ اس مسئلہ کو

اصول شاشی اوراس کی شروح میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

" فالمطلق من کتاب الله تعالی اذا امکن العمل باطلاقه فالزیادة علیه یعنی تقییده بخبر الواحد والقیاس لایجوز لان التقیید نسخ وصف الاطلاق والکتاب قطعی فلا یجوز نسخ اصله ووصفه بما هو ظنی وانما سمی التقیید زیادة فی قوله تعالی " فتحریر رقبة " علی تقدیر مومنة وانما کان هذا نسخاً ورفعاً لان موجب قوله تعالی "فتحریر رقبة" اجزاء الرقبة المومنة والکافرة فاذاقیدت باالایمان فقد نسخت باجزاء الکافرة "

اس طویل عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالی کی کتاب میں لفظ مطلق وارد ہو اوراس کے اطلاق پر عمل کرنا ممکن ہو تو اس مطلق پر تقیید کی زیادتی کرنی خبر واحد اور قیاس کے ساتھ جائز نہیں ہے۔اوراس کی یہ وجہ ہے کہ مقید کرنے سے وصف اطلاق کی نسخ ہو جائے گی اور اللہ تعالی کی کتاب قطعی ہے۔اور خبر واحد اور قیاس ظنی ہے۔لہذا ان ہر دو سے نہ کتاب کا اصل منسوخ ہوسکتا ہے اور نہ اس اصل کی وصف۔اس کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ مطلق کتاب اللہ کی تقیید کو زیادتی کہتے ہیں اور نسخ بھی۔اس کی کیا وجہ ہے؟ تو فرمایا کہ اس تقیید کو زیادتی تو اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے کفارہ ظہار میں فرمایا " فتحریر رقبة "تو جو شخص اس مطلق رقبۃ اور غلام کو ایمان کی وصف سے مقید کرتا ہے تو اس نے ایمان کی وصف کو کتاب اللہ میں زیادہ کیا۔تو یہ نص پر زیادتی ہوئی۔اس لئے تقیید کو زیادتی کہا جاتا ہے اوراس تقیید کو نسخ اس لئے کہا جاتا ہے کہ نسخ کا معنی رفع یعنی کسی چیز کو اٹھا لینا اوراس کو ختم کر دینا ہے۔ تو اللہ تعالی نے کفارہ ظہار میں مطلق رقبۃ کا ذکر فرما کر یہ حکم دیا کہ اس کفارہ میں غلام مومن اور

کافر ہر ایک کے آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔تو جو آدمی اس آیت مبارکہ میں ایمان کی قید لگاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کفارہ مذکورہ میں کافر غلام کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے اور اس سے کفارہ ادا نہیں ہوتا حالانکہ اللہ تعالی نے رقبۃ کو مطلق ذکر فرما کر یہ حکم دیا کہ کافرہ کا آزاد کرنا بھی جائز ہے۔تو جس نے ایمان کی قید لگائی اس نے اللہ تعالی کے حکم کا نسخ کر دیا اور اسے اٹھا دیا اور ختم کر دیا اس لئے اس تقیید کو نسخ کہا جاتا ہے۔

اب ان اصولی عبارات سے ثابت ہوا کہ مطلق کی تقیید احناف کے نزدیک زیادتی اور نسخ ہے لہذا اس تقیید کے لئے خبر متواتر یا خبر مشہور کا ہونا ضروری ہے۔اور شوافع کے نزدیک یہ تقیید تخصیص اور بیان ہے۔لہذا یہ تقیید خبر واحد اور قیاس سے بھی کی جا سکتی ہے۔

اب اگر اس پندرویں صدی میں کوئی نام ونہاد عالم دین اللہ تعالی کے مطلق فرمان کی تقیید کرتا ہے اور نہ اس کے پاس خبر متواتر ہے اور نہ خبر مشہور اور نہ خبر واحد اور نہ کسی مجتہد کا قیاس ۔تو یہ محض بے دینی اور قرآن پاک کی تحریف کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔اور پھر انتہائی جہالت یہ ہے کہ جو مسلمان اللہ تعالی کی مطلق نص سے استدلال پیش کرتا ہے اس کو وہ نام ونہاد بدعت قرار دیتا ہے۔اور خود بغیر دلیل کے جو من مانی تقیید کرتا ہے اس کو نہایت ڈھٹائی سے دین اور سنت قرار دیتا ہے۔یہ ہیں انقلابات زمانہ۔شاید اسکے لئے کسی نے کہا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا نام خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

پھر یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ مطلق کو اس کے اطلاق پر چھوڑنا یہ حقیقت ہے اور اس کو مقید کرنا یہ مجاز ہے۔اور معمولی علم والا بھی جانتا ہے کہ حقیقت کے لئے کسی دلیل کی ضرورت

نہیں ہے۔ بلکہ کسی معنی کا حقیقی ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ معنی حقیقی مراد متکلم ہے۔ چنانچہ علماء نے حقیقی معنی کی یہ علامت بیان کی ہے۔ کہ جو معنی بغیر کسی قرینہ کے مفہوم اور معلوم ہوتا ہے وہ معنی حقیقی ہے برخلاف مجاز کے کہ اس کے لئے قرینہ ضروری ہے اس لئے آئمہ کا اس میں اتفاق ہے کہ مطلق کتاب اللہ کو مقید کرنا چونکہ مجاز ہے لہذا اس کے لئے خبر متواتر یا خبر مشہور یا خبر واحد یا قیاس کا ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ احناف اور شوافع کے درمیان اختلاف کو ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ احناف کے نزدیک مطلق کتاب اللہ کی تقیید نص پر زیادتی اور نسخ ہے لہذا خبر متواتر یا خبر مشہور کا ہونا ضروری ہے۔ اور شوافع کے نزیک یہ تقیید تخصیص اور بیان ہے۔ لہذا کم از کم خبر واحد یا قیاس مجتہد ضروری ہے۔

اب بندہ یہاں چند مثالیں پیش کرتا ہے۔ پہلے وہ مثالیں پیش کرتا ہے کہ باوجود خبر واحد کے احناف مطلق کتاب اللہ کو مقید نہیں کرتے اور شوافع مقید کرتے ہیں۔

مثال اول: ۔ قرآن کریم میں ہے

”قوله تعالى ۔ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ“

یعنی اللہ تعالیٰ کے قدیم گھر کا طواف کرو۔

اس آیت میں طواف مطلق ذکر کیا گیا ہے وضو کی شرائط کا ذکر نہیں اب احناف کا مذہب یہ ہے کہ خواہ وضو ہو یا نہ ہو نفس طواف جائز ہے کیونکہ کسی خبر متواتر یا مشہور سے طواف کے لئے وضو کی شرط ثابت نہیں۔ پس طواف کے لئے وضو شرط کرنا نص پر زیادتی ہے اور یہ نسخ ہے۔ اور نسخ کے لئے خبر متواتر یا مشہور کا ہونا ضروری ہے اور شوافع اپنے مذہب کے مطابق طواف مطلق کو وضو کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ اور یہ تقیید خبر واحد سے کرتے ہیں۔ خبر واحد یہ ہے۔

"قوله علیه السلام ۔ الطواف حول البیت مثل الصلوٰۃ الا انکم تتکلمون فیه الحدیث"

مطلب یہ ہے کہ بیت اللہ شریف کا طواف نماز کی مثل ہے فرق یہ ہے کہ طواف میں باتیں کرنی جائز ہیں۔تو شوافع نے کہا کہ چونکہ طواف نماز کی مثل اور نماز کے لئے وضوشرط ہے بغیر وضو نماز نہیں ہوتی اسی طرح طواف کے لئے بھی وضوشرط ہے اور بغیر وضوطواف بھی نہیں ہوتا۔ احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مطلق کومقید کرنا یہ زیادتی اور نسخ ہے۔اور جو حدیث شوافع نے پیش کی ہے یہ خبر واحد ہے اس سے کتاب اللہ کے مطلق کی نسخ نہیں ہوسکتی۔اس کے لئے خبر متواتر یا مشہور ضروری ہے۔

مثال دوم:۔قران پاک میں ہے۔

"قوله تعالى ۔ فَاقْرَءُ وْامَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآن"

یعنی قرآن پاک کا جوحصہ تم کوآسان معلوم ہووہ پڑھو۔

اب احناف کے نزدیک مطلق قرآن پڑھنا نماز میں فرض اور رکن ہے کسی حصہ کوقرآن میں معین نہیں کیا گیا۔شوافع کے نزدیک سورۃ فاتحہ کا پڑھنا نماز میں فرض ہے۔اس کے بغیر نماز درست نہیں اور شوافع کی دلیل ایک حدیث ہے جوکہ خبر واحد ہے۔حدیث شریف میں ہے۔

"قوله علیه السلام ۔ لاصلوٰۃ الا بفاتحة الکتاب"

یعنی بغیر فاتحہ شریف کے نماز نہیں ہوتی۔

احناف نے جواب دیا کہ قرآن میں مطلق قرآن (قرآن پڑھنے) کا ذکر ہے۔ فاتحہ کی کوئی تقیید نہیں ہے۔اگر مطلق آیت قرانی کو فاتحہ کے ساتھ مقید کیا جائے تو یہ نص پ

زیادتی اور نص کے اطلاق کا نسخ ہے۔اور اس زیادتی اور نسخ کے لئے خبر متواتر یا مشہور کا ہونا ضروری ہے۔اور ایسی کوئی خبر نہیں ہے اور خبر واحد جو شوافع نے پیش کی ہے اس سے مطلق کتاب اللہ کا نسخ نہیں ہو سکتا اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔طوالت کے خوف سے صرف دو مثالوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

اب بندہ وہ مثالیں پیش کرتا ہے جہاں کتاب اللہ کے مطلق کو احناف بھی مقید کرتے ہیں۔لیکن خبر مشہور کے ساتھ۔

مثال اول:۔قرآن پاک میں ہے۔

’’قوله تعالی ۔ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ ۔ الآية‘‘

اس آیت میں پاؤں کا دھونا مطلق ذکر کیا گیا ہے یعنی خواہ موزے پہنے ہوں یا نہ۔ پاؤں کا دھونا فرض ہے تو احناف نے بھی اس مطلق کو مقید کیا ہے۔کہ یہ حکم اس وقت ہے جب موزے پہنے ہوں۔اگر موزے پہنے ہوں تو پاؤں کا دھونا فرض نہیں۔اور تقیید حدیث مشہور سے کی گئی ہے۔کیونکہ مسح موزہ کی حدیث مشہور ہے۔تقریباً ستر صحابہ نے اس حدیث کو روایت کیا۔اور بعض حفاظ حدیث نے اس حدیث کو متواتر کہا ہے۔

مثال دوم:۔کفارہ قسم کے متعلق قرآن کریم میں ہے۔

’’قوله تعالی ۔ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ‘‘

یعنی جس نے قسم کو توڑا اور دس مساکین کو نہ روٹی کھلانے کی طاقت رکھتا ہے اور نہ کپڑوں کی اور نہ غلام آزاد کرنے کی تو وہ تین دن روزے رکھے۔

اب آیت میں تین روزے مطلق کا ذکر ہے خواہ پے در پے ہوں یا نہ۔ تو اس مطلق کو پے در پے کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت اس طرح ہے۔ " فصيام ثلثة ايام متتا بعات"

یعنی پے در پے روزے رکھے۔ اور یہ قرأت مشہور ہے۔ اور اس سے قرآن پر زیادتی اور نسخ کیا جا سکتا ہے اس جگہ. بندہ نور الانوار کی عبارت نقل کرتا ہے جو کہ مسح موزہ کے متعلق ہے۔

" كزيادة المسح الخفين على غسل الرجلين الثابت بالكتاب فان الكتاب يقتضى ان يكون الغسل هو الوظيفة للرجلين سواء كان متخففاً او۔۔۔۔لا والحديث المشهور نسخ هذا الاطلاق وقال انما الغسل اذا لم يكن لابس الخفين فالآن صار الغسل بعض الوظيفة "

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ نص پر زیادتی کی مثال جو کہ نسخ ہے اور خبر مشہور سے ثابت ہے۔ یہ ہے کہ قرآن پاک میں پاؤں کو دھونے کا حکم ہے خواہ موزے پہنے ہوں یا نہ۔ اور یہ دھونا پورا حکم ہے۔ اب اس مطلق پر یہ زیادتی کی گئی کہ اگر موزے پہنے ہوں تو موزہ پر صرف مسح کرے تو یہ زیادتی خبر مشہور سے کی گئی ہے۔ اور وہ خبر مشہور مسح موزہ کی حدیث ہے۔ تو اب اس حدیث سے پاؤں کا دھونا بعض حکم ہوا۔ صاحب نبراس نے بھی اس قسم کی تقریر کی ہے جو کہ نور الانوار کی عبارت میں ذکر کی جا چکی ہے۔ اب نبراس کی عبارت ملاحظہ ہو۔

" المسح على الخفين فى الحضر والسفر لانه وان كان زيادة على الكتاب لان مافى القرآن هو غسل الرجلين مطلقاً من غير تقييد بكونهما

مجردین عن الخفین لکنه بالخبر المشهور والزیادة علی القرآن بالخبر المشهور جائزٌ باجماع الاصولین کوجوب الجماع فی تحلیل المطلقة ثلاثابحدیث العسیلة مع ان المذکور فی القرآن حتی تنکح زوجاً غیرہ والنکاح حقیقة فی العقد علی المشهور وجوزالامام الشافعی الزیادة بالخبر الواحد ایضاً ولذاقال بان قرائة الفاتحة فریضة فی الصلوٰة لقوله علیه الصلوٰة والسلام لاصلوٰة الا بفاتحة الکتاب مع ان الحق سبحانه قال " فاقرء وا ما تیسر من القرآن" "

بندہ نے اس عبارت میں شرح عقائد اور حاشیہ نبراس کی کچھ عبارت بھی ذکر کی ہے۔اب مذکورہ بالاعربی عبارت کا مطلب ملاحظہ ہو۔

سفراور حضر میں موزوں پر مسح کرنا احناف کے نزدیک کتاب اللہ پر زیادتی ہے۔ کیونکہ قرآن میں پاؤں کا دھونا مطلقاً ذکر کیا گیا ہے اور یہ قید نہیں لگائی گئی کہ یہ دھونا اس وقت ہے کہ پاؤں موزوں سے خالی ہوں۔لیکن یہ مسح والی زیادتی خبر مشہور سے کی گئی ہے۔اور تمام علماءاصول کا اس پر اجماع ہے کہ خبر مشہور کے ساتھ قرآن پر زیادتی جائز ہے۔اور اس زیادتی کی دوسری مثال یہ ہے کہ اگر عورت کو تین طلاقیں ہوجائیں تو قرآن میں صرف مطلق نکاح کا ذکر ہے۔کہ یہ عورت طلاق دہندہ پر اس وقت حلال ہوگی کہ کسی اور مرد کیساتھ نکاح کرے اور نکاح کا معنی ایجاب اور قبول ہے۔تو آیت میں مطلق نکاح کا ذکر ہے خواہ دوسرا مرد اس عورت کے ساتھ جماع کرے یا نہ۔لیکن چونکہ حدیث مشہور سے ثابت ہے کہ جماع ضروری ہے اور بغیر جماع کے پہلے خاوند پر حلال نہیں ہوسکتی۔لہذا قرآن میں مذکورہ مطلق نکاح کو جماع کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔اور یہ احناف کا مذہب ہے۔کہ قرآن کے مطلق کو صرف خبر متواتر اور

مشہور سے ہی مقید کیا جاسکتا ہے۔اور خبر واحد سے تقیید جائز نہیں۔ البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مطلق کی تقیید خبر واحد سے بھی ہوسکتی ہے۔اور اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ قرآن کا جو حصہ تمہارے لئے آسان ہے نماز میں اس حصہ کو پڑھو اور یہ حکم مطلق ہے۔خواہ وہ حصہ قرآن سورۃ فاتحہ یا کوئی اور۔

لیکن امام شافعی اس مطلق کی تقیید خبر واحد سے کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوسکتی۔تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن میں جس پڑھنے کا ذکر ہے اس سے مراد سورۃ فاتحہ ہے۔لہذا فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔اور چونکہ احناف کے نزدیک مطلق کتاب اللہ کی تقیید خبر واحد سے نہیں ہوسکتی لہذا اگر فاتحہ کے بغیر قرآن کا کوئی حصہ پڑھ لیا جائے تو فرض ادا ہوجائے گا اور فاتحہ فرض نہیں ہے۔

بندہ نے اس مقدمہ ہشتم میں مطلق کتاب اللہ اور اس کو مقید کرنے کی ذرا طویل بحث کی ہے۔کہ آج کل کے اہل حدیث یعنی اہل بدعت غیر مقلدین جن کو شتر بے مہار کہنا زیادہ مناسب اور ان کے ہمنوا گلابی حضرات اللہ تعالی کے خوف سے چونکہ عاری ہیں اس لئے کتاب اللہ کی تفصیل اپنی رائے سے اور من مانی کر کے عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔اور نت نئے شوشے چھوڑتے ہیں۔لہذا ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ آئمہ مجتہدین نے قرآن فہمی کے لئے جو قواعد اور ضوابط مقرر فرمائے ہیں ان کے مطابق جو تفسیر کی جائے گی وہی حق ہے۔اور اپنی رائے سے جو تفسیر کی جائے گی وہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف اور تخریب ہے۔اور یہ تحریف ان کو وراثت میں ملی ہے۔اپنے روحانی اباؤ اجداد کی۔جس کو تو وہ پلے باندھ لیتے ہیں لیکن آئمہ مجتہدین اور سلف صالحین نے جو تفسیر کا طریقہ بیان فرمایا ہے اس کے مطابق تفسیر قرآن کو

بدعت قرار دیتے ہیں اور پھران گلابی حضرات پر حیرت ہے کہ وہ زبانی کلامی تو کہتے ہیں کہ ہم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں لیکن ان کے دل میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قواعد کی تکذیب ہے۔اور یہ حاصل نفاق ہے۔ان کو اپنے اس نامناسب رویہ پر غور کرنا چاہئے۔

اب اس ساری تحقیق سے یہ بات شمس وامس کی طرح واضح ہوگئی کہ کتاب اللہ کے مطلق کو احناف کے مذہب کے مطابق خبر متواتر یا خبر مشہور سے مقید کیا جائے گا اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر خبر واحد اور قیاس سے مقید کیا جائے گا۔اور یہ اہل بدعت شتر بے مہار چونکہ قیاس کو دلیل نہیں مانتے لہذا ان پر لازم ہے کہ تقیید کے لئے خبر متواتر یا مشہور یا خبر واحد پیش کریں۔اور جو آدمی اور نام نہاد عالم مذکورہ بالا اشیاء سے مطلق کتاب اللہ کی تقیید نہیں کرتا بلکہ اپنی رائے سے تقیید کرتا ہے وہ محض معاند اور بے دین ہے۔

مقدمہ نہم:۔قبل ازیں گزر چکا ہے کہ کتاب اللہ کے مطلق کو مقید کرنا احناف کے نزدیک کتاب پر زیادتی اور کتاب اللہ کو نسخ کرنا ہے۔اس مقدمہ میں یہ بیان کرنا ہے کہ تقیید میں وہ کونسی چیز ہے جس کو زیادہ کیا گیا ہے۔؟اور وہ کیا چیز ہے جو کہ کتاب اللہ ہے۔اور اس کو نسخ کیا گیا ہے۔؟ کیونکہ تقیید میں جس شے کا نسخ لازم آتا ہے وہ کتاب اللہ ہوتی ہے نہ کہ غیر کتاب۔

اللہ کا بندہ یہاں اس کو مثال سے واضح کرتا ہے۔قرآن پاک میں کفارہ ظہار اور کفارہ قسم میں ''تحریر رقبة'' کا ذکر ہے۔اور یہ رقبۃ مطلق ہے خواہ مومنہ ہو یا کافرہ۔ جو بھی ہو اس کے آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو جاتا ہے اب مومنہ اور کافرہ دونوں مطلق رقبۃ کے لحاظ سے کتاب اللہ ہیں اور مطلق رقبۃ ہر دو میں نص ہے تو معنی یہ ہوا کہ رقبۃ مومنہ اور کافرہ

ہر دو نص اور کتاب اللہ سے ثابت ہیں۔ کہ ہر ایک کے آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔

اب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مطلق رقبۃ سے مومنہ مراد ہے اور کافرہ کے آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ اب یہاں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب اللہ میں یہ زیادتی کی کہ کتاب اللہ سے یہ ثابت ہے کہ رقبۃ کافرہ کی تحریر کفارہ میں ناجائز ہے۔ اور یہ کتاب اللہ ہے۔ اور امام شافعی نے قیاس سے اس کتاب اللہ کو نسخ کیا۔ اور یہ زیادتی کی کہ رقبۃ کافرہ کی تحریر کفارۃ میں جائز نہیں ہے۔ اب رقبۃ کافرہ کی تحریر سے کفارۃ کا ادا ہو جانا یہ کتاب اللہ اور نص ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کہا کہ کافرہ کی تحریر جائز نہیں ہے یہ زیادتی ہے کتاب اللہ پر۔ کیونکہ کتاب اللہ میں اس کا ذکر نہیں ہے اور یہ زیادتی کتاب اللہ کا نسخ ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کفارہ یمین اور ظہار میں مذکور رقبۃ مطلقۃ کو مومنہ کے ساتھ مقید فرمایا ہے تو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کفارہ یمین اور ظہار کو کفارہ قتل پر قیاس کر کے کفارہ یمین اور ظہار میں مذکور مطلق رقبۃ کو مومنہ کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ تو احناف نے یہ جواب دیا کہ نص سے ثابت ہے کہ کفارہ یمین اور ظہار میں رقبۃ کافرۃ بھی جائز ہے۔ اب رقبۃ کو مومنہ کے ساتھ قیاس سے مقید کرنا اور یہ کہنا کہ رقبۃ کافرۃ جائز نہیں ہے تو یہ عدم جواز کتاب للہ پر زیادتی ہے۔ اور اس سے نص کا نسخ لازم آئے گا اور وہ نص یہ ہے کہ رقبۃ کافرۃ بھی کفارہ یمین اور ظہار میں جائز ہے۔ اب اس کی دلیل ملاحظہ ہو۔ نور الانوار میں ہے۔

" وھھنا النص المطلق عن قید الایمان موجود فی کفارۃ الیمین والظھار فلا ینبغی ان تقاس علی رقبۃ کفارۃ القتل وتقید بالایمان مثلھا کما فعلہ الشافعی لانہ لایحتاج الی القیاس مع وجود النص وھذا فیما یخالف القیاس ،

نص الفرع"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ کفارہ یمین اور ظہار میں نص مطلق ہے اور اس کے ساتھ ایمان کی قید نہیں ہے، یہاں نص مطلق سے مراد لفظ رقبۃ ہے، کہ اس کے ساتھ ایمان کی قید نہیں ہے۔ لہذا اس مطلق رقبۃ کو کفارۃ قتل کے رقبۃ پر قیاس کر کے اس کو ایمان کے ساتھ مقید کرنا درست نہیں جیسا امام شافعی نے کیا ہے۔ نور الانوار کے حاشیہ میں مذکورہ بالا عبارت کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

"فان الطلاق الرقبة فی نص کفارة الیمین والظهار یقتضی ان تکفی الرقبة الکافرة ایضاً فاذا قیست علی کفارة القتل یلزم تقیید الرقبة بالمؤمنة فیبطل موجب هذالنص المطلق وابطال النص باقیاس باطل"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ کفارہ یمین اور ظہار کی نص میں جس مطلق رقبۃ کا ذکر ہے اس مطلق کا مقتضیٰ اور موجب یعنی جو اس مطلق رقبۃ سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ رقبۃ مومنۃ اور کافرۃ ہر دو ایک کفارہ میں کافی اور جائز ہیں اور ہر ایک سے کفارۃ ادا ہو جاتا ہے۔ اور ہر ایک مطلق کا مدلول اور مقتضیٰ ہے۔ اب اس مطلق رقبۃ کو اگر کفارۃ قتل پر قیاس کر کے اس کی تقیید مومنہ کے ساتھ کی جائے تو نص مطلق کا مقتضیٰ باطل ہو جائے گا۔ یعنی نص مطلق کا مقتضیٰ اور مدلول یہ تھا کہ ان ہر دو کفارۃ میں رقبۃ کافرہ بھی کافی ہے۔ یہ باطل ہو جائے گا۔ اور نص کو قیاس کے ساتھ باطل کرنا یہ خود فی نفسہ باطل ہے لہذا اس قیاس سے نص باطل نہ ہو گی بلکہ نص اپنے اطلاق پر باقی رہے گی۔ اور اس مطلق کی تمام تقییدات اس مطلق کا مقتضیٰ اور موجب اور مدلول ہوں گی۔ نور الانوار اور اس کے حاشیہ کی عبارت سے چند امور واضح ہوتے

ہیں۔غور فرمائیں۔

امر اول:۔ قرآن پاک میں جو کفارہ یمین اور کفارہ ظہار میں لفظ رقبۃ مطلق ہے یہ نص قرآنی ہے۔اور اس کے ہر دو فرد اور تقییدات یعنی رقبہ مومنہ اور کافرہ مطلق کے مقتضی اور موجب اور مدلول ہیں۔اور یہ بھی نص ہے اور نص سے ثابت ہے۔

امر دوم:۔ کتاب اللہ کا ہر مطلق اور اس کے تمام تقییدات بھی نص ہیں۔

امر سوم:۔ مطلق کتاب کے تمام تقییدات چونکہ نص ہیں لہذا کسی ایک تقیید کا انکار نص کا انکار ہے۔اور کسی تقیید کو بدعت کہنا پرلے درجے کی بے دینی ہے۔

امر چہارم:۔ کتاب اللہ کے مطلق کو مقید کرنا احناف کے نزدیک کتاب اللہ پر زیادتی ہے اور یہ زیادتی ثابت کرنی باطل ہے۔البتہ! امام شافعی خبر واحد اور قیاس سے اس زیادتی کے قائل ہیں۔

امر پنجم:۔ کتاب اللہ کے مطلق کو اگر کوئی نام نہاد عالم دین خبر متواتر وخبر مشہور وخبر واحد اور قیاس مجتہد سے مقید نہیں کرتا بلکہ صرف اپنی رائے سے مقید کرتا ہے تو یہ اہل بدعت اور بے دین ہے۔

امر ششم:۔ کتاب اللہ کے مطلق کو مقید کرنا احناف کے نزدیک جو زیادتی علی النص ہے اور یہ کتاب اللہ کا نسخ ہے۔تو یہاں زیادتی جو کہ ناسخ ہے اور منسوخ جو کہ

کتاب اللہ ان کے درمیان فرق معلوم کرنا ضروری ہے۔اور یہ فرق بندہ قبل ازیں بیان کر چکا ہے۔کہ مطلق رقبۃ کے دوفرد ہیں مومن اور کافر۔تو مطلق کا مقتضی یہ ہے کہ کفارہ میں رقبۃ کافرہ بھی کافی ہے۔اور یہ کتاب اللہ ہے اور اگر اس مطلق رقبۃ کو مومنہ کے ساتھ مقید کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ کافرہ کافی اور جائز نہیں ہے۔یہ عدم جواز کافرہ زیادتی ہے۔اور ناسخ ہے۔اس سے رقبۃ کافرہ کا کافی ہونا جو کہ مطلق سے ثابت ہے منسوخ ہو جائے گا۔

مقدمہ دہم:۔ عام طور پر جو فعل یا کام مکروہ یا حرام اور ناجائز ہوتا ہے اس کی چند وجوہ ہوتی ہیں۔

وجہ اول:۔ وہ کام فی نفسہ مکروہ اور حرام اور ناجائز ہے مثلاً چوری اور زنا۔

وجہ دوم:۔ وہ کام فی نفسہ ناجائز نہیں ہے بلکہ نیکی اور عبادت ہے۔لیکن جس جگہ اور مکان میں وہ کام اور نیکی کی جارہی ہے وہ جگہ اچھی نہیں ہے۔بلکہ خراب ہے۔اس لئے وہ کام ناجائز ہے۔جیسے پلید جگہ پر نماز پڑھنا۔

وجہ سوم:۔ وہ فعل تو نیکی اور عبادت ہے لیکن جس وقت میں کیا جارہا ہے وہ وقت اچھا نہیں ہے۔جیسے طلوع وغروب اور زوال کے وقت نماز پڑھنا یہ اس لئے منع ہے کہ وقت خراب ہے اور شیطان کی عبادت کا وقت ہے۔

وجہ چہارم:۔ وہ فعل نیکی اور عبادت ہے اور وقت میں بھی کوئی خرابی نہیں ہے لیکن فاعل کی وجہ سے فعل میں کراہت اور حرمت پیدا ہوگئی۔مثلاً فاعل بے وضو یا جنبی ہے یا

کہ اس کے کپڑے پلید ہیں۔اور عبادت ایسی ہے کہ اس کے لئے بدن اور کپڑوں کی طہارت ضروری ہے۔اور اسی قسم کے اور بھی کئی اقسام ہو سکتے ہیں۔

بندہ کو احساس ہے کہ تمہیدی مقدمات طویل ہو گئے ہیں بندہ مجبور ہے بغیر ان مقدمات کے اصل مسئلہ کی تحقیق مشکل ہے۔ بندہ کا مقصد یہ ہے کہ منکرین درود وسلام کے تمام دروازے بند کر دیے جائیں تا کہ ان کے افراد کا کوئی راستہ باقی نہ رہے۔اب تک دس مقدمات ذکر ہو چکے ہیں۔اور انہیں پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ تلك عشرة كاملة۔

اب بندہ اصل مقصد بیان کرتا ہے کہ بحث اس میں ہے کہ آذان سے قبل اور بعد درود وسلام پڑھنا جائز اور مستحسن ہے یا نہ۔ بندہ اس پر چند دلائل ذکر کرتا ہے۔سب دلائل سے پہلے قرآن پاک کی دلیل نقل کیا جاتی ہے۔اور بندہ چونکہ شتر بے مہار اور بے لگام نہیں ہے لہذا جو دلیل بھی عرض کرے گا اس کی بناء عام طور پر آئمہ مجتہدین کے اصول پر ہوگی۔جو انہوں نے فہم قرآن اور حدیث کے لئے مقرر فرمائے ہیں۔خصوصاً ان قواعد کی پابندی کی جائے گی جو کہ امام ہمام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہما نے مقرر فرمائے ہیں۔

دلیل اول:۔قرآن پاک میں ہے۔

”اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا“

اس آیت شریف کا خلاصہ اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی اور اس کے فرشتے نبی غیب بتانے والے پر درود پڑھتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اے وہ لوگوں جو ایمان لائے تم اس پر درود پڑھو اور سلام۔

اس آیت مبارکہ میں صلوٰۃ کا ذکر دو دفعہ آیا ہے اور سلام کا ذکر ایک دفعہ۔ پہلے صلوٰۃ کے متعلق یہ ذکر ہے کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ہمیشہ کرتے ہیں اس میں امر ترغیبی ہے۔ کہ ایمان والوں کو بھی وہ کام اور ذکر کرنا چاہئے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے کرتے ہیں ۔ یہ صرف اچھا کام ہی نہیں بلکہ بہت ہی اچھا ہے۔ اور اس ذکر کو یصلون مضارع کے صیغہ سے بیان کیا گیا ہے۔ جو کہ دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے یہ صیغہ یصلون مطلق ہے وقت کی کوئی تقیید نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے کس وقت درود پڑھتے ہیں۔؟ تو معلوم ہوا کہ ہر وقت پڑھتے ہیں اور آذان سے قبل اور آذان کے بعد کے اوقات بھی اس میں داخل ہیں۔

مزید برآں یہ مضارع دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ہر وقت درود شریف پڑھتے ہیں۔ اور اس ہر وقت میں آذان سے پہلے اور بعد کا وقت بھی داخل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان ہر دو وقت میں بھی درود پڑھتے ہیں۔ اور چونکہ مومنوں کو درود شریف کی ترغیب دی گئی ہے کہ تم بھی اس طرح درود پڑھو تو اب مومنین یہ اتباع اسی وقت کر سکتے ہیں کہ وہ بھی ہر فارغ وقت میں درود پڑھیں اور ان فارغ اوقات میں آذان سے پہلے اور بعد کا وقت بھی داخل ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی پوری اتباع تب ہی ہوگی کہ ایمان والے قبل از آذان اور بعد از آذان بھی درود شریف پڑھیں۔ تو ثابت ہوا کہ آذان سے پہلے اور بعد درود شریف پڑھنا سنت الہیہ اور سنت ملائکہ ہے۔ اور ان اوقات میں درود شریف پڑھنا اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی اتباع ہے۔ اب اگر کوئی نام ونہاد عالم کٹر ہو یا کہ گلابی یہ کہے کہ آذان سے پہلے اور بعد درود شریف پڑھنا بدعت ہے تو اس سے دو گستاخیاں سرزد ہوئیں۔

گستاخی اول:۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی اتباع کو اس نے بدعت قرار دیا۔

گستاخی دوم:۔ یہ کہ چونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سلام اللہ علیہم ہمیشہ درود شریف بھیجتے ہیں اور آذان سے قبل اور بعد کا وقت بھی اس ہمیشہ میں داخل ہے۔ لہذا ان نام ونہادوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے ذکر درود کو بھی بدعت قرار دیا۔ اور کوئی ایمان داران ہر دو گستاخیوں کی جرأت نہیں کرسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ترغیب صرف ایمان داروں کو دی ہے نہ کہ ان کو جن کے اندر بدعات نے ڈیرہ جما رکھا ہے۔ یہ تو بدعت کہنے والوں کی دو گستاخیاں ہیں اور نیز ان کا یہ کہنا کہ یوں ہی درود پڑھنا جائز ہے لیکن قبل از آذان اور بعد از آذان پڑھنا بدعت ہے۔ اور اس سے دو خرابیاں لازم آئیں گیں۔

خرابی اول:۔ یہ کہ بندہ ذکر کر چکا ہے کہ آذان سے قبل اور بعد درود شریف پڑھنا سنت الہیہ اور سنت ملائکہ ہے۔ اور اگر ایمان داران ہر دو اوقات میں درود شریف پڑھیں گے تو اس میں اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی اتباع ہے۔ تو جو کٹر اور گلابی اس اتباع کو بدعت قرار دیتا ہے ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ تو اس اتباع کو بدعت نہیں فرما سکتے اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کرو۔ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ۔

اور نیز آنحضرت ﷺ تو اللہ تعالیٰ کی اتباع فرماتے ہیں اور فرشتوں کے افعال کو پسند فرماتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہماری نماز فرشتوں کے افعال کا مجموعہ ہے۔ اب اس اتباع خداوندی کو بدعت کہنے والے کس کی اتباع کرتے ہیں۔؟ البتہ شیطان اس اتباع کو بدعت کہہ

سکتا ہے تو یہ نام ونہاد شیطان کی اتباع کرر ہے ہیں۔ جو کہ ایمان داروں کے نزدیک بہت بڑی خرابی ہے۔ البتہ یہ نام نہاد اس کو مستحسن قرار دے سکتے ہیں اسلئے اللہ تعالی نے صلوٰۃ کی ترغیب ایمان داروں کو دی ہے۔

خرابی دوم:۔ جو نام ونہاد درود شریف کو آذان سے قبل اور بعد بدعت قرار دیتا ہے وہ اللہ تعالی کے فرمان یصلون میں تقیید کرتا ہے۔ اوراس کے نزدیک یصلون کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالی اوراس کے فرشتے یوں تو ہر وقت درود پڑھتے ہیں لیکن آذان سے قبل اور بعد درود شریف نہیں پڑھتے۔ اور یہ کتاب اللہ کے مطلق کی تقیید ہے۔ اور تمہیدی مقدمات میں گزر چکا ہے کہ کتاب اللہ کے مطلق میں تقیید کرنے میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب:۔ احناف کے نزدیک یہ تقیید نص پر زیادتی اور نسخ ہے۔ اوراس کے لئے خبر متواتر اور خبر مشہور کی ضرورت ہے۔ جو کہ ان منکرین کے پاس نہیں ہے۔ اگر ہے تو پیش کریں۔

دوسرا مذہب:۔ اس بارے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ان کے نزدیک مطلق کتاب اللہ کی تقیید نسخ نہیں ہے۔ بلکہ تخصیص اور بیان ہے۔ اوران کے نزدیک تقیید کے لئے خبر واحد اور قیاس مجتہد ضروری ہے۔ اوران منکرین درود وسلام کے پاس نہ خبر واحد ہے اور نہ کسی مجتہد کا قیاس۔ کہ قبل از آذان اور بعد از آذان درود وسلام منع اور بدعت ہے۔ تو اب یہ نام ونہاد علماء کٹر بے مہار ہوں یا گلابی کتاب اللہ میں تقیید صرف اپنی رائے سے

کرتے ہیں۔ جو کہ مذموم ترین ہے۔ اور یہ خرابی دوم ہے۔

بندہ نے دلیل اول کی ابتداء میں یہ آیت مبارکہ ذکر کی ہے۔

”قوله تعالی - اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ“

بے شک اللہ تعالی اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اور اس کے بعد ذکر کیا ہے کہ اس آیت میں صلوٰۃ کا ذکر دو دفعہ آیا ہے۔

اول:۔ ”یصلون“ کے ضمن میں۔ دوم:۔ ”صلوا“ کے ضمن میں۔ یعنی اول خبر کے ضمن میں اور دوم انشاء کے ضمن میں۔ لیکن سلام کا ذکر صرف انشاء کے طور پر ہے۔ یعنی ”سلموا تسلیماً“ اس سے معلوم ہوا کہ صلوۃ کا پڑھنا ایمانداروں کے لئے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں تک بندہ نے یصلون سے استدلال کیا ہے۔ کہ یہ مطلق اور عام ہے، کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ تو صلوۃ کا پڑھنا تمام اوقات میں آذان سے قبل اور بعد کے وقت بھی داخل ہیں۔ اب اگر کوئی اس آیت میں وقت کی تقیید کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ کتاب اللہ پر زیادتی اور نسخ ہے، جس کے لئے خبر متواتر اور مشہور کی ضرورت ہے جو کہ منکرین کے پاس نہیں ہے۔

اب بندہ صلوا پر بحث کرتا ہے کہ اس میں اللہ تعالی نے ایمان والوں کو درود پڑھنے کا امر اور حکم فرمایا ہے۔ اور امر میں اصل وجوب ہے تو اس صیغہ امر کو بھی اللہ تعالی نے مطلق ذکر فرمایا ہے اور کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔ تو معنی یہ ہوا کہ تمام فارغ اوقات میں درود شریف پڑھو۔ تو آذان سے قبل اور بعد کے وقت بھی اس امر کے اوقات میں داخل ہیں۔ لہذا قبل از آذان اور بعد از آذان درود شریف پڑھنے والا اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ اور نص

پر عمل کرتا ہے۔اب جو نام ونہاد مسلمان یہ کہتا ہے کہ ان دو اوقات میں درود پڑھنا بدعت ہے یہ کتاب اللہ کے مطلق کو مقید کرتا ہے۔یہ کتاب اللہ پر زیادتی اور کتاب اللہ کا نسخ ہے۔

لہذا اس بدعت کہنے والے مبتدع سے اہل ایمان خبر متواتر اور مشہور کا مطالبہ کرتے ہیں جو یہ مطالبہ پورا نہیں کر سکتا۔یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ آذان سے قبل اور بعد جو اہل ایمان درود پڑھتے ہیں ان کی دلیل یہی اللہ تعالیٰ کا مطلق امر اور فرمان ہے۔ان سے کسی اور دلیل کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔اور دلیل کا مطالبہ وہی کرے گا جو منکر قرآن ہے۔البتہ! جو منکر یہ کہتا ہے کہ آذان سے قبل اور بعد درود پڑھنا بدعت ہے اس سے ہم اہل ایمان ایسی دلیل کا مطالبہ کریں گے جس میں آذان سے قبل اور بعد درود شریف پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔اور اس دلیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ خبر متواتر یا مشہور ہو۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مطلق اپنی جمیع تقییدات میں حقیقت ہے اور حقیقت کے ساتھ استدلال لانے والے سے کسی اور دلیل کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔کیونکہ اس معنی کا حقیقی ہونا ہی اس کی دلیل ہے۔البتہ! جو آدمی مطلق میں تقیید کرتا ہے اس سے خبر متواتر اور خبر مشہور کا مطالبہ کیا جائے گا جیسا کہ تمہیدی مقدمات میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اب بندہ یہاں بھی ایک خاص چیز کا بیان کرتا ہے اور وہ یہ کہ ایمان دار قبل از آذان اور بعد از آذان درود شریف پڑھتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے امر اور حکم کی تعمیل کرتا ہے۔کیونکہ قبل از آذان اور بعد از آذان کے اوقات مطلق امر کے اوقات میں داخل ہیں۔اور جو نام ونہاد اس کو بدعت کہتا ہے وہ متعدد قبائح کا ارتکاب کرتا ہے۔

قبح اول:۔ مومن وہ ہے جو مطلق کے تمام اوقات میں درود شریف پڑھتا ہے

بشمول قبل آذان و بعد آذان۔ تو نام ونہاد اس سے منع کرتا ہے وہ مومن نہیں ہے۔

قبح دوم:۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کو بدعت کہتا ہے جو کہ مذموم ہے۔

قبح سوم:۔ جب اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کو بدعت کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے مقابل تو شیطان ہے۔ تو لازم آئے گا کہ اس منکر کے نزدیک شیطان کے حکم پر عمل کرنا سنت ہے۔

قبح چہارم:۔ اس منکر کے نزدیک نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ نے بدعت پر عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ثم نعوذ باللہ

واضح ہو کہ بندہ نے جواذان سے قبل اور بعد درود شریف پڑھنے پر جو دلیل اول نقل کی ہے یعنی "قوله تعالى ۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ" یہ دلیل بمنزلہ دو دلیل کے ہے۔ کیونکہ بندہ نے ایک استدلال یصلون سے پیش کیا ہے۔ کہ یہ مطلق ہے جمیع اوقات کو شامل ہے۔ اور متنازعہ فیہ اوقات اس میں داخل ہیں۔ یہ مطلق کسی خاص وقت کے ساتھ مختص نہیں ہے اور استدلال دوم صلوا سے ہے اور یہ بھی اوقات کے لحاظ سے مطلق ہے اور تمام فارغ اوقات کو شامل ہے۔ بشمول متنازعہ فیہ اوقات کے۔

اب صلوۃ کے بعد بندہ سلام پر مختصر بحث کرتا ہے کہ صلوٰۃ پر جتنی بحث کی گئی ہے وہ سلام میں بھی جاری ہوگی۔ مختصر یہ کہ جیسا اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں کو صلوٰۃ کا حکم بصیغہ امر فرمایا ہے اسی طرح سلام کا بھی حکم ہے یعنی سلموا۔ اور یہ امر بھی مطلق ہے جمیع اوقات کو شامل ہے اور آذان سے قبل اور بعد کے اوقات بھی اس میں شامل ہیں۔ تو یہ مطلق تمام اوقات میں نص ہے

اب جو معاند یہ کہتا ہے کہ آذان سے قبل اور بعد کے اوقات اس امر میں داخل نہیں ہیں تو وہ کتاب اللہ کے مطلق کی نسخ اپنی رائے سے کرتا ہے۔ جو کسی مسلمان کا طریقہ نہیں ہے۔ تو اب اس آیت مبارکہ سے ثابت ہو گیا کہ آذان سے قبل اور بعد درود وسلام صرف جائز ہی نہیں بلکہ مامور بہ ہے۔ اور ان کو بدعت اور ناجائز کہنے والا مومنوں کے طریقہ پر نہیں ہے۔ اور اس آیت کی وعید میں داخل ہے۔

"قولہ تعالی ۔ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۔ الآية"

(سورۃ النساء۔ پ ۴ ۔ آیت ۱۱۵)

اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے تو ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اب بندہ یہاں ان منکرین سے ایک سوال کرتا ہے کہ اللہ تعالی نے جو آیت مبارکہ میں یصلون فرمایا ہے اور اس کے بعد صلوا فرمایا اور پھر سلموا ذکر کیا تو تم بتاؤ کہ اللہ تعالی اور اس کے فرشتے کس وقت درود پڑھتے ہیں۔؟ اور اللہ تعالی نے جو ہم کو درود وسلام کا حکم دیا ہے تو کس وقت میں۔؟ اور اللہ تعالی کی مراد اس سے کون سا وقت ہے۔؟ ان نادانوں کو یہ پتہ نہیں ہے کہ ان کے مذہب غیر مہذب میں اس آیت کا یہ معنی ہوگا کہ اللہ تعالی اور اس کے فرشتے آذان سے قبل اور آذان کے بعد درود نہیں پڑھتے بلکہ اس کے سوا اور اوقات میں پڑھتے ہیں۔ اور ہم کو یہ حکم ہے کہ آذان سے قبل اور بعد درود وسلام نہ پڑھو بلکہ اس کے سوا اور اوقات میں پڑھو

۔یہ نام نہاد اگر غور کریں تو ان کو پتہ چلے گا کہ قرآن پاک کا ایسا معنی کرنا محض بے دینی ہے۔

بلکہ طرفہ یہ ہے کہ اگران دواوقات کے بغیر کوئی ایمان دار درودوسلام پڑھتا ہے تو یہ نام نہاد اس کو بھی بدعت قرار دیں گے۔اور دلیل یہ دیں گے کہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت درودوسلام نہیں پڑھا تو اس سے قرآن پاک کی تکذیب لازم آئے گی۔

نعوذبالله من هذه الخرافات ۔

اور یہ مذکورہ بالا اعتراض ان ایمان داروں پر نہیں ہوگا جو کہ آذان سے قبل اور بعد درودوسلام پڑھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک آیت مبارکہ کا یہ معنی ہوگا کہ اللہ تعالی اوراس کے فرشتے ہروقت درود پڑھتے ہیں اور ہم کو حکم ہے کہ ہروقت درودوسلام پڑھو۔اور آذان سے قبل اور بعد کے اوقات بھی ان وقتوں میں داخل ہیں۔لہذا ہم ایمان داران وقتوں میں بھی پڑھتے ہیں۔اوران وقتوں میں بھی ہم کو درودوسلام کا حکم ہے۔

اب بندہ دلیل اول کا خلاصہ بیان کرتا ہے جو کہ قائم مقام دودلیلوں کے ہے۔اور یہ خلاصہ بھی سوال کی صورت میں ہے کہ رب العزت جل شانہ نے جو یصلون اور صلوا اور سلموا فرمایا ہے یہ صلوۃ وسلام اوقات سے خالی تو ہو نہیں سکتے اب ہم ایمانداران منکرین درودوسلام سے پوچھتے ہیں کہ آذان سے قبل اور بعد کے اوقات بھی ان تینوں افعال کے اوقات میں داخل ہیں یا نہ۔اگر داخل ہیں تو ان میں درودوسلام پڑھنا سنت الہیہ اور سنت ملائکہ ہوئی اور ہم کو ان اوقات میں بھی پڑھنے کا حکم ہے۔تو پھر تمہارا بدعت کہنا لغو ٹھہرا۔اوراگر یہ دواوقات متنازعہ فیہ افعال کے اوقات میں داخل نہیں،؟ تو تم نے کتاب اللہ کے اطلاق کا نسخ کیا لہذا اس کے لئے ضروری ہے کہ کوئی خبر متواتر یا مشہور پیش کی جائے۔محض کسی کی رائے سے نسخ

نہیں ہوسکتا۔ بندہ نے اس دلیل اول سے آذان سے پہلے اور بعد درود سلام پڑھنا نص قطعی سے ثابت کیا ہے اب دلیل دوم ملاحظہ ہو۔

دلیل دوم:۔ ”قوله عليه السلام ۔ عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضى الله تعالى عنهم قال قال رسول الله ﷺ اذا سمعتم المؤذن فقوله مثل مايقول ثم صلو ا على فانه من صلىٰ علىّ صلوٰة صلى الله عليه بها عشراً ثم سلوا الله لى الوسيلة فانها منزلة فى الجنة لا ينبغى الا لعبد من عبادالله وارجو ان اكون انا هو فمن سأل لى الوسلية حلت عليه الشفاعة ۔ رواه مسلم “

خلاصہ حدیث شریف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس وقت تم آذان سنو تو مؤذن کی طرح تم بھی آذان کے کلمات کہو۔ اس کے بعد مجھ پر درود پڑھو اس لئے کہ جو مسلمان مجھ پر درود پڑھتا ہے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس دفعہ رحمت کرتا ہے اس کے بعد میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرو کیونکہ وہ وسیلہ جنت میں ایک مرتبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی بندگان سے صرف ایک بندہ کے لئے ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں ۔پس جو آدمی میرے لئے وسیلہ کا سوال کرتا ہے میری شفاعت اس پر حلال ہے۔

اوپر گزر چکا ہے حدیث شریف مسلم شریف کی جو کہ صحیحین سے ہے اب اس حدیث شریف کے دو حصہ ہیں۔ حصہ اول میں تصریح ہے کہ آذان کے بعد دعاء وسیلہ سے پہلے آنحضرت ﷺ پر درود پڑھو۔ اور اس کے بعد دعائے وسیلہ پڑھو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دعا سے پہلے اگر درود پڑھا جائے تو دعا کی قبولیت زیادہ ہے اور چونکہ دعاء وسیلہ مؤذن اور آذان سننے والے دونوں پڑھتے ہیں لہذا درود شریف بھی دونوں پر پڑھنا لازم ہے تا کہ دونوں کی دعا

وسیلہ شرف اجابت حاصل کرے۔

اب بندہ منکرین بلکہ معاندین درود وسلام سے سوال کرتا ہے تمہاری عادت ہے کہ ہر جزئی اور خصوصی مسئلہ کے لئے دلیل بھی جزئی اور خصوصی کا مطالبہ کرتے ہو اب حدیث تو خصوصی طور پر ثابت کرتی ہے کہ آذان کے بعد آنحضرت ﷺ نے درود شریف کا امر اور حکم فرمایا ہے، جس کا اصل وجوب ہے ہم اہل سنت تو اس حدیث شریف کے مطابق علی الاعلان بذریعہ سپیکر عمل کرتے ہیں اگر تمہارا آنحضرت ﷺ اور درود شریف کے ساتھ ایمان ہوتا تو تم بھی آذان کے بعد ہمیشہ درود شریف پڑھتے۔ اور اپنے امیّوں اور معتقدین کو اس کی تلقین کرتے تم اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ کہ کبھی تم نے خود اور تمہارے حواریوں نے بعد آذان درود شریف پڑھا ہے۔؟ اور اپنے خطبات میں اس کی تبلیغ کی ہے۔؟ اور طرفہ یہ ہے کہ تم اور تمہارے بیرونی نام ونہاد رابطہ اسلامی والے اس درود شریف کو بدعت کہتے ہیں۔ کیا تمہارے نزدیک بدعت کی تعریف یہی ہے جس کا امر اور حکم اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے حبیب ﷺ نے کیا ہے وہ بدعت ہے۔؟ اور سنت وہ ہے جس کا حکم تمہاے بیرونی شیاطین اپنی ذریت کو کرتے ہیں۔ تمہارے بچارے عوام کی تو یہ حالت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بیان میں فرمایا۔

"قوله تعالیٰ۔ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتَابَ اِلَّا اَمَانِيَّ"

ایک حدیث شریف میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت یہودیوں کی مانند ہو جائے گی مخبر صادق ﷺ کی خبر کا مصداق یہی شرذمہ قلیلہ ہے۔ یہود بھی تورات شریف کی ان آیات کو اپنے عوام سے چھپاتے تھے جن میں آنحضرت ﷺ کی عزت اور

شرافت کی تصریح ہوتی۔ آج کل کے منکرین درود وسلام کا بھی یہی وطیرہ ہے۔ انہوں نے کبھی مسلم شریف کی مذکورہ بالا حدیث پر نہ خود عمل کیا اور نہ ہی عوام کو اس پر عمل کی تبلیغ کی۔ بلکہ اس حدیث شریف کو عوام سے چھپائے رکھا۔ اور خود بھی اس حدیث شریف سے جاہل اور دعویٰ حدیث کی مہارت کا ہے۔ تا آنکہ اپنے ایک نام ونہاد کو حافظ الحدیث کہتے ہیں اس حافظ نے بھی ان کو مذکورہ بالا حدیث کبھی بیان نہیں کی بلکہ اس کو چھپا کر رکھا ہے تاکہ لوگ آنحضرت ﷺ کی طرف احترام کے طور پر رجوع نہ کریں۔ یہاں تک حدیث مسلم شریف کے پہلے حصہ کا بیان ذکر کیا گیا ہے۔ اب حصہ دوم کی وضاحت ملاحظہ ہو۔

حصہ دوم ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔

" فانه من صلىٰ علی صلوٰة صلی الله علیه بها عشراً "

اس کا خلاصہ ترجمہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے۔ یہاں اس کے متعلق یہ ذکر کرنا ہے کہ یہ الفاظ کیوں زیادہ کیے گئے ہیں۔ اس کی دو وجہ ہوسکتی ہیں۔

وجہ اول:۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا یہ طریقہ ہے کہ نیک اعمال کے بعد ان کا ثواب اور بُرے اعمال کے بعد ان کی سزا ذکر کی جاتی ہے چنانچہ حدیث شریف کے حصہ اول میں حکم کیا گیا ہے کہ آذان کے بعد درود شریف پڑھو کیونکہ یہ نیک کام اور عبادت تھا لہذا اس کا ثواب ذکر کیا گیا۔ اب یہ ثواب صرف اس آدمی کے لئے ہوگا جس نے آذان کے بعد درود شریف پڑھا۔

وجہ دوم:۔ چونکہ حدیث شریف میں لفظ " مَن " ہے اور لفظ " صلی "

مطلق ہے۔ کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں ہے لہٰذا حدیث شریف کا معنی یہ ہوگا کہ جو آدمی کسی وقت میں آنحضرت ﷺ پر درود پڑھتا ہے اس کے لئے یہ ثواب ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں ہیں۔ اب اس میں آذان سے قبل اور بعد اور اس کے بغیر اور اوقات سب اس میں داخل ہیں۔ اور ان سب اوقات میں درود پڑھنے والے کو یہ ثواب حاصل ہوتا ہے ان عام اور مطلق الفاظ سے آذان سے قبل اور بعد درود شریف پڑھنا اس حدیث سے ثابت ہو گیا۔ اور یہ ثواب صرف اس کے لئے نہیں ہے جس نے آذان کے بعد درود شریف پڑھا کیونکہ اگر یہ مراد ہوتا تو الفاظ عام اور مطلق ذکر نہ کئے جاتے بلکہ

"صلی" کو بعد الآذان کے ساتھ مقید کیا جاتا اور حدیث شریف کے الفاظ اس طرح ہوتے۔

" من صلی علی صلوٰۃ بعد الآذان "

نیز مطلق کو کسی خاص وقت کے ساتھ مقید کرنا یہ نسخ ہے اور حدیث کی نسخ یا تو قرآن سے ہوتی ہے یا اسی قسم اور مرتبہ کی حدیث سے جس کا یہ معنی ہو کہ صرف آذان کے بعد درود پڑھنا جائز ہے اور اس کا یہ ثواب ہے اور اگر آذان سے پہلے یا دوسرے اوقات میں درود شریف پڑھا جائے تو یہ ناجائز ہے اور اس کا یہ ثواب نہیں ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی آیت اور حدیث نہیں ہے۔ بندہ منکرین درود و سلام سے گزارش کرتا ہے کہ وہ کچھ عقل سے کام لیں کہ جو درود شریف کے متعلق عام اور مطلق احادیث ہیں ان سب میں آپ کو یہ تخصیص اور تقیید کرنا ہوگی کہ ان میں آذان سے قبل اور بعد والے اوقات داخل نہیں ہیں اور اس پر تمہارے پاس کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ تقیید تم اپنی خام رائے سے کرتے ہو۔

مزید برآں تمہاری دلیل تو یہ ہے کہ صرف اس وقت میں درود و سلام پڑھنا جائز ہے

جس وقت میں آنحضرت ﷺ نے درود پڑھا تو آخرتم بھی بظاہر درود شریف کے قائل ہو تم جس وقت درود پڑھو گے تو تم سے مطالبہ کیا جائے گا کہ ثابت کرو کہ اس وقت میں سرور دو عالم ﷺ نے درود پڑھا ہے۔ حالانکہ چوبیس گھنٹوں میں سے ہر وقت کے متعلق تم دلیل نہیں دے سکتے۔ تو پھر تم کو سرے سے درود شریف کا انکار کرنا پڑے گا۔ دراصل خرابی تمہاری دلیل میں ہے کہ بس وہی فعل کسی خاص وقت میں کرنا جائز ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے اس وقت میں کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے افعال بعض قیودات کے ساتھ بے شک دلیل ہیں لیکن فعل کے بغیر اور دلائل بھی تو ہیں یعنی کتاب اللہ اور حدیث قولی اور بندہ قبل ازیں تلویح کے حوالے سے ذکر چکا ہے کہ حدیث قولی زیادہ قوی ہے فعلی سے۔ کیونکہ فعل سے استدلال میں اختلاف ہے اور حدیث قولی پر اجماع ہے کہ یہ قابل استدلال ہے۔

اب آخر میں بندہ دلیل دوم کا خلاصہ ذکر کرتا ہے کہ اس دلیل میں مذکورہ حدیث شریف کے حصہ اول سے تو خصوصی طور پر ثابت ہوا کہ آذان کے بعد درود شریف کا خصوصی طور پر حکم ہے اور حدیث شریف کے حصہ دوم سے عموم اور اطلاق کی وجہ سے آذان سے قبل اور بعد درود شریف پڑھنا نیکی عبادت اور اس پر ثواب کا وعدہ ہے۔ اب بندہ دلیل سوم نقل کرتا ہے ملاحظہ ہو۔

دلیل سوم:۔ ”عن ابی بن کعب قال قلت یا رسول اللہ انی اکثر الصلوۃ علیك فکم اجعل لك من صلوتی۔؟ فقال ماشئت قلت الربع، قال ماشئت فان زدت فھو خیر لك قلت النصف قال ماشئت فان زدت فھو خیر لك، قلت فالثلثین، قال ماشئت فان زدت فھو خیر لك، قلت اجعلك صلوتی کلھا، قال اذاً یکفی ھمّك ویکفر لك ذنبك ۔رواہ الترمذی“

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ درود پڑھنا چاہتا ہوں۔فرمائیے کتنا درود یا کتنا وقت آپ پر درود پڑھوں۔؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو جتنا چاہے۔میں نے عرض کی رات دن کا چوتھائی حصہ میں آپ پر درود پڑھوں گا۔آپ نے فرمایا تیری مرضی اور اگر اس سے زیادہ پڑھے گا تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے میں عرض کی رات اور دن کا آدھا حصہ میں درود شریف پڑھوں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری مرضی۔اگر اس سے بھی درود شریف پر زیادہ وقت صرف کرے گا تو تیرے لئے بہتر ہوگا۔میں نے عرض کی دو تہائی وقت درود شریف پر صرف کروں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری مرضی اور اگر زیادہ کرے گا تو یہ تیرے لئے اچھا ہوگا۔میں نے عرض کی سارا وقت میں درود شریف پڑھوں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تیری تمام حاجات اور ضروریات کے لئے کافی ہے۔اور تیرے تمام گناہوں کا کفارہ ہے۔

یہ ترمذی شریف کی حدیث ہے اب اس حدیث سے کئی امور واضح ہو گئے۔

امر اول:۔ جس درود شریف کا حدیث پاک میں ذکر ہے یہ وہ درود نہیں جو کہ نماز میں پڑھا جاتا ہے یعنی صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں پوچھا کہ نماز میں کتنا درود یا کتنا وقت پڑھوں۔؟ کیونکہ یہ تو ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ نماز والا درود شریف صرف التحیات میں صرف ایک دفعہ پڑھا جاتا ہے۔تو معلوم ہوا کہ جس درود شریف کے متعلق سوال کیا ہے تو یہ سوال وقت اور درود کے مقدار کے متعلق ہے۔کہ کتنا وقت اور درود شریف کی کتنی مقدار پڑھوں۔؟ یہ سوال کسی خاص وقت میں درود شریف پڑھنے کے متعلق نہیں مثلاً یہ کہ صبح کے وقت یا ظہر اور عصر کے وقت درود شریف پڑھا جائے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابی

رضی اللہ عنہ یہ تو جانتا تھا کہ درود پاک کسی خاص وقت کے ساتھ مختص نہیں ہے البتہ صحابی کو یہ معلوم نہ تھا کہ کتنا وقت درود شریف پر صرف کیا جائے۔ اور رات دن میں کتنی مقدار میں درود شریف پڑھا جائے۔؟ اگر درود شریف کے لئے کوئی وقت مختص ہوتا تو صحابی اس خاص وقت کے متعلق سوال کرتا مثلاً یہ کہتا کہ آذان سے پہلے اور پیچھے میں درود پڑھ سکتا ہوں یا نماز سے قبل یا بعد یا تلاوت قرآن سے پہلے یا پیچھے یا کہ سونے سے پہلے یا کہ پیچھے۔ اگر اس صحابی کی جگہ یہ منکرین درود وسلام ہوتے تو یہ سوال کرتے کہ یا رسول اللہ آذان سے قبل اور بعد اور دوسرے مخصوص اوقات میں کیا ہم درود شریف پڑھ سکتے ہیں۔؟ تو معلوم ہوا کہ یہ بدعت ان مبتدعین نے ایجاد کی ہے۔ صحابہ کے زمانہ میں اس قسم کی بدعات کا تصور ہی نہ تھا کہ فلاں وقت میں درود سنت ہے فلاں مخصوص وقت میں درود شریف بدعت ہے یہ منکرین اپنی بدعت پر پردہ ڈالنے کے لئے سنت پر عمل کرنے والوں کو بدعتی کہہ دیتے ہیں۔

امر دوم:۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے جو ربع اور نصف اور ثلثان کا ذکر کیا کہ اس حصہ میں درود شریف پڑھوں گا یہ ربع اور نصف کوئی معین نہیں کہ رات دن کا پہلا ربع یا نصف تو اس ربع اور نصف اور ثلثان میں آذان سے قبل اور بعد کا وقت بھی داخل ہے۔

امر سوم:۔ آج کل کے منکرین درود سلام ہر نیک کام کے متعلق یہ سوال کر دیتے ہیں کہ کیا یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔؟ اور پھر کہہ دیتے ہیں کہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام نہیں کیا لہذا یہ بدعت ہے۔ تو اس حدیث شریف سے ان کا رد بلیغ ہے۔ اور صحابی کا یہ سوال ان کے مسلک کے خلاف ہے کیونکہ اگر جائز اور ناجائز اور سنت و بدعت کی

مدار آنحضرت ﷺ کا فعل مبارک ہوتا تو صحابی کو سوال کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ وہ آپ کا فعل دیکھ لیتا۔ کہ آپ ﷺ کتنا وقت درود شریف پڑھنے کو صرف کرتے ہیں۔؟ اور کتنی مقدار درود شریف کی پڑھتے ہیں۔؟ بس اس پر عمل کر لیتا تو معلوم ہوا کہ صحابی کا مسلک ان منکرین کے خلاف تھا اور اس کے نزدیک آپ کا قول مبارک فعل سے اقویٰ دلیل تھا۔ جیسا کہ مقدمات میں گزر چکا ہے کہ آپ کا قول اتفاقی دلیل ہے اور فعل اتفاقی دلیل نہیں ہے کیونکہ فعل میں خصوصیت کا احتمال بھی ہے۔

امر چہارم:۔ اس حدیث شریف سے دو طریقہ پر درود شریف قبل از آذان اور بعد از آذان پڑھنا ثابت ہوا۔

طریقہ اول:۔ جب صحابی نے یہ کہا کہ میں سارا وقت درود شریف پڑھوں گا تو آنحضرت ﷺ نے اس کی تحسین فرمائی۔ اب وہ صحابی تمام وقت درود شریف تب ہی پڑھ سکتا ہے کہ آذان سے قبل اور بعد درود شریف پڑھے کیونکہ اگر ان دونوں وقتوں میں درود نہ پڑھا گیا تو صحابی کا یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ میں سارا وقت درود شریف پڑھوں گا۔ مزید برآں اگر آذان سے قبل اور بعد درود شریف بدعت ہوتا تو جب صحابی نے یہ کہا کہ میں سارا وقت درود شریف پڑھوں گا تو آنحضرت ﷺ چونکہ شارع شریعت تھے اس لئے فرماتے کہ سارا وقت درود شریف بے شک پڑھو لیکن آذان سے پہلے اور بعد درود نہ پڑھنا۔ کیونکہ یہ ناجائز اور بدعت ہے۔ حالانکہ آپ نے ایسا نہیں فرمایا۔ اور سارے وقت سے کسی وقت کا استثناء نہیں فرمایا۔ تو صاف اور ظاہر ہو گیا کہ ان دو وقتوں میں بھی درود شریف پڑھنا عبادت اور باعث

دس رحمت ہے۔ چونکہ سارا اور کل وقت میں درود پڑھنا آپ نے پسند فرمایا اور اس کی تقریر فرمائی تو آذان سے قبل اور بعد درود پڑھنے کے جواز پر بھی اس ضمن میں تقریر ثابت ہوگئی۔ اگر منکرین درود شریف کے عقیدہ کے مطابق ان دو وقتوں میں درود شریف پڑھنا بدعت ہے تو لازم آئے گا کہ شارع شریعت ﷺ نے بدعت کی تقریر فرمائی۔ منکرین درود شریف اپنے گریبان میں منہ ڈال کر ذرا سوچیں کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سنت اور شریعت اور احکام خداوندی کی تبلیغ کے لئے تشریف لائے۔ یا کہ بدعت سکھانے اور بدعت کی تبلیغ کے لئے۔ منکرین درود ہم اہل سنت کو بدعتی کہہ دیتے ہیں لیکن اللہ تعالی کا حبیب ﷺ بھی ان کے فتویٰ بدعت سے نہ بچ سکے۔ **نعوذباللہ من ھذہ الھزلیات۔**

طریقہ دوم:۔ اس طرح جب صحابی رضی اللہ عنہ نے ربع وقت اور نصف اور ثلثان میں درود شریف پڑھنے کی تقریر فرمائی تو اس کے ضمن میں ان دو وقتوں میں درود شریف پڑھنے کی بھی تقریر فرمادی۔ یہ بات علوم دینیہ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ تقریر رسول ﷺ بھی حدیث اور سنت کی ایک قسم ہے تو ثابت ہوگیا کہ آذان سے قبل اور بعد درود شریف پڑھنا حدیث اور سنت سے ثابت ہے۔ اب منکرین ایک اور لطیفہ سن لیں۔

لطیفہ:۔ یہ لوگ صرف آذان سے قبل اور بعد درود شریف پڑھنے کو ہی بدعت نہیں کہتے جو مسلمان صبح وشام بلکہ ہر نماز کے بعد ایک تسبیح درود شریف پڑھتا ہے یا کہ سونے سے قبل اور بعد اور کھانے سے قبل اور بعد اور سفر پر جانے اور واپس آنے کے وقت یا تلاوت قرآن سے قبل اور بعد درود شریف پڑھتا ہے یا کہ اپنے گھر میں برکت کے لئے لوگوں کو جمع

کر کے ایک لاکھ مرتبہ درود شریف پڑھواتا ہے تو منکرین کے نزدیک سب بدعت ہے۔

اور حدیث شریف مذکورہ بالا جس میں کل وقت کا ذکر ہے یہ اوقات اس میں داخل ہیں تو ان اوقات میں اگر درود شریف بدعت ہوتا تو ان اوقات کو بھی آنحضرت ﷺ کل وقت سے مستثنیٰ فرماتے۔ حالانکہ آپ نے ایسا نہیں کیا۔ تو ان اوقات میں بھی درود شریف پڑھنے کی تقریر فرمادی۔ اور بقول منکرین بہت سی بدعات کی تقریر فرمادی۔ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔

تو ان منکرین کے نزدیک تو صرف معدودے چند اوقات میں درود شریف پڑھنا جائز ہے باقی سب بدعت اور قرآن وحدیث میں درود شریف کے متعلق جو عمومات اور اطلاقات ہیں منکرین کے نزدیک سب میں تقیید ہے۔ اور جن اوقات میں بزعم منکرین درود شریف پڑھنا بدعت ہے یہ سب اوقات کتاب وسنت کے عمومات اور اطلاقات سے خارج ہیں۔

اب ذرا غور فرمائیں کہ دلیل سوم کی ابتداء میں بندہ نے جو حدیث شریف نقل کی ہے جس میں صحابی رضی اللہ عنہ نے ربع اور نصف اور ثلثان اور کل وقت میں درود شریف پڑھنے کا ارادہ ظاہر کیا ہم اہل سنت کے نزدیک تو اس کا مطلب واضح ہے کہ ان چار اوقات میں اور اس کے ہر حصہ میں درود شریف پڑھنا جائز، سنت اور واجب ہے۔ منکرین کے نزدیک اس حدیث شریف کا معنی بھی سن لیں۔ وہ یہ معنی کریں گے بے شک ان اوقات اور ان کے حصوں میں درود جائز ہے اور اسے اے صحابی تم پڑھ سکتے ہو۔ لیکن آذان سے پہلے اور بعد درود نہ پڑھنا اور اس طرح اوقات مذکورہ بالا میں بھی درود شریف نہیں پڑھا جا سکتا۔ اور قبل ازیں دلیل اول میں بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ

” قوله تعالى - اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً (الآیة)"

منکرین درود وسلام کے نزدیک اس آیت کا یہ معنی ہوگا اللہ تعالی اوراس کے فرشتے ہر وقت درود شریف بھیجتے ہیں لیکن آذان سے قبل اور بعد نہیں بھیجتے کیونکہ یہ بدعت ہے۔اور اے مومنوں تم بھی تمام اوقات میں درود وسلام پڑھو لیکن ان دو اوقات میں نہ پڑھو۔کیونکہ یہ بدعت ہے۔اور منکرین قرآن وحدیث پڑھاتے وقت اپنے طلباء کو ضرور یہ کہتے ہوں گے کہ قرآن وحدیث کے اطلاقات سب مقید ہیں۔اور یہ دو وقت بھی اور اس طرح دوسرے اوقات مذکورہ ان میں داخل نہیں ہیں۔اور یہ عمومات اور اطلاقات اپنے عموم اور اطلاق پر نہیں ہیں۔اگر منکرین اپنے طلباء کو یہ تقریر دلپذیر نہیں سنائیں گے تو یہ طلباء اگر ان میں کوئی عقل اور سمجھ بوجھ ہے ان منکرین کے گلے پڑ جائیں گے۔کہ اللہ تعالی اوراس کے فرشتے ہر وقت درود شریف پڑھتے ہیں تو ان ہمہ اوقات میں وہ اوقات بھی داخل ہیں جن میں درود شریف تم منکرین بدعت کہتے ہو۔تو پھر یہ بدعت کیسے ہوا۔؟ نعوذ باللہ اللہ تعالی اوراسکے فرشتے بدعت کرتے ہیں اور پھر طلباء ان منکرین پر یہ اعتراض کریں گے کہ قرآن میں ایمان داروں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم درود وسلام پڑھو اور وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔تو معلوم ہوا کہ ہم پر لازم ہے کہ ہر وقت درود شریف پڑھیں خواہ وہ وقت آذان سے قبل ہو یا بعد۔تو اس میں وہ اوقات بھی آگئے جن میں منکرین درود شریف اور سلام پڑھنا بدعت کہتے ہیں۔تو یہ بدعت کیسے ہوا۔؟ اس کا تو بقول تم منکرین یہ معنی ہوگا کہ اللہ تعالی نے ہم کو بدعت کا حکم دیا ہے۔تو لازم آیا کہ بدعت ایک اچھی چیز ہے۔یہ ہے وہ سوال جو منکرین کے طلباء ان پر کریں گے،اب منکرین اس سوال کا جو جواب دیں گے وہ بھی ملاحظہ ہو۔

منکرین یہ جواب دیں گے کہ ان اطلاقات اور عمومات میں وہ اوقات داخل ہی نہیں ہیں جن میں ہمارے نزدیک درود وسلام بدعت ہے۔ لہذا تم طلباء کا سوال درست نہیں ہے۔

اگر طلباء میں علم دین کا کچھ شعور ہوا تو وہ پھر سوال کریں گے کہ اللہ تعالی نے تو آیت شریف میں کسی وقت کی قید نہیں لگائی تو پھر تمہارا کتاب اللہ کے مطلق کو مقید کرنا تفسیر بالرائے ہے۔ جو کہ قابل مذمت ہے۔

تو منکرین درود وسلام طلباء کو یہ جواب دیں گے کہ یہ تفسیر بالرائے نہیں ہے اس لئے کہ ان اوقات میں آنحضرت ﷺ نے درود شریف نہیں پڑھا تو آپ کا ان اوقات میں درود نہ پڑھنا یہ دلیل ہے کہ ان اوقات میں درود شریف پڑھنا جائز نہیں۔ لہذا یہ اوقات کتاب اللہ کے اطلاقات میں داخل نہیں۔ منکرین کے اس جواب پر ذکی طالب علم دو اعتراض کر سکتا ہے۔ دونوں اعتراض ملاحظہ ہوں۔

اعتراض اول:۔ اگر آنحضرت ﷺ نے کوئی کام نہیں کیا تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کام جائز نہیں ہے۔ کیونکہ قبل ازیں مقدمات میں گزر چکا ہے کہ ابتداء میں دلیل کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس۔ اور پھر سنت دو قسم ہے۔ (۱) قولی (۲) فعلی۔

اور چونکہ دلیل قولی کے ساتھ استدلال لانے پر اتفاق ہے۔ اور اس حدیث کی وضع بیان شرائع کے لئے ہے اور اکثر احکام شرع اس حدیث قولی پر مبنی ہیں اور سنت فعلی میں اختلاف ہے کہ اس کے ساتھ استدلال درست ہے یا نہ۔ تو سنت قولی کو فعلی کے لحاظ سے قوت حاصل ہے۔ تو اب تمام دلائل پانچ ٹھہرے۔ اب کوئی چیز ناجائز اس وقت ہوگی کہ ان پانچوں

سے کوئی دلیل نہ پائی جائے صرف فعل کی نفی سے تو جواز کی نفی نہیں ہوتی۔ اور پھر احناف کا مذہب یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ تو اگر پانچوں سے ہر ایک دلیل کی نفی ہو جائے تو بھی احناف کے نزدیک جواز کی نفی نہیں ہوتی تو ثابت ہوا کہ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ آنحضرت ﷺ نے آذان سے پہلے اور بعد درود شریف نہیں پڑھا تو بھی اباحت اصلی کے طور پر درود شریف پڑھنا ناجائز نہیں ہوگا۔ حیرت ہے کہ کتاب اللہ اور حدیث قولی کے اطلاق اور عموم سے ان ہر دو اوقات میں درود شریف پڑھنا ثابت ہے اس کے باوجود عدم فعل کی وجہ سے درود شریف پڑھنا بدعت قرار دیتے ہیں یہ تو دین متین کے ساتھ مذاق ہے۔ اب ان منکرین کو یہی کہا جا سکتا ہے کہ اَلَیسَ مِنکُم رَجل رَشید۔

اب اس اعتراض اول میں جو چیزیں بیان کی گئی ہیں ان پر دلائل ملاحظہ ہوں ۔نور الانوار میں استدلال صحیح اور استدلال فاسد کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ بعض لوگوں کے استدلال فاسد کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

”مثله التعليل بالنفي اى مثل الاطر ادفى عدم صلاحيته للدليل التعليل بالنفي لان استقصاء العدم لايمنع الوجودبوجه آخر لان الحكم قد يثبت بعلل شتى فلا يلزم من انتفاء علة ماانتفاء جميع العلل من الدنيا حتى يكون نفي العلة دالا على نفي الحكم“

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ اگر کسی حکم کے جواز پر پوری کوشش کے باوجود اگر مجتہد کو دلیل نہ مل سکے تو وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ناجائز ہے کیونکہ ایک حکم کے اثبات کے کئی دلائل ہوتے ہیں ہوسکتا ہے کہ یہ حکم کسی اور دلیل سے ثابت ہو جائے تو ایک دلیل کی نفی سے تمام دلائل کی نفی

نہیں ہوسکتی ۔منکرین درود وسلام کا بھی یہی منفی طرز استدلال ہے ۔کہ چونکہ آنحضرت ﷺ سے ان دواوقات میں درود وسلام پڑھنا ثابت نہیں ہے۔یعنی آپ نے ان دواوقات میں درودوسلام نہیں پڑھالہذا یہ پڑھنا ناجائز اور بدعت ہے حالانکہ ان دواوقات میں درود وسلام کے جواز پر پانچ دلائل ہوسکتے ہیں اوران پانچ سے ایک سنت فعلی ہےتو صرف سنت فعلی سے دوسرے تمام دلائل کی نفی نہیں ہوسکتی ۔جیسا کہ منکرین کا استدلال ہے۔تو یہ استدلال فاسداور باطل ہے۔ یہاں تک منکرین پران کے طلباء کا ایک اعتراض نقل کیا گیا ہے۔اب دوسرااعتراض ملاحظہ ہو۔

اعتراض دوم:۔ کسی مسئلہ کے بارے میں مجتہدکوکوئی دلیل نہ ملےتو مجتہدکوکیا کہنااور کیانہ کہنا چاہیےاس کی تفصیل بھی نورالانوار کی عبارت میں ملاحظہ ہو۔

" مثل الاطراد فی البطلان الاحتجاج بلا دلیل لاجل النفی بان یقول هذا الحکم غیر ثابت لانه لادلیل علیه (الی) وعندالجمهور لیس بحجة اصلًا لافی النفی ولا فی الاثبات "

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ اگرکوئی یہ کہے کہ چونکہ اس حکم پرکوئی دلیل نہیں ہےلہذا یہ حکم ثابت نہیں ہے یہ استدلال باطل اور فاسد ہے۔اور جمہور احناف اور شافعیہ کے نزدیک یہ بالکل حجت نہیں ہےنہ اس سے حکم کا اثبات ہوتا ہےاورنہ ہی نفی ۔حاشیہ نورالانوار میں ہے۔

" فان عدم وجدان الدلیل لایوجب انتفاء الدلیل فی الواقع ولا انتفاء المدلول فیه ، فاذا لم یجد المجتهد بعد البحث التام دلیل علی الحکم فیقول انه لاحکم علیه من الشارع لابالنفی ولا بالاثبات لا ان یقول ان نفی

هذا الحکم من الشارع، فانه لا دلیل علیه "

حاشیہ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مجتہد نے بڑی کوشش کی لیکن اس کو ایک خاص حکم پر کوئی دلیل نہ ملی تو اس دلیل کے نہ ملنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں اس خاص حکم پر کوئی دلیل نہ ہو۔ اور اس دلیل کے نہ ملنے سے واقع میں حکم کی نفی نہیں ہوتی تو جب مجتہد کی کوشش اور تلاش کے باوجود اگر دلیل نہ ملے تو اس کو یہ کہنا چاہیے کہ شارع جل جلالہ اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ اس حکم کی نفی کی ہے اور نہ اثبات۔ اور مجتہد یہ نہ کہے کہ چونکہ مجھے دلیل نہیں ملی لہذا شارع نے اس حکم کی نفی کی ہے۔

اب طلباء کے اعتراض دوم کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں۔ طلباء نے منکرین کو کہا کہ مجتہد کے علم کے مقابلہ میں تمہارا علم پہاڑ کے مقابلہ میں رائی سے بھی کم ہے۔ جب مجتہد کو پانچ دلیلوں سے کوئی دلیل نہ ملے تو وہ یہ ہرگز نہیں کہتا کہ یہ حکم ثابت نہیں ہے۔ اور شرع شریف نے اس کی نفی کی ہے۔ اور تم منکرین درود وسلام نے تو تمام دلائل کو تلاش ہی نہیں کیا بلکہ صرف حدیث فعلی کو تلاش کیا اور وہ تم کو نہ ملی تو تم نے فتویٰ لگا دیا کہ ان دو اوقات میں درود وسلام ناجائز اور بدعت اور ثابت نہیں ہے۔ اگر تم میں کچھ علم ہوتا تو تم یہ کہتے کہ آنحضرت ﷺ کے فعل سے ان دو اوقات میں نہ درود شریف کی نفی ہوتی ہے اور نہ اثبات۔ لیکن یہ بات وہ کرتا ہے جس کے اندر خوف خدا کے علاوہ محبت رسول ﷺ بھی ہو۔ طلباء کے ان دونوں اعتراض کا جواب منکرین کے پاس نہیں ہے، اگر کوئی جواب ہے تو بتائیں۔ لیکن

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

بندہ یہاں منکرین درود و سلام پر ایک اور تیسرا اعتراض کرتا ہے جو کہ اصول فقہ میں تفصیلاً مذکور ہے۔

اعتراض سوم:۔ دلیل کی نفی سے نہ حکم کا اثبات ہوتا ہے اور نہ حکم کی نفی ہوتی ہے، بلکہ حکم کے اثبات اور نفی کے لئے مستقل دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ نورالانوار میں ہے۔

" الاحتجاج بلادلیل لاجل النفی عندالجمھور بحجة اصلًا لافی النفی ولا فی الاثبات لقوله تعالی " وقالو لن یدخل الجنة الا من کان ھوداً او نصاریٰ تلك امانیھم قل ھاتو ابرھانکم ان کنتم صادقین - البقرة ، ۸۱ " امر النبی ﷺ بطلب الحجة والبرھان علی النفی والاثبات جمیعاً "

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ دلیل کی نفی سے یہ استدلال لانا کہ حکم کی نفی ہوگئی یہ استدلال بلا دلیل ہے۔ اور جمہور کے نزدیک باطل اور فاسد ہے۔ اس سے نہ تو حکم کی نفی ہوتی ہے اور نہ ہی حکم کا اثبات ہوتا ہے۔ اور اس کی دلیل قرآن پاک کی آیت مبارکہ ہے۔ جس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ سے حکایت فرمائی ہے انہوں نے کہا کہ جنت میں مسلمان داخل نہ ہوں گے اور صرف یہود و نصاریٰ داخل ہوں گے یعنی انہوں نے دو دعوے کئے اول منفی کہ جنت میں مسلمان داخل نہیں ہوں گے۔ دوم۔ دعویٰ مثبت کہ جنت میں صرف یہود اور نصاریٰ داخل ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ ان سے ہر دو دعویٰ پر دلیل اور برہان طلب کرو۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ کوئی دعویٰ بغیر دلیل ثابت نہیں ہوسکتا۔ لہذا دلیل کی نفی سے کسی حکم کی نفی ثابت کرنا باطل ہے۔ کیونکہ نفی دلیل تو دلیل کی ضد اور نقیض ہے۔ تو منکرین کا یہ کہنا کہ قبل آذان اور بعد آذان درود و سلام ناجائز اور بدعت ہے کیونکہ آنحضرت

ﷺ نے ان دو وقتوں میں درود نہیں پڑھا۔ منکرین درود وسلام کا یہ استدلال باطل ہے۔ اور اصول فقہ نے اس کو احتجاج بلا دلیل کہا ہے۔

یہاں بندہ منکرین درود وسلام پر ایک چوتھا اعتراض کرتا ہے اور یہ اعتراض آئمہ احناف رحمہم اللہ نے ایک اختلافی مسئلہ میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ پر کیا ہے۔ پہلے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض ملاحظہ ہو اور اس کے بعد یہ اعتراض منکرین پر ذکر کیا جائے گا۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ کہنیاں کو وضو میں دھونا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ قران کریم میں کہنیوں کے متعلق ارشاد ہے۔

"قوله تعالی ۔ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ"

کہنیوں کو غسل کی غایت بیان کیا گیا ہے اور بعض غایت ماقبل کے حکم میں یقینی طور پر داخل ہیں۔ اور بعض یقینی طور پر داخل نہیں۔ مثلاً

قرات الکتاب من اوله الی آخره ۔ میں آخر جو کہ قرأت کی غایت ہے یہ غایت مغیا یعنی قرأت میں یقینی طور داخل ہے۔ اور آیت کریمہ میں "ثم اتموا الصیام الی اللیل" میں رات اتمام روزہ کی غایت ہے۔ اور یہ غایت یقینی طور پر روزہ میں داخل نہیں ہے۔ اب کہنیوں میں شک پڑ گیا کہ یہ پہلی قسم میں داخل ہیں اور ان کا دھونا ضروری ہے یا کہ دوسری قسم میں داخل ہیں اور ان کا دھونا ضروری نہیں۔ اور شک سے کوئی شئے ثابت نہیں ہوتی۔ لہذا کہنیوں کا دھونا ضروری نہیں ہے یہ امام زفر کی دلیل ہے۔ جو کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔ آئمہ احناف نے اس کے کئی جواب دئے، ایک جواب یہ ہے جس کو نورالانوار میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

" قلنا له هل تعلم ان الامتناع فیه من ای القبیل فان قال اعلم فقد زال الشك وجاء العلم وان قال لا اعلم فقد اقرّ بجهله وعدم الدلیل معه وهو لا یکون حجة علینا "

حاشیہ نورالانوار میں اس جہل کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

" فیقال له لا تجعل جهلك حجة علی غیرك "

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ امام زفر نے غایت کی دو قسمیں ذکر کی ہیں۔ ایک میں غایت حکم ماقبل میں داخل ہے۔ اور دوسرے میں داخل نہیں تو ہم امام زفر سے عرض کریں گے کہ یہاں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ تم کو پتہ اور علم ہے کہ کہنیاں جو کہ متنازع فیہ ہیں، فلاں قسم میں داخل ہیں۔ اور احتمال دوم یہ ہے کہ تم کو علم نہیں ہے کہ کس قسم میں داخل ہیں۔؟ اگر تم کو علم ہے تو پھر شک زائل ہو گیا۔ لہذا تمہارا یہ کہنا کہ کہنیوں میں شک ہے درست نہ ہوا۔ اگر تم کو علم نہیں ہے تو تم نے اپنی جہالت کا اقرار کر لیا۔ تو پھر تم اپنے جہل سے دوسروں پر دلیل قائم نہ کرو۔ یہی اعتراض تھوڑے تغیر کیساتھ آذان سے پہلے اور بعد درود وسلام کے منکرین پر کیا جا سکتا ہے۔

اعتراض چہارم:۔ اس اعتراض کی دو تقریریں ہیں۔

تقریر اول:۔ ہم آذان سے قبل اور بعد درود وسلام کے منکرین سے پوچھتے ہیں کہ آذان سے قبل اور بعد درود شریف پڑھنا تمہارے نزدیک یا تو جائز ہوگا یا ناجائز ہے۔ اگر ناجائز ہے تو ہم منکرین سے دریافت کرتے ہیں کہ اس عدم جواز کا تم کو علم ہے یا نہ۔؟ اگر علم ہے تو اس پر مثبت برہان اور دلیل قائم کرو۔ حالانکہ تمہارے پاس مثبت دلیل نہیں ہے۔ تو تم کو

عدم جواز کا علم کیسے ہوا۔؟

خلاصہ یہ ہے کہ تمہارے پاس عدم جواز کے دعوی پر دلیل نہیں ہے۔ تو دعویٰ بلا دلیل ہوا۔ اور تمہارے منفی استدلال سے تو نہ کسی شئے کا اثبات ہوتا ہے اور نہ نفی۔ اور وہ احتجاج بلا دلیل ہے۔ جو کہ باطل ہے۔ اور اگر اس عدم جواز کا تم کو علم نہیں ہے تو تم نے اپنی جہالت کا اقرار کرلیا۔ اور اس کا بھی کہ تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ تو پھر اپنی جہالت کو اپنے تک محدود رکھو۔ تمہاری یہ جہالت ہم پر حجت اور دلیل نہیں ہے۔

تقریر دوم:۔ آذان سے قبل اور بعد درود وسلام اگر جائز ہے تو ہم منکرین سے پوچھتے ہیں کہ اس جواز کا تم کو علم ہے یا نہ۔؟ اگر علم ہے تو پھر اس کا انکار کیوں کرتے ہیں۔؟ اور تمہارا یہ انکار تمہارے علم کے خلاف ہے۔ جیسے علماء یہود کو آنحضرت ﷺ کی صداقت کا دلائل کی بناء پر علم اور یقین تھا اس کے باوجود آپ کی صداقت کا انکار کرتے تھے۔ اور اگر تم کو اس جواز کا علم نہیں ہے تو تم نے اپنی جہالت کا اقرار کرلیا ہے۔ لہذا یہ جہالت تم اپنے تک محدود رکھو۔ اس کو تم دوسرے پر حجت قائم نہیں کرسکتے۔ بلکہ تم پر لازم ہے کہ اس جواز پر مثبت دلائل تلاش کرو۔ تاکہ تم کو بھی جواز کا علم آجائے۔

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ انما شفاء العی السوال۔

یعنی اگر تم نہیں جانتے تو جاننے والے سے پوچھو۔ کیونکہ جہالت کی دوائی پوچھنا ہے۔ منکرین درود وسلام ہم اہل سنت قائلین پر اعتراض نہیں کرسکتے کیونکہ ہم یہ شق اختیار کریں گے کہ ہم کو یہ علم ہے کہ آذان سے قبل اور بعد درود وسلام جائز بلکہ واجب ہے۔ اور اس پر کتاب وسنت سے مثبت دلائل موجود ہیں۔ بعض کا ذکر قبل ازیں آچکا ہے۔ اور بعض مثبت

دلائل بعد میں مذکور ہوں گے۔ بندہ نے جو اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے کہ عدم دلیل سے نہ تو کسی حکم کا ثبوت ہوتا ہے اور نہ ہی کسی حکم کی نفی۔ تو یہ تفصیل اس لئے کی گئی ہے کہ آج کل کے اہل بدعت کا طرز استدلال اسی قسم کا ہے کہ اہل سنت کے ہر معمول کے متعلق یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا یہ کام اور فعل آنحضرت ﷺ نے کیا ہے۔؟ چونکہ آپ نے یہ کام نہیں کیا لہذا یہ ناجائز ہے۔ تو یہ لوگ عدم فعل سے عدم حکم پر استدلال لاتے ہیں اور یہ ان کی خالص جہالت ہے۔ اب بندہ یہاں ایک خاص بحث کرتا ہے کہ اگر مجتہد نے کسی مسئلہ اور حکم کی دلیل کو پوری کوشش سے تلاش کیا لیکن اس کو نہ جواز حکم پر دلیل ملی اور نہ عدم جواز پر۔ تو مجتہد نہ تو اس حکم کو جائز کہہ سکتا ہے اور نہ ناجائز۔ اور اس کی تفصیل قبل ازیں گزر چکی ہے لیکن اگر نبی کریم ﷺ نے کسی حکم پر دلیل کو نہ پایا تو اللہ تعالی کا رسول ﷺ نفی یا اثبات کا حکم کر سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مجتہد عدم دلیل سے عدم حکم پر استدلال نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجتہد کو اگر دلیل نہیں ملی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع اور نفس الامر میں دلیل نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ واقع میں تو دلیل ہو لیکن مجتہد کو اس کا علم نہ ہو۔ لیکن اللہ تعالی کا نبی ﷺ عدم دلیل سے عدم حکم پر استدلال کر سکتا ہے۔ کیونکہ نبی کو دلیل اگر نہیں ملی تو پھر واقع میں بھی دلیل نہیں ہے۔ اسلئے کہ یہ متصور نہیں ہوسکتا کہ نفس الامر میں تو دلیل ہو لیکن نبی کو اس کا علم ہی نہ ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ چونکہ شارع اور واضع احکام اور دلائل کا ہے۔ تو آپ ﷺ کا علم تمام ادلة کو محیط ہے۔

لہذا اگر کسی حکم پر واقع اور نفس الامر میں دلیل ہے تو رسول کو اس کا علم لازمی طور پر ہوگا۔ لہذا رسول نے اگر دلیل کو نہ پایا اور وہ دلیل نبی کریم ﷺ کے علم میں نہیں ہے تو پھر واقع

اور نفس الامر میں ہی دلیل نہیں ہے۔ اور اس کی نظیر قرآن پاک میں ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"قُل لَّآ اَجِدُ فِيمَا اُوحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا ۔ الآية"

اس آیت مبارکہ میں عدم دلیل سے عدم حرمت پر استدلال قائم کیا گیا ہے۔ لیکن یہ استدلال رسول اللہ کا ہے اس لئے صحیح اور درست ہے۔ حاشیہ نور الانوار میں ہے۔

"نحن نقول ان الاحتجاج بلا دليل من الشارع صحيح لان علمه محيط بالادلة هو الشارع للاحكام والواضع للادلة فشهادة على عدم الدليل الموجب للحرمة دليل للقطع على عدم الدليل فان الشارع ليس ساهياً ولا عاجزاً بخلاف البشر"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ اگر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام عدم دلیل سے استدلال کرے تو یہ صحیح ہے۔ کیونکہ اس کا علم تمام ادلہ کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیونکہ وہ احکام کا شارع اور دلائل کا واضع اور بنانے والا ہے۔ تو جب شارع یہ فرماتا ہے کہ میں نے حرمت پر دلیل نہیں پائی اور جو وحی مجھ پر اتری ہے اس میں کسی چیز کی حرمت پر دلیل نہیں ہے، تو یہ قطعی دلیل ہے۔ کہ نفس الامر اور واقع میں دلیل نہیں ہے۔ اور شارع نہ بھولنے والا ہے۔ کہ اس کو حرمت کی دلیل بھول جائے۔ اور نہ وہ عاجز ہے کہ باوجود دلیل تلاش کرنے کے نفس الامری دلیل تک اس کی رسائی نہ ہو۔ برخلاف مجتہد کے کہ وہ انسان ہے بھول بھی سکتا ہے اور اس میں یہ بھی ممکن ہے کہ پوری کوشش کے باوجود نفس الامری اور واقعی دلیل کا اسے علم نہ ہو سکے۔

یہاں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ عبارت حاشیہ نور الانوار میں جس شارع کا ذکر ہے۔ اس سے مراد جناب نبی کریم ﷺ ہیں۔ کیونکہ آیت "قُل لَّآ اَجِدُ فِيمَا اُوحِيَ

اِلَیَّ مُحَرَّمًا ۔ الآیۃ'' میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہی حکم دیا گیا ہے کہ عدم دلیل سے عدم حرمت پر استدلال پیش کریں۔ البتہ یہ استدلال اللہ جل شانہ نے آپ کو سکھایا ہے۔ کیونکہ آپ کا تمام علم اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ نیز اس عبارت حاشیہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے تمام احکام کے تمام دلائل کا علم آپ کو بذریعہ وحی عطا فرمایا۔ اس صورت میں آپ کا علم تمام دلائل کو محیط ہے۔ اور کوئی دلیل آپ کے علم سے باہر نہیں ہے۔

یہاں سے بندہ ایک اور مسئلہ اور عقیدہ کا ذکر کرتا ہے جو کہ اس مقام کے مناسب ہے۔ اگر چہ مناسبت بعیدہ ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ اور عقیدہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ لہذا اس کا ذکر ضروری سمجھا گیا، قارئین سے غور کی اپیل ہے۔ ملاحظہ ہو قرآن پاک میں ہے۔

'' قوله تعالى ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ''

عالم آلہ کا صیغہ ہے اور عالم موجود ماسوا اللہ کا نام ہے اور یہ موجود ماسوا اللہ سات آسمان اور عرش و کرسی اور اربعہ عناصر اور ان سے متعلق اشیاء مراد ہیں اور اس موجود ماسوا اللہ کو عالم اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے ذرہ ذرہ سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید کا علم آتا ہے۔ یعنی عالم اور اس کی ہر چیز موجود واحد کے حکم پر دلائل ہیں اور آنحضرت ﷺ کا علم ان تمام دلائل کو محیط ہے اور عالم کی کوئی چیز آپ کے علم سے باہر نہیں ہے اور ان تمام دلائل کا علم اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بذریعہ وحی آنحضرت ﷺ کو عطا فرمایا۔ جیسے کہ حاشیہ نور الانوار میں تصریح کی گئی ہے۔ اور یہ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آپ نے ان تمام دلائل کا علم ان الفاظ سے بیان فرمایا۔

'' فعلمت مافي السمٰوٰت والارض فتجلى لي كل شيئي وعرفت ''

یعنی آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے بعطاے خداوندی زمین وآسمان میں ہر چیز کو معلوم کرلیا، اور جان لیا۔ اور میرا علم ان سب کو محیط ہو گیا۔ اور ہر شئی میرے سامنے متجلی اور واضح ہو گئی۔ اور میں نے ہر شئے کو صرف جان ہی نہ لیا بلکہ پہچان بھی لیا۔ کتب بلاغت میں مذکور ہے کہ علم اور معرفت میں یہ فرق ہے کہ علم ادراک کلی کو اور معرفت ادراک جزئی کو کہتے ہیں۔ تو حدیث شریف سے معلوم ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کو دلائل کلیہ اور جزئیہ سب کا علم عطا کیا گیا۔ اس لئے آپ ﷺ صرف مواحد ہی نہیں بلکہ رئیس المواحدین ہیں۔ جتنا کسی کو ان دلائل کا زیادہ علم ہوگا اتنا ہی وہ توحید میں کامل ہوگا اور جتنا کسی کو ان دلائل کا کم علم ہوگا اس کی توحید اتنی ہی ناقص ہوگی۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کا علم عالم کی تمام اشیاء اور تمام دلائل کو محیط ہے لہذا آپ کی توحید بھی کامل اور مکمل ہے، اور کوئی مخلوق توحید میں آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تو ثابت ہوا کہ توحید میں کمال کی مدار دلائل کے علم پر ہے۔

آج کل کے اہل بدعت پر حیرت ہے کہ عالم کی تمام اشیاء کا علم آنحضرت ﷺ کے لئے نہیں مانتے اور ان جہلاء کو یہ پتہ نہیں کہ اس انکار سے اس نبی کی توحید میں نقصان پیدا کر رہے ہیں۔ جس کا وہ کلمہ پڑھتے ہیں۔ اور جس کو خاتم النبین کہتے ہیں۔ اور اپنے کو بڑا مواحد کہتے ہیں اور توحید کے معنی سے ناآشنا ہیں۔ اور پھر مزید حیرت ہے کہ جو اہل سنت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کی ہر چیز کا علم اپنے محبوب ﷺ کو عطا فرمایا ہے اور اس کی وجہ سے آپ کی توحید کامل ہوئی۔ تو یہ اہل بدعت ان اہل سنت کو مشرک کہتے ہیں جس کا معنی یہ ہوا کہ اصول توحید ان کے نزدیک شرک ہے اور آنحضرت ﷺ کی توحید کو کامل ماننے والا ان کے نزدیک مشرک ہے یہ جہالت کی انتہاء ہے۔ آج کل مسلمانوں کو حیرت ہو رہی کہ

یہ عجب مسلمانی ہے کہ درود وسلام کو بدعت کہا جارہا ہے حالانکہ یہ حیرت کی بات نہیں ہے جب یہ اہل بدعت توحید کو شرک اور آنحضرت ﷺ کو توحید میں کامل مکمل ماننے والے کو مشرک کہتے ہیں تو ان سے یہ بعید نہیں ہے کہ درود وسلام کو بدعت قرار دیں۔

"کل اناءٍ یترشح بما فیہ"

کوزے اور نئے میں جو چیز ہوگی وہی اس سے ٹپکے گی۔

بندہ کو احساس ہے کہ یہ فقیر اپنے موضوع سے بڑا دور چلا گیا ہے دراصل اس مضمون میں یہ ثابت کرنا تھا کہ آذان سے قبل اور بعد درود وسلام پڑھنا کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اس کو بدعت کہنے والا خود بدعتی ہے۔ تین دلائل اس مقصد پر پیش کئے جاچکے ہیں اب دلیل چہارم ملاحظہ ہو۔

دلیل چہارم:۔ مسلم شریف میں ہے۔

"قیل یا رسول اللہ فالحمر۔؟ قال ما انزل علی فی الحمر شی الا ھذہ الآیۃ الفازۃ الجامعۃ (الزلزال) فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ رواہ مسلم"

مذکورہ بالا حدیث شریف ایک طویل حدیث شریف کا حصہ ہے۔ جس میں سونا چاندی اور اونٹ گائے بکری اور گھوڑے کی زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ خلاصہ حدیث شریف یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! گدھوں کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے۔؟ اور ان میں شریعت کا کیا حق ہے۔؟ تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ گدھوں کے متعلق مجھ پر کوئی خصوصی حکم نازل نہیں کیا گیا ہے جیسا کہ اونٹ گائے بکری کے متعلق نازل ہوا۔ البتہ! یہ مستقل

اور جامع آیت نازل ہوئی جس سے گدھے کی زکوٰۃ اور حق معلوم کیا جا سکتا ہے، آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو آدمی ایک ذرہ مقدار نیکی اور خیر کرتا ہے تو قیامت میں اس کا ثواب اور اجر پائے گا اور جو آدمی ذرہ برابر برائی اور گناہ کرتا ہے قیامت میں اس کی سزا اور عذاب پائے گا۔ اس حدیث شریف سے چند امور واضح ہوئے۔ اور ہر امر میں منکرین درود وسلام کا رد بلیغ ہے۔

امر اول:۔ آپ سے گدھوں کے متعلق سوال ہوا کہ جیسے سونے چاندی اور اونٹ وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے جس کی ادائیگی لازم ہے کیا گدھوں میں بھی اس قسم کا کوئی حق ہے۔؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ گدھوں کے متعلق خصوصی وحی مجھ پر نازل نہیں ہوئی جیسے سونے چاندی اور اونٹوں کے متعلق نازل ہوئی ہے البتہ ایک مستقل اور جامع آیت خیر اور شر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس سے گدھوں کا حکم معلوم کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے تصریح نہیں فرمائی کہ گدھوں کی طرف سے اگر کوئی چیز زکوٰۃ کی طرح ادا کر دی جائے تو یہ خیر میں داخل ہے یا کہ شر میں۔ لیکن سیاق وسباق سے واضح ہے کہ یہ خیر میں داخل ہے۔ کیونکہ ماقبل سونے چاندی اور اونٹوں کی زکوٰۃ کا ذکر ہے جو کہ خیر ہے تو گدھوں کے متعلق جو چیز ادا کی جائے گی وہ بھی خیر ہوگی۔ اور قیامت میں اس کا ثواب اور اجر دیا جائے گا۔ اور آپ نے جو گدھوں کے متعلق خصوصی وحی کی نفی فرمائی یہ عام ہے کہ یہ خصوصی وحی خواہ متلو ہو یا غیر متلو۔ نہ بہ ضمن قرآن نازل ہوئی اور نہ بہ ضمن حدیث شریف لیکن اس نفی وحی سے آپ نے گدھوں کے متعلق حق کی ادائیگی کی۔ نفی پر استدلال نہیں فرمایا۔

بلکہ اس آیت مذکورہ بالا سے جو قاعدہ کلیہ معلوم ہوتا ہے آپ نے اس سے استدلال فرمایا ہے اور اس حق کو خیر میں داخل فرما کر اس کو جائز قرار دیا۔ حالانکہ قبل ازیں گزر چکا ہے کہ

اگر نبی کریم ﷺ فرمادیں کہ فلاں حکم کی دلیل بطریقہ وحی مجھ پر نازل نہیں ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ واقع اور نفس الامر میں بھی اس کی کوئی دلیل نہیں۔اس کے باوجود آپ نے قاعدہ کلیہ اور عام دلیل سے استدلال فرمایا ہے اور گدھے کے متعلق حق کی ادائیگی کو جائز قراردیا۔ بلکہ صرف جائز ہی نہیں قرار دیا بلکہ اس ادائیگی کو موجب ثواب قرار دیا۔آذان سے قبل اور بعد درودوسلام کو بدعت کہنے والوں کا اس میں رد بلیغ ہے ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ آنخضرت ﷺ نے ان دووقتوں میں درودوسلام نہیں پڑھا۔حالانکہ قبل ازیں گزر چکا ہے کہ اگر مجتہد کو کوشش بسیار کے باوجود کسی حکم کی دلیل نہ ملے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع اور نفس الامر میں بھی اس حکم کی دلیل نہیں ہے۔ہوسکتا ہے کہ واقع میں دلیل موجود ہو۔لیکن مجتہد کو اسکا علم ہی نہ ہو۔یہی وجہ ہے کہ اگر مجتہد عدم دلیل سے عدم حکم پر دلیل لائے تو یہ استدلال باطل اور بلا دلیل ہے۔اوران منکرین نے اپنے دعویٰ پر نہ کتاب سے کوئی دلیل پیش کی اور نہ سنت قولی سے۔صرف سنت فعلی کے عدم سے استدلال باطل کیا ہے۔

اب بندہ ان منکرین سے یہ سوال کرتا ہے کہ اگر بالفرض تسلیم کرلیا جائے کہ آنخضرت ﷺ نے ان دووقتوں میں درودوسلام نہیں پڑھا تو تم منکرین نے اس درودوسلام کے جواز پراس مستقل اور جامع آیت سے استدلال کیوں نہیں کیا۔؟اورآپ کی اتباع کو کیوں ترک کیا۔؟ حالانکہ درودوسلام فی نفسہ خیر ہے۔البتہ ہم اہل سنت اس آیت سے استدلال پکڑتے ہیں کہ چونکہ درودوسلام امر خیر ہے لہذا ہر وقت میں پڑھا جاسکتا ہے خصوصاً ان دواوقات میں کیونکہ اللہ رب العزت نے اس آیت خیر اور شر کو کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں کیا ۔ بلکہ اس کا ذکر مطلق فرمایا ہے۔اور یہ اشارہ دیا کہ ہر وقت میں خیر موجب ثواب اور شر

موجب عذاب ہے۔

امر دوم:۔ اس حدیث شریف سے واضح ہو گیا کہ اگر کسی خاص حکم کی دلیل خاص کا علم نہ ہو تو نصوص عامۃ سے استدلال سنت رسول ﷺ ہے۔ جیسا کہ اہل سنت کا یہی طریقہ ہے، کہ اس آیت مستقلہ جامعہ سے ہر خیر کو ہر وقت میں کرنے پر استدلال لاتے ہیں جیسا کہ اس فقیر نے دلیل چہارم میں اس کی وضاحت کی ہے تو اب آذان سے قبل اور بعد میں درود وسلام پڑھنا صرف حدیث شریف سے ہی جائز و ثابت نہ ہوا بلکہ کتاب اللہ سے بھی ثابت ہو گیا۔ تو یہ دلیل چہارم بمنزلہ دو دلیل کے ہو گئی۔ جیسا کہ دلیل اول بمنزلہ دو دلیل کے ہے۔ جس کا ذکر دلیل اول میں کیا جا چکا ہے برخلاف منکرین کے کہ انہوں نے صرف عدم فعل سے عدم حکم پر استدلال کیا ہے۔ اور یہ استدلال باطل ہونے کے باوجود ان اہل بدعت نے آیت مستقلہ اور جامعہ کو نظر انداز کر کے اس رسول ﷺ کی اتباع سے بغاوت کی ہے۔ جس کا وہ کلمہ پڑھتے ہیں۔ اور پھر اس کے باوجود اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ حالانکہ ان کا علمی نام غیر مقلد شتر بے مہار اور اہل حدیث ہے۔

امر سوم:۔ اس امر سوم میں منکرین صلوٰۃ سلام کا ایک قبح شدید بیان کیا جاتا ہے۔ اور قارئین کے سامنے ان کا عقلی معیار، اور مقدار بھی واضح ہو جائے گا۔ وہ اس طرح کہ ایک آدمی کے پاس بہت سے گدھے ہیں اور یہ آدمی ان منکرین درود وسلام سے گدھوں کے متعلق یہ مسئلہ پوچھتا ہے کہ اگر میں دوران سال یا سال کے بعد زکوٰۃ کی طرح کچھ مال صدقہ کروں تو کیا یہ جائز ہے یا نہ۔؟ تو یہ منکرین اس کو ہرگز بدعت نہیں کہیں گے۔ بلکہ جواز کا

فتویٰ دیں گے کہ یہ کارثواب ہے۔اگر وہ آدمی ان سے دلیل طلب کرے تو جواب میں یہ منکرین یہی آیت مستقلہ جامعہ تلاوت کریں گے۔ کہ گدھوں کے متعلق صدقہ کارخیر اور موجب ثواب ہے۔بندہ قارئین کی سہولت کے لئے وہ آیت دوبارہ ذکر کرتا ہے۔

"فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ"

(الزلزال)

اور اگر پھر وہی آدمی ان منکرین سے یہ سوال کرے کہ درود وسلام بھی تو تمہارے نزدیک یقیناً خیر ہوگا اگر کوئی آدمی آذان سے قبل اور بعد صلوٰۃ وسلام پڑھے تو آیت مذکورہ بالا کے مطابق یہ بھی خیر اور موجب ثواب ہوگا۔تو یہ منکرین فوراً کہیں گے نہیں نہیں۔ یہ تو ناجائز اور بدعت ہے۔تو وہ آدمی ان کے اس جواب سے حیرت زدہ ہو جائے گا۔ کہ یہ عجیب علم وعقل ہے کہ گدھے کا صدقہ تو آیت مذکورہ میں مذکور لفظ خیر میں داخل ہو کر موجب ثواب ہو جائے لیکن خاتم النبین ﷺ پر آذان سے قبل اور بعد درود وسلام آیت میں مذکور لفظ خیر میں داخل نہ ہو۔ بلکہ لفظ شر میں داخل ہو کر بدعت اور موجب عذاب ہو جائے۔تو ایسے مفتی کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ یہ گدھے سے بھی زیادہ بے عقل ہے۔کیونکہ گدھا تو مالک کا بوجھ اُٹھاتا ہے اور مالک کو خوش کرتا ہے،لیکن یہ منکرین خود تو درود وسلام نہیں پڑھتے اور اس کو بوجھ خیال کرتے ہیں۔الٹا دوسروں کو بھی منع کرتے ہیں۔ کہ خبردار ایسا نہ کرنا۔ یہ تو بدعت ہے۔تو ان کا یہ کہنا نبی ﷺ کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔کیونکہ دلیل دوم میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ جو آدمی مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ بلکہ منکرین کا درود وسلام سے روکنا اللہ تعالیٰ سے بھی مقابلہ ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے کہ اللہ

تعالی اور اس کے فرشتے ہمیشہ خاتم النبین ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے مومنو تم بھی اس نبی ﷺ پر درود وسلام پڑھو۔اب ان منکرین کا اللہ تعالی اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کے ساتھ مقابلہ ہے۔دیکھنا یہ ہے کہ اس مقابلہ میں غالب کون آتا ہے۔؟ ہم اہل سنت کا عقیدہ تو یہی ہے کہ

"واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون"

امر چہارم:۔" قولہ تعالی ۔ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ" سے "خَيْرًا يَّرَهٗ ۔ الآیة"

تک اہل سنت کے نزدیک تو چونکہ اللہ تعالی نے خیر اور شر کو مطلق ذکر فرمایا ہے۔اور کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں کیا۔لہذا یہ معنی ہوگا کہ کسی وقت بھی کار خیر کیا جائے تو موجب ثواب ہے۔ اور کسی وقت بھی شر کیا جائے تو موجب عذاب ہے۔اور چونکہ درود وسلام خیر ہے لہذا ہر وقت اس کے پڑھنے سے ثواب ہوگا۔اور اس میں اللہ تعالی اور اس کے حبیب ﷺ کی خوشنودی ہے۔اور ان اوقات میں آذان سے قبل اور بعد کے اوقات بھی داخل ہیں۔

لیکن ان منکرین اہل بدعت کے نزدیک آیت میں مذکور لفظ بیسیوں اوقات کے ساتھ مقید ہوگا اور ان کے نزدیک آیت مذکورہ بالا کا یہ معنیٰ ہوگا کہ بے شک درود وسلام کار خیر ہیں۔اور اس آیت میں داخل ہیں لیکن آذان سے پہلے یا بعد پڑھے جائیں تو شر اور موجب عذاب بن جاتے ہیں۔اس طرح نماز سے پہلے اور بعد اور سونے سے پہلے اور بعد اور طلوع و غروب کے وقت اور کسی آدمی کی ملاقات کے وقت تلاوت سے پہلے اور بعد ان منکرین کے نزدیک آیت شریفہ کا جب ترجمہ کیا جائے گا تو ان سب اوقات کو مستثنٰی کیا جائے گا۔مثلاً یہ

منکرین معنیٰ اس طرح کریں گے کہ جو آدمی کسی وقت بھی کار خیر کرتا ہے تو اس کو ثواب حاصل ہوگا مگر آذان سے قبل اور بعد اور تلاوت سے قبل اور بعد نماز سے پہلے اور بعد وغیرہ وغیرہ۔ ان اوقات میں درود شریف خیر نہیں۔ اور نہ ہی اس پر کوئی ثواب ہے۔ بلکہ یہ شر اور موجب عذاب ہے۔ منکرین اپنے اس فتح پر غور کریں اس سے تو قرآن پاک کا حلیہ بھی بگڑ جائے گا۔ اور نعوذ باللہ یہ اعتراض ہوگا کہ جب اس خیر کے اوقات میں سے بہت سے اوقات خارج تھے تو پھر اس خیر کا مطلق کیوں ذکر کیا گیا۔؟ یہ تو لوگوں کو بدعت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ اور اسی طرح:

" قوله تعالی ۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً "

اس آیت میں جو اطلاقات ہیں ان سے بے شمار اوقات کو نکالنا ہوگا۔ یہاں تک دلیل چہارم کا ذکر ہوا۔ اب دلیل پنجم ملاحظہ ہو۔

دلیل پنجم :۔ بخاری شریف میں ہے۔

" عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال : ارسل الیّ ابو بکر مقتل اهل اليمامة فاذاً عمر بن خطاب عنده قال : ابو بکر ان عمر اتانی فقال : ان القتل قد استحرّ یوم الیمامة بقراء القرآن وانی اخشی ان ستحرّ القتل بالقراء بالمواطن یذهب کثیر من القرآن وانی اریٰ ان تامرَ بجمع القرآن قُلتُ لعمر کیف تفعل شیئاً لم یفعله رسول الله ﷺ قال: عمر هذا والله خیر فلم یزل عمر یَراجعنی حتی شرح الله صدری لذالك ورایت فی ذالك الذی رایٰ عمر قال : زید رضی

الله تعالی عنه قال: ابوبکر انك رجل شاب عاقل لا نتهمك وقد كنتَ تكتب الوحي لرسول الله ﷺ فتتبعِ القرآن فاجمعه فوالله لو كلّفوني نقل جبل من الجبال ماکان اثقل عليَّ مما امرني به من جمع القرآن، قال: قلتُ كيف تفعلون شيئاً لم يفعله رسول الله ﷺ قال: هو والله خير، فلم يزل ابو بكر يراجعني حتى شرح الله صدري للذی شرح له صدرابی بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ (الحديث)"

خلاصہ عبارت حدیث شریف مذکورہ بالا کا یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یمامہ کے ساتھ لڑائی کے زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میری طرف قاصد اور پیغام بھیجا۔ جب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت ابوبکر نے مجھے فرمایا کہ امیر عمر میرے پاس آئے اور کہا کہ یمامہ کے دن سخت لڑائی کی وجہ سے قرآن کے بہت سے قاری شہید ہوئے ہیں۔ اور اگر اس قسم کی جنگیں ہوتی رہیں اور قاری لوگ شہید ہوتے رہے تو قرآن کا بیشتر حصہ ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔ لہٰذا میرا خیال ہے کہ آپ حکم دیں کہ قرآن جمع کیا جائے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر عمر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ تو ایسے کام کا مشورہ کیوں دیتا ہے جو کہ آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا۔؟ امیر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ کام خیر اور اچھا ہے۔ پس امیر ع رضی اللہ عنہ اس مسئلہ پر میرے ساتھ بحث کرتے رہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے مي سینہ کھول دیا۔ اور اس کام میں مجھے وہی بہتری نظر آئی جو امیر عمر رضی اللہ عنہ کو نظر آئی تھی۔ حضر زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا کہ تم جوان اور عقل مند آدمی ہو او

کاتب وحی ہو اور آنحضرت ﷺ کے لئے وحی لکھتے رہے ہو۔ لہذا تم پر کوئی تہمت نہیں لگا سکتا اس لئے تم پوری تحقیق کے ساتھ قرآن پاک جمع کرو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ مجھے یہ حکم دیتے کہ میں پہاڑ ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دوں تو یہ میرے لئے اتنا بوجھ نہ ہوتا جتنا کہ قرآن کے جمع کرنے کا مجھے حکم دیا جا رہا ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو کہا کہ جو کام آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا۔ تم ایسا کام کس طرح کرو گے۔؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: خدا کی قسم! یہ نیک اور اچھا کام ہے۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں میرے ساتھ بحث کرتے رہے۔ حتی کہ اس کام کے لئے اللہ تعالی نے میرا سینہ کھول دیا۔ جس کے لئے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھولا تھا۔

جو لوگ آذان سے قبل اور بعد درود وسلام کو بدعت قرار دیتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ ان دو اوقات میں آنحضرت ﷺ نے درود وسلام نہیں پڑھا اس حدیث میں ان اہل بدعت منکرین کا کئی وجہ سے رد ہے۔

رد اول:۔ یہ اہل بدعت منکرین جو کہتے ہیں کہ چونکہ ان دو اوقات میں رسول اللہ ﷺ نے درود وسلام نہیں پڑھا لہذا یہ پڑھنا خیر نہیں ہے۔ بلکہ بدعت اور شر ہے۔ اس نہ پڑھنے پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ کسی صحابی نے کہا ہو کہ آپ ﷺ نے ان دو اوقات میں درود وسلام نہیں پڑھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ ان کو پڑھنے کا علم نہیں اور یہ امر واضح ہے کہ عدم علم شئی سے نفس الامر میں عدم شئی لازم نہیں آتا۔ ہوسکتا ہے کہ آپ نے ان دو وقتوں میں درود شریف پڑھا ہو۔ اور ان منکرین کو اس کا علم نہ ہو۔ جیسے کہ اس کی تفصیل

گزر چکی ہے۔ برخلاف قرآن پاک کا جمع نہ کرنا تو اس پر ابو بکر صدیق اور فاروق اعظم اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کی شہادت موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک جمع نہیں فرمایا۔ اور نہ ہی جمع کرنے کا حکم دیا ہے، اب یہاں یہ احتمال نہیں ہوسکتا کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک جمع تو فرمایا ہو لیکن ان تین اکابر صحابہ کو اس کا علم ہی نہ ہو۔ تو اس کے باوجود یہ تینوں صحابی فرماتے ہیں کہ قرآن پاک جمع کرنا خیر ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمع نہ کرنے سے یہ بدعت اور شر نہیں ہوتا۔ لیکن حیرت ہے کہ منکرین درود وسلام کہتے ہیں کہ چونکہ آذان سے قبل اور بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف نہیں پڑھا اس لئے ان دونوں وقتوں میں درود وسلام پڑھنا بدعت اور شر ہے۔ حالانکہ یہ صرف منکرین کا دعویٰ ہے اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، کہ آپ نے ان وقتوں میں نہیں پڑھا۔ تو ثابت ہوا کہ ایک کار خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ کرنے سے نہ بدعت ہوتا ہے اور نہ شر۔ بلکہ خیر اور نیکی ہی رہتا ہے۔ اگر منکرین کا یہ قاعدہ تسلیم کر لیا جائے کہ جو کام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ بدعت ہوتا ہے تو لازم آئے گا کہ ابو بکر صدیق فاروق اعظم اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم نے بدعت کا ارتکاب کیا۔ اور اس ارتکاب بدعت کا مشورہ دیا۔

رد دوم:۔ یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن جمع نہیں فرمایا تو ان تین صحابہ نے اس کو خیر کیوں کہا؟ ان کے پاس کیا دلیل تھی۔؟ تو جواب یہ ہے کہ ان صحابہ کے پاس وہی آیت دلیل تھی جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھوں کی زکوٰۃ کے متعلق بیان فرمائی تھی۔

"فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (الزلزال)"

ردسوم:۔ قرآن کو جمع کرنا اس کی خصوصی دلیل نہ تو قرآن میں اور نہ ہی حدیث شریف میں۔ یعنی نہ تو کوئی قرآن میں آیت ہے جس کا معنی یہ ہو کہ قرآن جمع کرنا کار خیر ہے۔ اور نہ ہی یہ مضمون کسی حدیث میں ہے مزید برآں آنحضرت ﷺ نے بھی قرآن جمع نہ کیا۔ اس کے باوجود قرآن کا جمع کرنا کار خیر ہے اور بدعت نہیں ہے برخلاف درود وسلام کے کہ مطلق آیت اور احادیث میں اس کے پڑھنے کا حکم ہے اور کسی وقت کی تقیید نہیں ہے اور درود وسلام ہر وقت پڑھنا جائز ہے اور آذان سے قبل اور بعد کے اوقات بھی ہر وقت میں داخل ہیں۔ اس کے باوجود منکرین کہتے ہیں کہ ان دو وقتوں میں درود وسلام بدعت اور شر ہے۔ یہ محض درود وسلام کے ساتھ عداوت ہے۔

رد چہارم:۔ ابتداء میں ابوبکر صدیق اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما نے قرآن نہ جمع کرنے پر یہی دلیل دی۔ کہ یہ کام آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا لیکن بعد میں اللہ تعالی نے ان کا سینہ کھول دیا اور وہ سمجھ گئے کہ قرآن جمع کرنا کار خیر ہے۔ اور اس آیت میں کار خیر کے کرنے کا حکم ہے۔

"فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ"

لیکن یہ نام ونہاد منکرین درود وسلام ابھی تک اپنی اس ضد پر اڑے ہوئے ہیں کہ چونکہ آنحضرت ﷺ نے ان دو وقتوں میں درود وسلام نہیں پڑھا لہذا یہ بدعت ہے۔ اور یہ نہیں سوچتے کہ درود وسلام کار خیر اور نیکی ہے۔ اور کار خیر کے کرنے کا حکم ایک دوسری آیت مستقلہ جامعہ میں دیا گیا ہے۔ تو ان منکرین کو چاہیے تھا کہ خلفاء راشدین کی اتباع کرتے لیکن اللہ

تعالی نے ان منکرین کی شرح صدر نہیں کی۔ اور آیت مستقلہ جامعہ کو انہوں نے نظر انداز کر دیا۔

رد پنجم :۔ قبل ازیں گزر چکا ہے کہ اگر مجتہد کو کوشش کے باوجود کسی حکم پر دلیل معلوم نہ ہو سکے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ واقع اور نفس الامر میں اس حکم پر دلیل نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ واقع میں دلیل ہو لیکن مجتہد کو اس کا علم ہی نہ ہو۔ یعنی مجتہد کا عدم علم عدم شئی پر دلالت نہیں کرتا۔ کہ اگر اس کو کسی دلیل کا علم نہ ہو تو فی الواقع بھی دلیل موجود نہ ہو۔ لیکن اگر خدا کا رسول ﷺ یہ فرما دے کہ مجھے فلاں حکم کی دلیل نہیں ملی اور میں نے وہ دلیل نہیں پائی تو واقع میں بھی وہ دلیل نہ ہوگی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا علم سب دلائل کو محیط ہوتا ہے۔ یہ امر شرعاً ممکن نہیں کہ کوئی دلیل واقع میں ہو اور نبی کو اس کا علم نہ ہو۔

اس کے بعد بندہ کہتا ہے کہ منکرین درود و سلام کو دعویٰ نبوت تو نہیں ہے بلکہ ان کا علم حدیث تو مجتہد کے علم سے صرف کم ہی نہیں بلکہ کم تر ہے تو ان کو چاہیئے تھا کہ پہلے ذخیرہ حدیث کا مطالعہ کرتے اور اسکے بعد اگر ان کو ایسی کوئی حدیث نہ ملتی جس سے ثابت ہوتا کہ انحضرت ﷺ نے ان دو وقتوں میں درود و سلام نہیں پڑھا ہو۔ اس کے بعد بھی صرف یہ دعویٰ کرتے کہ ہم کو ان وقتوں میں درود و سلام کی کوئی دلیل نہیں ملی۔ اور یہ دعویٰ نہ کرتے کہ واقع میں دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نبوت کا خاصہ ہے حالانکہ ان منکرین نے ذخیرہ حدیث کا مطالعہ نہیں کیا بلکہ مسلم شریف کا مطالعہ بھی انہوں نے نہیں کیا ورنہ یہ حدیث ان کو مل جاتی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آذان کے بعد دعاء وسیلہ سے بھی مجھ پر درود شریف پڑھو۔ اور پھر اعلانیہ طور پر اس حدیث پر عمل کرتے اور درود شریف پر بدعت اور شرک کا فتویٰ نہ لگاتے۔ اس کے باوجود ان کا

دعویٰ یہ ہے کہ واقع میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے، جس سے یہ ثابت ہو کہ ان دو وقتوں میں درود وسلام پڑھنا چاہئے۔ یہ دعویٰ کر کے انہوں نے نبوت کی ہمسری کا دعویٰ کیا ہے۔ جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ کیا ان میں کوئی ایسا اہل علم نہیں ہے جو کہ ان کو اس دعویٰ کے قبح پر مطلع کرتا۔؟ ''اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ''

ردششم:۔ یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ منکرین کی یہ دلیل کس قدر کمزور ہے کہ دعویٰ تو ان کا یہ ہے کہ آذان سے قبل اور بعد درود وسلام پڑھنا بدعت اور شر ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے علم کے مطابق آنحضرت ﷺ نے ان دو وقتوں میں درود وسلام نہیں پڑھا کیونکہ یہ تو مجتہد بھی نہیں کہہ سکتا کہ واقع میں یہ دلیل نہیں ہے تو پھر یہ منکرین کس باغ کی مولی ہیں۔؟ پھر تو ان منکرین کی دلیل سے تو صرف یہ ثابت ہوگا کہ ہمارے عقیدہ اور علم کے مطابق یہ درود وسلام بدعت ہے۔ اور اس میں تو اختلاف نہیں ہے بحث اس میں ہے کہ واقع اور نفس الامر میں درود شریف پڑھنا کیسا ہے۔؟ بدعت ہے یا کہ سنت۔؟ نیز منکرین کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ بدعت کے مدعی ہیں لہذا ان کو اپنے اس دعویٰ پر ایسی دلیل لانا چاہئے کہ اس میں اور کوئی احتمال نہ ہو۔ ورنہ وہ دلیل باطل ہو جائے گی۔ مشہور ہے۔

''اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال''

یہاں تک دلیل پنجم کا بیان ہے۔ اب دلیل ششم شروع کی جاتی ہے۔

دلیل ششم:۔ دار قطنی میں ہے۔

''قال رسول الله ﷺ ان الله فرض فرائض فلا تضیعو ھا، وحرم

حرمات فلا تنتهکوھا ، وحد حدودا فلا تعتدوھا وسکت عن اشیاء فلا تبحثوھا (رواہ الدار قطنی)"

حضرت ثعلبہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کئی عبادات تم پر فرض کی ہیں۔ان کو ضائع نہ کرو۔اور کئی اشیا تم پر حرام کی ہیں ان کو نہ توڑو۔یعنی ان کا ارتکاب نہ کرو۔اور بعض حدود مقرر فرمائے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔اور بعض چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا یعنی نہ ان کا اثبات کیا اور نہ نفی۔ان اشیاء سے بحث نہ کرو۔

بندہ آذان کے بعد درود وسلام پڑھنے کے متعلق مسلم شریف کی حدیث نقل کر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔کہ آذان کے بعد دعاء وسیلہ سے پہلے مجھ پر درود شریف پڑھو۔اور آذان سے قبل کتاب وسنت کے اطلاقات سے درود وسلام پڑھنا ثابت کیا جا چکا ہے۔اب اس حدیث میں منکرین صلوٰۃ وسلام پر دو وجہ کا رد ہے۔

رد اول:۔ قرآن پاک میں مومنوں کو حکم دیا گیا کہ میرے نبی ﷺ پر درود وسلام پڑھو۔اور اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ وسلام کو کسی وقت سے مقید نہیں فرمایا۔بلکہ اوقات سے سکوت فرمایا ہے۔جس کا مطلب ہے کہ ہر وقت میں درود وسلام پڑھنا جائز بلکہ واجب ہے تو اب منکرین کا یہ کہنا کہ آذان سے قبل اور بعد درود وسلام پڑھنا بدعت اور منع ہے یہ بحث کتاب اللہ کی تقیید ہے۔جس سے منع کیا گیا ہے،اور نہی میں اصل تحریم ہے،تو منکرین کا یہ قول حرام ہوا لہذا اس کا ارتکاب اپنے تک محدود رکھیں اور دوسرے مسلمانوں کو اس حرام سے گمراہ نہ کریں۔

رد دوم:۔ بالفرض اگر منکرین کی بات اور دعویٰ مان اور تسلیم کر لیا جائے کہ فی

الواقع آنحضرت ﷺ نے آذان سے پہلے درود شریف نہیں پڑھا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس مخصوص وقت میں درود و سلام پڑھنے کی نہ تو کتاب و سنت میں نہی ہے اور نہ امر۔ اور حکم تو گویا اس سے سکوت اختیار کیا گیا ہے۔ لہذا منکرین کی یہ بحث کہ اسوقت منع ہے ایسی بحث سے حدیث شریف میں منع کیا گیا ہے۔ جو کہ حرام ہے۔ اصل اشیاء میں چونکہ اباحت ہے اس لئے اہل سنت اس میں کوئی بحث نہیں کرتے اہل سنت خود درود و سلام پڑھتے ہیں کسی منکر کو نہیں کہتے کہ تم بھی پڑھو۔ یہ بحث سب سے پہلے منکرین صلوٰۃ وسلام کے بیرونی آقاؤں نے شروع کی۔ اور پھر پاکستانی منکرین نے بیرونی آقاؤں کا حق نمک ادا کرنے کے لئے پاکستان میں پھیلانے کے لئے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اہل سنت نے تو صرف اس جارحیت کا دفاع کیا ہے۔ جو کہ ان کا حق ہے۔ کیونکہ جارحیت راہزن اور چور کرتا ہے۔ اور مالک پر ضروری ہے کہ اس کا دفاع کرے۔ حدیث شریف میں جو یہ الفاظ ہیں کہ بعض اشیاء سے سکوت کیا ہے۔ اس کی وجہ شراح حدیث نے یہ بیان کی ہے کہ اس سکوت میں رحمت اور احسان ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ یہ اشیاء جن سے سکوت کیا گیا جائز اور مباح ہیں۔ آج کل کے اہل حدیث غیر مقلدین کا دعویٰ تو عمل بالحدیث ہے تو وہ اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتے۔؟

دلیل ہفتم:۔ ”عن معاذ بن جبل ان رسول الله ﷺ لما بعثه الى اليمن قال كيف تقضى اذا عرض عليك قضاء قال اقضى بكتاب الله قال فان لم تجد فى كتاب الله قال فسنة رسول الله ﷺ قال فان لم يجد فى سنة رسول الله ﷺ قال اجتهد رايى ولا آلو (الحديث)“

یہ ترمذی اور ابوداؤد شریف کی حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ جب مجھے آنحضرت ﷺ نے یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ وہاں جب تم کو قضاء کرنی ہوگی تو تم کس طرح قضاء کرو گے۔؟ تو معاذ نے عرض کی کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کے ساتھ قضاء کروں گا۔تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ مسئلہ تجھ کو کتاب اللہ میں نہ ملے تو۔؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں سنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قضاء کروں گا۔تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر وہ مسئلہ تم کو سنت رسول اللہ ﷺ میں نہ ملے تو۔؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں رائے میں کوشش اور اجتہاد کروں گا۔اب اس حدیث شریف سے منکرین درود و سلام کے رد ملاحظہ ہوں۔

رد اول:۔اس حدیث میں دو چیزیں قابل ذکر ہیں۔

اول:۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ مسئلہ تم کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں نہ ملے اور تو ان ہر دو میں نہ پائے اور یہ نہیں فرمایا کہ اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نہ ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اشارہ فرمادیا کہ ہر چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں ہے البتہ! اس سے سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں بعض لوگ سمجھ جاتے ہیں اور بعض نہیں سمجھتے۔

دوم:۔دلائل چار قسم ہیں کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔آپ نے تین کا ذکر تو کیا ہے لیکن اجماع کا ذکر نہیں فرمایا۔تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اجماع آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہ تھا۔اجماع بعد کی دلیل ہے اب اس حدیث شریف میں اہل سنت کی تائید اور منکرین

درودوسلام کا رد بلیغ ہے۔ اہل سنت کی تائید اس طرح ہے کہ اس فقیر نے آذان سے قبل اور بعد ہر وقت درود وسلام پڑھنے کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت کیا ہے۔ اور منکرین درود وسلام کا اس میں رد اس طرح ہے کہ یہ منکرین کہتے ہیں کہ جو چیز کتاب وسنت میں نہیں ہے وہ بدعت اور ناجائز ہے اگر ایسا ہوتا تو حضرت محمد ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ اگر تو کسی مسئلہ کو کتاب یا سنت رسول اللہ ﷺ میں نہ پائے، تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یہ جواب دیتے کہ جو چیز میں کتاب وسنت میں نہ پاؤں گا تو میری قضاء یہ ہوگی۔ کہ وہ بدعت اور ناجائز ہے۔ حالانکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کہا۔ بلکہ ایک دلیل کی عدم موجودگی میں دوسری دلیل کی طرف رجوع کیا۔ اور کہیں یہ نہیں فرمایا کہ جو کام آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا میری قضاء یہ ہوگی ، کہ وہ بدعت ہے۔ جس طرح کہ آج کل کے اہل بدعت کا طریقہ ہے۔ یہاں تک منکرین درود وسلام کا اس حدیث شریف سے ایک رد آ گیا۔

رد دوم:۔ آنحضرت ﷺ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے متعلق تو فرمایا کہ اگر تو کوئی مسئلہ ان دونوں میں نہ پائے لیکن اجتہاد کے متعلق نہ فرمایا کہ اگر تجھے وہ مسئلہ اجتہاد سے بھی معلوم نہ ہو تو۔ معلوم ہوا کہ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ ان تینوں میں سے کسی میں بھی نہ ہو۔ لہذا اگر تم کو کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو سکے تو یہ نہ کہنا کہ کتاب اور سنت میں یہ مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ کہو کہ ہم کو معلوم نہیں ہے لیکن ان اہل بدعت کو اگر کتاب وسنت سے کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو سکے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ کتاب وسنت میں ہی نہیں ہے۔

رد سوم:۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ کسی شئی کا حکم معلوم کرنا ہو تو پہلے کتاب

اللہ سے معلوم کرو۔اور پھر سنت رسول اللہ سے۔تو ان منکرین درودوسلام پر بھی لازم تھا کہ ایسا کرتے لیکن انہوں نے نہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کیا اور نہ ہی سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف، بلکہ اپنے خام علم کی بناء پر یہ فتویٰ دے دیا کہ آذان سے قبل اور بعد درودوسلام بدعت ہے۔حالانکہ ان ہر دواوقات میں درودوسلام کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہے۔ خصوصاً آذان کے بعد تو خصوصی طور پر مسلم شریف کی حدیث وارد ہے۔لیکن منکرین کی بصیرت پر تعصب کا پردہ ہے اس لئے ان کو یہ حدیث نظر نہ آئی۔یا یہ حدیث تو ان کے علم میں ہے لیکن بغض رسول ﷺ کی وجہ سے اس کو نہ ظاہر کرتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرتے ہیں۔

رد چہارم:۔ اس حدیث شریف میں تین دلائل کا ذکر ہے۔اور تیسری دلیل قیاس اور مجتہد کی رائے ہے۔لیکن منکرین درودوسلام غیر مقلد شتر بے مہار قیاس اور رائے مجتہد کو دلیل تسلیم نہیں کرتے اور دعویٰ عمل بالحدیث ہے۔اس طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی قیاس اور رائے کا ذکر ہے۔حدیث ملاحظہ ہو۔نورالانوار میں ہے۔

”وھذا مما علم باثر ابن مسعود فی المفوضة وھی التی مات عنھا زوجھا قبل الدخول بھا ولم یسم لھا مھر فسئل ابن مسعود عنھا فقال اجتھد فیھا برائی ان اصبت فمن اللہ وان اخطئت فمنی ومن الشیطان۔ الخ“

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا اور اس نے اس عورت سے ہمبستری نہ کی تھی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس عورت کے مہر کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اگر درست اجتہاد کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور مجھے غلطی لگ گئی تو یہ میرے نفس اور شیطان کی طرف سے ہوگا۔

اس عبارت سے دو چیزیں ثابت ہوئیں۔

اول:۔ اجتہاد بالرائے صحابہ کرام کا طریقہ ہے۔ بلکہ تمام صحابہ نے ابن مسعود کے قول کو تسلیم کیا۔

دوم:۔ مجتہد گاہے صواب کو پہنچتا ہے اور گاہے خطاء کو۔ اس کے باوجود قیاس اور رائے دلیل ہے۔ مزید برآں آنحضرت ﷺ بھی گاہے قیاس فرماتے تھے۔ یہاں صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

مثال اول:۔ نورالانوار میں ہے۔

"انہ لما اسر اُساری بدر وھم سبعون نفرا من الکفار فشاور النبی ﷺ اصحابہ فی حقھم فتکلم کل منھم برأیہ فقال ابو بکر رضی اللہ عنہ وھم قومک اھلک خذ منھم فداء ینفعنا وخلفھم احرارا لعلھم یوفقون بالاسلام بعد ذالک : قال عمر رضی اللہ عنہ مکن نفسک من قتل عباس ومکن علیا من قتل عقیل ومکنی من قتل فلان لیقتل کل واحد مناقریبہ (الی ان قال) ثم استقر رابہ علیہ السلام علی رای ابی بکر ۔ الخ"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ جب جنگ بدر کے موقع پر ستر کافر قیدی ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے ان کے بارے میں مشورہ کیا تو ہر ایک نے ان سے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ یہ قیدی آپ کی قوم اور رشتہ دار ہیں ان سے فدیہ لیا جائے جو ہمارے کام آئے گا اور ان کو چھوڑ دیا جائے ہوسکتا ہے کہ وہ مسلمان ہوجائیں۔

امیر عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ ہر قریشی اپنے رشتہ دار کو قتل کرے۔ آپ ﷺ عباس کو، حضرت علی عقیل کو قتل کریں اور میرے رشتہ دار میرے حوالے کریں میں ان کو قتل کروں گا، تو آخر میں اعتماد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر کیا گیا۔ الخ۔

اس عبارت میں آنحضرت ﷺ اور تمام صحابہ خصوصاً ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ سب نے اجتہاد اور رائے کو استعمال کیا۔ لیکن آج کل نام ونہاد اہل حدیث قیاس اور رائے کے خلاف ہیں اور نہ ان کو آنحضرت ﷺ کی رائے پر اعتماد ہے اور نہ صحابہ کرام کی رائے ان کے نزدیک قابل سند ہے۔

مثال دوم:۔ نور الانوار میں ہے۔

"ان امراۃ جاء ت الیٰ رسول اللہ ﷺ فقالت ان ابی قد ادرکہ الحج وھو شیخ کبیر لا یستمسک علی الراحلۃ افتجری ان احج عنہ فقال علیہ السلام ارأیت لو کان علی ابیک دین قضیت اما کان یقبل منک قالت نعم قال فدین اللہ احق بالقبول فقاس النبی ﷺ الحج علی دین العباد والمعنی الجامع بینھما ھوالدین"

خلاصہ حدیث شریف یہ ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئی او عرض کی کہ میرے باپ پر حج فرض ہو چکا ہے اور وہ بہت بوڑھا ہے اور سواری پر بھی نہیں بی سکتا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں۔؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بھلا تو یہ کہ اگر تمہارے باپ پر قرضہ ہوتا اور تو وہ قرضہ اس کی طرف سے ادا کرتی تو کیا تم سے یہ قر قبول نہ کیا جاتا۔؟ عورت نے جواب دیا جی ہاں! قبول کیا جاتا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تو ا تعالیٰ کا قرض تجھ سے بطریق اولیٰ قبول کیا جائے گا۔

اس حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے فریضہ حج کو بندوں کے قرض پر قیاس فرمایا۔ کیونکہ دونوں دین اور قرض ہیں۔

مثال اول اور مثال دوم ہر دو سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ بھی ان مسائل میں قیاس فرماتے تھے، جن کے متعلق فی الحال وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ اور آج کل کے نام ونہاد اہل حدیث اس قیاس کے منکر ہیں۔ جو کہ دلیل شرعی ہے۔ دراصل قیاس کا حکم قرآن کریم میں ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ''قوله تعالى ۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ''

یعنی اے اہل عقل تم کو اعتبار کرنا ضروری ہے۔

نورالانوار میں ہے۔

''القياس حجة نقل و عقل اما النقل فقوله تعالى عز اسمه ''فاعتبروا يا اولى الابصار'' لان الاعتبار ردالشئى الى نظيره فكانه قال قيسوا الشئى على نظيره وهو شامل لكل قياس ۔ الخ۔''

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ قیاس کا حکم دلیل عقلی اور نقلی ہر دو سے ثابت ہے دلیل نقلی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جس کا معنی گزر چکا ہے۔ اور اعتبار کا معنی شئی کو اس کی نظیر کی طرف رد کرنا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ کے قول مبارک کا یہ معنی ہے کہ ایک شئی کو اس کی نظیر پر قیاس کرو۔ اور یہ ہر قیاس کو شامل ہے۔ تو قیاس کا دلیل شرعی ہونا نص سے ثابت ہوا۔ اور نیز قرآن سے ثابت ہوا کہ قیاس کرنا اہل عقل کا کام ہے۔ معلوم ہوا کہ قیاس کا منکر بے عقل ہے۔

دراصل بندہ اس مضمون میں آذان سے قبل اور بعد درود وسلام کے جواز پر دلائل پیش کر رہا ہے یہاں تک سات دلائل ختم ہوئے۔ اب بندہ آٹھویں دلیل نقل کرتا ہے۔

دلیل ہشتم :۔ بندہ قبل ازیں ذکر کر چکا ہے کہ قرآن پاک میں جہاں درود وسلام کا حکم ہے یہ حکم مطلق ہے کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں اور اس اطلاق میں آذان سے قبل اور بعد کے ہر دو وقت بھی داخل ہیں اور اس طرح حدیث مسلم شریف جو کہ گزر چکی ہے اس میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں۔ ''من صلّی علیّ صلوٰۃ صلی اللّٰہ بھا عشرا''

اس حدیث شریف میں بھی صلوٰۃ کا ذکر مطلق ہے جو کہ سب اوقات کو شامل ہے اور ان اوقات میں اذان سے قبل اور آذان کے بعد ہر دو وقت داخل ہیں لہذا آذان سے قبل اور بعد درود وسلام کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

اب بندہ اس دلیل ہشتم میں یہ ثابت کرتا ہے کہ کتاب وسنت کے اطلاقات کو اپنی رائے سے مقید کرنا کتاب اللہ اور اقوال واعمال صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے۔ پہلے کتاب اللہ ملاحظہ ہو۔ کتاب توضیح میں ہے۔

''لنا قوله تعالی ۔ لا تسئلو عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم ۔ فھٰذہ الآیة تدل علی ان المطلق یجری علی اطلاقه ولا یحمل علی التقیید لان التقیید یوجب التغلیظ والمساءۃ کما فی بقرۃ بنی اسرائیل''

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ احناف اپنی رائے سے کتاب وسنت کے اطلاقات کو مقید نہیں کرتے اور اس پر تین دلائل ہیں۔

دلیل اول :۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان مذکورہ بالا جس کا معنی یہ ہے کہ اے اہل ایمان ان چیزوں سے سوال نہ کرو کہ اگر وہ چیزیں تمہارے لئے ظاہر کی جائیں تو تم کو برا لگے۔ اس

آیت شریفہ سے پتہ چلا کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر جاری کیا جائے اور اس میں تقیید نہ کی جائے ۔کیونکہ تقیید میں شدت اور سختی ہے۔اور تنگی اور برائی اور نا گواری ہے۔جیسا کہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالی نے حکم فرمایا۔ " قوله تعالى - فا ذ بحوا بقرة "

اس آیت میں مطلق گائے کے ذبح کرنے کا حکم تھا عمر اور رنگ وغیرہما کی کوئی تقیید نہیں تھی۔اگر وہ کوئی گائے ذبح کر دیتے تو ان کے لئے کافی تھا لیکن یہود نے مطلق گائے کے قیود پوچھنا شروع کر دیئے اور اپنے نفسوں پر تشدید شروع کر دی۔تو اللہ تعالی نے بھی قیود لگا کر ان پر سختی فرمائی۔آج کل کے اہل بدعت کا بھی یہی طریقہ ہے۔کہ غیر ملکی اہل بدعت نے ایک سرکلر پاکستانی حکام کو بھیجا کہ آذان سے قبل اور بعد درود وسلام پڑھنا بدعت ہے اور اس سے مساجد کا تقدس مجروح ہوتا ہے۔

ان کا یہ سرکلر پاکستان کے اندرونی اور مذہبی امور میں کھلی مداخلت ہے۔جس کو پاکستان کے ناتجربہ کار حکام نہ سمجھ سکے۔اور پھر پاکستانی اہل بدعت نے تو بیرونی سرکلر کی حمایت میں طوفان بدتمیزی برپا کر دیا۔جس کا اہل سنت کی طرف سے شدید رد عمل ہوا۔اگر حکومت پاکستان اس سرکلر کی وضاحت نہ کرتی تو نا معلوم کتنا فتنہ وفساد برپا ہوتا یہ مساءۃ کی بدترین مثال ہے۔

دلیل دوم:۔ کتاب توضیح میں ہے۔ " قال ابن عباس رضی الله عنه ابهموا ما ابهم الله واتبعوا ما بيّن اى اتركوه على ابهامه والمطلق مبهم بانسبة الى المقيد المعين ۔ الخ "

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے جس چیز کو مبہم ذکر

فرمایاتم بھی اس کو مبہم رہنے دو، اور جس چیز کو بیان فرمایا اس کی اتباع کرو۔اور مطلق مقید معین کے لحاظ سے مبہم ہے۔لہذا مطلق کو مقید نہیں کیا جائے گا۔

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ مطلق اپنی تمام قیود کو شامل ہے ان تمام قیود کے لحاظ سے مبہم نہیں ہے۔البتہ کسی خاص معین قید کے لحاظ سے مبہم ہے۔اور اس کا متحمل نہیں ہے۔لہذا اس کے ساتھ کوئی خاص قید نہیں لگائی جا سکتی۔

دلیل سوم:۔ کتاب توضیح میں ہے۔" وعامة الصحابه ما قيدو : امهات النساء بالدخول الوارد في الربائب "

اکثر صحابہ نے عورتوں کی ماؤں کو دخول کے ساتھ مقید نہیں کیا جو ربائب کے بارے میں وارد ہے۔

نوٹ:۔ مسودہ اس جگہ ختم ہو گیا۔یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت استاذ الاساتذہ ابھی کچھ اور لکھنا چاہتے تھے لیکن انہیں اس کا موقع نہیں ملا۔۱۲ اشرف قادری۔

تحقیق ایمان ابوطالب

فرمودہ استاذ العلماء علامہ عطاء محمد چشتی گولڑوی

بندیالوی قدس سرہ العزیز

بندہ نے یہ مضمون اس امید پر لکھا ہے کہ

جب آنحضرت ﷺ اس فقیر حقیر سراپا تقصیر کے اعمال کا

ملاحظہ فرمائیں گے تو ہوسکتا ہے کہ یہ مضمون آپ ﷺ کی کوشنودی

کا باعث ہو۔اور اللہ تعالیٰ اس فقیر کے گناہ معاف کر دے۔

اور خاتمہ ایمان پر ہو جائے آمین

یا رب العالمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَزۡوَاجِہٖ وَاَوۡلِیَاءِ اُمَّتِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

اما بعد :۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی یہ سنت جاریہ ہے کہ دنیا میں وقفہ وقفہ سے ایسے علماء کرام پیدا فرماتا رہے گا جو کہ علماء سوء کی تاویلات باطلہ اور مبطلین کے مزعومات فاسدہ سے مسلمانوں کو متنبہ فرماتے رہیں گے۔ اور جتنا زمانہ نبوۃ ﷺ کے بعد اور قرب قیامت ہوگا اتنا ہی تاویلات زائغہ اور اعتقادات کاسدہ کی کثرت ہوگی۔ تا آنکہ قیامت اس وقت قائم ہوگی جب زمین پر اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہ ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ بھی اس دوران اپنی سنت جاری فرماتا رہے گا اور علماء زور کے مقابلہ میں علماء صدق پیدا فرماتا رہے گا۔ چنانچہ تاریخ دان حضرات پر واضح ہے کہ ہر دور میں صالحین نے مبطلین کا رد فرمایا۔ اور دین کی تجدید فرمائی۔ اسی سلسلہ کی کڑی میرے ایک عزیز حضرت مولانا العلامۃ جناب صائم چشتی ﴿رحمۃ اللہ علیہ﴾ فیصل آبادی ہیں۔ صائم صاحب کی تین تصانیف بندہ کی نظر سے گزری ہیں۔

اول :۔ گیارہویں شریف ہے چونکہ مبطلین نے اولیاء کرام کے ساتھ ایصال ثواب کو مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیۡرِ اللّٰهِ میں داخل کر دیا۔ اور حلال طیب کو حرام قطعی میں داخل کرنے کی سعی نامشکور کی۔ تو جناب صائم صاحب نے نہایت اچھوتے انداز میں مبطلین کا رد بلیغ فرمایا۔ اور کتاب مستطاب گیارہویں شریف تالیف فرمائی جو کافی مدت ہوئی کہ طبع ہو کر

ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو چکی ہے۔اوراب دوسرے ایڈیشن میں قدم رکھ رہی ہے۔

دوم:۔ کتاب شہید ابن شہید ہے۔کہ بعض خوارج نے حضرت سید الشہداء امام مظلوم، نبیرہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وعلی اولادہ الکرام پر زبان طعن دراز کی اور یزید اظلم علیہ ما علیہ کو حق بجانب ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔حضرت صائم کی حب اہل بیت کرام کی رگ پھڑکی اور کتاب مذکور بالا تصنیف فرما کر خوارج کا دندان شکن رد بلیغ فرمایا۔اور حمایت اورتائید اہل بیت کی سعادت سے اللہ تعالی نے صائم صاحب کوسرفراز فرمایا۔حالانکہ پاکستان میں مشاہیر علماء اہل سنت موجود ہیں۔یہ اللہ تعالی کی دین ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

سوم:۔ کتاب حضرت مولانا صائم چشتی نے حضرت ابوطالب عم النبی ﷺ کے ایمان کے متعلق تحریر فرمائی ہے۔اس کتاب کا مضمون اور موضوع ایک نہایت نازک مسئلہ ہے۔جس پر قلم اُٹھانا ہر کسی کا کام نہیں ہے بلکہ نامور علماء کا کام ہے۔مصنف فاضل نے اس مسئلہ کی تحقیق کا حق ادا کیا ہے کہ اپنی وسعت علمی اور کثرت معلومات کا ثبوت مہیا فرما کر اہل علم پر بڑا احسان فرمایا ہے۔اس فقیر محرر ایں سطور خادم الطلبہ عطاء محمد چشتی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے جناب صائم صاحب کی کتاب گیارہویں شریف پر مختصر تقریظ تحریر کی ہے۔جو شاید کتاب کی دوسری طبع میں شائع ہوگی اس مقام میں یہ فقیر سراپا تقصیر مولانا صائم صاحب کی تیسری تصنیف پر تبصرہ کرنا چاہتا ہے جس میں حضرت ابوطالب کے ایمان پر محققانہ بحث کی گئی ہے۔

اگر چہ تبصرہ اور تقریظ اختصار کی متقاضی ہے لیکن زیر تبصرہ مسئلہ ایسا دریا ہے کہ اس کو کوزے میں بند کرنا کم از کم اس فقیر کا مقدور نہیں ہے۔ اس لئے اگر تبصرہ میں طوالت ہو جائے تو بندہ قارئین سے معذرت خواہ ہے۔ تبصرہ سے قبل چند تمہیدی مقدمات پیش خدمت ہیں۔ تا کہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

مقدمہ اول :۔ ایمان میں دو چیزیں اہم ہیں۔

اول :۔ تصدیق۔ جس کا تعلق دل سے ہے۔ **دوم :۔** اقرار۔ جس کا تعلق زبان سے ہے۔

خلاصہ ہر دو چیز کا یہ ہے کہ دل تسلیم کرے کہ اللہ تعالی وحدہ لاشریک ہے اور محمد مصطفیٰ ﷺ صادق اور سچے ہیں۔ اور زبان سے ان ہر دو امر کا اقرار کیا جائے، جس کا خلاصہ " لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ " ہے۔

نوٹ :۔ بعض حضرات کی طرف سے مرتب پر سوال کیا گیا کہ کیا یہ واقعی استاذ العلماء رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون ہے۔؟ تو مرتب قارئین سے التماس کرتا ہے کہ مذکورہ مضمون استاذ العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں علامہ صائم چشتی کی کتاب "ایمان ابی طالب " کے ساتھ بطور تقریظ بارہا دفعہ طبع ہوا۔ تو اس وقت کسی نے بھی استاذ العلماء رحمۃ اللہ علیہ سے نہ پوچھا کہ کیا یہ مضمون آپ کا ہے۔؟ آج ان کے وصال سے چودہ سال بعد یہ سوال کیا جا رہا ہے کہ کیا یہ مضمون استاذ العلماء رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔؟ تو بندہ قارئین سے گزارش کرتا ہے کہ استاذ العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی لائبریری میں مذکورہ مضمون کا اصل مسودہ آج بھی موجود ہے۔ شائقین حضرات استاذ العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون کا اصل مسودہ مرتب سے ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ ۱۲

مولوی نذر حسین چشتی گولڑوی عفی عنہ۔

مقدمہ دوم:۔ تصدیق قلبی مسلمان سے کبھی ساقط اور معاف نہیں ہوتی۔خواہ کتنا ہی عذر اور خوف شدید کیوں نہ ہو۔لیکن اقرار،عذر اور اپنی جان کے خطرہ کے وقت ساقط اور معاف ہے۔یعنی اگر تصدیق قلبی موجود اور محکم ہے تو زبان پر کلمہ کفر جاری کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے۔اور اس کی دلیل قرآن پاک میں مذکور ہے۔

چناچہ فرمان الٰہی ہے۔

”مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ“

خلاصہ مقدمہ دوم کا یہ ہے کہ اگر تصدیق قلبی ہے تو زبان پر صریح کفر منافی ایمان نہیں ہے۔اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔تو اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ اگر تصدیق قلبی موجود ہے تو زبان پر ایسے کلمات جاری کرنا جو کفر صریح نہیں بلکہ دو معنیٰ کا احتمال رکھتے ہیں یعنی کفری اور غیر کفری،تو ایسے کلمات کا اجراء زبان پر جان کے خوف کے وقت بطریق اولیٰ منافی ایمان نہیں ہے۔اور اس میں بھی کسی ذی علم کو اختلاف نہیں ہوسکتا۔

مقدمہ سوم:۔ جب اپنی جان کو خطرہ لاحق ہو تو زبان پر اجراء کلمات کفر منافی ایمان نہیں ہے۔تو اگر اپنی جان کے ساتھ نبی ﷺ کی جان کو بھی شدید خطرہ لاحق ہو تو زبان پر اجراء کلمات کفریہ اجراء کلمات محتملہ بطریق اولیٰ منافی ایمان نہیں ہوگا۔

مقدمہ چہارم:۔ کفر کی کئی صورتیں ہیں۔

اول:۔ دل میں تصدیق نہیں ہے، اگرچہ زبان پر اقرار ہے۔

دوم:۔ بلا عذر اور اکراہ زبان پر اجراء کلمہ کفر۔

سوم:۔ ایسا فعل کرنا جو کہ کفر اور تکذیب پر دلالت کرے، اور کوئی جبر اور اکراہ نہیں ہے، جیسے بت کو سجدہ کرنا، یا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکنا۔

مقدمہ پنجم:۔ ایمان اور کفر کے دلائل بظاہر متعارض ہوں تو ایمان کے دلائل کو ترجیح ہوگی۔ اگرچہ دلائل ایمان ضعیف ہی کیوں نہ ہوں اور اس کی تصریح کتب فقہ میں ہے۔
"الاسلام یعلوا ولا یعلی" یعنی اسلام کفر پر غالب ہے مغلوب نہیں ہے۔

ابتداء میں عرض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے علماء کو پیدا فرمایا جنہوں نے حق کو ظاہر فرمایا اور تاویلات باطلہ کا ابطال فرمایا۔ مسئلہ ایمان حضرت ابی طالب بھی ایک اختلافی مسئلہ ہے قدیماً حدیثاً علماء کرام نے اس مسئلہ میں کتابیں اور رسائل تحریر فرمائے۔ اس فقیر کی معلومات کے مطابق ماضی قریب میں مولانا العلامہ محمد بن رسول برزنجی رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان ابی طالب پر ایک رسالہ تحریر فرمایا اور ایمان ابی طالب کو دلائل کثیرہ سے ثابت فرمایا۔ اس رسالہ میں علامہ برزنجی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دلائل سے جن سے مخالفین نے عدم ایمان ابی طالب پر استدلال کیا تھا انہیں دلائل سے علامہ برزنجی نے ایمان ابی طالب ثابت کیا۔ فاللہ درہ۔

علامہ برزنجی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات گیارہ صد تین ہجری ۱۱۰۳ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد اس مسئلہ پر حضرت علامہ سید احمد بن زینی دحلان مفتی الحرم رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ تحریر فرمایا جس

نام " اسنی المطالب فی نجات ابی طالب " ہے۔یہ دونوں رسالے عربی زبان میں ہیں اور دوسرا رسالہ پہلے سے ماخوذ ہے۔اور بہت ہی ماضی قریب میں حضرت مولانا علامہ مولوی محمد برخودار رحمۃ اللہ علیہ ملتانی محشی نبراس نے رسالہ

" اسنی المطالب فی نجات ابی طالب"

کا اردو میں ترجمہ فرمایا اور اس کا نام ہے

" القول الجلی فی نجاۃ عم النبی وابی علی"

اور اس کے بعد اس موضوع پر علامہ صائم چشتی کی تصنیف منیف ہے۔اللہ تعالی زور قلم زیادہ عطا فرمائے۔

مقدمہ ششم :۔ علوم دینیہ کے کئی شعبے ہیں، تدریس، افتاء، قضاء، تبلیغ، مناظرہ، تصنیف وتالیف اور ظاہر ہے کہ ایک آدمی یہ سارے کام نہیں کرسکتا۔لہذا علماء کو یہ تمام کام باہم تقسیم کرنے ہوں گے۔تو جب کوئی صاحب علم کسی ایک کام کو اختیار فرما کر سعی بلیغ کرتا ہے تو اس فقیر کو بڑی خوشی ہوتی ہے کہ اس عالم دین کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہے اور یہ کہ اس نے علماء کا ہاتھ بٹایا ہے۔ان چھ تمہیدی مقدمات کے بعد بندہ مختصر طور پر اصلی مقصد بیان کرتا ہے۔ " ولنعم ما قیل " تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی۔

ایمان ابی طالب کے دلائل:۔

یہاں حضرت ابو طالب کے ایمان پر دلائل ملاحظہ ہوں۔

دلیل اول:۔ حضرت ابو طالب کے کتب تاریخ میں کئی اشعار اور خطبات منقول ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ابو طالب کے دل میں تصدیق بالنبوۃ تھی۔ اور انہوں نے زبان سے بھی اقرار کیا ہے۔ یہاں نمونہ کے طور پر بعض اشعار اور خطبات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

شعر

ولقد علمتُ بانَّ دین محمدٍ　　مِن خیر ادیانِ البریّة دینا

یعنی میں نے یقیناً جان لیا ہے کہ محمد ﷺ کا دین تمام لوگوں کے دین سے افضل ہے۔

شعر

الم تعلمُوا انّا وَجدْنا محمداً　　رسولاً کموسیٰ صحّ ذالك فی الکُتبِ

یعنی تم سب لوگ جانتے ہو کہ محمد ﷺ اسی طرح رسول ہیں جیسے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور یہ بات آسمانی کتابوں سے ثابت ہے۔

شعر

وشقّ له من اسمِهٖ لیُجلّه　　فَذُو العَرشِ محمودٌ وهذا محمد

یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے اسم محمود سے آنحضرت ﷺ کا نام مشتق فرمایا ہے۔ آنحضرت کی عزت افزائی کے لئے اور یہ شعر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب ہے اور اس صورت میں یہ شعر من قبیل توارد ہوگا۔

اب خطبات کے چند الفاظ ملاحظہ ہوں۔ حضرت ابو طالب نے قریش کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔

" واللہ لکانی بہ وقد غلب ودانت لہ العرب والعجم فلا یسبقنکم الیہ سائر العرب فیکونوا اسعد بہ منکم "

یعنی میں نور فراست سے دیکھ رہا ہوں کہ آنحضرت ﷺ غالب ہیں۔ اور عرب وعجم ان کا مطیع ہے۔ اے قریش ایسا نہ ہو کہ دوسرے عرب اس سعادت ایمانی میں تم پر سبقت لے جائیں۔ اور وہ زیادہ سعادت حاصل کرلیں۔ یعنی تم قریش آپ کے ساتھ صرف ایمان ہی نہ لاؤ بلکہ اسلام اور ایمان میں سبقت اور پہل کرو۔ ایک اور خطبہ میں ہے۔

" یا معشر قریش کونوا لہ ولاۃ ولحزبہ حماۃ واللہ لا یسلک احد سبیلہ الارشد ولا یأخذ احد بھدیہ الا سد "

یعنی اے قریش تم آنحضرت ﷺ کے محبّ اور آپ سے قریب ہو جاؤ۔ اور آپ کے گروہ کے مددگار بنو۔ خدا کی قسم جو آپ کا راستہ اختیار کرے گا وہ ہدایت پا گیا۔ اور جو آپ کی سیرت پر عمل کرے گا وہ نیک بخت ہے۔ ایک اور خطبہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

" لن تزالو ابخیر ماسمعتم من محمد وما اتبعتم امرہ فاطیعوہ ترشدوا "

قریش کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا جب تک تم لوگ محمد ﷺ کی بات سنو گے اور آپ کے امر اور حکم کی اتباع کرو گے تم ہمیشہ بھلائی اور نیکی میں رہو گے۔ لہذا آپ کی اطاعت کرو۔ رہنمائی پاؤ گے۔

مذکورہ بالا اشعار اور خطبات علامہ برزنجی رحمۃ اللہ علیہ اور سید احمد زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسائل میں مستند تواریخ سے نقل فرمائے ہیں۔ اور ان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابی طالب کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کی تصدیق قلبی اور اقرار لسانی دونوں حاصل تھے۔ اور وہ

ظاہر اور باطن میں مومن تھے۔ مذکورہ بالا دلیل سے حضرت ابو طالب کے اپنے اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مومن مصدق مقر تھے۔ اب دوسری دلیل ملاحظہ ہو کہ آنحضرت ﷺ کا اپنے چچا حضرت ابو طالب کے متعلق کیا عقیدہ تھا۔

دلیل دوم:۔ اس دلیل سے یہ امر ثابت کیا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ اپنے چچا ابو طالب کو مسلمان اور مومن جانتے تھے۔ دلیل ذکر کرنے سے قبل ایک تفصیل ملاحظہ ہو تا کہ دلیل کے سمجھنے میں آسانی پیدا ہو۔

حضرت عبدالمطلب کے وصال کے بعد مکہ مکرمہ میں سخت قحط پڑا اہل مکہ نے حضرت ابو طالب سے بارش کیلئے دعا کی التماس کی۔ تو حضرت ابو طالب آنحضرت ﷺ کو لے بیت اللہ شریف میں گئے اور آپ ﷺ کے توسل سے بارش کی دعا فرمائی۔ تو بڑی زبردست بارش ہوئی۔ یہ واقعہ بعثت سے پہلے کا ہے۔ اور بعد از بعثت قریش مکہ نے آنحضرت ﷺ کو تنگ کیا اور آپ کے آزار اور تکلیف کے درپے ہوئے۔ تو پھر حضرت ابو طالب نے قریش کو آنحضرت ﷺ کا احسان اور برکت جتلائی۔ جو کہ قبل از بعثت صغر سنی میں تھی۔ اور یہ شعر پڑھا۔

شعر

وَأَبْيَضُ يُستسقَى الغَمامُ بوجهه ثِمالُ اليتامیٰ عِصمةٌ للأرامِل

خلاصہ شعر کا ملاحظہ فرمایئے۔ یہ گورے رخسار والا جس کے طفیل اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کی جاتی ہے اور یتیموں کی جاء پناہ اور بیوگان کا محافظ ہے۔

پھر مدینہ منورہ میں قحط پڑا اور ایک اعرابی نے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر بارش

التجا کی اور آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ اور سخت بارش ہوئی۔ اور جب لوگ بارش سے تنگ آ گئے اور بارش کی بندش کی التماس کی اور آپ ﷺ کی دعا سے بارش بند ہوئی۔ اس تفصیل کے بعد دلیل دوم ملاحظہ ہو۔

آپ نے اس موقع پر فرمایا ''لِلّٰہِ دُرٌّ ابی طالب لو کان حیًا لقرّتْ عَیْنَاہُ''

یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت ابوطالب کو بڑی خیر کثیر عطاء فرمائی ہے۔ اگر آج زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔ آنحضرت ﷺ کے مذکورہ بالا الفاظ مبارکہ سے ایمان ابی طالب پر دو وجہ سے دلیل ہے۔

اول:۔ یہ کہ آپ نے شہادت دی کہ حضرت ابوطالب کو اللہ تعالیٰ نے خیر کثیر عطا فرمائی ہے اور جس کی موت کفر پر ہو اس کے لئے خیر کثیر کا اثبات نہیں کیا جاتا۔ اور کافر کے متعلق پیغمبر ﷺ ایسے الفاظ نہیں استعمال فرما سکتے۔ حضرت ابوطالب کو اللہ تعالیٰ نے یہی خیر کثیر عطا فرمائی کہ جب تک زندہ رہے تو اللہ تعالیٰ کے محبوب کی زبردست اعانت فرمائی۔ اور اس کی وجہ سے قریش نے آپ سے ترک موالات کی اور آپ کو مکہ شریف سے نکل کر تین سال شعب ابی طالب میں گزارنے پڑے۔ اور جب مرے تو خاتمہ ایمان پر ہوا۔

دوم:۔ آپ نے اس موقع پر فرمایا۔ اگر حضرت ابوطالب آج زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور وہ خوش ہوتے۔ آنحضرت ﷺ کا مدینہ شریف میں بارش اور اس کی بندش کے لئے دعا مانگنا اور پھر دعا کا قبول ہونا یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے اور پیغمبر علیہ السلام کے معجزہ پر مومن ہی خوش ہو سکتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ آپ حضرت ابوطالب کو مومن جانتے تھے۔

دلیل سوم:۔ ابن سعد نے طبقات میں اسناد صحیح کے ساتھ اور ابن عساکر ہر دو نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث نقل فرمائی۔

" انہ سال رسول اللہ ﷺ ما ترجوا لابی طالب قال کل الخیر ارجوا من ربی "

یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ ابی طالب کے متعلق آپ کو کیا امید ہے۔؟ تو فرمایا میں اپنے رب سے ابوطالب کے متعلق مکمل خیر کی امید رکھتا ہوں۔ مذکورہ بالا حدیث میں لفظ " کل الخیر ارجوا من ربی " ایمان ابی طالب پر دو وجہ سے دلیل ہے۔

اول:۔ مکمل خیر کی امید مومن کے لئے ہی ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابو طالب آنحضرت ﷺ کے نزدیک مومن تھے۔

دوم:۔ مکمل خیر دخول الجنۃ ہے اور دخول جنت مومن کے ساتھ خاص ہے، جس کی موت کفر پر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔

" ان اللہ لا یغفر ان یشرك بہ ۔ الآیۃ "

یعنی اللہ تعالیٰ کافر کی ہرگز بخشش نہیں کریگا۔ تو معلوم ہوا کہ ابوطالب جنت میں داخل ہوں گے۔ (ازالہ وہم) بعض لوگ اس دلیل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ابوطالب کے عذاب میں آنحضرت ﷺ کی وجہ سے تخفیف ہوئی۔ جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث شریف میں ہے۔ تو یہ جواب مردود ہے۔ کیونکہ عذاب شر ہے اس میں کوئی خیر نہیں ہے چہ جائیکہ کہ کامل خیر ہو۔

دلیل چہارم:۔ مسلم شریف میں ہے۔

" عن عبداللہ بن حارث قال سمعت العباس یقول قلت یارسول اللہ ﷺ ان ابا طالب کان یحو طك وینصرك ویغضب لك فهل نفعه ذالك ۔؟ قال نعم وجدته فی غمرات من النار فاخرجته الی ضحضاح "

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ ابوطالب آپ کی رعایت اور مدد کرتا تھا اور آپ کے لئے لوگوں پر ناراض ہوتا تھا کیا اس بات نے اس کو نفع دیا۔؟ آپ نے فرمایا ہاں نفع دیا ہے۔ میں نے اس کو بلند آگ میں پایا۔ پس میں نے اس کو نہایت پتلی اور ہلکی آگ کی طرف نکالا۔ مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے۔

" عن عباس ابن عبد المطلب انه قال یارسول اللہ ﷺ هل نفعت ابا طالب بشئی فانه کان یحو طك ویغضب لك قال ﷺ نعم هو فی ضحضاح من نار ولولا انا لکان فی الدرك الاسفل من النار "

اس حدیث اور پہلی حدیث کا ترجمہ تقریباً ایک جیسا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ دوسری حدیث میں یہ ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ نے ابوطالب کو کوئی نفع دیا ہے۔؟ آپ نے فرمایا میں نے نفع دیا ہے۔ وہ پتلی آگ میں ہے۔ اگر میری سفارش نہ ہوتی تو دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہوتا۔

ہر دو حدیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی برکت اور سفارش سے حضرت ابوطالب کے عذاب میں تخفیف ہوئی حالانکہ قرآن پاک میں کفار کے متعلق وارد ہے۔

"لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ "

یعنی نہ تو کافروں کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

یہ آیت یا حدیث مبارکہ سب کفار کے لئے ہے۔ کسی کافر کی تخصیص نہیں ہے۔ اور حنفی اصول کے مطابق ابتدأ ء وہ مخصص ہوتا ہے۔ کہ قرآن کی آیت یا حدیث متواتر ہو اور مذکورہ بالا دو حدیث متواتر نہیں ہیں تو اگر حضرت ابو طالب کا خاتمہ کفر پر ہوتا تو ان کے عذاب میں کبھی تخفف نہ ہوتی۔ چونکہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوئی ہے لہذا وہ مومن ہیں۔ ان ہر دو حدیث کا بعض لوگ جواب دیتے ہیں۔ یہ جواب اور اس کا رد دلیل پنجم کے بعد دیا جائے گا۔ انشاءاللہ تعالی۔

دلیل پنجم :۔ مسلم شریف میں ہے۔

" عن ابی سعید الخدری ان رسو ل الله ﷺ ذکر عندہ عمه ابوطالب فقال لعله تنفعه شفاعتی یوم القیامة فیجعل فی ضحضاح من النار فیبلغ کعبیه یغلی منه دماغه "

خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک آپ کے چچا حضرت ابوطالب کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ امید ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت ان کو نفع دے گی۔ اور پتلی آگ میں داخل کیا جائے گا۔ جو ٹخنوں تک ہوگی۔ اور اس کا دماغ اس آگ سے جوش کرے گا۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ قیامت میں حضرت ابوطالب کی شفاعت کریں گے۔ اور یہ شفاعت حضرت ابوطالب کو نفع دے گی۔ حالانکہ قرآن پاک میں ہے " فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ "

یعنی کفار کو شفاعت کنندگان کی شفاعت نفع نہ دے گی۔ یہاں کفار اور شفاعت

کنندگان ہر دو میں تعمیم ہے۔ یعنی کسی کافر کو کسی شافع کی شفاعت نفع نہ دے گی۔ اور حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت ابو طالب کو آنحضرت ﷺ کی شفاعت نفع دے گی۔ تو اگر حضرت ابو طالب کی موت کفر پر ہے تو پھر شفاعت نفع نہ دے گی اور جب کہ شفاعت نفع دے گی تو معلوم ہوا کہ ابو طالب مومن ہیں۔ یہاں دلیل چہارم اور پنجم پر منکرین ایمان حضرت ابو طالب پر دو اعتراض کرتے ہیں۔ یا یوں کہئے کہ ان دلیلوں کے دو جواب دیتے ہیں۔

جواب اول:۔ آنحضرت ﷺ کی شفاعت کے کئی اقسام ہیں اور ان اقسام سے ایک قسم یہ ہے کہ آپ کی شفاعت سے کافر کے عذاب میں تخفیف ہو سکتی ہے اور تخفیف کی یہ شفاعت بعض کفار کو نفع دے سکتی ہے۔ لہذا ابو طالب کی تخفیف اور نفع شفاعت آیات کی منافی نہیں ہے۔ اور یہ شفاعت آپ کا خاصہ ہے۔ یہ جواب کئی وجوہ سے درست نہیں ہے۔

وجہ اول:۔ قبل ازیں گزر چکا ہے کہ احناف کے نزدیک عمومات قرآنی قطعیت کا فائدہ دیتی ہے۔ اور عمومات کے لئے ضروری ہے کہ ان کا ابتدائی مخصص قطعی ہو۔ یعنی قرآن کی آیت یا حدیث متواتر تو جس مخصوص شفاعت کا ذکر کیا گیا ہے یہ کسی دلیل قطعی سے ثابت نہیں ہے۔ لہذا یہ شفاعت عمومات قرآنی کی تخصیص نہیں کر سکتی۔ عمومات قرآنی کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے۔ یعنی

"قولہ تعالی ۔ لا یخفف عنهم العذاب ۔ فما تنفعهم شفاعة الشافعين"

وجہ دوم:۔ یہ مخصوص شفاعت دلیل چہارم اور پنجم میں مذکور ہر دو احادیث سے اخذ کی گئی ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کی برکت اور شفاعت سے حضرت ابو طالب کے عذاب

میں تخفیف ہوئی۔تو جو علماء حضرت ابو طالب کے ایمان کے قائل نہیں ہیں ان پر اعتراض وارد ہوا کہ نص قطعی سے ثابت ہے کہ کفار کے عذاب میں نہ تخفیف ہوگی اور نہ ان کو کسی کی شفاعت نفع دے گی۔اور تم لوگ حضرت ابو طالب کے کفر کے قائل ہو تو پھر کافر کو یہ تخصیص کیوں ہوئی۔؟اور ان کو شفاعت نے کیوں نفع دیا۔؟تو ان علماء نے اس مخصوص شفاعت کا سہارا لیا کہ آنحضرت ﷺ کے لئے ایک خاص شفاعت ہے کہ کافر کو بھی نفع دے سکتی ہے۔خلاصہ یہ کہ یہ قسم شفاعت کفر ابی طالب پر مبنی ہے اور اس شفاعت کو ان ہر دو احادیث سے اس بنا پر اخذ کیا گیا کہ حضرت ابو طالب کافر تھے۔تو جب ہم نے حضرت ابو طالب کا ایمان ثابت کر دیا تو اس شفاعت کا مبنی فاسد ٹھہرا۔

لہذا شفاعت والا جواب نہایت کمزور ٹھہرا۔اور ہر دو احادیث سے اس شفاعت کا اخذ بھی باطل ہوا۔کیونکہ ان ہر دو احادیث سے تو حضرت ابو طالب کا ایمان ثابت ہوا۔تاکہ یہ احادیث قرآن کے معارض نہ ہوں۔تو ان احادیث سے یہ شفاعت خاصہ ثابت نہ ہوئی۔قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے کہ منکرین ایمان ابو طالب، ہر دو حدیث مذکورہ بالا کے دو جواب دیتے ہیں۔ یہاں تک ایک جواب اور اس کا دو وجہ سے رد کیا گیا ہے۔اب منکرین کا دوسرا جواب ملاحظہ ہو۔

جواب دوم:۔ جس طرح ابو طالب کے عذاب میں تخفیف ہوئی ہے اسی طرح ابولہب کے عذاب میں بھی تخفیف ہوئی اور اس تخفیف کا ذکر بھی کتب حدیث میں ہے۔ تو حضرت ابو طالب کی تخفیف عذاب سے اگر ان کا مومن ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر ابولہب کی تخفیف سے بھی اس کا مومن ہونا ثابت ہو جائے گا۔کیونکہ نص قرآنی کے مطابق کافر کے عذاب میں تخفیف نہیں ہو سکتی۔حالانکہ ابولہب کے ایمان کا تو کوئی قائل نہیں ہے۔تو یہ جواب

بھی چندوجوہ سے مردود ہے۔

وجہ اول:۔ ابولہب کو کسی نے خواب میں دیکھا اوراس سے دریافت کیا تو ابولہب نے کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی ولادت کی خوشی میں اپنی لونڈی آزاد کی تھی جس کی وجہ سے مجھے انگلی سے پانی ملتا ہے برخلاف حضرت ابو طالب کے کہ ان کے متعلق خود آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ میری شفاعت ابوطالب کونفع دے گی۔اور وہ پتلی آگ میں ڈالا جائے گا۔

وجہ دوم:۔ ابولہب کا واقعہ خواب کا ہے۔جو کسی کو آئی تھی اور خواب حجت اور دلیل نہیں ہے برخلاف حضرت ابوطالب کے کہ آپ کی تخفیف عذاب فرمان نبوی سے ثابت ہے۔ اور یہ کوئی خواب کا واقعہ نہیں ہے۔

وجہ سوم:۔ جس آدمی نے ابولہب کو خواب میں دیکھا تھا وہ اس وقت مسلمان نہیں تھا۔لہذا اس کی بات قابل اعتماد نہیں ہے۔

وجہ چہارم:۔ حضرت ابوطالب کے ایمان پر دلائل گزر چکے ہیں کہ ان کے دل میں تصدیق تھی اور زبان سے اقرار کیا اور آنحضرت ﷺ کی تمام عمر عزت کی۔دشمن کے شر سے آپکو بچایا لہذا ابوطالب کے ایمان کا اقرار کرنا ہوگا برخلاف ابولہب کے کہ اس نے ساری عمر آنحضرت ﷺ کو تکلیف دی ہے۔اور آپ کے حق میں گستاخیاں کیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ابولہب نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے یہ گستاخانہ الفاظ کہے "تبّاً لّک" یعنی تیرے لئے ہلاکت ہے۔العیاذ باللہ۔

اس گستاخی سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کو اتنا غصہ آیا کہ ابولہب کی مذمت میں پوری ایک

سورۃ قرآن پاک میں نازل فرمائی۔ جب حضرت ابو طالب سے کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ کی وجہ سے ترک موالات کیا اور ابو طالب کو آنحضرت ﷺ کی جان کا خطرہ پیدا ہوا تو ابو طالب مکہ چھوڑ کر باہر شعب ابی طالب میں چلے گئے۔ تو تمام بنو ہاشم نے حضرت ابو طالب کا ساتھ دیا خواہ وہ مسلمان تھے یا کافر۔ لیکن ابولہب جو کہ حضرت ابو طالب کا بھائی تھا یہ ابو طالب کے ساتھ نہیں گیا تھا۔ اور کفار مکہ کا ساتھ دیا۔ کیونکہ اس کی بیوی ابوسفیان کی بہن تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو طالب اور ابولہب میں زمین آسمان سے زیادہ فرق ہے۔ تو صرف خواب کی بناء پر ابولہب کو مسلمان نہیں کہا جا سکتا۔ یہاں تک بندہ نے حضرت ابو طالب کے ایمان پر پانچ دلائل ذکر کئے ہیں اور منکرین ایمان ابو طالب نے چونکہ بعض دلائل کے جواب دے ان جوابات کو ذکر کر کے ان کا رد کیا گیا ہے۔ اب دلیل ششم ملاحظہ فرمائیں۔

دلیل ششم:۔ ترمذی، ابو داؤد اور ابن ماجہ میں حدیث شریف ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”شفاعتی لاهل الکبائر من امتی“

یعنی میری امت سے جنہوں نے کبائر کا ارتکاب کیا ہے میں ان کی شفاعت کروں گا اور یہ امر مسلم ہے کہ ان اہل کبائر سے مراد مسلمان اور مومن ہیں۔ کیونکہ کافر کے لئے شفاعت نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ اور چونکہ حدیث سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابو طالب کے لئے شفاعت ہوگی۔ اور شفاعت ان کو نفع بھی دے گی لہذا حضرت ابو طالب بھی مذکورہ بالا حدیث میں داخل ہیں۔ اور مسلمان ہیں۔

دلیل ہفتم:۔ محدث ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث

نقل فرمائی ہے۔

"عن ابن عباس ان ابا طالب لما تقارب منه الموت بعد ان عرض علیه النبی ﷺ ان یقول لا اله الله فابیٰ قال فنظر العباس الیه وهو یحرك شفتیة فاصغیٰ الیه فقال یا ابن اخی والله لقد قال اخی الکلمة التی امرته ان یقولها"

خلاصہ حدیث یہ ہے کہ جب حضرت ابو طالب قریب المرگ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو فرمایا کہ کلمہ " لا الہ اللہ " پڑھو۔ تو ابو طالب نے انکار کیا اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ابو طالب اپنے ہونٹوں کو حرکت دے رہے ہیں۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا کان ابو طالب کی طرف جھکایا اور آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کی کہ جس کلمہ طیبہ کا آپ نے ابو طالب کو حکم فرمایا تھا وہ کلمہ میرے بھائی (ابو طالب) نے پڑھ لیا ہے۔

تو اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ اگر چہ ایک دفعہ کلمہ پڑھنے سے انکار کیا لیکن اس کے بعد قبل از مرگ " لا الہ اللہ " پڑھ لیا۔ تو ان کی موت ایمان پر ہوئی۔ منکرین ایمان ابو طالب اس حدیث کے کئی جواب دیتے ہیں۔

جواب اول:۔ اس حدیث کے راوی حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور وہ اس وقت مسلمان نہیں تھے۔ لہذا یہ حدیث قابل حجت نہیں ہے۔ یہ جواب چند وجوہ سے مردود ہے۔

وجہ اول:۔ یہ درست ہے کہ حضرت ابو طالب کی موت کے وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن ہمارا استدلال محض حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ

حدیث سے نہیں ہے بلکہ ہمارا استدلال اس طرح ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو ابو طالب کے کلمہ پڑھنے کے متعلق عرض کی تو آنحضرت ﷺ خاموش رہے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بیان کی تقریر فرمائی۔ تو گویا آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بات کو درست تسلیم کیا۔ تو بندہ کا استدلال اس تقریر سے ہے کیونکہ اصول حدیث میں تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) قول (۲) فعل (۳) تقریر۔ اور تقریر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی فعل کا مشاہدہ فرما دیں یا کوئی بات سنیں اور سکوت فرما دیں تو یہ سکوت دلیل ہے کہ وہ فعل اور قول درست اور صحیح ہے۔

وجہ دوم:۔ مذکورہ بالا حدیث کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور اپنے والد سے روایت کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث اپنے والد سے بعد از اسلام حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔ یہاں تک منکرین ایمان ابو طالب کے جواب اول کا رد ہے۔ اب ان کا جواب دوم ملاحظہ فرمائیں۔

جواب دوم:۔ مسلم شریف میں ایک حدیث ہے۔

”لما حضرت ابا طالب الوفاة جاءہ رسول الله ﷺ فوجد عندہ ابا جهل وعبدالله بن امية بن المغيرة فقال رسول الله ﷺ ياعم قل لا اله الا الله كلمة اشهد لك بها عندالله فقال ابوجهل وعبدالله بن امية يا ابا طالب اترغب عن ملة عبدالمطلب فلم يزل رسول الله ﷺ يعرضها عليه ويعيدله تلك المقالة حتىٰ قال ابوطالب آخر ماكلمهم هو على ملة عبدالمطلب وابى ان يقول لا اله

الا الله الحدیث"

خلاصہ حدیث شریف یہ ہے کہ جب ابو طالب کی موت کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ ان کے پاس آئے تو ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ بھی ابوطالب کے پاس بیٹھے تھے۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے چچا لا الہ الا اللہ پڑھو تاکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میں تمہارے کلمہ کی گواہی دوں گا۔ تو ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے ابوطالب کو کہا کہ تو حضرت عبدالمطلب کے دین سے پھرتا ہے۔؟ تو آنحضرت ﷺ ابوطالب پر بار بار کلمہ طیبہ پیش کرتے رہے تو حضرت ابوطالب نے ابوجہل وغیرہ سے جو آخری کلام کی وہ یہ تھی۔ کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔ اور کلمہ طیبہ پڑھنے سے انکار کیا۔

منکرین ایمان ابوطالب کہتے ہیں کہ حدیث ابن اسحاق سے ابوطالب کا ایمان ثابت ہوتا ہے اور حدیث مسلم شریف سے ان کا کفر ثابت ہوتا ہے تو ہر دو حدیث میں تعارض ہے۔ تو چونکہ مسلم شریف کی حدیث اصح ہے لہٰذا اس کو ترجیح گی۔ یہ جواب کئی وجہ سے مردود ہے۔

وجہ اول:۔ حدیث ابن اسحاق اور حدیث مسلم شریف میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ مسلم شریف میں یہ الفاظ ہیں۔ " آخر ما کلمھم ھو " یعنی ابوجہل وغیرہ کے ساتھ ابوطالب کی آخری کلام یہ تھی، اور حدیث ابن اسحاق کے یہ الفاظ ہیں۔ " بعد ان عرض النبی ﷺ ان یقول لا الہ الا اللہ فابیٰ الحدیث " یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو ابوطالب سے کلمہ طیبہ سنا تو یہ ابوجہل وغیرہ سے کلام کرنے کے بعد کا واقعہ ہے تو انکار ابوطالب پہلے ہے۔ اور کلمہ طیبہ بعد میں۔ تو زمانہ کا اختلاف ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔ تعارض تب ہوتا کہ مسلم شریف کے یہ لفظ ہوتے " قال ابو طالب آخر کلامہ "

یعنی ابو طالب کی آخری کلام یہ تھی۔ حالانکہ الفاظ اس طرح نہیں ہیں۔ منکرین پر حیرت ہوتی ہے کہ مسلم شریف کے واضح الفاظ کے باوجود اسے متعارض قرار دیا۔

وجہ دوم:۔ منکرین ایمان ابو طالب نے حدیث مسلم کو اصح کہا ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک حدیث ابن اسحاق صحیح ہے۔ تو اب منکرین کے نزدیک صحیح اور اصح میں تعارض ہے۔ تو بندہ کہتا ہے کہ یہاں ایمان ابو طالب میں صحیح کو ترجیح ہے کیونکہ بندہ قبل ازیں مقدمہ میں ذکر کر آیا ہے " الاسلام یعلوا ولا یعلیٰ " یعنی ایمان اور کفر کے دلائل میں تعارض ہو تو اسلام کو ترجیح ہے۔ اگرچہ اسلام کے دلائل کمزور ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسا کہ فقہاء کا قاعدہ ہے۔

وجہ سوم:۔ منکرین ایمان ابو طالب نے حدیث مسلم شریف کو اصح کہا ہے کہ یہ صحیحین کی حدیث ہے اور ابن اسحاق کی حدیث صحیحین کی حدیث نہیں ہے تو بندہ اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ حدیث مسلم اس لئے اصح ہے اور اس کو ترجیح اس وجہ سے ہے کہ یہ حدیث مسلم شریف میں ہے۔ دیکھئے مسلم شریف میں ایک حدیث ہے جس سے آنحضرت ﷺ کے والد ماجد کا کافر ہونا ثابت ہوتا ہے حالانکہ محققین کے نزدیک ترجیح ان احادیث کو حاصل ہے جن سے آپ کے والدین کریمین کا مسلمان ہونا ثابت ہے حالانکہ ایمان کی احادیث صحیحین میں نہیں ہے۔ اس طرح حضرت ابو طالب کے ایمان کی حدیث اگرچہ صحیحین میں نہیں ہے لہذا اس کو ترجیح ہوگی۔

وجہ چہارم:۔ حدیث شریف میں تصریح ہے کہ حضرت ابو طالب نے موت

کے وقت فرمایا کہ میں عبدالمطلب کی ملت پر ہوں۔ اور لا الہ الا اللہ سے انکار کیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محققین اہل سنت کے نزدیک حضرت عبدالمطلب موحد تھے۔ تو عبدالمطلب کی ملت پر ہونا توحید کا اقرار ہے اور پھر لا الہ الا اللہ بھی تو کلمہ توحید ہے۔ حالانکہ اس کلمہ سے انکار کیا ہے تو گویا توحید کا اقرار بھی ہے اور انکار بھی اور یہ صریح تعارض ہے۔ تو اس تعارض کا جواب یہی ہوگا کہ ملت عبدالمطلب یہ توحید اجمالی ہے۔ اور لا الہ الا اللہ یہ توحید تفصیلی ہے، تو توحید اجمالی کا اقرار کیا ہے اور توحید تفصیلی سے انکار۔ تو حضرت ابو طالب توحید اجمالی کے لحاظ سے موحد اور مسلمان ہوئے۔ کیونکہ علم کلام میں تصریح ہے کہ ایمان اجمالی مومن ہونے کیلئے کافی ہے اور توحید تفصیلی سے انکار ابو طالب کے ایمان کے منافی نہیں ہے۔ لہذا اس وقت حضرت ابو طالب مکرہ تھے۔ اگر اس وقت صراحۃً اپنے ایمان کا اقرار کرتے تو ان کو اپنی جان اور آنحضرت ﷺ کی جان کا خطرہ تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ کفار قریش اپنے ہم مذہب کا بڑا لحاظ کرتے تھے اگر چہ وہ معمولی آدمی ہوتا تھا۔ چہ جائیکہ وہ آدمی بڑے رتبے والا ہو اور جو آدمی مسلمان ہو جاتا تھا تو اس کی جان کے دشمن ہو جاتے تھے۔ تو حضرت ابو طالب قریش سے ایسی کلام فرماتے تھے کہ قریش یہ وہم کرتے تھے کہ ابو طالب ہمارے مذہب سے ہیں اور اس وجہ سے قریش قتل جیسے اقدام سے اجتناب کرتے تھے۔ چنانچہ کتب حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابو طالب کی موت کے بعد فرماتے تھے کہ حضرت ابو طالب کی موت کے بعد قریش نے مجھے ایسی ایذا دی کہ ابو طالب کی زندگی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

" وکان ﷺ یقول لما مات ابوطالب نالت قریش منی الاذیٰ مالم

تکن تطمع فیہ فی حیاۃ ابی طالب"

یعنی آنحضرت ﷺ حضرت ابو طالب کی موت کے بعد فرماتے تھے کہ قریش نے مجھے ایذاء اور تکلیف دی ہے کہ حضرت ابو طالب کی زندگی میں ایسی ایذاء کا خیال بھی نہ کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ کفار قریش نے حضرت ابو طالب کو یہ پیشکش کی کہ آپ ہم سے دگنا خون بہا لے لیں اور آنحضرت ﷺ کو قریش کے سپرد کر دیں کہ وہ آپ کو قتل کر دیں لیکن حضرت ابو طالب اور دوسرے بنو ہاشم نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اور مکہ مکرمہ چھوڑ کر شعب ابی طالب میں چلے گئے۔ خلاصہ وجہ چہارم یہ ہے کہ اگر ابو طالب علانیہ اپنے ایمان کا اظہار فرماتے تو ان کو اپنی اور اپنی اولاد اور آنحضرت ﷺ کی جان کو خطرہ تھا۔ اسلئے کفار قریش کے سامنے گاہے (کبھی) ایسے الفاظ استعمال فرماتے تھے جن میں ایمان و کفر دونوں کا احتمال ہوتا تھا۔ اور گاہے زبان پر صریح کفر بھی جاری کرتے تھے لیکن دل ایمان سے مامور ہوتا تھا۔

بندہ اس مقام پر حضرت ابو طالب کے ایمان پر دلائل نقل کر رہا ہے اور منکرین ایمان ابو طالب نے ان دلائل کے جو جواب دیئے ہیں ان کا ساتھ ساتھ رد بھی کر رہا ہے۔ یہاں تک ایمان ابو طالب پر سات دلائل آ چکے ہیں۔ اب دلیل ہشتم ملاحظہ فرمائیں۔

دلیل ہشتم:۔ صحیح مسلم شریف میں ہے۔

"عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قال ان اھون اھل النار عذاباً ابو طالب الخ"

دلیل کی تقریر سے قبل ایک مقدمہ ملاحظہ ہو۔ لفظ نار کا اطلاق گرم دوزخ کے تمام طبقات پر ہوتا ہے اور اہل نار دو قسم ہیں۔

قسم اول:۔ مومن عاصی مرتکب الکبیرۃ۔

قسم دوم:۔ جس کی موت کفر پر ہے۔

اور چونکہ کفر اکبر کبائر سے ہے لہذا اس کا عذاب دوسرے تمام کبائر سے شدید اور سخت ہوگا۔ اور یہی عدل کا مقتضیٰ ہے۔ کفر کو اللہ تعالیٰ ہرگز معاف نہیں کرے گا اس کے سواء جملہ کبائر میں امید معافی ہے۔ اور اگر کسی کافر کو مسلمان سے کم عذاب ہو تو یہ منافی عدل ہے۔ اس تمہیدی مقدمہ کے بعد دلیل کی تقریر ملاحظہ ہو۔ کہ اہل نار خواہ کافر ہیں یا مومن حضرت ابوطالب کو ان سب سے نرم عذاب ہوگا۔ اب اگر حضرت ابوطالب کے ایمان سے انکار کیا جائے تو لازم آئے گا کہ کافر کو مومن سے نرم عذاب ہوا۔ اور یہ خلاف عدل اور خلاف اجماع ہے۔ البتہ اگر حضرت ابوطالب مومن اور مسلمان ہوں اور ان کا عذاب کفار اور عاصی مومن سے نرم ہو تو کوئی خرابی نہیں ہے۔ کیونکہ مومن کا عذاب کافر سے نرم ہونا بالکل عدل ہے۔

منکرین ایمان ابوطالب اس دلیل کا جواب دیتے ہیں ان کا جواب ملاحظہ ہو۔

حدیث شریف میں یہ ہے کہ حضرت ابوطالب کا عذاب تمام اہل نار کے عذاب سے نرم ہوگا اور اہل نار کا اطلاق کفار پر آتا ہے مومن عاصی پر اہل نار کا اطلاق نہیں آتا۔ تو حدیث شریف سے صرف یہ ثابت ہوا کہ تمام کفار سے ابوطالب کا عذاب نرم ہوگا۔ اب اگر ابوطالب مومن نہ ہوں تو صرف یہ لازم آئے گا کہ ایک کافر کا عذاب دوسرے کفار کے عذاب سے نرم ہو۔ اور اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔ خرابی تب لازم آتی کہ ایک کافر کا عذاب مومن عاصی کے عذاب سے نرم ہو۔ یہ جواب ایک نہایت مقتدر اور معزز شخصیت کی طرف منسوب کیا

گیا ہے۔اب اس جواب کا رد ملاحظہ ہو۔

جواب کی مدار اس امر پر تھی کہ لفظ اہل النار کا اطلاق کفار کے ساتھ مختص ہے اور یہ درست نہیں کتنی ہی احادیث میں جن میں اہل النار کا اطلاق مومن عاصی پر کیا گیا ہے احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث اول:۔ ” قال رسول اللہ ﷺ اذا دخل اھل الجنة الجنة وَاھل النار النار یقول اللہ تعالی من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من ایمان فاخر جوہ زفیخرجو ن الحدیث “

یعنی اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اہل نار آگ میں داخل ہو جائیں گے۔اللہ تعالی فرمائے گا کہ ہر وہ جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہے تو اسکو نکالو پس وہ نکالیں جائیں گے اور وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے الخ۔

جو لوگ نکالے جائیں گے یہ اہل نار سے ہیں اور مومن ہیں اور ان پر اہل نار کا طلاق ہے۔یہ حدیث بخاری اور مسلم کی ہے۔یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ کافر کبھی دوزخ سے نکالا نہیں جائے گا اور کافر ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔البتہ مومن دوزخ سے نکالا جائے گا۔اور کوئی مومن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیگا۔

حدیث دوم:۔ ” عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنه ان الناس قالوا یارسول اللہ ھل نری ربنا یوم القیامة (الی ان قال) ویبقیٰ رجل بین الجنة والنار وھوآخر اھل النار دخولاً الجنة الحدیث “

یعنی ایک آدمی جنت اور دوزخ کے درمیان رہ جائیگا اور جتنے اہل نار جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ آدمی اہل نار سے ہوگا اور سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا۔ اب یہ آدمی مومن ہوگا اور اس پر اہل النار کا اطلاق ہے اور یہ واضح ہے بلکہ جتنے مومن دوزخ سے نکالے جائیں گے وہ جنت میں داخل ہونگے۔ سب پر اہل نار کا اطلاق اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

"ھوا آخر اھل النار دخولاً الجنة" یعنی یہ آدمی اہل نار سے ہوگا آخر میں جنت میں داخل ہوگا۔ معلوم ہوا بعض اہل نار پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اور بعض درمیان میں اور بعض آخر میں۔ اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جو آدمی دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائیگا وہ مومن اور مسلمان ہوگا۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور مسلم کی ہے۔

حدیث سوئم:۔ "قال رسول الله ﷺ انی لاعلم آخر اھل النار خروجاً منھا وآخر اھل الجنة دخولاً رجل یخرج من النار الحدیث"

یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اس اہل نار کو جانتا ہوں جو آخر میں آگ سے نکلے گا اور یہ آدمی اہل جنت سے بھی ہے کہ آخر میں جنت میں داخل ہوگا اب یہ آدمی جس کو سرکار دو عالم ﷺ جانتے ہیں اس پر اہل نار اور اہل جنت ہر دو کا اطلاق آیا ہے اور یہ مومن ہے اور یہ حدیث بھی بخاری اور مسلم کی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی احادیث ہیں جن میں مومن پر اہل النار کا اطلاق آیا ہے۔ یہاں صرف ان تین احادیث پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ بندہ قبل ازیں ذکر کر چکا ہے کہ یہ کہنا کہ اہل النار کا اطلاق کفار کے ساتھ مختص ہے یہ قول ایک نہایت مقتدر عالم دین کی طرف منسوب ہے اور چونکہ بندہ نے احادیث سے ثابت کیا ہے کہ اہل النار

کا اطلاق مومن عاصی پر بھی آتا ہے تو یہ قول اس مقتدر عالم دین کا نہیں ہے۔اور اس کی طرف یہ نسبت غلط ہے۔

دلیل نہم:۔قرآن پاک میں ہے۔

" وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ ۔ الآية"

یعنی اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکے گی۔اور قبول نہ ہو اس کی طرف سے سفارش اور نہ کچھ لے کر اس کی جان چھوڑی جائے اور نہ ان کی مدد ہو۔

اس آیت مبارکہ میں لفظ نفس اور شیئاً ہر دو نکرہ تحت النفی ہیں۔اور یہ عموم کا فائدہ دیتے ہیں۔تو مطلب یہ ہوا کہ نہ مومن کے لئے سفارش اور شفاعت ہو گی اور نہ کافر کے لئے۔اور فرقہ معتزلہ نے اس آیت سے نفی شفاعت پر استدلال کیا ہے۔اور اہل سنت نے اس کا جواب دیا ہے کہ چونکہ احادیث متواترہ سے مومنوں کے لئے شفاعت ثابت ہے لہذا یہ آیت کفار کے ساتھ مختص ہے۔یعنی کسی کافر کی طرف سے شفاعت قبول نہ ہو گی۔

اب بندہ کا استدلال یہ ہے کہ ماقبل حدیث مسلم شریف میں ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت ابو طالب کے حق میں آنحضرت ﷺ کی شفاعت مقبول ہے۔اب اگر حضرت ابو طالب کو کافر کہا جائے تو پھر آیت مذکورہ بالا کے تحت نہ مسلمان داخل ہو گا اور نہ کافر۔یعنی مومن اور کافر ہر ایک کے حق میں شفاعت مقبول ہے۔تو آیت میں کوئی فرد بھی داخل نہ ہوا۔اور آیت کا مضمون مطابق واقع نہ ہوا۔اور نعوذ باللہ آیت کا مضمون مہمل ہوا۔البتہ اگر حضرت ابو طالب کو مسلمان کہا جائے تو پھر آیت مبارکہ تمام کفار کے ساتھ مختص ہو گی۔بندہ یہاں اس کی ایک نظیر پیش کرتا ہے تا کہ استدلال واضح ہو جائے۔قرآن پاک میں ہے۔

"لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ"

یعنی جس ذبیحہ پر اللہ کا نام ذکر نہ کیا جائے اس کو نہ کھاؤ۔ اب اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرنا دو قسم ہے۔

قسم اول:۔ عمداً اور جان بوجھ کر ذکر نہ کرنا۔

قسم دوم:۔ نسیاناً اور بھول سے ذکر نہ کرنا۔

اگر بھول کر ذکر نہ کیا جائے تو اس پر اجماع ہے کہ ذبیحہ حلال ہے اور اگر جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے تو احناف کے نزدیک حرام ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ذبیحہ بھی حلال ہے۔ تو احناف نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا رد کیا ہے کہ آیت مبارکہ مذکورہ بالا میں جو اللہ تعالیٰ کا نام نہ ذکر کرنا بیان کیا گیا ہے اس کے دو قسم ہیں۔ جان بوجھ کر ذکر نہ کرنا دوم بھول کر ذکر نہ کرنا۔ دوسری قسم میں تو اجماع ہے کہ ذبیحہ حلال ہے اب اگر پہلی قسم میں بھی ذبیحہ حلال ہو تو آیت شریفہ مہمل ہو جائے گی۔ اور اس کے تحت کوئی قسم بھی باقی نہ رہے گی۔ لہذا پہلی قسم میں ذبیحہ حرام ہے اور اس کو نہ کھایا جائے گا۔ بعینہ اسی طرح بندہ نے استدلال میں جو آیت ذکر کی ہے جس میں مومن اور کافر ہر ایک کی شفاعت کی نفی ہے اب اہل سنت کے نزدیک مومن کے حق میں شفاعت مقبول ہے۔ اور آیت کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ اب اگر کافر کے لئے بھی شفاعت مقبول ہو تو آیت کے تحت کوئی قسم بھی داخل نہ رہے گی۔ لہذا کسی کافر کے حق میں شفاعت قبول نہیں۔ اور چونکہ حضرت ابو طالب کے حق میں شفاعت مقبول ہے لہذا ثابت ہوا کہ وہ کافر نہ تھے۔ بلکہ مسلمان تھے۔

دلیل دہم:۔ قرآن پاک میں ہے۔ "اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ الآیة"

علامہ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اکثر اخبار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی ہے اور نیز اس آیت کریمہ مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابو طالب کو محبوب جانتے تھے۔ اب حضرت ابو طالب کو سب کرنا (برا بھلا کہنا) علویوں کی دل آزاری ہے۔ بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے آنحضرت ﷺ کو ایذا ہو۔ لہذا حضرت ابو طالب کے معاملہ میں احتیاط لازم ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو۔

"ثم انه علی القول بعدم السلامه لا ینبغی سبه والتکلم فیه بفضول الکلام فان ذالك مما یتاذی به العلویون بل لا یبعدان یکون مما یتاذی به النبی ﷺ للذی نطقف الآیة بناء علی هذه الروایات بحبه ایاه والاحتیاط لا یخفی علی ذی فهم"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ آیت مذکورہ بالا سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابو طالب کو آں حضرت ﷺ محبوب جانتے تھے۔ کیونکہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی ہے اور حضرت ابو طالب کا اسلام اختلافی ہے۔ اور حضرت ابو طالب کو مسلمان اور مومن کہنے میں کسی کی دل آزاری نہیں ہے۔ البتہ اس قول پر کہ وہ مسلمان نہیں ہیں حضرت ابو طالب کو سب اور دشنام ہے۔ اور تمام علویوں کی دل آزاری ہے۔ اور چونکہ حضرت ابو طالب آنحضرت ﷺ کے محبوب ہیں اس لئے ان کو سب اور دشنام کرنے سے آنحضرت ﷺ کی ایذا کا بھی احتمال ہے۔ لہذا سب اور دشنام سے احتیاط لازم ہے۔ علامہ صاحب روح المعانی نے علویوں کی دل آزاری کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ حدیث شریف

میں ہے "لا تؤذوا الاحیاء بسب الاموات"

اور چونکہ کفر بہت بڑی سب اور دشنام ہے لہذا اس سے ہر زمانہ کے علویوں کی دل آزاری ہے۔ اور یہ ممنوع ہے۔ اور روح المعانی نے آنحضرت ﷺ کی ایذاء کا احتمال اس لئے ذکر کیا ہے کہ قرآن پاک میں ہے۔

"وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ" اور "اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔ الآية"

یعنی آنحضرت ﷺ کی ایذاء پر وعید شدید ہے۔ اس لئے جہاں ایذاء کا احتمال بھی ہو تو سمجھ دار آدمی وہاں بھی احتیاط سے کام لے گا۔ البتہ حضرت ابو طالب کے متعلق یہ کہنا کہ وہ مومن اور مسلمان تھے نہ تو اس میں علویوں کی دل آزاری ہے اور نہ ہی آنحضرت ﷺ کی ایذاء کا احتمال ہے۔ بلکہ اس میں ہر دو کی خوشنودی یا خوشنودی کا احتمال ہے۔ جو امر مستحسن ہے۔ اس دلیل دہم کی زیادہ وضاحت بھی کی جا سکتی تھی لیکن مجادلین کا خوف مانع ہے۔

دلیل یازدہم:۔ جس طرح آنحضرت ﷺ کے والدین کریمین کے اسلام میں اختلاف ہے اور جو لوگ ایمان کے قائل ہیں ان کے دو قول ہیں۔

قول اول:۔ والدین کریمین کی وفات فترت پر تھی۔ اور وہ اپنی زندگی میں مسلمان تھے۔ اور ان کی موت ایمان پر ہوئی ہے۔

قول دوم:۔ والدین کریمین کو بعد از موت زندہ کیا گیا اور وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایمان لائے۔

اسی طرح جولوگ ایمان ابوطالب کے قائل ہیں ان کے بھی دوقول ہیں۔

قول اول:۔ وہ اپنی زندگی میں مومن اور موحد تھے۔اوران کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔

قول دوم:۔ حضرت ابوطالب کو بعداز موت زندہ کیا گیا یا کہ زندہ کیا جائے گا اور وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایمان لائے۔ یہ اہل کشف اور بعض علماء ظاہر کا قول ہے۔ جس کو علامہ برزنجی اور سید احمد دحلان نے بایں الفاظ ذکر فرمایا ہے۔

"ان کثیرا من اهل السنة والجماعة من بنی هاشم وغیرهم یعتقدون نجاته تبعالما جاء فی ذالك ولما نقله الجهابذة الفخام الحقیقیون بان یتخذوا حجة للخلق لدی الملك العلام وهم الامام السبکی والامام القرطبی والامام الشعرانی رحمهم الله تعالی علی الدوام ان الله احیاابا طالب وآمن بالمصطفی ومات مسلما۔ الخ"

یعنی بنی ہاشم اور غیر بنی ہاشم سے اکثر علماء اہل سنت و جماعت حضرت ابوطالب کی نجات کا عقیدہ رکھتے ہیں اس لئے کہ اس میں اخبار وارد ہیں۔اور اس لئے یہ بڑے بڑے بزرگ علماء سے منقول ہے۔اور یہ بزرگ علماء اللہ تعالی کے نزدیک مخلوق کے لئے دلیل ہیں۔ اور وہ بزرگ علماء امام سبکی اور امام قرطبی اور امام شعرانی ہیں۔حضرت خواجہ شیخ الاسلام فرید الحق والدین جناب مسعود گنج شکر کے ملفوظات میں بھی مرقوم ہے۔کہ حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے تو اس زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک مردہ کو باذن خداوندی زندہ فرمائیں گے اور وہ مردہ جناب مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ

ایمان لائے گا۔ اور یہ مردہ حضرت ابوطالب ہوں گے۔ اس دلیل پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ یہ گیارہویں دلیل پہلی دلیلوں کے معارض ہے۔ کیونکہ سابقہ دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب اپنی پہلی زندگی میں مومن اور مسلمان تھے اور گیارہویں دلیل سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوطالب کو مرنے کے بعد زندہ کیا گیا اور وہ مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ ایمان لائے۔ تو اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔

جواب اول:۔ تمام گیارہ دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جس طرح مومن عذاب دائمی سے نجات حاصل کریں گے اسی طرح حضرت ابوطالب کو بھی نجات حاصل ہوگی۔ اور ہمارا مقصد نجات ابی طالب ہے خواہ اس کا سبب یہ ہو کہ حضرت ابوطالب اپنی پہلی زندگی میں مومن تھے یا کہ یہ سبب ہو کہ موت کے بعد ان کو زندہ کیا گیا۔ اور وہ ایمان لائے۔ بہرحال تمام گیارہ دلائل نجات ابی طالب اور ایمان ابی طالب میں مشترک ہیں۔

اور یہی مـابـه الاشتـراك بندہ کا مقصد ہے۔ اس جواب اول کو علامہ سید احمد دحلان نے بایں الفاظ ذکر فرمایا۔

" ان كثيرا من العلماء المحققين وكثيرا من الاولياء العارفين ارباب الكشف قالوا بنجاة ابی طالب ......منهم القرطبی والسبكي والشعرانی وخلائق كثير ......وان كـان ثبوت ذالك عـنـدهـم بـطـريـق غير الطريق الذی سلكه البرزنجی فقد اتفق معهم علی القول بنجاته "

یعنی علماء محققین اور اولیاء عارفین میں سے اکثر نے نجات ابی طالب کا قول کیا ہے۔ اور ان سے قرطبی اور سبکی اور شعرانی اور بہت مخلوق ہے۔

جواب دوم:۔ جس طرح ابوین کریمین کے ایمان میں تین قول ہیں۔

قول اول:۔ ان کی موت فترت پر ہوئی۔

قول دوم:۔ بعد موت ان کو زندہ کیا گیا ہے اور وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایمان لائے۔

قول سوم:۔ ان کی موت فترت پر بھی تھی اور بعد موت ان کو زندہ بھی کیا گیا اور وہ ایمان لائے۔ تا کہ دو فضیلتیں ان کو حاصل ہوں۔ اسی طرح حضرت ابو طالب کے ایمان میں بھی تین قول ہیں۔ اور بندہ نے جو دلائل دئے ہیں یہ تیسرے مذہب پر ہیں۔ یعنی پہلے دس دلائل سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ حضرت ابو طالب اپنی پہلی زندگی میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایمان لائے اور چونکہ یہ ایمان اکراہ کا ایمان ہے۔ اس لئے گیارہویں دلیل سے یہ ثابت کرنا ہے کہ بعد از موت حضرت ابو طالب کو زندہ کیا گیا اور وہ بلا اکراہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایمان لائے۔ تا کہ ان کو ایمان کی دو فضیلتیں حاصل ہوں۔ خلاصہ یہ کہ حضرت ابو طالب کا معاملہ والدین کریمین کا معاملہ ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ابو طالب کی محبت اور شفقت والدین سے کم نہیں ہے۔

دلیل دوازدہم:۔ یہ الزامی دلیل ہے اور قبل از دلیل ایک تمہید بیان کرنا ضرری ہے۔

تمہید:۔ بندہ قبل ازیں بیان کر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ابو طالب کی محبت اور شفقت والدین سے کم نہیں ہے اس لئے حضرت ابو طالب کا معاملہ ابوین

کریمین والا ہے یعنی جس طرح ابوین کریمین کے ایمان میں اختلاف ہے اسی طرح حضرت ابوطالب کے ایمان میں بھی اختلاف ہے۔اور علی تقدیر ایمان جتنے قول ابوین کریمین کے ایمان میں ہیں اتنے قول ہی حضرت ابوطالب کے ایمان میں ہیں۔اور علی تقدیر عدم ایمان جس طرح علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ ابوین کریمین کے متعلق احتیاط سے کام لینا لازمی ہے اور کوئی گستاخانہ لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے۔اور سبّ اور دشنام سے احتراز لازم ہے۔اسی طرح علماء کرام نے حضرت ابوطالب کے متعلق بھی تصریح فرمائی ہے اور بندہ اس کو علامہ صاحب روح المعانی کی عبارت سے بیان کر چکا ہے۔ابوین کریمین کے متعلق علماء کی تصریح ملاحظہ ہو۔

علامہ ابن عابدین شامی نے ابوین کریمین کی نجات پر بحث کرتے ہوئے فرمایا۔

”وباالجملة كما قال بعض المحققين انه لا ينبغي ذكر هذه المسئلة الا مع مزيد الا دب وليست من المسائل التي يضر جهلها او يسئل عنها فى القبر او في الموقف فحفظ اللسان عن التكلم فيها الا بخير اولى واسلم“

یعنی بعض محققین نے ابوین کریمین کے ایمان کے مسئلہ پر فرمایا ہے کہ اس مسئلہ کو ادب کے ساتھ ذکر کرو۔اور یہ مسئلہ ان مسائل سے نہیں ہے کہ ان کا نہ جاننا ضرر دے۔اور ان مسائل سے بھی نہیں ہے کہ قبر یا قیامت میں اس کا سوال ہو۔پس خیر اسی میں ہے کہ جب بھی بات کرے ذکر خیر کرے۔یہاں تک بندہ نے ابوین کریمین اور حضرت ابوطالب کے درمیان مابہ الاشتراک بیان کیا ہے۔یعنی وہ امر جس میں دونوں شریک ہیں۔اب ہر دو کے درمیان مابہ الامتیاز ملاحظہ ہو۔یعنی وہ امر جس سے ہر دو کے درمیان فرق ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ صحیحین میں ایسی احادیث ہیں جن سے ابوین کریمین کا مسلمان نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

احادیث کا مضمون ملاحظہ ہو۔ مسلم شریف میں ہے۔

" استا ذنت ربی ان استغفر لامی فلم یا ذن لی "

یعنی آں حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ جل مجدہ سے اپنی والدہ کے لئے طلب بخشش کے لئے اجازت مانگی پس اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہ دی۔ اسی حدیث شریف سے آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ کا مسلمان نہ ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ استغفار صرف کافر کے لئے نہیں ہوتا۔ اور مسلم شریف میں ایک اور حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے۔

" ان رجلا قال یارسو ل اللہ این ابی قال فی النار فلما قفادعاہ فقال ان ابی واباك فی النا ر "

یعنی ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ کو عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرا باپ کہاں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آگ میں۔ پس جب اس آدمی نے پیٹھ پھیری تو آپ نے اس کو بلایا اور فرمایا کہ میرا اور تیرا باپ آگ میں ہیں۔ اس حدیث شریف سے بھی والد مکرم کا مسلمان نہ ہونا معلوم ہوتا ہے اس طرح فقہ اکبر میں ہے۔

" ان والدیہ ﷺ ماتا علی الکفر "

یعنی آں حضرت ﷺ کے ولدین کی موت کفر پر ہے البتہ والدین کریمین کا مسلمان ہونا ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے جو کہ صحیحین میں نہ ہونے کے باوجود ضعیف بھی ہیں۔ لیکن علماء اہل سنت دونوں قسم کی احادیث کو جمع کرتے ہیں اور والدین شریفین کے اسلام کے قائل ہیں۔ برخلاف حضرت ابو طالب کے کہ ان کا مسلمان ہونا جن احادیث سے ثابت ہوتا ہے وہ مسلم شریف کی احادیث ہیں۔ جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی

برکت سے ابوطالب کے عذاب میں تخفیف ہوئی۔ اور آپ کی شفاعت ابوطالب کے حق میں قبول ہوگئی۔ اور تخفیف عذاب اور مقبول شفاعت ہر دو ایمان کے دلائل میں سے ہیں۔ یہاں تک اس فقیر نے والدین شریفین اور حضرت ابوطالب کے درمیان وجہ فرق بیان کی ہے۔ یہاں تک دلیل دوازدہم کی تمہید ذکر کی گئی ہے۔ اب بندہ دلیل بیان کرتا ہے کہ جو علماء اہل سنت ابوین کریمین کو مسلمان مانتے ہیں اور حضرت ابوطالب کو کافر خیال کرتے ہیں بندہ کے نزدیک ان کا یہ فرق تعجب انگیز ہے۔ یعنی ابوین کریمین کا اسلام احادیث ضعیفہ سے ثابت کرتے ہیں اور حضرت ابوطالب کا ایمان احادیث صحیحہ ہونے کے باوجود تسلیم نہیں کرتے۔ اس فقیر نے غور کیا تو صرف دو امر معلوم ہوتے ہیں۔

اول:۔ حضرت ابوطالب کے ایمان پر دلائل سے یہ لوگ ناواقف ہیں۔

دوم:۔ جب انہوں نے حضرت ابوطالب پر کفر کا فتویٰ لگادیا تو اس سے رجوع میں وہ اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو خطاء سے مبرا خیال کرتے ہیں حالانکہ آئمہ مجتہدین سے بھی خطاء کا احتمال ہے بلکہ بعض آئمہ کرام نے اپنے اقوال سے رجوع بھی کیا ہے۔

دلیل سیزدہم:۔ یہ دلیل بندہ کے نزدیک کمزور ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دلیل اہل تشیع کی ہے اور بندہ دلیل کے ذکر کے بعد بیان کرے گا کہ یہ دلیل ضعیف ہونے کے باوجود کیوں ذکر کی گئی ہے۔؟ دلیل ملاحظہ ہو۔ صاحب روح المعانی نے اپنی مشہور تفسیر میں ذکر فرمایا ہے۔

"ومسئلة اسلامه خلافية و حكاية اجماع المسلمين او المفسرين على

ان الآیة نزلت فیہ لا تصح فقد ذھب الشیعة وغیر واحد من مفسر یھم الی اسلامہ وادعوا اجماع آئمة اھل البیت علی ذالك وان اکثر قصا ئد ہ تشھد لہ بذا لك الخ''

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ حضرت ابو طالب کے اسلام میں اختلاف ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ تمام مسلمانوں یا تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ:

'' قولہ تعالی ۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ ۔ الآیة ''

حضرت ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ تمام شیعہ اوران کے مفسرین حضرت ابو طالب کے ایمان کے قائل ہیں۔اورانہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آئمہ اہل بیت کا ابو طالب کے ایمان پر اجماع ہے اور ابو طالب کے اکثر اشعار ان کے اسلام پر دلالت کرتے ہیں۔روح المعانی کی مذکورہ بالا عبارت سے بندہ کی دلیل صرف یہ ہے کہ بقول اہل تشیع حضرت ابو طالب کے ایمان پر آئمہ اہل بیت کا اجماع ہے اور چونکہ اہل تشیع نے یہ اجماع نقل کیا ہے اس لئے اہل سنت کے نزدیک یہ دلیل ضعیف ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ دلیل ضعیف تھی تو بندہ نے اس کو کیوں ذکر کیا ہے۔؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب شیعہ نے اسلام ابو طالب پر آئمہ اطہار کا اجماع نقل کیا ہے تو اس اجماع کو کلیة باطل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ آئمہ اہل بیت سے بروایت صحیح ثابت کیا جائے۔ کہ وہ اسلام ابو طالب کے قائل نہ تھے۔لیکن یہ فقیر کامل تتبع کے باوجود اس میں کامیاب نہیں ہوسکا۔اگر کوئی صاحب علم اس پر مطلع ہو تو بندہ کو زندگی میں مطلع کرے۔ یہاں تک بندہ نے حضرت ابو طالب کا ایمان تیرہ دلائل سے ثابت کیا ہے۔اب بندہ ان لوگوں کے دلائل نقل کر کے ان کا

جواب دے گا جو لوگ حضرت ابو طالب کے ایمان کے قائل نہیں ہیں۔ان لوگوں کے بعض دلائل کا جواب ماقبل میں دیا جا چکا ہے لہذا بندہ یہاں اس کا اعادہ نہیں کرے گا۔

دلیل اول:۔ ”قوله تعالى ۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ ۔ الآية“

یہ آیت ابو طالب کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب مسلمان نہیں تھے۔

جواب:۔ اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہدایت اور ایصال الی المطلوب کو پیدا نہیں فرما سکتے۔ہدایت کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔اب یہ آیت سیدنا ابو بکر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ ان ہر دو کے اسلام کو بھی پسند فرماتے تھے۔اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ہر دو مسلمان نہ تھے۔ بلکہ جو صحابہ بھی اسلام لائے تو ہدایت کے خالق آنحضرت ﷺ نہ تھے، بلکہ ہدایت کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔تو آیت مذکورہ بالا اگر تسلیم کر لی جائے کہ حضرت ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی ہے تو اس سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ دوسرے صحابہ کی طرح حضرت ابو طالب کے اسلام کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔حیرت یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ سے ابو طالب کا کفر کیسے ثابت ہوتا ہے یہ ایک قاعدہ ہے کہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوص مورد کا لحاظ نہیں ہوتا۔تو اس قاعدہ کے مطابق آنحضرت ﷺ سب صحابہ کے ایمان کو محبوب جانتے تھے۔اور اس آیت سے جو لوگ کفر ابو طالب ثابت کرتے ہیں ان پر لازم آئے گا کہ کوئی صحابی مسلمان نہ ہو۔
نعوذ باالله من ذالك۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔

دلیل دوم:۔ علماء اہل سنت کا ابو طالب کے کفر اور عدم ایمان پر اجماع ہے لہذا ابو طالب کے اسلام کا قول کرنا خلاف اجماع ہے۔

جواب:۔ ابو طالب کے کفر پر نہ تو تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور نہ ہی علماء اہل سنت کا۔ کیونکہ بندہ نے روح المعانی کی عبارت سے ثابت کیا ہے کہ تمام مسلمانوں کے اجماع کا قول درست نہیں ہے۔ اور نیز بندہ نقل کر چکا ہے کہ علامہ قرطبی اور امام شعرانی اور ان کے سوا کثیر علماء اہل سنت اسلام ابو طالب کے قائل ہیں۔ لہذا مسلمانوں اور اہل سنت کے اجماع کا دعویٰ باطل ٹھہرا۔

دلیل سوم:۔ مخالفین کی یہ دلیل بہت کمزور اور عقل و دانش سے بعد ہے۔ دلیل ملاحظہ ہو۔ چونکہ بعض اکابر اہل سنت کا یہ خیال ہے کہ ابو طالب مسلمان نہیں ہیں اور اس مسئلہ پر ان کی تصنیف بھی ہے۔ تو حضرت ابو طالب کے اسلام پر دلائل دینا اور اس پر لکھنا ان اکابرین اہل سنت کی گستاخی ہے۔ اور اس مسئلہ پر ان اکابرین کی تحقیق آخری تحقیق ہے جس کا خلاف متعذر ہے۔

جواب:۔ اکابرین اہل سنت سے اختلاف دو قسم ہے۔

قسم اول:۔ اختلاف بلا دلیل یعنی اکابرین نے ایک مسئلہ کو دلائل سے ثابت کیا ہے اب کوئی اس مسئلہ سے اختلاف کرتا ہے لیکن اسکے پاس کوئی دلیل ادلّہ معہودہ معلومہ سے نہیں ہے۔ یہ قسم اختلاف مذموم اور اکابرین اہل سنت کی گستاخی ہے۔ بلکہ یہ اختلاف ہی نہیں

بلکہ خلاف باطل ہے۔

قسم دوم:۔ اختلاف بادلیل یعنی اکابر اہل سنت نے ایک مسئلہ کو مدلل کیا ہے۔ اس کے بعد کوئی آدمی اکابرین سے اس مسئلہ میں اختلاف کرتا ہے اور اس اختلاف پر اس آدمی کے پاس اس کے خیال میں راجح دلائل ہیں یہ قسم اختلاف مستحسن ہے بلکہ واجب ہے۔ کیونکہ اگر ایک مسئلہ پر کسی آدمی کے پاس کتاب وسنت سے دلائل ہیں لیکن وہ آدمی اس مسئلہ کی ضد اور نقیض کا عقیدہ اس بناء پر رکھتا ہے کہ بعض اکابرین اہل سنت اس ضد اور نقیض کا قول کرتے ہیں تو اس آدمی کا یہ عقیدہ فاسد اور مذموم ہے۔ کیونکہ اس آدمی نے شارع جل جلالہ یا شارع علیہ الصلوٰۃ و السلام کے فرمان پر بعض اکابرین کے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور یہ امر غایۃ درجہ مذموم اور قبیح ہے۔ اور یہ ایک قسم کا شرک ہے۔ جس کو قرآن پاک میں بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے۔ ''اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ''

یعنی ان لوگوں نے اپنے علماء ومشائخ کو اللہ تعالی کے مقابلہ میں رب تسلیم کر لیا۔ اور ان کو احکام کا اختیار دیا ہے۔ اور ان کا قول فرمان خدا اور فرمان رسول کے برابر گردانا ہے۔ بندہ اس مسئلہ کو یہاں ایک مثال سے واضح کرتا ہے۔

غور فرمائیں:۔ تمام اہل سنت جناب غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو اکابرین اہل سنت سے مانتے ہیں اور تمام اہل سنت حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں، لیکن تمام احناف بے شمار مسائل میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا خلاف کرتے ہیں۔ کیونکہ احناف امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ حنبلی مذہب رکھتے

ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما کے درمیان بے شمار مسائل میں اختلاف ہے اور چونکہ یہ اختلاف دلیل پر مبنی ہے اس لئے مذموم نہیں ہے۔ اور احناف اس اختلاف کے باوجود حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے گستاخ نہیں ہیں۔ اگر دلیل کی بناء پر بھی اختلاف مذموم ہے تو پھر احناف کو اپنا مذہب ترک کر کے حنبلی مذہب اختیار کرنا چاہئے۔ اسی طرح خواجہ غریب نواز اجمیری قدس سرہ شافعی المذہب ہیں اور احناف دلیل کی بناء پر حضرت خواجہ کا خلاف کرتے ہیں تو یہ مذموم نہیں ہے۔ نیز بندہ ایک قریب ترین مثال پیش کرتا ہے وہ یہ کہ حضرت سید احمد دحلان قدس سرہ ایمان اور نجات ابوطالب کے قائل ہیں۔ اور اس مسئلہ پر ان کا ایک رسالہ بھی ہے جس کا نام " اسنی المطالب فی نجات ابی طالب " ہے۔ اور یہ سید احمد دحلان اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی کے مشائخ میں سے ہیں۔ حالانکہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ایمان ابوطالب کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ عدم ایمان پر رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ چونکہ یہ اختلاف دلائل پر مبنی ہے لہذا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے اپنے شیخ کی گستاخی نہیں کی ہے۔ اب اگر کوئی آدمی دلائل کی بناء پر اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے اختلاف کرتا ہے تو اس کو گستاخی کہنا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ دیکھو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے " اذا صح الحدیث فھو مذھبی "

یعنی اگر میرے بیان کردہ کسی مسئلہ کے خلاف تم کو صحیح حدیث مل جائے تو میرے بیان کردہ مسئلہ پر عمل نہ کرو اور حدیث شریف پر عمل کرو۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول میں چند امور کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

امر اول:۔ اس عقیدہ بد کا رد فرمایا ہے کہ دلیل کی بناء پر اختلاف مذموم اور

گستاخی ہے۔

امر دوم:۔ کوئی امتی خواہ کتنا ہی مجتہد اور امام کیوں نہ ہو اس کو شارع کا مرتبہ نہیں دیا جا سکتا۔

امر سوم:۔ کسی امام و مجتہد کی تحقیق آخری تحقیق نہیں ہے۔ یہاں بعض لوگ ایک عامیانہ جاہلانہ سوال کرتے ہیں، بندہ اس جگہ وہ سوال اور جوب نقل کرتا ہے۔

سوال:۔ تم جو کہتے ہو کہ دلیل کی بناء پر اکابرین اہل سنت سے اختلاف مستحسن بلکہ واجب ہے تو کیا اکابرین کو وہ دلائل معلوم نہ تھے جن کی بناء پر تم اکابرین سے اختلاف کرتے ہو۔ حالانکہ اکابرین کا علم تم سے بہت زیادہ تھا۔؟

جواب:۔ قبل ازیں بندہ ذکر کر چکا ہے کہ احناف حضرت غوث اعظم اور حضرت خواجہ غریب نواز رحمہم اللہ تعالی سے دلائل کی بناء پر اختلاف کرتے ہیں تو یہاں بھی وہی سوال ہوتا ہے کہ ان ہر دو اکابرین اہل سنت کو احناف کے دلائل کا علم نہیں تھا۔؟ اس طرح امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے کہ میرے مذہب کے مقابلہ میں حدیث صحیح پر عمل کرو۔ یہاں بھی وہی جاہلانہ اعتراض ہوتا ہے کہ کیا حضرت امام اعظم کو اس حدیث کا علم نہیں تھا۔؟

خاتمہ:۔ عام طور پر قاعدہ یہ ہے کہ کسی کتاب یا مضمون کی وجہ تالیف ابتداء میں ذکر کیا جاتی ہے لیکن مذکورہ بالا مضمون کی وجہ تالیف یہاں اخیر میں ذکر کی جاتی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وجہ تالیف ماقبل پر موقوف ہے اور ماقبل وجہ تالیف کی دلیل ہے۔ وجہ تالیف کے کئی وجوہ ہیں۔

وجہ اول:۔ یہ ایک قاعدہ ہے کہ مدلول کی نفی سے دلیل کی نفی ہو جاتی ہے لیکن دلیل کی نفی سے مدلول کی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس مدلول پر کوئی اور دلیل بھی ہو۔ خلاصہ یہ کہ دلیل ملزوم اور مدلول لازم ہوتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی ہو جاتی ہے لیکن ملزوم کی نفی سے لازم کی نفی نہیں ہوتی۔ تفصیل کتب منطقیہ میں ہے۔ اس مضمون سے بندہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو طالب کے عدم ایمان پر یا عدم نجات پر جو دلائل ہیں وہ ان دلائل کے مقابلہ میں کمزور ہیں جن سے آپ کا ایمان اور نجات ثابت ہوتی ہے۔

وجہ دوم:۔ بندہ قبل ازیں روح المعانی کی عبارت نقل کر چکا ہے کہ حضرت ابو طالب کو سبّ اور دشنام کرنے میں آنحضرت ﷺ کی ایذا کا احتمال ہے۔ اور آپ کی ایذا پر قرآن مجید میں وعید شدید ہے۔

''قوله تعالی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ الآية''

اور کسی کے کفر کی تشہیر کرنا بہت بڑا سبّ اور دشنام ہے۔ اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ حضرت ابو طالب کے ایمان کو ثابت کرنے میں ان کی بڑی تعظیم و تکریم ہے۔ اور اس میں آنحضرت ﷺ کی خوشنودی کا احتمال ہے۔ بندہ نے یہ مضمون اس امید پر لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اس فقیر حقیر سراپا تقصیر کے اعمال کو ملاحظہ فرمائیں گے تو ہوسکتا ہے کہ یہ مضمون آپ ﷺ کی خوشنودی کا باعث ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اس فقیر کے گناہ معاف فرمادے۔ اور خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔ آمین یا رب العالمین۔

وجہ سوم:۔ اس مضمون سے چودہویں صدی کے ایک مذموم عقیدہ کا ابطال کرنا

ہے کہ دلیل کی بناء پر بعض اکابرین سے اختلاف گستاخی ہے اور قرآن وحدیث کے مقابلہ میں اکابرین کے قول کو ترجیح ہے۔ حالانکہ اکابرین کا اپنا فرمان یہ ہے کہ:

" اذا صح الحدیث فھو امذھبی "۔

انشورنس اور بیمہ کمپنیوں کی شرعی حیثیت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِاَھۡلِہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَھۡلِھِمَا

امابعد:۔ آج کل پاکستان میں انشورنس اور بیمہ کمپنیوں کا جو رواج ہے اسلامی نظریاتی کونسل میں ان پر بحث چل رہی ہے کہ کیا یہ دین اسلام کے مطابق جائز ہے یا نہ۔؟ بعض فاضل ارکان کونسل کا یہ خیال ہے کہ رباء اور قمار اور غرر دین اسلام میں حرام ہیں۔ اور مذکورہ بالا کمپنیوں میں یا تو تینوں پائے جاتے ہیں یا تین سے ایک دو۔ لہذا یہ نظام بیمہ وغیرہ شریعت مطہرہ کے مطابق ناجائز ہے۔

بندہ نے اس پر کتاب وسنت اور کتب مذہب کا کافی مطالعہ کیا۔ تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ رباء اور قمار اور غرر کی تعریف کی جائے۔ تب معلوم ہوگا کہ آیا نظام بیمہ وغیرہ میں یہ تینوں یا ان سے کوئی ایک اس نظام بیمہ میں پایا جاتا ہے یا نہ۔؟ اس لئے بندہ اپنے اس مضمون میں مستند کتب مذہب سے تینوں سے ہر ایک کی تعریف کرتا ہے۔ تا کہ مسئلہ واضح ہو جائے۔ تعریف سے پہلے یہاں بندہ ایک مقدمہ قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے تا کہ اصل مقصد واضح ہو جائے۔

المقدمہ:۔ قرآن پاک میں ہے۔

"اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرٰی وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرٰی"

یعنی اللہ تعالی نے جو اپنے احکام تم پر لازم قرار دئے ہیں تو ان پر عمل تمہارے لئے آسان کیا گیا اور یہ آسانی اللہ تعالی کا مقصد اور ارادہ ہے۔ اور ان احکام پر عمل پیرا ہونے میں اللہ تعالی کا ارادہ کسی تنگی اور مشکل کا نہیں ہے۔ اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ ''ان الدین یسر'' یعنی دین اسلام پر عمل پیرا ہونا آسان ہے۔ نیز یہ امر بھی مسلم ہے کہ دین اسلام اللہ تعالی کا دین ہے۔ اور اللہ تعالی کو قیامت تک آنے والے واقعات کا علم ہے۔ جن واقعات سے مسلمانوں کو سابقہ پڑتا ہے تو اللہ تعالی نے ان تمام واقعات کے احکام بذریعہ وحی اپنے حبیب ﷺ کو بتلادئے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ نے یہ احکام اپنی امت کو بتلادئے۔ مزید برآں جو ہمارے آئمہ مجتہدین گزرے ہیں جو واقعات ان سے صدیوں بعد وقوع پذیر ہونے والے ہیں اللہ تعالی نے ان واقعات اور ان کے احکام ان آئمہ مجتہدین کے ذہنوں میں القاء کردئے۔ اور ان آئمہ مجتہدین نے اپنی کتابوں میں درج کردئے۔ اور اپنے شاگردوں کو بتلادئے۔ اور ان کی وساطت سے وہ واقعات اور احکام آج ہم تک پہنچ گئے۔ اب ہمارے اس دور کے علماء کیلئے یہ آسانی پیدا ہوگئی کہ جو واقعہ وقوع پذیر ہوتا ہے تو مسلمان ان احکام کو اسلاف کی کتابوں کے ذریعے حل کرلیتے ہیں۔

اور ان کو زیادہ سوچ بچار اور دلائل کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ احکام اور ان کے دلائل اسلاف کی کتابوں میں بالتفصیل مذکور ہوتے ہیں۔ صرف ضرورت اس امر کی ہے کہ علماء اپنے اسلاف کی کتابوں کو سمجھ سکیں۔ حضرت امام الآئمہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ سے کسی نے سوال کیا کہ جو مسائل واقع ہوجاتے ہیں اس پر تو آپ کی بحث درست ہے لیکن جو واقعات وقوع پذیر نہیں ہوئے بلکہ ان کا وقوع پذیر ہونا بہت بعید اور ابعد

ہوتا ہے آپ کئی روز اپنے احباب کے ساتھ ان ابعد مسائل پر بحث کرتے ہیں اور بظاہر یہ شغل لایعنی اور ضیاع وقت ہے۔ اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہے۔؟ تو آپ ؒ نے ایک مثال دیکر جواب دیا کہ اگر کسی ملک پر دشمن حملہ کردے اور اس ملک کا بادشاہ حملہ کے بعد ہتھیاروں کے لئے کوشش کرے تو یہ کوشش بے فائدہ ہوتی ہے کیونکہ جب اسلحہ حاصل ہوگا تو دشمن ملک پر قبضہ کر چکا ہوگا۔ اسلحہ وہ کام آتا ہے جو دشمن کے حملہ سے کافی پہلے حاصل ہو۔ اور تیار کرلیا ہو۔ یہی میری مثال ہے۔ اگر میں غیر واقع واقعات پر بحث نہ کروں تو ہوسکتا ہے کہ صدیوں بعد یہ واقعہ وقوع پذیر ہو اور اس وقت علماء زیادہ علم نہ رکھتے ہوں تو ان کو بڑی تکلیف ہوگی۔ اور وقوع پذیر مسئلہ کا وہ حل نہیں کرسکیں گے تو اس کی مثال یہ ہوگی کہ دشمن کے حملہ کے بعد اسلحہ حاصل کیا جائے۔ اسلئے جن مسائل کا وقوع بعید اور ابعد ہوتا ہے میں ان پر بحث کرتا ہوں تاکہ جب صدیوں بعد یہ مسائل واقع ہوں گے تو اس وقت کے علماء بذریعہ کتب ان مسائل کے حل پر قادر ہوں گے اس کی مثال یہ ہے کہ دشمن کے حملہ سے پہلے اسلحہ حاصل کرلیا جائے۔

اس واقعہ کے ذکر سے بندہ کی مراد یہ ہے کہ چونکہ دین اسلام سہل اور آسان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے بندوں سے آسانی کا ارادہ کرتا ہے۔ اور عسر اور مشکل اور سختی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اسلئے آئمہ مجتہدین کے دل پر ایسے مسائل القاء فرماتا ہے جو صدیوں بعد واقع ہونے والے ہیں۔ یہاں بندہ بعض لوگوں کے غلط نظریات کا ذکر کرتا ہے۔ وہ یہ کہ موجودہ دور میں جو نئی ایجادات ہیں مثلاً ہوائی جہاز اور ریڈیو اور ٹی وی چونکہ یہ ایجادات آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں نہ تھیں۔ اسلئے شرع شریف اور کتب مذہب ان کے احکام سے ساکت ہیں۔ یہ نظریہ چند وجوہ سے باطل ہے۔

وجہ اول:۔ آنحضرت ﷺ چونکہ خاتم النبین ہیں اسلئے یہ ضروری ہے کہ قیامت تک جن چیزوں نے پیدا ہونا ہے ان کے احکام اللہ تعالی نے اپنے حبیب ﷺ کو بتلا دیے ہیں۔اور آنحضرت ﷺ نے ان نئی ایجادات کے احکام اپنی امت کو بتلائے ہیں کیونکہ قرآن پاک میں ہے۔

''یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ''

یعنی اے رسول ﷺ جو چیز اللہ تعالی کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے اس کی اپنی امت میں تبلیغ کرو۔اب اگر نئی ایجادات کے احکام اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو بتلائے نہ ہوں یا آنحضرت ﷺ نے یہ احکام اپنی امت کو بتلائے نہ ہوں تو پھر ان احکام کیلئے کسی اور نبی کی ضرورت ہے تو پھر آنحضرت ﷺ خاتم النبین نہ ہوئے۔تو جو شخص یہ کہتا ہے کہ نئی ایجادات کے احکام سے شریعت مطہرہ اور کتاب وسنت ساکت ہے یہ شخص آں حضرت ﷺ کو خاتم النبین نہیں مانتا۔

وجہ دوم:۔ اگر نئی ایجادات کے احکام اللہ تعالی نے اپنے حبیب ﷺ کو نہ بتلائے ہوں تو پھر کتاب وسنت اور شریعت مطہرہ کامل نہ ہوئی۔تو ایسا نظریہ رکھنے والا شریعت مطہرہ کو ناقص سمجھتا ہے۔حالانکہ تمام مسلمانوں کا عموماً اور مسلمانان پاکستان کا خصوصاً یہ عقیدہ اور دعویٰ ہے کہ دین اسلام ہماری تمام ضرورتوں کا کفیل اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔اور یہ عقیدہ اور دعویٰ اس نظریہ کے خلاف ہے کہ نئی ایجادات کے حکم سے کتاب وسنت اور شریعت مطہرہ ساکت اور صامت ہے۔اس مقدمہ سے بندہ کا جو اصل مقصد ہے وہ اب بندہ بیان کرتا ہے۔

وہ یہ کہ ازل میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کو علم تھا کہ فلاں مستقبل کے درو میں بینکوں اور انشورنس کمپنیوں اور بیمہ کمپنیوں کے ذریعے کاروبار ہوگا۔ اور عوام اور خواص مسلمان سلاطین اس کاروبار پر مجبور ہوں گے۔ اور کاروبار میں بظاہر یہ نظر آئے گا کہ اس میں ربا اور غرر اور قمار ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آئمہ مجتہدین کے ذریعے ایسے اصول وقواعد وضع فرمائے تاکہ پتہ چل سکے کہ اس کاروبار میں رباء، قمار اور غرر ہے یا نہ۔؟ اور ہر ایک کی تعریف فرمادی جس سے صاف پتہ چل جائے گا کہ بینک وغیرہ کے کاروبار میں رباء، قمار اور غرر ہے یا نہ۔؟ اور اگر یہ اصول اور تعریفات نہ ہوتیں تو شریعت پر عمل مشکل ہو جاتا۔ اور یہ ارادہ خداوندی کے خلاف ہے۔ جب اصول اور تعریفات آگئیں تو اب اس کاروبار میں شریعت مطہرہ پر عمل کرنا آسان ہوگا جو کہ ارادہ الٰہی کے بالکل موافق ہے۔ مزید برآں جب لوگ مذکورہ بالا کاروبار پر مجبور ہیں۔ تو اگر ظاہری رباء اور غرر اور قمار کی وجہ سے اس کاروبار کو حرام کر دیا جائے تو اب اس کاروبار میں ملوث مسلمانوں کو مشکلات کا سامنا ہوگا۔ اور یہ منشاء خداوندی کے خلاف ہے۔ اور شرع شریف کا قاعدہ ہے کہ جس بظاہر قبیح چیز میں لوگ گرفتار ہوں تو اس میں لوگوں کو سہولت اور جواز مہیا کیا جاتا ہے۔ اور یہ کوشش کی جاتی ہے کہ اس چیز میں جواز پیدا کیا جائے۔ اور اس کو فقہ میں عموم البلویٰ کہا جاتا ہے۔ یعنی جس چیز میں لوگوں کی اکثریت مبتلاء ہو۔ بعد میں بندہ کتب فقہ سے کئی ایسی مثالیں پیش کرے گا کہ بعض چیزیں بظاہر حرام اور ناجائز ہوتی ہیں اور پھر ان میں جواز پیدا کیا جاتا ہے۔ یہاں تک مقدمہ ختم ہوا۔

اب بندہ اصلی مقصد کی طرف رجوع کرتا ہے۔ بندہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ رباء وغرر اور قمار کی تعریف کی جائے۔ لہٰذا بندہ سب سے پہلے رباء کی تعریف کرتا ہے۔ کتاب تنویر

الابصار وکتاب درمختار اور کتاب ردالمختار ان تینوں کتابوں میں مجموعی طور پر رباء کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

رباء کی تعریف:۔ " الرباء لغة مطلق الزيادة وشرعاً فضل ولو حكماً فدخل رباء النسئه خالٍ عن عوض خرج صرف الجنس بخلاف جنسه بمعيار شرعي وهوا الكيل و الوزن فليس الزرع والعد بربا مشروط ذالك الفضل لاحد المتعاقدين اى البائع والمشترى ومثلهما المقرضان والراهنان فلو شرط لغيرهما فليس بربا فى المعاوضة فليس الفضل فى الهبة بربا۔ الخ "

اس عربی عبارت کے ترجمہ سے قبل چند الفاظ کی وضاحت ضروری ہے۔

اول:۔ " الربا " رباء دو قسم ہے۔

اول: ۔ یہ کہ مثلاً ایک روپیہ کسی کو بطور قرض دیا اور دو روپے وصول کئے تو ایک روپیہ زیادہ وصول کیا اس کو زیادتی حقیقی کہتے ہیں۔

دوم: ۔ یہ کہ کسی کو چاندی کا ایک روپیہ دیا اور ایک ماہ کے بعد ایک روپیہ ہی وصول کیا تو یہ تاخیر بھی ایک قسم کی زیادتی ہے اس کو زیادتی حکمی کہتے ہیں۔ اور اس میں روپیہ لینے والے کو نفع حاصل ہوا۔ اور اس کو ربا النسیئہ کہتے ہیں۔ اور یہ تعریف مطلق رباء کی ہے جو کہ ہر دو قسم رباء کو شامل ہے۔ ان ہر دو قسم رباء میں جو فرق ہے اس کو محفوظ کرنا ضروری ہے تا کہ رباء کی تعریف کو سمجھ سکے۔

دوم:۔ ’’ بمعیار شرعی وھوا الکیل و الوزن فلیس الزرع والعد‘‘.

چیزوں کی مقدار معلوم کرنے کے چند طریقے ہیں۔

اول:۔ وزن یعنی کلو وغیرہ سے تولنا۔

دوم:۔ کیل یعنی ایک برتن بھر کر کسی کو گندم کا فروخت کرنا۔ اور چار روپے وصول کرنا۔ اس برتن کو عربی میں صاع اور ہندی میں ٹوپہ کہتے ہیں۔

سوم:۔ زراع یعنی یہ معلوم کرنا کہ کپڑا دس گز ہے یا کہ زمین کو کرموں اور جریب سے پیائش کرنا۔ کہ دس مرلہ یا دس کنال ہے۔

چہارم:۔ گنتی مثلاً مرغی کے انڈوں سے ایک ٹوکرا بھرا ہوا ہے ان انڈوں کو گننا کہ اس ٹوکرا میں یک صد انڈہ ہے۔ اس کو گنتی کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ چیزوں کی مقدار معلوم کرنے کے مشہور چار طریقے ہیں۔ اول دو طریقہ یعنی کیل اور وزن کو معیار شرعی کہتے ہیں۔ اور زراع اور گنتی کو معیار شرعی نہیں کہتے۔

سوم:۔ ’’ بربا مشروط ذالك الفضل لاحد المتعاقدین ای البائع والمشتری ومثلهما المقرضان والراهنان ‘‘

رباء تین جگہ پر ہوتا ہے۔

اول:۔ بیع وشراء یعنی خرید وفروخت۔

دوم:۔ قرض کہ کسی کو یک صد روپیہ قرض دینا۔

سوم:۔کوئی چیز رہن رکھنی۔

جگہ اول میں فروخت کرنے والے کو بائع اور خریدنے والے کو مشتری کہتے ہیں۔ ان ہر دو کو عاقدین کہتے ہیں۔اور جگہ دوم میں قرض دینے والے کر مقرِض اور قرض لینے والے کو مستقرِض کہتے ہیں اور ان ہر دو کو بھی عاقدین کہتے ہیں۔جگہ سوم میں رہن دینے والے کو راہن اور لینے والے کو مرتہن کہتے ہیں۔ان ہر دو کو بھی عاقدین کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ رباء زیادہ تر ان تین عقدوں میں ہوتا ہے۔کسی چوتھی عقد میں نہیں ہوتا۔ خرید وفروخت اور قرض اور رہن صرف ان تین عقدوں میں رباء اور سود ہوتا ہے۔کسی اور جگہ پر نہیں ہوتا۔اب مذکورہ بالا عربی عبارت کا خلاصہ ترجمہ کیا جاتا ہے۔

ترجمہ:۔ رباء کا لغوی معنی مطلق زیادتی ہے اگرچہ وہ زیادتی حکمی ہو۔تو اب ربا النسئیہ اس تعریف میں داخل ہوئی۔کیونکہ اس میں زیادتی حکمی ہوتی ہے۔اور ربا النسئیہ کا معنی قبل ازیں گزر چکا ہے۔اور وہ زیادتی عوض اور بدلہ سے خالی ہو۔یعنی اس زیادتی کا عوض اور بدل نہ ہو۔تو اس سے جنس جو کہ خلاف جنس کے مقابل اور خلاف جنس کے عوض ہو۔ یہ رباء کی تعریف سے خارج ہوگئی۔اور اس میں زیادتی جائز ہے۔کیونکہ یہ زیادتی بلا عوض نہیں ہے۔بلکہ خلاف جنس اس کا عوض ہے۔اور اس کی مثال علامہ شامی نے یہ دی ہے کہ مثلاً کسی شخص نے ایک بوری گندم اور ایک بوری جَو فروخت کی اور اس کی قیمت دو بوری گندم اور دو بوری جَو وصول کی۔اب اس کی دو صورتیں ہیں۔

صورت اول:۔ یہ کہ اگر دو بوری گندم ایک بوری گندم کی قیمت ہو تو اب

ایک بوری گندم ایک بوری گندم کی قیمت ہوئی۔ اور ایک بوری گندم زیادہ ہے۔ اور اس کا عوض نہیں ہے۔ لہذا یہ رباء اور حرام ہے۔ اور اسی طرح دو بوری جو اگر ایک بوری جو کی قیمت ہو تو ایک بوری جو ایک بوری جو کا عوض اور قیمت ہوئی تو ایک بوری جو زیادہ ہے۔ اور بلا عوض ہے۔ لہذا یہ رباء اور حرام ہے۔

صورت دوم:۔ یہ کہ دو بوری گندم ایک بوری جو کی قیمت اور عوض ہو تو یہ چونکہ قیمت اور مبیعہ خلاف جنس ہیں لہذا ایک بوری جو کا عوض دو بوری گندم ہے تو یہاں ایک بوری گندم جو کہ زیادہ ہے یہ زیادتی بلاعوض نہیں بلکہ بوری جو کا عوض دو بوری گندم ہے چونکہ یہاں زیادتی بلاعوض نہیں بلکہ بالعوض ہے تو یہ رباء نہیں اور نہ حرام۔ اور اسی طرح اگر دو بوری جو ایک بوری گندم کی قیمت ہو تو یہاں بھی قیمت اور مبیعہ خلاف جنس ہیں۔ لہذا ایک بوری گندم کا عوض دو بوری جو ہوا۔ تو یہاں ایک بوری جو جو کہ زیادہ ہے یہ بلاعوض نہیں ہے۔ بلکہ بالعوض ہے۔ کیونکہ ایک بوری گندم کا عوض دو بوری جو ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر کسی نے ایک بوری گندم اور ایک بوری جو فروخت کی اور اسکی قیمت دو بوری گندم اور دو بوری جو وصول کی تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک حرام۔ اور دوسری حلال۔ یعنی اگر جنس اپنی جنس کی قیمت ہو تو یہاں زیادتی بلاعوض ہے اور رباء اور حرام ہے۔ اور اگر جنس خلاف جنس کی قیمت ہو تو زیادتی بالعوض ہے۔ لہذا یہاں رباء نہیں اور حلال ہے۔ اور فقہاء کا قاعدہ ہے کہ مسلمان کے فعل میں دو احتمال ہوں ایک احتمال کی وجہ سے وہ فعل جائز ہے اور دوسرے احتمال کی وجہ سے ناجائز ہے۔ تو وہ احتمال لیا جائے گا جس کی وجہ سے مسلمان کا فعل جائز اور حلال قرار پائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا دین آسان اور سہل ہے۔ اس میں مشکلات نہیں ہیں۔ بندہ یہاں رباء کی تعریف

کر رہا تھا۔ اور قیود کے فوائد بیان کرنے میں کلام طویل ہوگئی۔

لہذا بندہ اب پھر رباء کی تعریف کی طرف رجوع کرتا ہے کہ رباء اس زیادتی کا نام ہے جو کہ عوض اور بدلہ سے خالی ہے۔ اور یہ زیادتی کیل اور وزن کے لحاظ سے ہے۔ جو کہ معیار شرعی ہیں۔ تو جب معیار شرعی کی قید لگائی جس سے مراد کیل اور وزن ہے تو جو زیادتی کیل اور وزن کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ زراع یعنی پیائش اور گنتی کے لحاظ سے ہے یہ زیادتی رباء کی تعریف سے خارج ہوئی۔ اور یہ زیادتی نہ رباء ہے اور نہ حرام۔ بندہ قبل ازیں ذکر کر چکا ہے کہ کسی چیز کا مقدار معلوم کرنے کے عموماً چار طریقے ہیں۔ اول: کیل دوم: وزن سوم: زراع چہارم: گنتی۔ اور پہلے دو طریقے معیار شرعی ہیں۔ ان کے لحاظ سے زیادتی رباء اور حرام ہے۔ اور آخری دو طریقے معیار شرعی نہیں ہیں اور ان کی لحاظ سے زیادتی رباء نہیں ہے۔ اور نہ حرام ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے آخری دو طریقہ کی یہ مثال دی ہے۔ زراع اور پیائش کی مثال یہ دی کہ ایک آدمی نے ایک خاص قسم کا کپڑا پانچ گز فروخت کیا۔ اور اس کی قیمت اسی خاص کپڑے کے چھ گز وصول کی۔ تو یہاں اگر چہ ایک گز کپڑا زیادہ ہے لیکن یہ زیادتی نہ کیل کے لحاظ سے ہے اور نہ وزن کے لحاظ سے بلکہ زراع اور پیائش کے لحاظ سے ہے۔ لہذا یہ زیادتی رباء نہیں ہے۔ لہذا جائز اور حلال ہے۔ اور عد اور گنتی کی مثال یہ ہے کہ کسی نے مرغی کا ایک انڈا فروخت کیا اور اسکی قیمت مرغی کے دو انڈے وصول کی تو یہاں بھی اگر چہ ایک انڈا زیادہ ہے لیکن یہ زیادتی نہ کیل کے لحاظ سے ہے اور نہ وزن کے لحاظ سے۔ کیونکہ انڈا نہ تو کیلی ہے اور نہ وزنی۔ بلکہ یہاں زیادتی گنتی کے لحاظ سے ہے۔ لہذا یہ زیادتی رباء نہیں ہے۔ اور جائز ہے۔

اب بندہ پھر رباء کی تعریف کی طرف رجوع کرتا ہے کہ رباء اس زیادتی کو کہتے ہیں کہ وہ زیادتی عوض سے خالی ہو۔ اور یہ زیادتی کیل اور وزن کے لحاظ سے ہو۔ اور وہ زیادتی عاقدین سے کسی ایک کیلئے مشروط ہو۔ اب اگر یہ زیادتی عاقدین سے کسی ایک کیلئے نہیں ہے بلکہ کسی اور کیلئے ہے جو ان کا غیر ہے تو یہ زیادتی بھی رباء نہیں ہے۔ اور جائز ہے۔ اور قبل ازیں گزر چکا ہے کہ بیع میں عاقدین بائع مشتری اور قرض میں مقرض اور مستقرض اور رہن میں راہن اور مرتہن کیونکہ رباء عموماً ان تین جگہوں میں ہی ہوتی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور یہ زیادتی اس لین دین میں ہو۔ جہاں دونوں طرف سے معاوضہ ہو۔ اگر دونوں طرف سے معاوضہ نہیں ہے تو یہاں بھی رباء نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ہبہ ہوتا ہے کہ واہب یعنی ہبہ کرنے والا تو موہوب لہ کو کوئی چیز دیتا ہے لیکن اس کے عوض موہوب لہ سے کوئی چیز نہیں لیتا تو اب اگر زیادتی ہبہ کے طور پر ہو تو یہ رباء نہیں ہے۔ اور اس کی جو مثال درمختار میں ہے اس کا سمجھنا ذرا مشکل ہے۔ اس لئے بندہ اس کی واضح مثال پیش کرتا ہے۔

مثلاً ایک آدمی نے کسی کو ایک بوری گندم قرض کے طور پر دی اور مستقرض نے جب یہ قرضہ مقرض کو ادا کیا تو دو بوری ادا کردیں۔ اور یہ کہا کہ ایک بوری تو اس بوری کا عوض ہے جو میں نے قرض لیا تھی اور ایک بوری میں نے تم کو ہبہ کے طور پر دی۔ تو یہ رباء نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بوری جو ہبہ کی گئی ہے یہاں دونوں طرف سے معاوضہ نہیں ہے۔ بلکہ صرف ایک طرف سے ہے۔ اب بندہ اخیر میں رباء کی دوبارہ مجمل طور پر تعریف کرتا ہے کہ رباء اس زیادتی کا نام ہے جو عوض سے خالی ہو اور یہ زیادتی کیل اور وزن کے لحاظ سے ہو اور یہ زیادتی متعاقدین سے کسی ایک کیلئے مشروط ہو۔ اور یہ زیادتی اس عقد اور کاروبار میں ہو جہاں دونون طرف سے معاوضہ

ہو۔اب رباء کی تعریف ختم ہوئی۔

اب بندہ رباء کے متعلق کچھ تفصیل بیان کرتا ہے جو کہ کرنسی نوٹ آج کل مروج ہیں اوران کے ذریعے کاروبار کیا جاتا ہےتو یہ کاروبار کیل سے کیا جاتا ہے یا کہ وزن۔ سے یا زراع سے یا عدد اور گنتی سے۔تو ظاہر ہے کہ کرنسی نوٹ کیلی نہیں کہ ان سے برتن بھر کرکہ وبار کیا جائے اور نہ ہی وزنی ہیں کہ ان کو تول کر کاروبار کیا جائے۔اور نہ ہی بذریعہ زراع اور پیائش کے ان کے ساتھ کاروبار کیا جاتا ہے بلکہ یہ نوٹ عددی ہیں۔یعنی ان کے ساتھ کاروبار بذریعہ گنتی کیا جاتا ہے۔مثلاً کوئی آدمی دس روپیہ سے کوئی چیز خرید کرتا ہےتو دس روپیہ کی آدائیگی کی تین صورتیں ہیں۔

اول:۔یہ کہ دس روپیہ کا ایک نوٹ بائع کو دیا جاتا ہے۔

دوم:۔یہ کہ ایک ایک روپیہ کے دس نوٹ گن کر۔

سوم:۔دو دو روپیہ کے پانچ نوٹ گن کر دیتا ہے۔یا گن کر بیس اٹھنیاں دیتا ہے۔

اوراسی طرح دس روپے کے دوسرے سکے بھی گن کر دئے جائیں گے۔اور پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ جن چیزوں کے ساتھ پیائش اور گنتی کے ساتھ کاروبار کیا جاتا ہے ان میں رباء نہیں ہے۔تو دس روپیہ کا نوٹ بیچ کر یا قرض دیکر صد روپیہ کے نوٹ وصول کرسکتا ہے۔ اور یہ رباء نہیں ہے۔اس طرح جو لوگ بینکوں میں کرنسی نوٹ جمع کراتے ہیں اور پھر منافع وصول کرتے ہیں یہ بھی رباء اور حرام نہیں ہے۔کیونکہ بینک میں لوگ جمع بھی نوٹ کراتے ہیں اور منافع بھی نوٹوں کی صورت میں حاصل کرتے ہیں اور نوٹ چونکہ عددی ہیں اور عددی میں

رباء نہیں ہے۔ تو بینک کا منافع رباء نہیں ہے۔ لہذا حرام بھی نہ ہوا۔

اسی طرح انشورنس اور بیمہ کمپنیوں میں لوگ جو سرمایہ لگاتے ہیں تو یہاں بھی لوگ نوٹوں کی شکل میں جمع کراتے ہیں اور نوٹوں کی صورت میں ہی نفع حاصل کرتے ہیں اور چونکہ نوٹ عددی ہیں ان کے ساتھ کاروبار گنتی کے ذریعہ ہوتا ہے اور عددی میں رباء نہیں ہے۔ تو یہ منافع بھی رباء نہ ہوا۔ تو اس کو رباء کہنا درست نہیں ہے۔ اب بندہ یہاں ایک خاص چیز ذکر کرتا ہے۔ وہ یہ کہ جو لوگ بینک اور انشورنس اور بیمہ کے منافع کو رباء اور ناجائز قرار دیتے ہیں وہ ایک اعتراض کرتے ہیں کہ اگر دونوں عوض کی جنس ایک ہو اور دونوں عوض مکیلی یا موزونی ہوں تو زیادتی اور نسئیہ ہر دو منع اور حرام ہیں۔ اور اگر ہر دو عوض کی جنس ایک نہ ہو اور ان سے کوئی بھی مکیلی موزونی نہ ہو تو زیادتی اور نسئیہ ہر دو جائز ہیں۔ اور اگر ہر دو عوض سے کوئی مکیلی موزونی نہیں ہے لیکن ہر دو کی جنس ایک ہے یا ہر دو کی جنس تو ایک نہیں ہے لیکن ہر دو عوض مکیلی یا موزونی ہیں تو ان ہر دو صورتوں میں زیادتی جائز ہے۔ نسئیہ منع ہے۔ اور بینک اور انشورنس اور بیمہ میں نوٹ جمع کرائے جاتے ہیں اور منافع بھی نوٹوں کے ذریعے وصول کیا جاتا ہے تو ہر دو عوض اگرچہ مکیلی موزونی نہیں ہیں لیکن ہر دو عوض چونکہ نوٹ ہیں اور از قسم کاغذ ہیں۔ اور ان کی جنس ایک ہے تو زیادتی تو جائز ہے لیکن نسئیہ اور اودھار منع ہے۔ اور بینکوں اور بیمہ اور انشورنس کمپنیوں میں جو سرمایہ لگایا جاتا ہے تو منافع اسی وقت حاصل نہیں کیا جاتا بلکہ مقررہ مدت کے بعد لگانے والے کو اپنے سرمایہ کا منافع ملتا ہے تو یہ نسئیہ اور اودھار ہے۔ تو یہ اودھار رباء ہوا اور حرام۔ تو اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔

جواب اول:۔ قبل ازیں گزر چکا ہے کہ رباء دو قسم ہے۔

اول:۔ ربوٰالفضل مثلاً ایک تولہ چاندی کسی کو فروخت کی اور اسی وقت دو تولہ چاندی وصول کی۔اس کو ربوٰالفضل کہتے ہیں۔

دوم:۔ ربا النسئیہ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک تولہ چاندی کسی کو فروخت کی اور اس کی قیمت بھی ایک تولہ چاندی وصول کی لیکن ایک ماہ یا ایک سال بعد تو یہاں مشتری کو یہ فائدہ ہوا کہ اس کو قیمت کی ادائیگی میں مہلت مل گئی۔ یہ مہلت بھی ایک قسم کا نفع ہے۔اور اس کو ربا النسئیہ یعنی اودھار کہتے ہیں۔اور ہر دو قسم رباء حرام ہیں۔اور قبل ازیں رباء کی جو تعریف کی گئی ہے یہ مطلق رباء کی تعریف ہے۔جو کہ ربوٰالفضل اور ربا النسئیہ ہر دو کو شامل ہے۔تو تعریف رباء میں تصریح ہے کہ ہر دو قسم رباء میں دونوں عوض کا مکیلی یا موزونی ہونا ضروری ہے۔اگر ہر دو عوض مکیلی یا موزونی نہیں ہیں۔تو باوجود ایک جنس کے زیادتی اور نسئیہ یعنی اودھار ہر دو جائز ہیں۔اور اس منافع کو رباء نہیں کہا جائے گا چونکہ بینک اور دوسری کمپنیوں میں سرمایا نوٹوں کی شکل میں لگایا جاتا ہے۔اور منافع بھی نوٹوں کی شکل میں وصول کیا جاتا ہے۔اور نوٹوں کی اگرچہ جنس ایک ہے لیکن یہ نوٹ مکیلی اور موزونی نہیں۔ بلکہ عددی ہیں۔ یعنی ان کی خرید و فروخت گنتی کے لحاظ سے ہوتی ہے۔لہذا ان میں زیادتی اور نسئیہ ہر دو جائز ہیں۔اور اس زیادتی اور نسئیہ کو رباء نہیں کہا جائے گا۔کیونکہ ان پر رباء اور سود کی تعریف صادق نہیں آتی۔دوبارہ عرض ہے کہ ہر چیز کی معرفت اور پہچان اس کی تعریف سے حاصل ہوتی ہے تو رباء وہ ہے جس پر رباء کی مذکورہ بالا تعریف صادق آئے۔

اور جس پر سود کی تعریف صادق نہیں آتی وہ رباء اور سود نہیں ہے۔اور اس کو رباء اور

سود کہنا غلط اور دین اسلام سے ناواقفی ہے۔تو نوٹ چونکہ مکیلی اور موزونی نہیں ہیں اور رباء اور سود کیلئے دونوں عوضوں کا مکیلی اور موزونی ہونا ضروری ہے لہذا بینکوں اور دوسری کمپنیوں میں جو سرمایہ لگا جاتا ہے۔اور پھر اس سے نوٹوں کی شکل میں منافع حاصل کیا جاتا ہے وہ منافع ہرگز ہرگز رباء اور سود نہیں ہے۔یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ بندہ نے رباء اور سود کی جو تعریف کتاب تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار اور حاشیہ شامی سے نقل کی ہے دوسری کتب حنفیہ میں یہی تعریف ہے۔باوجود تتبع کے کتب احناف سے کوئی ایسی تعریف بندہ کی نظر سے نہیں گزری جو کہ نوٹوں کے منافع پر صادق آئے۔یہاں تک بندہ نے اعتراض مذکورہ بالا کا ایک جواب ذکر کیا ہے۔اب جواب دوم ملاحظہ ہو۔

جواب دوم:۔ ردالمختار شامی میں ہے۔کہ رباء اور سود تین جگہ پر ہوتا ہے۔

اول:۔ بیع اور شراء اس کی مثالیں گزر چکی ہیں۔

دوم:۔ رباء اور سود قرض میں ہے کہ کسی ایک کو تولہ چاندی قرض دی اور کچھ مدت کے بعد دو تولہ چاندی قرض وصول کیا اور یہاں رباء اور سود صرف زیادتی کی صورت میں ہے قرض میں ربا النسیئہ نہیں ہوتی۔کیونکہ قرض تو کہتے ہیں اودھار کو ہیں۔اگر یہ حرام ہوتو قرضہ لینا دینا ہی حرام ہوگا۔حالانکہ قرض باعث ثواب ہے۔اب بندہ مذکورہ بالا اعتراض کا دوسرا جواب نقل کرتا ہے۔کہ اعتراض یہ ہے نوٹوں کی چونکہ جنس ایک ہے اگرچہ مکیلی اور موزونی نہیں ہیں۔لہذا ان میں اودھار منع ہوگا حالانکہ بینکوں اور کمپنیوں میں منافع اودھار ہوتا ہے۔تو جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اس وقت ہے کہ بینکوں اور دوسری کمپنیوں میں نوٹوں کی

شکل میں سرمایا لگانے والے اپنے نوٹ بینک اور کمپنیوں کو فروخت کریں۔

اور اس کی قیمت اصل مع منافع وصول کریں۔ تو اس صورت میں اودھار اور نسئیہ ہوگا۔ لیکن اگر اس کی یہ توجیہ کی جائے کہ سرمایا لگانیوالے بینک اور کمپنیوں کو اپنا سرمایا قرض دیتے ہیں اور پھر قرض مع زیادتی وصول کرتے ہیں تو اب ربا النسئیہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ قرض میں اودھار ہی ہوتا ہے۔ لہذا قرض میں ربا النسئیہ نہیں۔ اگرچہ یہاں قرض میں زیادتی ہے۔ اور یہ زیادتی بھی رباء اور سود نہیں ہے۔ کیونکہ اگرچہ نوٹوں کی جنس ایک ہے لیکن مکیلی موزونی نہیں ہیں۔ اور اس صورت میں زیادتی جائز ہے۔ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ ربوا الفضل اور ربا النسئیہ کیلئے ضروری ہے کہ ہر دو عوض کی یا تو جنس ایک ہو یا دونوں مکیلی موزونی ہوں۔ یا کہ دونوں عوض کی جنس بھی ایک ہو۔ اور دونوں مکیلی موزونی ہوں۔ اس صورت میں رباء اور سود ہوگا۔ اور اگر نہ جنس ایک ہو اور نہ دونوں مکیلی موزونی ہوں۔ تو اس صورت میں رباء اور سود بالکل نہ ہوگی۔ نہ ربوا الفضل اور نہ ربا النسئیہ۔ اب اس کی دلیل ملاحظہ ہو۔

تنویر الابصار اس کی شرح درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمختار میں ہے۔

"وعلت القدر المعهود بكيل او وزن مع الجنس فان وجد احرم الفضل والنساء بالمد التاخير وان عدما وحلا وان وجد احدهما اى القدر وحده او الجنس حل الفضل وحرم النساء ولو مع التساوى"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ رباء اور سود جو حرام ہے اس کی علت دو چیزیں ہیں۔ قدر اور جنس۔ قدر سے مراد کیل اور وزن ہے۔ اگر دونوں عوض کی جنس ایک ہو اور دونوں مکیلی یا موزونی ہوں تو زیادتی اور اودھار دونوں حرام ہیں اور اگر دونوں عوض کی نہ تو جنس ایک ہو اور نہ

ان سے کوئی ایک مکیلی موزونی ہے تو زیادتی اور اودھار دونوں حلال ہیں اور اگر دونوں عوض کی جنس ایک ہو لیکن ان سے کوئی مکیلی موزونی نہیں ہے یا دونوں عوض مکیلی یا موزونی تو ہیں لیکن جنس ایک نہیں ہے تو ان دونوں صورتوں میں زیادتی حلال اور اودھار حرام ہے۔

یہ چار صورتیں بیع وشراء میں ہیں۔ قرض میں نہیں ہیں۔ کیونکہ قرض میں تو نسَاء اور تاخیر جائز ہوئی ہے۔ البتہ اگر قرض میں دونوں عوض مکیلی موزونی اور جنس ایک ہو تو زیادتی رباء اور سود ہوگی اور حرام۔ اور اگر قرض میں دونوں عوض کی نہ جنس ایک ہے اور نہ ان سے کوئی مکیلی موزونی ہے یا دونوں عوض کی جنس تو ایک ہے لیکن ان سے کوئی موزونی اور مکیلی نہیں ہے۔ یا ہر دو عوض مکیلی اور موزونی تو ہیں لیکن جنس ایک نہیں۔ تو ان تین صورتوں میں زیادتی حلال ہے اور رباء اور سود نہیں۔ خلاصہ یہ کہ بیع وشراء اور قرض میں چار چار صورتیں ہیں۔ بیع و شراء میں بعض صورتوں میں زیادتی اور اودھار حرام ہے بعض میں زیادتی اور اودھار دونوں حلال۔ اور بعض میں زیادتی جائز اور اودھار حرام ہے۔ لیکن قرض کی چار صورتوں میں کہیں زیادتی حرام ہے اور کہیں زیادتی حلال۔ لیکن اودھار کہیں حرام نہیں۔ کیونکہ قرض کی تو مدار ہی اودھار پر ہے۔ تو ساری بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ بینکوں اور بیمہ اور انشورنس کمپنیوں میں نوٹوں کی شکل میں سرمایہ لگاتے ہیں اور پھر اصل اور منافع کو نوٹوں کی شکل میں وصول کرتے ہیں یہ منافع رباء اور سود نہیں ہے۔ لہذا حرام نہ ہوا۔ تو اگر اس کو قرض پر محمول کیا جائے تو یہ منافع رباء اور سود نہیں ہے لہذا حرام نہ ہوا۔ اور چونکہ قرض کی مدار ہی اودھار پر ہے تو یہ اودھار بھی جائز ہوا نہ منع۔

یہاں تک بندہ نے کتب معتبرہ کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ بینکوں اور دیگر کمپنیوں

میں نوٹوں کی شکل میں جو سرمایہ لگایا جاتا ہے اور پھر اصل اور منافع نوٹوں کی شکل میں وصول کیا جاتا ہے تو اگر اس کو قرض پر محمول کیا جائے کہ لوگ بینکوں اور کمپنیوں کو نوٹ کی شکل میں قرض دیتے ہیں اور اس قرض کی وصولی بذریعہ قرض وصول کرتے ہیں تو منافع رباء اور سود نہیں ہے۔ کیونکہ اگرچہ نوٹ ایک دوسرے کی جنس ہیں لیکن مکیلی موزونی نہیں۔ اس صورت میں زیادتی جائز ہے اور چونکہ یہ بیع شراء نہیں ہے بلکہ قرض ہے تو ادھار بھی جائز ہے تو جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ منافع رباء اور سود ہے یہ بالکل غلط ٹھہرا۔ جو اہل علم مذکورہ منافع کو جائز قرار دیتے ہیں ان کی تین دلیلیں ہیں۔

دلیل اول:۔ یہ کہ یہ منافع رباء اور سود اور حرام ہے۔ اس دلیل کو بندہ نے دلائل سے رد کر دیا ہے۔

دلیل دوم:۔ یہ ہے کہ اس کاروبار میں قمار ہے اور قمار نص قرآنی سے حرام ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

"قوله تعالی - يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ"

آیت مذکورہ بالا میں میسر سے مراد قمار ہے کہ خمر اور قمار دونوں میں گناہ ہے۔ اب بندہ اس دلیل کو رد کرتا ہے۔ دلیل کو رد کرنے سے قبل بندہ یہ عرض کرتا ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں جو لفظ مَیسر ہے۔ اس کے متعلق مختصر تحقیق ملاحظہ ہو۔ تفسیر احکام القرآن للجصاص میں ہے۔

" المیسر فی اصل اللغته انما هوالتجزئته وکل ماجزء ته فقد یسرته یقال للجاز الیاسر لانه یجزء الجزور والمیسر الجزور نفسه کانوا ینحرون

جزوراً ویجعلونه اقساماً یتقامرون علیها بالقداح علی عادتهم علی ذالك فكل من خرج له قدحٌ نظروا الیٰ ما علیه من السمته فیحكمون له بما یقتضیه اسماء القداح فسمی علی هذا سائر ضروب القمار میسرا قال ابن عباس وقتادة ومعاویه بن صالح وعطاء وطاؤس و مجاهد المیسر القمار "

خلاصہ عربی عبارت کا یہ ہے کہ قرآن پاک میں جو لفظ میسر ہے اس کا لغوی معنی کسی چیز کا تقسیم کرنا ہے۔ اسلئے جو تقسیم کنندہ ہو اس کو یاسر کہتے ہیں اور اصطلاح میں میسر اونٹ کو کہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کفار اونٹ کو ذبح کر کے اس کے کئی قسم کرتے تھے اور پھر تیروں سے قرعہ اندازی کرتے تھے۔ ہر تیر پر لکھا ہوتا تھا کہ اس کے اتنے حصے ہیں۔ تو جو تیر کسی کے نام پر نکلتا تھا اس تیر پر لکھے حصص اونٹ کے گوشت سے اس آدمی کو دیتے تھے۔ تو اس قسم کی ہر تقسیم کو میسر کہا جاتا ہے خواہ گوشت اونٹ کا ہو یا کسی اور چیز کا۔ یا کہ وہ چیز گوشت نہ ہو بلکہ کوئی اور چیز ہو۔ اور حضرت ابن عباس اور متعدد تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ قرآن پاک میں جو لفظ المیسر ہے اس سے مراد قمار ہے۔ میسر کا لفظ قرآن پاک میں متعدد جگہ پر آیا ہے۔

اول:۔ پارہ دوم میں "یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ"

دوم:۔ پارہ ہفتم میں بایں الفاظ "اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ"

علامہ صاحب روح المعانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں میسر کا معنی قمار قرار دیا ہے۔ اور قمار

کے اور اقسام بھی ذکر فرمائے۔عبارت ملاحظہ ہو۔

" المیسر ھو القمار وعد د امنه اللعب با لجو ز"

یعنی پارہ ہفتم میں جو لفظ المیسر ہے اس کا معنی قمار ہے۔اور لڑکے جو اخروٹ کھیلتے ہیں یہ بھی قمار ہے۔کیونکہ یہاں دونوں طرف سے شرط ہوتی ہے۔مثلاً ہر ایک کہتا ہے کہ اگر میں جیت گیا تو دوسرا اس کو تاوان دیگا۔

پارہ دوم میں جو فرمان الٰہی ہے " يَسْـئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ " اس کی تفسیر میں علامہ روح المعانی کے یہ الفاظ ہیں۔ملاحظہ ہوں۔ " والمیسر مصدر میمی قیل من یسرو ا الشئی اذا اقتسموہ وسمی المقامر یا سر ا لانه بسبب ذالك الفعل یجزی لحم الجزور وصفته انه كانت لهم عشرة اقداح هی الازلام والاقلام الفذ ۔ ۱ والتوام ۔ ۲ والرقیب ۔ ۳ والحلس ۔ ۴ والنافس ۔ ۵ والمسبل ۔ ۶ والمعلی ۔ ۷ ولمنیح ۔ ۸ والسفیح ۔ ۹ والوغد ۔ ۱۰ لكل واحد منها نصیب معلوم من جزور ینحرونها و یجزؤنها ثمانیةً وعشرین الا الثلاثة وهو المنیح ولسفیح والوغد للفذ سهم وللتوام سهمان وللرقیب ثلثة وللحلس اربعة وللنافس خمسة وللمسبل ستة وللمعلی سبعة ویجعلونها فی الربابه وهی خریطة ویضعونها علی یدی عدلٍ ثم یجلجلها ویدخل ید ہ فیخرج باسم رجل رجل قدحا منها فمن خرج له قدح من ذوات الانصباء اخذ النصیب الموسوم به ذالك القدح ومن خرج له قدح مما لا نصیب له لم یأخذ شیئا وغرم ثمن الجزور كله مع حرمانه وكانوا یدفعون تلك الانصباء الی الفقراء ولا یأ كلون منها ویفتخرون

بذالك ويزمون من لم يدخل فيه ويسمونه البرم"

خلاصہ عربی عبارت یہ ہے کہ میسر مصدر میمی ہے۔ اور عرب کے اس محاورہ سے ماخوذ ہے۔ کہ جب عرب کسی شئی کو تقسیم کریں تو کہتے ہیں یسر و ا الشئی یعنی انہوں نے اس شئی کو تقسیم کیا اور تقسیم کرنے والے کو یاسر کہتے ہیں جس کا معنی تقسیم کرنے والا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے فعل کی وجہ سے اونٹ کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا عبارت سے ثابت ہوا کہ لفظ میسر اور قمار کا معنی تقسیم کرنا ہے۔ اور اس سے مراد مطلق تقسیم نہیں بلکہ اونٹ کے گوشت کی تقسیم ایک خاص طریقہ سے ہے جس کی تفصیل ابھی ابھی کی جاتی ہے۔ کہ جاہلیت میں کفار نے دس تیر بنا رکھے تھے۔ اول کا نام الفذ تھا۔ اس کا ایک حصہ تھا۔ دوم کا نام التوام تھا اس کے دو حصے تھے۔ تیسرے کا نام الرقیب تھا۔ اس کے تین حصے تھے۔ چوتھے کا نام الحلس تھا اس کے چار حصے تھے۔ پانچویں کا نام النافس تھا اس کے پانچ حصے تھے۔ چھٹے کا نام المسبل تھا اس کے چھ حصے تھے۔ ساتویں کا نام المعلی تھا اس کے سات حصے تھے۔ ان سات تیروں کے جو حصے ذکر کیے گئے ہیں ان کو جمع کیا جائے تو اٹھائیس حصے بنتے ہیں۔ دس تیروں سے جاہلیت کے دور میں سات تیروں کے حصے ہیں۔ جو کہ اوپر ذکر کیے گئے ہیں۔ اور باقی تین تیروں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور ان تینوں کے نام یہ ہیں۔ اول المنیح دوم السفیح سوم الوغد زمانہ جاہلیت میں ان دس کے ساتھ قمار اس طرح کیا جاتا تھا کہ اونٹ ذبح کر کے اس کے گوشت کے اٹھائیس حصے کرتے تھے۔ اور دس کو ایک تھیلے میں ڈالتے تھے۔ اور یہ تھیلا ایک عادل آدمی کے ہاتھ میں دیتے تھے۔ اور وہ آدمی تھیلے کو اچھی طرح سے ہلاتا تھا۔ اور پھر قمار کرنے والے لوگوں سے ہر مرد کے نام پر ایک ایک تیر وہ عادل آدمی تھیلے سے نکالتا تھا۔

اب نکالے ہوئے تیر پر اگر کوئی حصہ لکھا ہوا ہوتا تو وہ حصہ اس مرد کو دیا جاتا۔ جس کے نام پر تیر نکلتا تھا۔ اور اگر قمار والوں سے کسی مرد کے نام وہ تیر نکلا جس کا کوئی حصہ نہیں اس کو کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ اور حصہ سے محرومی کے باوجود اس محروم آدمی سے پورے اونٹ کی قیمت وصول کر لی جاتی تھی۔ اور قمار بازوں کو اونٹ کے گوشت سے جو حصہ ملتا تھا۔ وہ خود نہیں کھاتے تھے۔ بلکہ فقراء کو دے دیتے تھے۔ اور اس پر فخر کرتے تھے۔ اور جو لوگ مذکورہ قمار سے اعتراض کرتے اور اس میں داخل نہ ہوتے تھے قمار بازان کی مذمت کرتے تھے۔ اور ان کا نام قمار بازوں نے بَرَم رکھا ہوا تھا۔ جس کا معنی نیکی سے انقطاع ہے۔

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ قمار باز اس فعل قمار کو نیکی سمجھتے تھے۔ کیونکہ اس میں فقراء کا فائدہ ہے لہذا وہ اس قمار پر فخر کرتے تھے اور جو لوگ قمار کے منکر تھے اور قمار میں داخل نہیں ہوتے تھے قمار بازان کی اس وجہ سے مذمت کرتے تھے کہ یہ لوگ فقراء کے ساتھ احسان کرنا نہیں چاہتے اور یہ البرم ہیں۔ یعنی نیکی سے جدا ہیں۔ یہاں تک بندہ نے قمار اور المیسر کی ایک صورت بیان کی۔ جو کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ اقدس میں مروج تھا۔ اور قرآن پاک کے پارہ دوم کی آیت مذکورہ سے حرام ہوا۔ آیت مبارک یہ ہے۔

"يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ"

اب بندہ قمار کی تعریف اور اسکا خلاصہ بیان کرتا ہے۔ کہ قمار میں دونوں طرف سے شرط ہوتی ہے چنانچہ قمار کی جو صورت بیان کی گئی ہے۔ اس میں دونوں طرف سے شرط ہے کہ اگر وہ تیر نکل آیا جس پر حصہ درج ہے تو جس مرد کے نام یہ تیر نکل آیا اس کو گوشت کا وہ حصہ مل جائے گا جو تیر پر لکھا ہے۔ اور اگر قمار باز کے نام وہ تیر نکل آیا جس پر کوئی حصہ نہ تھا تو پھر قمار

باز کو کچھ نہیں ملے گا۔ بلکہ اس قمار باز سے سارے اونٹ کی قیمت وصول کی جائے گی۔ اور جو لوگ اس قمار کا انتظام کرتے تھے یہ اونٹ کی پوری قیمت ان کو مل جاتی تھی اور وہی قمار باز سے قیمت وصول کرتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ پہلی صورت میں وہ منتظم قمار باز کو اونٹ کے گوشت کا وہ حصہ دیتے تھے جو کہ تیر پر درج تھا۔ اور دوسری صورت میں منتظم اس قمار باز سے اونٹ کی پوری قیمت وصول کر لیتے تھے۔ جس کے تیر پر کوئی حصہ درج نہ ہوتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ اس مذکورہ قمار میں دونوں طرف سے شرط ہوتی تھی۔ اور لینا دینا ہوتا تھا۔ مزید برآں قمار میں اس قسم کا قرعہ ہوتا ہے۔ جس کا قرعہ حصہ والا نکل آیا وہ مستحق ہوتا ہے اور جس کا قرعہ حصہ والا نہ نکلا بلکہ محرومی والا قرعہ نکلا وہ محرومی کے باوجود اس کو تاوان دینا پڑتا ہے۔ اور یہ قرعہ شرع شریف میں قمار ہے۔ اور حرام ہے۔ اور قرعہ کی ایک دوسری قسم ہے جو کہ قمار نہیں۔ اور جائز ہے۔ اس کا بیان بعد میں ذکر کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالی۔ اب بندہ قمار کا ایک دوسرا قسم بیان کرتا ہے۔ جس کا ذکر بھی قرآن پاک کے پارہ اکیس میں ہے۔

" قوله تعالى - الم غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ "

اس سورۃ مبارکہ میں رومیوں اور ایرانیوں کا ذکر ہے کہ رومی اہل کتاب نصرانی تھے۔ اور مسلمان بھی اہل کتاب تھے۔ اس وجہ سے رومیوں اور مسلمانوں میں مناسبت تھی۔ اور ایرانی مجوسی اور آتش پرست مشرک تھے۔ اس لحاظ سے ایرانیوں اور کفار مکہ میں مناسبت تھی۔ کیونکہ اہل مکہ کفار بھی بت پرست مشرک تھے۔ رومیوں اور ایرانیوں میں لڑائی ہوئی اور ایرانی غالب

اور رومی مغلوب ہوئے۔ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ کہ آں حضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم مکہ مکرمہ میں تھے۔ ایرانیوں کی اس فتح اور کامیابی پر کفار مکہ نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ ایرانی ہمارے ہم مذہب اور رومی تم مسلمانوں کے ہم مذہب ہیں۔

تو جیسے ہمارے ہم مذہب ایرانی تمہارے ہم مذہب رومیوں پر غالب آئے ہیں اس طرح ہم اہل مکہ یعنی کفار تم مسلمانوں پر غالب آئیں گے۔ خلاصہ یہ کہ ایرانیوں کی فتح سے کفار مکہ نے یہ فال لیا کہ اگر کفار مکہ اور مسلمانوں میں کبھی لڑائی ہوئی تو کفار مکہ مسلمانوں پر غالب آئیں گے۔ تو کفار مکہ کے اس طعنہ سے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بڑی تکلیف ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آنحضرت ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کی تسلی کیلئے مذکورہ بالا سورت نازل فرمائی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر چہ رومی مغلوب اور ایرانی غالب ہوئے ہیں لیکن عنقریب رومی مغلوب ہونے کے باوجود چند سالوں میں ایرانیوں پر غالب آئیں گے۔ اور کفار مکہ کا طعنہ اور فال غلط اور باطل ہو جائے گا۔ اور اس میں مسلمانوں کیلئے نیک فال ہوگی۔ کہ وہ لڑائی کی صورت میں کفار مکہ پر غالب آئیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مسلمانوں کو یہ خوشخبری سنائی تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کفار مکہ کے پاس گئے۔ اور ان کو فرمایا کہ تم اپنے بھائی ایرانیوں کی فتح پر خوشی منا رہے ہو تمہاری یہ خوشی بالکل عارضی ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی تمہاری آنکھیں ٹھنڈی نہیں کریگا۔ خداوند تعالیٰ کی قسم عنقریب رومی اہل ایران پر غالب آئیں گے۔ یہ غیب کی خبر ہمارے نبی ﷺ نے ہم کو سنائی اور بتلائی ہے۔ جب کفار مکہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رومیوں کے غالب ہونے کی خبر سنی تو کفار مکہ سے ایک شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ تو نے جھوٹ بولا ہے۔ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

جواب میں کہا کہ اے اللہ تعالیٰ کے دشمن تو بڑا جھوٹا ہے۔

اس دشمن خداوند تعالیٰ کا نام اُبَــی بن خلف تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابی بن خلف کو کہا کہ میں تمہارے ساتھ شرط باندھتا ہوں۔ کہ آج سے تین سال تک اگر رومی اہل ایران پر غالب آ گئے تو تُو ابی بن خلف دس اونٹیاں مجھے بطور تاوان دیگا۔ اور اگر تین سال تک ایرانی دوبارہ رومیوں پر غالب نہ آ گئے تو میں یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تم کو یعنی ابی بن خلف کو دس اونٹ دونگا۔ تو ابی بن خلف نے یہ شرط قبول کر لی۔ خلاصہ یہ کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ابی بن خلف کے درمیان تین سال کی مدت مقرر ہوئی اور دس دس اونٹ جرمانہ اور تاوان ٹھہرا۔ خلاصہ یہ کہ شرط دونوں طرف سے تھی کہ ایک صورت میں ابی بن خلف دس اونٹ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیگا۔ اور دوسری صورت میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دس اونٹ ابی بن خلف کو ادا کریں گے۔

اس شرط کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ کو اس شرط کی تفصیل عرض کی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے جو تین سال مقرر کئے ہیں یہ ٹھیک نہیں کیا۔ کیونکہ سورت روم کی آیت مذکورہ میں جو لفظ بضع ہے اس کا اطلاق تین سے نو عدد تک ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد لفظ بضع سے تین سال سے زیادہ نو تک ہو۔ لہذا اے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تم شرط میں زیادتی کرو۔ یعنی دس اونٹ سے زیادہ جرمانہ اور تاوان مقرر کرو۔ اور اجل اور مدت میں بھی زیادتی کرو۔ یعنی تین سال سے زیادہ کی مدت مقرر کرو۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے مدمقابل ابی بن خلف کے پاس آئے۔ اور اس کو کہا کہ جرمانہ اور تاوان اور مدت دونوں میں زیادتی کرو۔ ابی بن خلف نے

پہلے تو لیت لعل کیا لیکن آخر راضی ہو گیا۔ اور سو سو اونٹ دونوں طرف سے مقرر ہوئے۔ اور مدت تین سال کی بجائے نو سال مقرر ہوئی۔ جب تک آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہجرت نہیں کی تو رومی اہل ایران پر غالب نہ آئے اور شرط باقی رہی۔

تو جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی تو ابی بن خلف نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہا کہ میرے تمہارے درمیان شرط ہے۔ اور ابھی تک شرط کا فیصلہ نہیں ہوا۔ لہذا تم مجھے ضامن دو۔ جس سے میں سو اونٹ وصول کروں گا۔ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمن کو ضامن دیا۔ اس وقت عبدالرحمن مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور جب بعد از ہجرت آنحضرت ﷺ اور کفار مکہ کے درمیان جنگ احد ہوئی تو ابی بن خلف کفار مکہ کے ساتھ مل کر احد کو جانے لگا۔ تو عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے اس کو کہا کہ تم لڑائی پر جا رہے ہو۔ ہو سکتا ہے تمہاری موت واقع ہو جائے تو جو سو اونٹ شرط کے طور پر تمہارے ذمہ ہیں ان کا ضامن مجھ کو دو۔ تاکہ اگر تم شرط ہار جاؤ تو میں اس ضامن سے سو اونٹ وصول کروں۔ تو ابی بن خلف نے اپنا ضامن عبدالرحمن کو دیدیا۔ اور ابی بن خلف احد میں زخمی ہوا، اور مر گیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی پیش گوئی پوری ہوئی اور رومی اہل ایران پر غالب آئے۔ شرط کی مدت نو سال تھی۔ ساتویں سال رومی اہل ایران پر غالب آئے۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سو اونٹ ابی بن خلف کے وارثوں سے وصول کر لئے کیونکہ ابی اس سے قبل مر چکا تھا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ ساری شرط آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں لے آئے۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ ساری شرط مساکین پر صدقہ کر دو۔ یہ تمام قصہ مستند تفاسیر میں ہے۔

بندہ نے یہ ساری تقریر تفسیر روح المعانی سے نقل کی ہے۔ طوالت کے خوف سے عربی عبارت نقل نہیں کی۔ بلکہ ترجمہ پر اکتفاء کیا ہے۔ یہ قمار کی دوسری شکل اور مثال ہے۔ اور یہاں بھی شرط دونوں طرف سے ہے۔ اب یہاں پر سوال وارد ہوتا ہے کہ یہ شرط قمار اور حرام ہے۔ تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کا ارتکاب کیوں کیا۔؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تقریر کیوں فرمائی۔؟

تو مفسرین نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ واقعہ قمار ہجرت سے پہلے کا ہے۔ اور اس وقت قمار حرام نہیں تھا۔ قمار کی حرمت بعد از ہجرت مدینہ شریف میں بہت بعد میں ہوئی۔ اور جن آیات سے قمار کی حرمت ہوئی ہے یہ آیات نزول کے لحاظ سے آخری آیات ہیں۔ اس پر بندہ مستند تفاسیر سے دلیل پیش کرتا ہے۔ تفسیر روح المعانی میں ہے۔

"انه كان ذالك قبل تحريم القمار كما اخرج ابن جرير وابن ابی حاتم والبهقی عن قتادة والترمذی وصححه عن نیار بن مکرم لان السورة مكية والتحريم الخمر والميسر من آخر القرآن نزولاً"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ سورت روم مکی ہے۔ تو یہ واقعہ تحریم میسر سے پہلے کا ہے۔ جیسا کہ ابن جریر وابن ابی حاتم اور بیہقی نے قتادہ سے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور خمر اور میسر کی تحریم نزول کے لحاظ سے قرآن کا آخری حصہ ہے۔

تفسیر احکام القرآن للجصاص میں ہے۔

"وقد كان مباحاً الى ان ورد تحريمه وقد خاطر ابو بكر صدیق رضی اللہ عنہ المشركين حين نزلت الم غلبت الروم وقال له النبی صلی اللہ علیہ وسلم زد فی

الخطر واوالبعد فی الا جل ثم خطر ذالك ونسخ بتحریم القمار "

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ ابتداء میں قمار مباح تھا بعد میں حرام ہوا اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشرکین کے ساتھ قمار کیا تھا جب سورت روم نازل ہوئی اولاً تین سال کیلئے دس دس اونٹوں کی شرط تھی اور پھر آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق نو سال کیلئے مدت مقرر کی۔ اور صد صد اونٹ کی شرط مقرر کی۔ اور آخر کا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ شرط جیت گئے۔ اور یک صد اونٹ ابی بن خلف کے ورثاء سے وصول کئے۔ اور آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق یہ یک صد اونٹ فقراء میں تقسیم کر دئے۔ اور انکو اپنے استعمال میں نہ لائے۔ اب بندہ یہ عرض کرتا ہے کہ یہاں تک بندہ نے قمار کی دو صورتیں ذکر کی ہیں۔ تو جن حضرات کا یہ خیال ہے کہ آج کل مروجہ بیمہ کا کاروبار اس لئے حرام ہے کہ اس میں قمار ہے۔ یہ کہنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں قمار کے صرف دو قسم مفسرین نے ذکر کئے ہیں جیسا کہ تفصیلاً ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور مروجہ بیمہ میں دو قسم قمار سے کوئی قسم نہیں پایا جاتا۔

پہلا قسم قمار تو یہ تھا کہ مشرکین مکہ نے دس تیر مقرر کر رکھے تھے سات تیروں پر ایک سے لے کر سات تک حصص لکھے تھے اور یہ تمام حصص اٹھائیس تھے۔ اور تیروں کے ذریعے قرعہ ڈالتے تھے کہ تمام تیروں کو ایک تھیلا میں ڈال کر ان کو خوب ہلاتے اور ایک عادل کو وہ تھیلا دیتے اور عادل تھیلے سے قمار بازوں کے نام تیر نکالتا جس آدمی کے نام پر وہ تیر نکالتا جس کے حصے مقرر ہیں تو گوشت کے اتنے حصص اس آدمی کو مل جاتے۔ اس طرح گوشت کے اٹھائیس حصے ختم ہو جاتے۔ اور جس آدمی کے نام پر وہ تیر نکلتا جس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا اس آدمی کو گوشت کا کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ الٹا اونٹ کی تمام رقم اس محروم آدمی سے وصول کر لی جاتی۔

اب ظاہر ہے کہ مروجہ بیمہ میں یہ قمار کا قسم نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ مروجہ بیمہ میں نہ تو کوئی جانور ذبح کیا جاتا ہے اور نہ تیروں کے ذریعے جانور کے گوشت کی قرعہ اندازی کی جاتی ہے۔ یہاں تک تو بندہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ مروجہ بیمہ میں قمار کا پہلا قسم نہیں پایا جاتا اب بندہ یہ ذکر کرتا ہے کہ مروجہ بیمہ اور انشورنس میں قمار کا دوسرا قسم بھی نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ دوسرا قسم قمار یہ تھا جو کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مشرکین مکہ کے ساتھ کیا تھا۔ کہ اگر نو سال تک رومی ایرانیوں پر غالب نہ آئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ابی بن خلف کو یک صد اونٹ ادا کریں گے۔ اور اگر رومی اہل ایران پر نو سال کی مدت میں غالب آگئے تو ابی بن خلف یک صد اونٹ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ادا کریگا۔ آخر کار نو سال کے اندر یعنی سات سال کے بعد رومی اہل ایران پر غالب آگئے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شرط جیت لی۔ اور ابی بن خلف کے ورثاء سے یک صد اونٹ وصول کر کے مساکین میں بطور صدقہ تقسیم کر دیئے۔

اب ظاہر ہے کہ مروجہ بیمہ اور انشورنس قمار کے اس دوسرے قسم میں بھی داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ ان میں ہر دو طرف سے تاوان نہیں ہوتا۔ جیسا کہ قمار قسم دوم میں ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ قمار کے قسم دوم میں ہر دو طرف سے شرط ہوتی ہے۔ اور یہ حرام ہے۔ اگر شرط اور تاوان ایک طرف سے ہو تو پھر یہ قمار اور حرام نہیں ہوتا۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔ تفسیر احکام القرآن میں ہے۔

”وان اهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجته وقد كان مباحاالى ان ورد تحريمه وقد خاطر ابو بكر الصديق رضی اللہ عنہ المشركين حين نزلت (الم غلبت الروم) وقد قال له النبى ﷺ زد فى الخطر والبعد فى الاجل ثم حظر ذالك ونسخ بتحريم القمار ولا خلاف فى خطرة الا ما رخص فيه من

الرہان فی السبق فی الدواب والابل والنصال اذاکان الذی یستحق واحد ان سبق ولا یستحق الآخر ان سبق وان شرط ان من سبق منهما اخذ ومن سبق اعطیٰ فهذا باطل"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ اہل جاہلیت اپنے مال اور بیوی پر قمار اور شرط کھیلتے تھے۔اور اس وقت یہ قمار اسلام میں مباح اور جائز تھا۔اور اس کے بعد حرام ہوا۔اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشرکین مکہ کے ساتھ قمار اور شرط لگائی جبکہ یہ آیت نازل ہوئی۔جسکا ترجمہ یہ ہے۔کہ اہل روم مغلوب ہوئے تم سے قریب زمین میں اور یہ اہل روم مغلوبیت کے بعد چند سالوں میں اہل فارس پر غالب آئیں گے۔ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلے تین سال کی مدت مقرر کی اور دس اونٹ تاوان ٹھہرایا۔اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تاوان میں زیادتی کرو۔اور مدت میں دوری کرو۔تو پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشرکین کے ساتھ نیا قمار اور شرط باندھی۔کہ اونٹ یک صد ہونگے۔اور مدت نو سال۔آخر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ شرط جیت گئے۔اور مشرکین مکہ سے یک صد اونٹ تاوان کے طور پر حاصل کئے۔اس کے بعد قمار منسوخ ہوا۔اور حرام کیا گیا۔اور قمار کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں۔یعنی اس کی حرمت پر اجماع ہے۔البتہ گھوڑ دوڑ اور اونٹ دوڑ اور تیر اندازی میں شرط باندھنا جائز ہے۔جب کہ شرط اور تاوان کی آدائیگی صرف ایک طرف سے ہو۔مثلاً زید اور عمرو میں اس شرط پر مقابلہ ہوا کہ اگر زید غالب آیا تو اس کو اتنا تاوان ادا کریگا اور اگر عمرو غالب آیا تو اس کو کچھ نہیں ملے گا۔یہ شرط شرع شریف میں جائز ہے۔اور اگر دونوں طرف سے شرط ہے کہ زید اور عمرو سے جو بھی غالب آیا تو دوسرا غالب کو تاوان ادا کریگا۔

تو یہ قمار حرام ہے۔ یہاں تک بندہ نے ابوبکر جصاص کی تفسیر احکام القرآن سے یہ ثابت کیا ہے کہ اگر شرط ایک طرف سے ہو تو یہ قمار نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔ اور اگر شرط دونوں طرف سے ہو تو یہ شرع شریف میں جائز نہیں۔ اب اسی پر اور دلیل ملاحظہ ہو۔ ابن ماجہ شریف صفحہ ۱۴۲ حاشیہ نمبر ۳ بحوالہ مرقاۃ یہ عبارت ہے۔

"قال القاضی یجوز السباق فی اربعة اشیاء اذا کان البدل من جانب واحد بان قال ان سبقتك فلیٰ کذا وان سبقتنی فلا شی مرقاۃ"

یعنی مقابلہ چار چیزوں میں جائز ہے۔ اگر بدلہ اور تاوان صرف ایک جانب سے ہو۔ مثلاً زید عمرو کو کہتا ہے کہ اگر میں تم پر غالب آ گیا تو تو مجھے اتنا تاوان ادا کریگا۔ اور اگر تم مجھ پر غالب آ گئے تو تم کو کچھ نہیں ملے گا۔ ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ قمار اس صورت میں منع ہے کہ بدل اور تاوان دونوں طرف سے ہو۔ اگر بدل صرف ایک طرف سے ہے تو یہ جائز ہے ۔لہٰذا مروجہ بیمہ اور انشورنس قمار حرام میں داخل نہیں ہے۔ اب بندہ یہاں ایک اہم مسئلہ کی طرف قارئین کی توجہ دلاتا ہے جس کو اکثر لوگ نہیں جانتے، وہ یہ کہ قرعہ اندازی دو قسم ہے۔ ایک جائز اور دوسری ناجائز۔ قرعہ اندازی جائز یہ ہے کہ جس چیز میں قرعہ اندازی ہو رہی ہے تمام قرعہ اندازی کرنے والے افراد کا اس چیز میں استحقاق اور حق ہے قرعہ اندازی سے مقصد صرف حق کا تعین ہے۔ جیسے دو آدمیوں کی زمین مشترک ہے اب وہ اس زمین مشترک کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو زمین کے دو حصہ کرتے ہیں اور پھر قرعہ اندازی کر کے ہر حصہ کی تعین کرتے ہیں۔ تو اب یہ ہر دو آدمی قرعہ اندازی سے پہلے بھی زمین میں اپنے حصے کے مستحق ہیں۔ یہ قرعہ اندازی جائز ہے۔ اس قرعہ اندازی سے ہر ایک اپنا اپنا حصہ ملتا ہے محروم کوئی بھی نہیں رہتا۔

اب دوسرا قسم قرعہ اندازی جو کہ ناجائز اور شرعاً منع ہے۔ وہ یہ کہ جس چیز میں قرعہ اندازی کرنی ہے قرعہ اندازی سے قبل قرعہ اندازوں کا اس چیز میں کوئی استحقاق نہیں ہے۔

اور قرعہ اندازی کے بعد بعض قرعہ اندازوں کو حصہ ملتا ہے۔ اور بعض محروم رہتے ہیں۔ جیسا کہ قمار کی قسم اول میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ کفار اونٹ ذبح کر کے اس کے اٹھائیس حصہ کرتے تھے اور پھر دس تیروں سے قرعہ ڈالتے تھے جس کے نام پر حصہ والا تیر نکلتا تھا اس کو تیر کے مطابق گوشت کا حصہ ملتا تھا۔ اور جس آدمی کے نام پر وہ تیر نکلتا جس کا حصہ نہیں تو وہ آدمی گوشت سے محروم ہوتا تھا۔ بلکہ اس آدمی سے اونٹ کی پوری قیمت تاوان کے طور پر وصول کر لی جاتی تھی۔ تو اب اس صورت میں قرعہ سے قبل گوشت میں کسی کا استحقاق نہیں ہوتا تھا۔ اور قرعہ کے بعد بعض آدمیوں کو حصہ ملتا اور بعض آدمی محروم رہتے۔ اس قسم کا قرعہ شرع شریف میں ناجائز اور منع ہے۔ یہ تمام تحقیق حنفی مذہب کے مطابق ہے۔ ان ہر دو قسم قرعہ کے جواز اور عدم جواز پر دلیل ملاحظہ ہو۔ تفسیر احکام القرآن ابوبکر جصاص میں ہے۔

"وما ذكره الله تعالى من تحريم الميسر وهو القمار يوجب تحريم القرعة في العبيد يعتقهم المريض ثم يموت لما فيه من القمار واحقاق بعض وانجاح بعض وهذا هو معنى القمار بعينه وليست القرعة في القسمة كذالك لان كل واحد يستوفي نصيبه ولا يحقق واحد منهم والله اعلم"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ قرعہ دو قسم ہے۔

قسم اول:۔ وہ قرعہ جو کہ قمار ہے اور حرام ہے۔ یہ وہ قرعہ ہے بعض تو حصہ لیتے ہیں اور بعض محروم ہوتے ہیں۔ اور اس کی مثال قسم اول قمار میں گزر چکی ہے یہاں تفسیر احکام

القرآن میں اور مثال دی گئی ہے جس کا سمجھنا ہر آدمی کیلئے ذرا مشکل ہے۔ تاہم بندہ اس مشکل مثال کو بیان کرتا ہے۔ وہ یہ کہ زید کے چھ غلام اور گولے تھے۔ اور زید کی ان چھ غلاموں کے سوا کوئی ملکیت نہیں تھی۔ اب زید نے مرض موت میں تمام چھ غلاموں کو آزاد کر دیا۔ چونکہ مریض مرض موت میں تمام جائیداد کی وصیت نہیں کر سکتا۔ بلکہ وصیت ثلث یعنی ۱/۳ میں جاری ہوتی ہے۔ تو اب زید کے چھ غلاموں سے صرف ۱/۳ یعنی دو غلام غیر معین آزاد ہونگے۔ اب یہ غلام بطور قرعہ معین نہیں کئے جائیں گے کیونکہ زید نے تو چھ غلاموں کو آزاد کیا تھا اور قرعہ کی صورت میں بعض تو آزاد ہو جائیں گے اور حصہ حاصل کر لیں گے اور بعض محروم۔ اور یہ قمار ہے۔ جو کہ حرام ہے۔ قرعہ کی قسم دوم ملاحظہ ہو۔

قسم دوم:۔ یہ کہ زید اور عمرو میں زمین مشترک ہے اور وہ اس زمین کو تقسیم کرتے ہیں اس طور پر کہ زمین کے دو حصے معین کر دیتے ہیں۔ ایک حصہ زمین کا الف اور دوسرے حصے کا نام باء ہے۔ اب زید اور عمرو معین حصہ حاصل کرنے کیلئے قرعہ ڈالتے ہیں تو ایک کو حصہ الف ملا اور دوسرے کو حصہ باء۔ اب زید اور عمرو میں سے کوئی محروم نہیں ہوا۔ اور یہ قمار اور حرام نہیں ہے۔ یہاں تک بندہ نے یہ ذکر کیا کہ بینک اور بیمہ اور انشورنس کا منافع نہ تو سود اور رباء ہے اور نہ ہی اس میں قمار ہے۔ اب بندہ ان اہل علم کا رد کرتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بیمہ اور انشورنس کے منافع میں غرر ہے۔ ملاحظہ ہو ترمذی شریف جلد اول صفحہ ۱۵۹ میں ہے۔

"نهى رسول الله ﷺ عن بيع الغرر ۔ الحديث"

یعنی رسول اللہ ﷺ نے اس خرید و فروخت سے منع فرمایا۔ جس میں غرر اور دھوکا ہے۔ اسی صفحہ پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بیع غرر کی چند مثالیں ذکر کی ہیں۔ عبارت ملاحظہ ہو۔

"ومن بيع الغرر بيع السمك في الماء وبيع العبد الآبق وبيع الطير في السماء"

یعنی بیع الغرر کے چند اقسام ہیں۔

اول:۔ مچھلی تالاب یا دریا میں ہے اسکو بیچنا۔

دوم:۔ غلام بھاگ گیا ہے اس کو فروخت کرنا۔

سوم:۔ پرندہ ہوا میں اُڑ رہا ہے اس کو بیچنا۔ اسی صفحہ کے حاشیہ نمبر ۵ پر ہے۔

"وقال الطيبي النهي عن بيع الغرر اصل عظيم من اصول كتاب البيوع ويدخل فيه مسائل كثيرة كبيع المعدوم والمجهول ومالا يقدر على التسليم ومالا يتم ملك البائع عليه"

یعنی حدیث شریف میں جو بیع الغرر سے منع کیا گیا ہے یہ حدیث کے کتاب البیوع کا ایک بہت بڑا قاعدہ ہے اور اس میں بے شمار مسائل داخل ہیں۔

مسئلہ اول:۔ ایک چیز معدوم ہے یعنی ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی اس کو فرخت کرنا۔

مسئلہ دوم:۔ مجہول چیز جس کا علم ہی نہیں اس کو بیچنا۔

مسئلہ سوم:۔ ایسی چیز کو بیچنا کہ بائع اس پر قادر ہی نہیں کہ مشتری کو سپرد کرے۔

مسئلہ چہارم:۔ ایسی چیز کو بیچنا کہ بائع ابھی تک اس کا پورا مالک نہیں ہے۔

امام ترمذی اور دوسرے محدثین نے جو بیع الغرر کے متعلق جو مثالیں دیں ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ بیمہ اور انشورنس میں اس قسم کا غرر نہیں ہے۔ اس کی دو وجہ ہیں۔

وجہ اول:۔ حدیث شریف میں جہاں غرر کے لفظ کا استعمال ہے تو مطلق غرر کا ذکر نہیں بلکہ اس کے ساتھ بیع کا لفظ ہے۔ یعنی بیع الغرر۔ اور جو لوگ بینک اور بیمہ اور انشورنس کمپنیوں میں سرمایا لگاتے ہیں تو اس سرمایا کو فروخت نہیں کرتے۔ بلکہ بطور قرضہ دیتے ہیں تو یہ سرمایا بیع الغرر سے خارج ہوا۔

وجہ دوم:۔ غرر کی جو مثالیں دی گئی ہیں۔ اس قسم کا دھوکا اور غرر بینک اور بیمہ میں نہیں ہوتا۔ نیز یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ جس بیع غرر سے حدیث شریف میں منع کیا گیا ہے اس سے مطلق غرر مراد نہیں ہے بلکہ وہ غرر مراد ہے جس میں کافی نقصان ہو۔ اگر معمولی اور حقیر غرر ہے تو یہ منع نہیں ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ شریف صفحہ نمبر ۱۵۸ حاشیہ نمبر ۵ پر ہے۔

”واجمعوا علی جواز غرر حقیر کلجبة المهشوه بالقطن واجمعوا ایضاً علی جواز اجارة الدار والدابة والثوب شهرا مع ان الشهر قد یکون ثلثین یوماً وقد یکون تسعة وعشرین وعلی جواز دخول الحمام با الاجرة مع اختلاف الناس فی صب الماء وفی قدر مکثهم وعلی جواز الشرب من السقاء بالعوض مع جهالة قدر المشروب مع اختلاف عادة الشاربین وتحریره ان مدار البطلان بسبب الغرر بغیر حاجة وان دعت حاجة الی ارتکابه ولا یمکن الاعتراز عنه الا بمشقتٍ اوکان الغرر حقیراً جاز البیع“

خلاصہ مذکورہ بالا عربی عبارت کا یہ ہے کہ غرر بیع اور خرید و فروخت میں ہوتا ہے۔ اور یہ دو قسم ہے۔ غرر عظیم۔ اور غرر حقیر۔

غرر عظیم:۔ سے بیع اس وقت باطل ہوتی ہے کہ اس کے ارتکاب کی مجبوری اور اس میں مشقت نہ ہو۔اور اگر غرر کے ارتکاب کی ضرورت اور مجبوری ہو اور اس سے بچنے میں مشقت ہو تو یہ غرر بیع میں جائز ہوتا ہے۔اور اس سے بیع باطل نہیں ہوتی۔

غرر حقیر:۔ یہ مطلقاً جائز ہے۔خواہ اس کے ارتکاب میں مشقت ہو یا نہ۔اور اس غرر حقیر کی چند مثالیں ذکر کی گئی ہیں۔

مثال اول:۔ کسی نے وہ جبہ خریدا جس کے اندر روئی بھری ہوئی ہے تو اب اس میں غرر یہ ہے کہ خریدنے والے کو یہ پتہ نہیں ہے کہ اس جبہ میں کتنی روئی ہے، لیکن یہ غرر حقیر ہے۔مشتری کے اندازہ سے چھٹانک یا دو چھٹانک کمی بیشی ہوگی۔

مثال دوم:۔ کسی نے مکان یا گھوڑا یا کپڑا کرایہ پر دیا اور اجرت ماہوار مقرر کی کہ ہر ماہ اتنا کرایہ وصول کروں گا اب اس میں غرر یہ ہے کہ مہینہ تیس دن بھی ہوتا ہے اور انتیس دن بھی۔اب یہ غرر حقیر ہے کیونکہ فرق صرف ایک دن کا ہے۔

مثال سوم:۔ لوگ حمام میں جا کر غسل کرتے ہیں اور حمام والے کو اجرت دیتے ہیں یہاں غرر یہ ہے کہ حمام والے کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ غسل کرنے والا کتنا پانی خرچ کرے گا۔اور کتنی دیر حمام میں رہے گا۔لیکن یہ غرر بھی حقیر ہے۔

مثال چہارم:۔ کوئی آدمی پانی بیچ رہا ہے اور کوئی آدمی اس کو مقرر اجرت دیتا ہے کہ اتنی رقم لے لو اور مجھے سیر ہونے تک پانی پلا دو تو یہ بھی جائز ہے اور یہاں غرر یہ ہے کہ

پانی بیچنے والے کو یہ پتہ نہیں کہ یہ پیاسا کتنا پانی پیئے گا۔لیکن یہ غرر حقیر ہے۔

خلاصہ یہ کہ بیمہ اور انشورنس کمپنیاں جو ہیں ان میں غرر نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف کی تصریح کے مطابق غرر بیع میں ہوتا ہے اور بینک اور بیمہ میں جو لوگ سرمایا لگاتے ہیں یہ سرمایا یہ لوگ کمپنی کو بیچتے نہیں ہیں بلکہ قرض دیتے ہیں۔مزید برآں اگر ان میں غرر ہے تو غرر حقیر ہے۔نیز اگر غرر عظیم ہے تو اس کی طرف مسلمان محتاج ہیں اور یہ مسلمانون کی مجبوری ہے اور اس دور میں اس سے بچنا بہت مشکل اور مشقت ہے۔

مروجہ بیمہ اور انشورنس کمپنیوں کی نظیر اور مثال ترمذی شریف اور بن ماجہ شریف میں ہے حدیث شریف میں عُمریٰ ہے اور دوسرا رُقبیٰ ہے۔عُمریٰ کی تو ایک صورت ہے کہ مثلاً زید عمر کو کہتا ہے کہ یہ چیز مثلاً مکان میں نے تم کو عمر بھر کیلئے دیا ہے اور رُقبیٰ کی دو صورتیں ہیں۔

تعریف اول:۔

یہ کہ زید عمر کو کہتا ہے کہ میں نے تم کو یہ چیز عمر بھر کیلئے دی۔اگر تو مجھ سے پہلے مر گیا تو پھر یہ چیز میری طرف لوٹ آئے گی۔یہ عُمریٰ اور رُقبیٰ کی تعریف ترمذی شریف میں ہے۔ ابن ماجہ شریف میں عُمریٰ کی تو وہی تعریف ہے جو کہ ترمذی شریف کے حوالہ سے گزری ہے البتہ ابن ماجہ میں رُقبیٰ کی تعریف قدرے مختلف ہے۔

تعریف دوم:۔

زید عمر کو کہتا ہے کہ یہ چیز میں نے تم کو دی اگر تو مجھ سے پہلے مر گیا تو یہ چیز میری ہوگی

اور اگر میں تجھ سے پہلے مر گیا تو پھر یہ چیز تیری۔ خلاصہ یہ کہ رُقبیٰ میں وہ چیز اس کی ہوتی ہے جو کہ آخر میں مرے۔ اگر زید عمر کے بعد مرا تو وہ چیز زید کی ہوگی اور اگر عمر زید کے بعد مرا تو وہ چیز عمر کی ہوگی۔

اب ترمذی شریف کی عبارت ملاحظہ ہو۔ ترمذی صفحہ ۱۷۳۔

" اذا قال هی لك حیاتك ولعقبك فانها لمن اعمرها لا ترجع الی الاول - الحدیث "

یہ عُمریٰ کی تعریف ہے کہ زید نے عمر کو کہا کہ یہ چیز میں نے تجھ کو عمر بھر دی اور تیری موت کے بعد تیرے وارثوں کی ہوگی۔ اب ترمذی شریف میں رُقبیٰ کی تعریف ملاحظہ ہو۔

" وتفسیر الرقبیٰ ان یقول هذا الشیئی لك ما عِشتَ فان متَّ قبلی فهی راجعة الیّ "

یعنی رُقبیٰ کی تعریف یہ ہے کہ زید عمر کو کہتا ہے کہ یہ شئی عمر بھر کیلئے تیری ہے اور اگر تو مجھ سے پہلے مر گیا تو پھر یہ چیز میری ہے۔

اب ابن ماجہ میں ہر دو کی تعریف ملاحظہ ہو۔ ابن ماجہ صفحہ ۱۷۲۔

" من اعمر رجل عمریٰ له ولعقبه فقد قطع قوله حقه فیها الحدیث "

یعنی عُمریٰ کی تعریف یہ ہے کہ زید عمر کو کہتا ہے کہ یہ چیز عمر بھر کیلئے تمہاری ہے اور تیرے مرنے کے بعد تیرے وارثوں کی ہے۔ اب اس چیز سے زید کا حق ختم ہوگیا۔ اب یہ چیز زندگی بھر عمر کی ہوگی۔ اور عمر کی موت کے بعد یہ چیز عمر کے وارثوں کی ہوگی۔

اب رُقبیٰ کی تعریف ملاحظہ ہو۔

"والرقبی ان یقول هوالآخر منی ومنك موتاً"

یعنی رُقبی یہ ہے کہ زید عمر کو کہتا ہے کہ یہ چیز ہم دونوں سے اس کیلئے ہوگی جو پیچھے مرے گا۔ اب غور کریں کہ مروجہ بیمہ اور انشورنس کمپنیوں میں یہی موت والی شرط ہوتی ہے کہ سرمایا لگانے والا اتنی مدت کے بعد مرا تو اس کے وارثوں کو اتنا منافع دیا جائے گا۔ تو یہ بیمہ بالکل جائز ٹھہرا۔ اور جن فضلاء کو موت کی شرط سے وہم ہوتا ہے کہ اس میں غرر ہے یہ توھم بھی باطل ٹھہرا۔ شرع شریف میں اس کی بہت مثالیں ہیں لیکن طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ اب بندہ تمام بحث کا خلاصہ ذکر کرتا ہے۔ کہ بینک اور بیمہ اور انشورنس کمپنیوں میں جو سرمایا لگایا جاتا ہے۔ اور پھر منافع حاصل کیا جاتا ہے اس پر تین اعتراض ہیں۔

اول یہ کہ منافع رباء اور سود ہے۔ دوم یہ کہ ان میں قمار ہے۔ سوم یہ کہ ان میں غرر ہے۔ اور بندہ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ان تمام کاروبار میں نہ تو سود ہے۔ اور نہ قمار اور نہ ہی غرر دو آخری یعنی قمار اور غرر تو واضح ہے۔ کہ مروجہ بیمہ میں نہیں ہے۔ البتہ ربا اور سود کا وہم پڑتا ہے۔ لہذا ربا کی بندہ مزید وضاحت کرتا ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ رباء اور سود تین مقام میں ہوتا ہے۔ اول۔ خرید وفروخت میں دوم۔ قرض میں۔ سوم۔ رہن میں۔ یہ امر ظاہر ہے۔ تو ظاہر ہے کہ بنک اور بیمہ میں جو سرمایہ لگایا جاتا ہے یہ کسی شئی کے بدلے رہن نہیں ہوتا البتہ یہ ہوسکتا ہے۔ کہ یہ سرمایہ کمپنی کو فروخت کیا جاتا ہو یا قرض دیا جاتا ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ سرمایہ کمپنی کو فروخت کیا جاتا ہے۔ تو اس میں خرابی یہ ہے کہ چونکہ بیمہ کمپنی میں سرمایہ نوٹوں کی شکل میں جمع کرایا جاتا ہے اور منافع بھی نوٹوں کی شکل میں وصول کیا

جاتا ہے۔اور نوٹ چونکہ کاغذ ہیں اور سب کی جنس ایک ہے اور خرید وفروخت میں اگر ہر دو عوض کی جنس ایک ہو اور وہ مکیلی موزونی نہ ہوں تو اگر چہ زیادتی جائز ہے۔لیکن اودھار منع ہے۔اور بیمہ کمپنیوں میں جو منافع ملتا ہے وہ کچھ مدت کے بعد ملتا ہے۔ اور اودھار ہوتا ہے۔لہذا یہ ربوٰالنسیہ ہے۔تو کمپنیوں کو سرمایا فروخت کرنا درست نہ ہوا۔لہذا اس کاروبار کی یہی توجیہ کی جائی گی کہ جو آدمی بینک یا بیمہ میں سرمایا لگا تا ہے تو یہ بینک اور بیمہ کمپنی کو قرض دیتا ہے اور قرضہ میں اودھار اور تاخیر ہی ہوتی ہے۔اب بینک اور بیمہ سے جو نفع حاصل ہوتا ہے اگر چہ بظاہر یہ اصل پر زیادتی اور رباء وسود ہے لیکن درحقیقت یہ رباء اور سود نہیں ہے۔اور اس کی تین وجہ ہیں۔

وجہ اول:۔ رباء کی تعریف جو قبل ازیں گزر چکی ہے اس میں تصریح ہے کہ رباء وہاں ہوتی ہے کہ ہر دو عوض مکیلی ہوں یا موزونی۔اگر ہر دو عوض عددی ہوں یعنی ان کے ساتھ کاروبار گنتی سے کیا جاتا ہے تو یہاں زیادتی جائز ہے۔جیسے ایک انڈا مرغی کا دیا اور دو انڈے مرغی کے لئے اور کرنسی نوٹ بھی مکیلی اور موزونی نہیں ہیں۔ بلکہ عددی ہیں۔اور ان کے ساتھ بھی کاروبار گنتی سے کیا جاتا ہے۔لہذا یہاں بھی زیادتی جائز ہے۔دس روپیہ کا کرنسی نوٹ کسی کو قرض دیا اور کچھ مدت کے بعد یک صد روپیہ کے کرنسی نوٹ وصول کر لئے۔اور اس طرح اگر ہر دو عوض کے ساتھ کاروبار ذراع سے کیا جاتا ہے یعنی گز کے ساتھ پیائش کی جاتی ہے تو یہاں بھی زیادتی جائز ہے۔اور یہ زیادتی رباء اور سود نہیں ہے۔جیسے پانچ گز خاص قسم کا کپڑا بطور قرض کسی کو دیا اور کچھ مدت کے بعد بالکل اسی قسم کا چھ گز کپڑا وصول کیا۔تو یہاں ایک گز کی زیادتی بھی رباء اور سود نہیں بلکہ جائز ہے۔یہاں تک ایک وجہ سے یہ ثابت کیا گیا کہ بینک اور بیمہ کا منافع رباء اور سود نہیں ہے۔

وجہ دوم:۔ رباء کی تعریف میں تصریح ہے کہ رباء میں جو زیادتی ہے اس کی یہ شرط ہو کہ وہ عاقدین سے کسی ایک کیلئے ہو۔ مثلاً قرض دینے والے یا قرض لینے والے کیلئے اب اگر بینک اور بیمہ کمپنی میں سرمایا لگانے والے نے یہ کہہ دیا کہ منافع میرے لڑکے یا باپ یا بیوی کیلئے ہوگا۔ اور وہ اس منافع کو وصول کریں گے تو اب یہ زیادتی وصول کرنے والے کیلئے رباء اور سود نہیں ہوگی۔ اور حلال ہوگی۔

وجہ سوم:۔ ایک آدمی بینک اور بیمہ میں سرمایا لگاتا ہے اور پھر کچھ مدت کے بعد جو منافع وصول کرتا ہے تو اگر بینک یا کمپنی والے اس کو یہ کہہ دیں کہ یہ منافع تمہارے سرمایا کا عوض نہیں ہے بلکہ ہم اپنی طرف سے تم کو ہبہ کرتے ہیں تو بھی یہ منافع اور زیادتی رباء اور سود نہیں ہوگی۔ کیونکہ رباء کی تعریف میں تصریح گزر چکی ہے کہ ہبہ رباء نہیں ہے۔ تو اب ان تین وجہ سے ثابت ہوا کہ بینک اور بیمہ میں جو منافع ہوتا ہے قرض کی صورت میں یہ منافع رباء اور سود نہیں ہے۔ یہاں بندہ اہل علم سے اپیل کرتا ہے کہ چونکہ بینک اور بیمہ کے کاروبار میں مسلمان مجبور ہیں اور ان کو اس کاروبار کی احتیاجی ہے اور اس سے بچنا ان کیلئے نہایت مشکل ہے تو علماء کو اس کے جواز کی راہ تلاش کرنی چاہئے ورنہ غیر مسلم یہ طعنہ دیں گے کہ اسلام ہر دور کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اب بندہ یہاں ایک خاص بات ذکر کرتا ہے وہ یہ کہ بندہ نے قبل ازیں تصریح کی ہے کہ بینک اور بیمہ میں جو لوگ سرمایا لگاتے ہیں یہ کمپنی کو قرض دیا جاتا ہے اور کچھ مدت کے بعد منافع وصول کیا جاتا ہے۔ یہ منافع رباء اور سود اور حرام نہیں ہے۔ اس توجیہ پر ایک سوال وارد ہوتا ہے۔ لہذا یہاں بندہ وہ سوال اور اس کا جواب ذکر کرتا ہے۔

سوال:۔ یہ ہے کہ یہ امر مسلم ہے کہ "کل قرض جرّا نفعاً فھو حرامٌ" یعنی جس قرضہ کی وجہ سے نفع آئے وہ نفع حرام ہے۔اب جو لوگ بینک وغیرہ میں سرمایہ لگاتے ہیں اگر اس کی یہ توجیہ کی جائے کہ یہ سرمایہ کمپنی کو قرض دیا جاتا ہے تو حاصل ہونے والا منافع حرام ہوگا۔ کیونکہ یہ منافع اسی قرض کے سبب حاصل ہو رہا ہے۔ یہ بہت بڑا سوال ہے۔لہذا اس کا جواب ملاحظہ ہو۔

جواب:۔ یہ ہے کہ یہ قول مبارک کہ "کل قرض جرّا نفعاً فھو حرامٌ" یہاں نفع سے مراد مطلق نفع نہیں ہے۔یعنی ہر نفع مراد نہیں ہے۔ کیونکہ قرض کی وجہ سے قرضہ لینے اور دینے والے ہر دو کو بعض ایسے منافع ہوتے ہیں جو حرام نہیں۔قرضہ لینے والے کو چند منافع ہوتے ہیں۔

نفع اول:۔ قرضہ لینے والا کاروباری آدمی ہے اور اسکے پاس سرمایہ نہیں ہے۔ تو وہ قرضہ لے کر کاروبار کرتا ہے اور ہزاروں لاکھوں منافع کماتا ہے۔

نفع دوم:۔ اس نے بچوں کی شادی کرنی ہے اور اسکے پاس پیسہ نہیں ہے۔تو وہ قرض لے کر اپنی وقتی ضرورت پوری کرتا ہے یہ نفع بھی اس کو قرض سے حاصل ہوتا ہے۔

نفع سوم:۔ قرض لینے والا پہلے سے مقروض ہے اور پہلا قرض خواہ اس کو تنگ کرتا ہے تو وہ کسی ایسے آدمی سے قرض لیتا ہے جو اسے تنگ نہ کرے تو وہ قرض لے کر پہلے قرض خواہ کو قرضہ ادا کرتا ہے اور اس کی تنگی سے خلاصی پاتا ہے یہ بھی قرض کی وجہ سے اس کو نفع حاصل

ہوا۔اور بھی کئی منافع ہیں جو قرض لینے والے کو قرض سے حاصل ہوتے ہیں اور حرام نہیں ہیں۔ اس طرح قرض دینے والے کو بھی کئی منافع حاصل ہوتے ہیں۔

نفع اول:۔ کسی شخص کے پاس ضرورت سے زیادہ سرمایہ ہے اور اسکو خطرہ ہے کہ چوری وغیرہ کی وجہ سے سرمایہ ضائع نہ ہو جائے۔اسلئے وہ کسی دیانت دار آدمی کو قرض دیتا ہے کہ سرمایہ محفوظ رہے۔یہ بھی قرضہ کی وجہ سے منافع ہے۔

نفع دوم:۔ کسی آدمی نے برطانیہ یا امریکہ جانا ہے اور اسکے پاس کافی رقم اور سامایہ ہے اور راستہ میں رقم کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے تو وہ آدمی پاکستان میں اس بینک میں سرمایہ بطور قرض جمع کراتا ہے جس کی شاخیں برطانیہ اور امریکہ میں ہیں۔تو پاکستانی بینک سرمایہ جمع کرانے والے کو ایسا چیک دیتا ہے کہ وہ برطانیہ اور امریکہ کی شاخ سے اس چیک کے ذریعے سرمایہ حاصل کر سکتا ہے۔یہ بھی قرض والے کو قرض کی وجہ سے نفع حاصل ہوا۔اور بھی قرض دینے والے کو قرض کی وجہ سے منافع حاصل ہوتے ہیں حالانکہ حرام نہیں ہیں۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا فرمان مبارک " کل قرض جرّا نفعاً فهو حرامٌ " میں نفع کا ہر فرد مراد نہیں ہے۔بلکہ ایک خاص قسم کا نفع مراد ہے۔یعنی وہ نفع جو کہ رباء میں داخل ہے اور اس پر رباء کی تعریف صادق آتی ہے اور بندہ قبل ازیں کئی بار ذکر کر چکا ہے کہ رباء مکیلی موزونی میں ہوتا ہے عددی اور پیمائش میں نہیں ہوتا۔اور کرنسی نوٹ عددی ہیں لہذا ان کا منافع رباء نہیں ہے۔لہذا مذکورہ بالا فرمان بالکل حق ہے۔اور بندہ کو اس کے ساتھ ایمان ہے۔

فالحمد للہ

عطاء محمد چشتی گولڑوی بندیالوی

مقالہ

اسلامی تعلیمات کیلئے ایک لائحہ عمل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اما بعد:۔ جناب صدر گرامی قدر و جناب رئیس الجامعہ و علماء کرام و فضلاء عظام وطلباء عالی مقام قبل از مقالہ بندہ ایک تمہیدی مقدمہ عرض کرتا ہے جس میں مقالہ کا اجمال بھی آجائے گا۔ یہ فقیر پرانے نظریہ فکر کا حامل اور قدیم علوم کا دلدادہ ہے۔ قدیم علوم سے میری مراد وہ علوم شریعت ہیں جو کہ انگریزوں کے ورود سے قبل ہمارے اسلامی مدارس میں پڑھائے جاتے تھے۔ بندہ ان علوم کا دلدادہ اس لئے ہے کہ میرے خیال میں یہ علوم ہماری تمام ضروریات شرعیہ کے کفیل ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ علوم ہماری ضروریات دنیاوی کے لئے بھی کافی ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے۔

دلیل اول:۔ یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ اس دور کے آخری علماء سے ہیں جو کہ انگریزوں کی آمد پر ختم ہوا۔ جب آپ کو انگریزوں نے گرفتار کیا آپ پر جو مقدمہ چلا تو اس میں آپ نے خود اپنے مقدمہ کی وکالت کی تھی۔ اور تمام انگریزی وکلاء کو آپ نے دندان شکن جواب دیئے۔ اور تقریباً خاموش کر دیا۔ یہ لیاقت انہی قدیم علوم کی تھی۔

دلیل دوم:۔ یہ ہے کہ موجودہ دور میں قرآن وحدیث علم کلام اور فقہ واصول فقہ کی فہم وتفہیم انہی علوم قدیم پر موقوف ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ باقی رہے علوم جدیدہ تو ان کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن قدیم اور جدید کے درمیان فرق ضرور ہے۔ وہ یہ کہ علوم قدیمہ کے ذریعے ہم اسلامی احکام کو سمجھیں گے اور اسلامی نظام معاشیات واقتصادیات پر ہماری پوری دسترس ہوگی۔ اور علوم جدیدہ سے ہم دوسرے لوگوں کے نظامات سے واقفیت حاصل کریں گے اور یہ امر ظاہر ہے کہ اسلامی نظام کو سمجھنا مقدم اور اہم ہے۔ دوسرے نظاموں سے تو اسی ترتیب سے علوم قدیمہ کا مرتبہ بھی جدیدہ پر مقدم ہے۔ تو اگر ہم علوم قدیمہ کے ماہر ہوں گے تو پھر علوم جدیدہ کی تفصیل ہمارے لئے مفید ہوگی۔ لیکن اگر ہم علوم قدیمہ میں ماہر نہیں ہیں تو پھر علوم جدیدہ ہمارے لئے مضر ثابت ہوں گے۔

قدیم اور جدید کے امتزاج کی میری ناقص رائے میں یہی اور صرف یہی حسین صورت ہے ہمارے جوامع اسلامیہ میں عموماً اور جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے لئے خصوصاً یہ ضروری ہے کہ وہ قدیم وجدید کی تعلیم کا اس طرح انتظام کریں کہ طلباء کو کسی علم میں تشنگی باقی نہ رہے۔ کیونکہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں مشاہیر علماء وشیوخ تدریس پر متعین ہیں۔

اس تمہید کے بعد بندہ اصل مقالہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ فقیر کے مقالہ کے (۹) نو اجزاء ہیں۔

جزء اول:۔ اسلامی مدارس اور یونیورسٹیوں کے قیام کا مقصد

عصر سابق کی اسلامی درسگاہوں کی تاریخ ان کی کارگزاری اور ثمرات پر نظر ڈالنے سے یہ بات

آفتاب سے زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ ان درسگاہوں کا مقصد وحید صرف ایسے علماء پیدا کرنا تھا جنہیں دین اسلام پر مکمل بصیرت حاصل ہو۔ اور پیش آمدہ مسائل کا حل پوری ذمہ داری کے ساتھ کتاب وسنت اور فقہی ذخائر سے تلاش کر سکتے ہوں۔ ان کی تکمیل اور سند فقہی تدبر کی ضمانت تھی۔ عقائد واعمال کے جمیع مسائل اور جزئیات پر عبور کرنے کے بعد انہیں کسی اور علم کا مکلف نہیں کیا جاتا تھا۔ اور نہ ہی شعر وسخن کو وہ مدار علوم شرعیہ سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اقلیم سخن کا قلمرو تو عرب کا ایک بدو بھی ہو سکتا ہے مگر دین کے کسی مسئلہ میں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت میں علم دین اور چیز ہے۔ اور شعر وسخن ایک اور امر۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بدو عربیت میں سند ہونے کے باوجود عالم دین نہیں ہوتا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عربیت میں سند نہ ہونے کے باوجود عالم دین بلکہ مجتہد مطلق کے مرتبہ پر فائض ہیں۔

کسی شعبہ میں کمال اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس کے ماسوا کو چھوڑ دیا جائے۔ ہر طرف ہاتھ بڑھانے سے کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا۔ دور گزشتہ میں وہی لوگ کمال کے مالک تھے جنہوں نے کسی ایک فن کا انتخاب کیا۔ اور اسی کے ہو کے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ جس نے بھی کسی فن کو اختیار کیا وہ اس کا امام بن کے نکلا۔ آج اگر ہم محصلین کے دوش پر علوم عربیہ کے متعدد فنون کے علاوہ دیگر علوم کا طومار بھی لاد دیں تو علوم کی بے شمار اقسام کے حصول کا بوجھ ان کی گردن جھکا دیگا۔ اور ان بے شمار میں سے کسی نوع میں بھی ان سے سر بلندی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ تو علوم قدیمہ اور جدیدہ میں امتزاج کے وقت اس امر کا خیال نہایت ضروری ہے کہ ہمارے طلباء کہیں اصل مقصد کو بھی نہ کھو دیں۔ یعنی علوم قدیمہ میں وہ ضعف کا شکار نہ ہو جائیں۔

جزءدوم علوم جدیدہ کی حقیقت:۔

آج کل یہ نعرہ بڑی جاذبیت رکھتا ہے کہ چونکہ قدریں بدل رہی ہیں اسلئے علماء کو جدید علوم کے زیور سے آراستہ ہونا چاہئے اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ علوم جدیدہ پر شرع شریف کا فہم موقوف نہیں ہے۔ البتہ دوسرے غیر اسلامی نظاموں سے واقفیت حاصل کرنے کیلئے لاجرم علوم جدیدہ کی تحصیل ضرور مفید ہے۔ البتہ علوم قدیمہ پر شرع شریف کا تفہیم وفہم بے شک موقوف ہے لہذا علوم قدیمہ میں مہارت کے بعد علوم جدیدہ کو تابع اور ثانوی مرتبہ پر حاصل کرنے کی ہم ضرور تائید کریں گے۔

اسلام جس ضابطہ حیات کو پیش کرتا ہے وہ ایک مکمل ضابطہ ہے۔ اسلامی کتب میں علماء اسلاف نے اس ضابطہ کی ایسی جامع تشریحات کی ہیں کہ قیامت تک کوئی ایسا اشکال نہیں کیا جاسکتا جس کا حل اسلامی لٹریچر میں موجود نہ ہو۔ تفسیر وحدیث وفقہ، تصوف اور اخلاق پر علماء اسلام نے ایسا مضبوط کام کیا ہے ادوار مستقبلہ میں کوئی ایسا جزئیہ متصور نہیں ہوسکتا کہ خود وہ جزئیہ یا اس کی نظیر فقہ اسلامی میں موجود نہ ہو۔ لہذا علوم شریعت کا توقف صرف علوم قدیمہ پر ہے۔ اس سے ہماری غرض صرف اس قدر ہے کہ علوم قدیمہ اصل اور جدیدہ اس کے توابع ہیں۔ لہذا کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اصل میں کوئی ضعف نہ واقع ہو جائے۔ اور نیز اس امر کو بھی ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ حالات کو اسلام کے مطابق ڈھالا جائے نہ کہ اسلام کو حالات کا تابع کیا جائے۔

اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ علوم قدیمہ میں پوری مہارت ہو۔ ورنہ دوسری صورت سے دوچار ہونا ناگزیر ہے۔ بہر حال موضوع سخن یہ تھا کہ اسلامی درسگاہوں کے قیام کا

مقصد دین کے ایسے ماہرین کو پیدا کرنا ہے جو کہ مسائل متوقعہ کو ان کے ماخذ سے پوری طرح مستنبط کرسکیں۔ اور چونکہ دین عقائد و اعمال سے عبارت ہے اور عقائد اعمال سے اہم ہیں۔ لہذا علم کلام میں مہارت علوم فقہ سے اگر زیادہ نہ ہو تو کم از کم برابر ضرور ہونی چاہیئے۔

جزءسوم خوادم علوم کی اہمیت:۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عقیدہ کی اہمیت اعمال سے زیادہ ہے چونکہ اسلامی عقائد پر حکماء یونان نے بے شمار اعتراض کیے تھے اس لئے متکلمین نے علم عقائد میں ان تمام اعتراضات کے جوابات دئے ہیں۔ اسلئے منطق اور فلسفہ کا علم کلام میں شدید دخل ہوگیا۔ اسطرح علم اصول فقہ میں منطق کا پورا عمل دخل ہوا۔ کیونکہ اصل فقہ سے مراد دلائل فقہ ہیں۔ اور دلیل منطق کا مسئلہ ہے۔ اسلئے منطق اور فلسفہ کو علم کلام اور فقہ کے خوادم کی حیثیت سے نصاب تعلیم میں جگہ دینی لازمی ہے۔ اور معقولات کی وہ تمام کتابیں جن کو درس نظامی میں شامل کیا گیا ہے عقائد اور فقہ کی تحصیل کیلئے لابدی ہے۔

جزء چہارم درس نظامی میں فلسفہ یونان کی تعلیم نہیں بلکہ تردید شامل ہے:۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ درس نظامی میں فلسفہ یونان کی تعلیم شامل کی گئی ہے بندہ کے نزدیک یہ قول ناواقفیت پر مبنی ہے کیونکہ مروجہ کتابوں کو علماء اسلام نے تصنیف کیا ہے اور انہوں نے جہاں بھی خلاف شرع فلسفی دلائل ذکر کیے ہیں وہاں ان کے ابطال کا بھی صراحۃً یا

اشارۃً ذکر کیا ہے۔ دراصل درس نظامی میں فلسفہ یونان کی تعلیم کے بجائے تردید شامل ہے۔
یہاں ایک بات کا ذکر بڑا اہم ہے وہ یہ کہ جز و لا یتجزی کے قائل ہمارے فقہاء اور متکلمین ہیں۔ اور حکماء یونان نے اس جزو کے ابطال پر علم ہندسہ کے دلائل ذکر کئے ہیں۔ جس طرح کہ ''صدرا'' کے مباحث اس پر دال ہیں۔ تو اب ہم علوم جدیدہ کے شائقین سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر آپ کو علم کلام اور فقہ سے محبت ہے تو حکماء یونان کے دلائل کا آپ کے پاس کیا جواب ہے۔؟ ان دلائل کے جواب میں ہم ''صدرا'' کے محتاج ہیں۔

منطق اور فلسفہ کو درس نظامی سے خارج نہیں کیا جاسکتا کیونکہ متقدمین علماء اسلام نے معقولی مباحث کو اپنی تمام تصانیف میں سمو کے رکھ دیا ہے۔ منطق کو علیحدہ کر کے ان کا کوئی معنیٰ محصل نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اخلاق اور تصوف کی کتابوں میں بھی علماء نے فلسفہ کی اصطلاحات کو استعمال کیا ہے۔ اس لئے ان کتابوں کی تفہیم اور تفہم کیلئے ہمیں منطق اور فلسفہ کو علی وجہ الکمال قبول کرنا پڑے گا۔

جزء پنجم علوم دینیہ اور علوم جدیدہ میں فرق:۔

اہل فہم سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ علوم جدیدہ سائنس میں ترقی مستقبل کی جانب ہے دن بدن نئی تحقیقات اور تجربات سے جو ایجادات سامنے آرہی ہیں وہ اس بات پر شاہد عادل ہیں بخلاف علوم دینیہ کے۔ کہ ان کی ترقی ماضی کی جانب ہے یہی وجہ ہے کہ جس پایہ کے علماء کرام اور اولیاء عظام رحمۃ اللہ علیہم ماضی میں تھے اس قسم کے آج نہیں ہیں۔ متقدمین اسلام کی تحقیقات کو چھوڑ کر ہم کوئی نیا کام نہیں کر سکتے۔

جزءِ ششم درس نظامی کا مقصد:۔

درس نظامی میں منطق، فلسفہ اور کلام اور ہر فن کی مشکل اور دقیق کتابیں اسلئے شامل کی گئی ہیں کہ ان کے پڑھنے سے ذہنی وسعت اور دقیق مضامین کو سمجھنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ صدرا، شمس بازغہ، خیالی جیسی کتب کی تعلیم سے ہی شرح مقاصد، تفسیر کبیر، روح المعانی اور حجۃ اللہ البالغہ جیسی دقیق کتابوں کے مطالعہ کی استعداد ممکن ہے۔ اگر ان کتابوں کی جگہ کوئی اور سہل کتابیں شامل کی گئی یا سرے سے ان کو خارج کر دیا گیا تو متقدمین کی کتب سے استفادہ تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔

جزءِ ہفتم وقت کا تقاضا:۔

پاکستان کی بنیاد مذہب اور اسلام پر ہے اور زود یا بدیر یہاں اسلامی قانون کے نفاذ کی پختہ توقع ہے۔ اگر پاکستان میں شرعی قانون نافذ ہو گیا تو ہمیں ایسے ہی فقہی ماہرین کی ضرورت ہو گی جو موجودہ وکلاء اور ججوں کی جگہ لے سکیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ ہمارے قضاۃ کو فقہ میں وہی مہارت حاصل ہو جیسے سپریم کورٹ اور دیگر عدالت عالیہ کے ججوں کو موجودہ قانون پر ہے۔ اور یہ واضح ہے کہ شرح وقایہ اور ہدایہ کو سطحی نظر سے پڑھے ہوئے شخص کیلئے ممکن نہیں ہے کہ اسے چیف کورٹ کا جج مقرر کیا جا سکے۔ علامہ شامی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے بحر الرائق کو متعدد بار پڑھا۔ اور اس کے علاوہ ہدایہ کے شروح اربعہ کو بھی سبقاً پڑھا۔ تب جا کر انہیں فقہی تدبر حاصل ہوا۔ بہر حال قضا کے لئے ضروری ہے کہ تمام فقہی

ذخائر اور ان کے ماخذ آئمہ کے اختلافات اور ان کے دلائل کا احاطہ تامہ کیا جائے۔ ہم جامعہ اسلامیہ سے توقع کرتے ہیں کہ شرعی نظام علی وجہ الکمال نافذ ہونے کی صورت میں جامعہ اسلامیہ سے فارغ علماء عہدہ قضا سنبھال سکیں۔

جزء ہشتم تعلیم کی اصل:۔

علوم اسلامیہ کی اصل تدریس ہے کیونکہ اگر مدرسین کا وجود نہ ہو تو مبلغ، مقرر، مناظر، خطیب اور مدرس کا وجود نہ رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ مدرسہ ایک مل کی مانند ہے جس میں تمام چیزیں بنتی ہیں۔ اس لئے مدرسین پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ علم کے چراغ بجھنے نا پائیں۔

جزء نہم نصاب میں مشکل اور دقیق کتابوں کا شمول:۔

نصاب تعلیم میں مشکل کتابوں کا شمول از بس ضروری ہے۔ عقیدہ جو کہ عمل کی اصل ہے اس کیلئے شرح عقائد اور شرح مواقف کے بعض حصے یقیناً نا کافی ہیں۔ شرح عقائد بغیر خیالی کے کوئی معتد بہ فائدہ نہیں دیتی۔ فلاسفہ کے اعتراضات کے جوابات میں شارح عقائد نے بعض مقامات پر صرف اتنا کہہ دیا ہے کہ یہ اعتراض فلاسفہ کے قواعد پر مبنی ہے۔ اور وہ قواعد ضعیف ہیں۔ لیکن نہ ان کے قواعد کا ذکر کیا اور نہ اس کے ضعف کا۔ حد یہ ہے کہ قدم عالم کا مسئلہ جو کہ بالکل اسلامی عقائد کے خلاف ہے شارح عقائد اس کو بھی گول کر گیا [1]۔

---

[1] یعنی فلاسفہ نے قدم عالم پر جو دلائل دیئے ہیں نہ ان کا ذکر کیا اور ان کے ابطال کا۔ ۱۲

اس لئے عقائد جلالی کا صرف وہ حصہ درس نظامی میں شامل ہے جس میں قدم عالم کا ابطال تفصیل سے کیا گیا ہے۔فلاسفہ اعادۂ معدوم کے امتناع پر بڑے قوی دلائل پیش کرتے ہیں۔ اہل اسلام نے عقلی بنیادوں پر ان کا ابطال کیا ہے۔شرح عقائد میں ان مباحث کی جھلک نظر نہیں آتی۔ان بحثوں کو علامہ خیالی نے چھیڑا ہے۔اور برق صاعقہ بن کر فلسفی تمسکات کی چٹانوں کو ریزہ ریزہ کردیا ہے۔اسی طرح خرق والتیام کے امتناع پر جو فلاسفہ نے دلائل کے پہاڑ قائم کئے ہیں شارح عقائد ان سے ٹکرائے بغیر گزر گئے ہیں۔ان پہاڑوں کو ھبآء منثوراً کرنے کیلئے علامہ خیالی کا قلم ہی صور اسرافیل بن کر آیا ہے۔یہاں ایک اعتراض کو مثال کے طور پر ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جہنمی کی داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی۔اس پر حکماء نے اعتراض کیا ہے کہ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ دانت کے ساتھ اور مادہ ملایا جائے تو تعذیب بلامعصیّت لازم آئے گی۔

اس قسم کے سوالوں کے جواب دینا علامہ خیالی کا ہی حصہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خیالی میں شرح عقائد سے کئی گنا زیادہ علم موجود ہے۔نیز علم ہیئت جو کہ خصوصاً مسلمانوں کا علم ہے اس پر کثیر مسائل شرعیہ کا توقف ہے۔مثلاً سمت قبلہ،اوقات صلوٰۃ،طول البلد،عرض البلد کی پہچان یہ علم تقریباً ہمارے مدارس اسلامیہ میں ناپائید ہو چکا ہے۔اور اس کی تحصیل کیلئے جو معمولی آلات ضروری تھے وہ اب بالکل مفقود ہیں۔مثلاً کرہ، اسطرلاب،ربع مجیّب، ربع مقنطرہ یہ علم چونکہ نہایت نفیس اور کارآمد ہے جامعہ اسلامیہ کو اس کی طرف خصوصی توجہ لازم ہے۔بندہ یہاں چند ماہرین علماء ریاضی دان کا ذکر کرتا ہے۔جو

ہم سے بالکل قریب عہد میں گزرے ہیں۔ مولانا محمد فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو جب عبور دریائے شور کی سزا دی گئی تو آپ کو وہاں سخت اذیت دی جاتی تھی وہاں جو داروغہ مقرر تھا اس کے پاس ایک ریاضی کی کتاب تھی جس کو اس نے کئی علماء کے سامنے پیش کیا لیکن کسی کو اس کے حل کی طاقت نہ ہوئی۔ جب اس کو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا علم ہوا اور اس نے مولانا کے سامنے وہ کتاب پیش کی تو آپ نے اس کا پورا حل فرمایا۔

اور پھر اس کتاب پر بہترین حواشی بھی ثبت کئے۔ داروغہ پر آپ کی علمی قابلیت کا بڑا اثر ہوا۔ اور اس نے آپ کو بعض سہولتیں دیں۔ اس طرح مولانا الشاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اس فن کے ایسے ماہر تھے کہ ان کے احباب سے ایک آدمی لندن میں ریاضی پر مہارت حاصل کرنے کے بعد جب وطن واپس آیا تو اس کو اپنے علم پر بڑا گھمنڈ تھا۔ جب وہ حضرت مولانا صاحب کو ملنے آیا تو اس کا خیال تھا کہ علماء اسلام اس علوم سے واقفیت نہیں رکھتے۔ جب اس نے اس علم کے متعلق اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے گفتگو کی تو آپ کی اس فن میں مہارت پر حیران رہ گیا۔ اسی طرح اس صدی کے ولی کامل اور فاضل اکمل حضرت مرشدی سید پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو فن ریاضی میں اس قدر ید طولیٰ تھا کہ آپ نے اپنے تحریری مناظرہ میں اپنے مدمقابل پر یہ سوال کیا تھا کہ اقلیدس کی کون سی شکل سے توحید ثابت ہوتی ہے اور تثلیث باطل ہوتی ہے۔؟

خادم العلم حررہ الفقیر الی اللہ الصمد

عطاء محمد چشتی گولڑوی

سال نامہ مجلہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور ۱۹۶۶ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِاَهْلِهٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَهْلِهِمَا

امـا بـعـد :۔ آج کل علماء ومشائخ کے درمیان عورت کی حکمرانی پر بڑی بحث اور لے دے ہورہی ہے۔اس فقیر عطاء محمد چشتی گولڑوی نے اس بحث پر منصفانہ اور خالی الذہن ہوکر غور کیا ہے۔تو بندہ کو معلوم ہوا کہ اس مسئلہ پر جو بحث اخبارات میں ہورہی ہے یہ یا تو ذاتی عناد پر مبنی ہے اور یا اس مسئلہ سے ناواقفی پر۔ مثلاً مولوی منظور احمد چنیوٹی کا ایک بیان بندہ نے اخبار میں پڑھا ہے کہ:

”اگر غلام مصطفیٰ کھر کو وزیر اعظم بنادیا جائے تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں“

اور اسی طرح جناب جتوئی کا بیان اخبار میں شائع ہوا کہ

”ہم بھٹو خاندان کو مجبور کریں گے کہ وہ اپنے خاندان کے کسی مرد کو وزیر اعظم مقرر کریں“

ان ہر دو بیانوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان ہر دو صاحبان کا علم شرعی صرف اتنا ہے کہ صرف کوئی عورت سربراہ مملکت نہیں ہوسکتی۔ اور ہر مرد سربراہ مملکت ہوسکتا ہے۔ یہ امر شرع شریف سے جہالت پر مبنی ہے جیسا کہ کوئی عورت سربراہ مملکت نہیں ہوسکتی، ہر مرد بھی سربراہ مملکت نہیں ہوسکتا، بلکہ مرد کیلئے بھی شرع شریف نے شرائط ذکر فرمائی ہیں۔تو وہ مرد سربراہ مملکت ہوگا جو ان شرائط کا حامل ہو، اور اگر وہ صرف مرد ہے اور کوئی شرط اس میں مفقود ہے تو وہ مرد سربراہ مملکت نہیں ہوسکتا۔ اور اگر وہ کسی ذریعہ سے برسر اقتدار آ گیا تو یہ شرع شریف میں باغی کہلائے گا۔بعض اکابرین نے صدر ایوب، ذوالفقار بھٹو اور ضیاء الحق کے دور حکومت میں یہ

فرمایا تھا کہ ان سربراہان حکومت کے ساتھ ہمارا اختلاف صرف اس وجہ سے ہے کہ ان حکمرانوں نے باوجود قدرت کے نظام مصطفیٰ ﷺ علیٰ اهله کو پاکستان میں نافذ نہیں کیا اگر یہ نظام اسلامی نافذ کر دیتے تو ہم ان کو سربراہ تسلیم کر لیتے۔ اور ہمارا ان سے کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ اکابرین کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر حکمران مرد نظام مصطفیٰ ﷺ کو نافذ کر سکتا ہے حالانکہ یہ قول شرع شریف کے بالکل خلاف ہے۔ اگر مذکورہ بالا حکمران پاکستان میں نظام شرعی نافذ کر دیتے تو یہ اس طرح ہوتا جیسے امریکہ، فرانس اور ماسکو کے حکمران اپنے اپنے ملکوں میں نظام شرعی نافذ کر دیں۔ تو یہ حکمران ان کے ملکوں میں بسنے والے مسلمانوں کے شرعی امام ہرگز نہ ہوں گے۔

اسی طرح پاکستان کے مذکورہ بالا حکام اگر پاکستان میں نظام شرعی نافذ کر دیتے تو یہ لوگ پاکستانی مسلمانوں کے شرعی امام ہرگز نہ ہوتے۔ اب یہاں ایک اشکال ہوتا ہے جس کا جواب ضروری ہے۔ اشکال یہ ہے کہ بندہ نے مذکورہ بالا پاکستانی حکام کو امریکہ وغیرہ کے حکام سے تشبیہ دی ہے تو یہاں وہم ہوتا ہے کہ شاید بندہ ان کو مسلمان نہیں سمجھتا، تو جواب یہ ہے کہ حاشا و کلاّ بندہ کا یہ مطلب نہیں ہے بندہ کے نزدیک مذکورہ بالا پاکستانی حکام پکے مسلمان ہیں۔ تشبیہ کا مقصد یہ ہے کہ ہر مرد شرعی امام نہیں ہو سکتا۔ شرعی امام کیلئے متعدد شرائط ہیں۔ بعض شرائط امریکی حکام میں مفقود ہیں۔ اور بعض شرائط پاکستانی حکام میں ناپید ہیں۔ بندہ جب شرعی امام کے شرائط ذکر کرے گا تو اس اشکال کے جواب کی طرف اشارہ کرے گا۔

اخبار نوائے وقت جو کہ نہایت سنجیدہ اخبار ہے اس سے بھی اس قسم کی ایک کوتاہی ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اخبار مذکور نے اپنی ایک اشاعت میں صدر ضیاء الحق مرحوم پر یہ تنقید کی تھی کہ :

"اس نے گیارہ سال بلاشرکت غیر پاکستان پر حکومت کی ہے وہ نظام اسلامی نافذ کر سکتا تھا اگر وہ نافذ کر دیتا تو قیام پاکستان کا مقصد پورا ہو جاتا، حالانکہ صدر مرحوم کا اوڑھنا، بچھونا اسلام تھا"

نوائے وقت سے یہاں کوتاہی یہ ہوئی ہے کہ اگر صدر مرحوم اسلامی نظام نافذ کر دیتا تو قیام پاکستان کا مقصد ہرگز ہرگز پورا نہ ہوتا۔ کیونکہ شرع شریف نے صدر مرحوم کو اسلامی نظام نافذ کرنے کا اختیار ہی نہیں دیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی نظام نافذ کرنے کا اختیار صرف اور صرف شرعی امام کو ہے اور صدر ضیاء الحق شرعی امام نہ تھے۔ اس کو بندہ آگے چل کر دلائل سے ثابت کرے گا۔ اور قیام پاکستان کا مقصد اس نظام اسلامی کا نفاذ ہے جس کو شرعی امام نافذ کرے۔ تو اگر صدر مرحوم اسلامی نظام نافذ کر دیتے تو مقصد پاکستان پورا نہ ہوتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کوئی عورت شرعی امام اور سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی۔ اگر چہ وہ صحابیہ ہی کیوں نہ ہو۔ باقی رہا مرد تو ہر مرد بھی شرعی امام نہیں ہو سکتا بلکہ وہ مرد شرعی امام ہو سکتا ہے جو ان شرائط کا حامل ہو جو اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے حبیب ﷺ نے بیان کیں اور جن پر اجماع امت ہے۔

بعض لوگ عورت کی حکمرانی پر جنگ جمل سے دلائل لاتے ہیں کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا اس کی سربراہ تھیں۔ یہ دلیل غلط ہے کیونکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی۔ نہ کہ مطلق سربراہ نہیں ہو سکتی۔ اور جنگ جمل کے موقع پر سربراہ مملکت یا علی کرم اللہ وجہہ الکریم تھے اور یا حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت ام المومنین

رضی اللہ عنہا سربراہ مملکت اور شرعی امام نہ تھیں۔ زیادہ سے زیادہ سربراہ عسکر ضرور تھیں۔ اور یہ عہدہ مرد کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ عورت بھی اس عہدہ پر فائز ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ کتب مذہب میں مصرح ہے کہ عورت چیف جسٹس ہوسکتی ہے۔

بندہ نے یہاں تک جو ذکر کیا ہے بعض جدید ذہنوں کو ان پر اعتراض ہوگا لیکن بندہ ان تمام امور پر ایسے دلائل ذکر کرے گا کہ کسی مسلمان کو اس میں کوئی شک نہ ہوگا۔ اور بندہ کے اس مضمون کا مخاطب صرف مسلمان ہے جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان ہے۔ اس مضمون کا مخاطب مطلق جدید ذہن نہیں ہے جس کے نزدیک عقل خدا اور رسول سے بھی مقدم ہے۔ یہاں تک بندہ نے مرد اور عورت کی حکمرانی کی تمہید ذکر کی ہے اور اب بندہ چند مقاصد ذکر کرتا ہے۔

مقصد اول:۔ شرح عقائد علم عقائد کی مستند اور مشہور کتاب ہے جو کہ درس نظامی کا حصہ ہے۔ اور اس کا مصنف علامہ نسفی ہے جو کہ حنفی اور صاحب ہدایہ کا استاد ہے۔ اور علامہ زمخشری کا ہمعصر ہے۔ اور شارح علامہ تفتازانی ہے جو کہ تعارف کا محتاج نہیں۔ یہاں بندہ امامت شرعی کے مسئلہ پر متن اور شرح ہر دو کی عبارت نقل کرتا ہے۔

عقائد نسفی میں ہے۔ ''ثم الاجماع علی ان نصب الامام واجب''

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے مکاتب فکر کا اس امر پر اجماع اور اتفاق ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنا امام منتخب کریں۔ اب اس عبارت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ تمام مکاتب فکر اسلامیہ کا نصب امام پر اجماع ہے یا کہ بعض مکاتب فکر کا۔؟ صاحب نبراس نے اس ابہام کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

" اراد اجماع اهل سنت والشیعه والمعتزلة لا اهل سنت فقط والفرق کلها لان الخوارج لا یوجبونه"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ امام کے انتخاب کے وجوب پر جو اجماع ہے تو اس اجماع سے نہ تو فقط اہل سنت کا اجماع مراد ہے اور نہ تمام مکاتب فکر اسلامیہ کا اجماع، بلکہ اس اجماع سے اہل سنت اور شیعہ اور معتزلہ کا اجماع مراد ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت، شیعہ اور معتزلہ یہ تینوں اس پر متفق ہیں کہ امام کا مقرر کرنا واجب ہے اور جتنے اسلامی فرقے ہیں ان سے صرف خوارج اس وجوب کے منکر ہیں۔ اب اہل سنت، شیعہ اور معتزلہ کے درمیان مابه الاشتراك تو یہ ہوا کہ تینوں گروہ اس پر متفق ہیں کہ امام کا مقرر کرنا واجب ہے۔ اس کے بعد ماتن نے تینوں کے درمیان مابه الامتیاز بایں الفاظ ذکر کیا۔

" وانما الخلاف في انه يجب على الله او على الخلق بدليل سمعي او بدليل عقلي"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ تینوں گروہ اس امر پر تو مجتمع ہیں کہ امام کا تقرر واجب ہے لیکن ان کے درمیان اختلاف اس میں ہے کہ امام کا تقرر اللہ تعالی پر واجب ہے یا کہ مخلوق پر واجب ہے۔؟ شیعہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالی پر واجب ہے اور اہل سنت اور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ مخلوق پر واجب ہے۔ اب ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک دلیل نقلی یعنی کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ اور معتزلہ کے نزدیک یہ وجوب عقل سے ثابت ہے کیونکہ معتزلہ عقل کو بھی حاکم مانتے ہیں۔ بخلاف اہل سنت کے کہ یہ حاکم صرف

اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اسکے محبوب ﷺ کو مانتے ہیں نہ کہ عقل کو۔ کسی نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ع

عقل قربان کن بہ پیش مصطفٰی

اس کے بعد علامہ نسفی نے اہل سنت کے مذہب پر تین دلائل نقل کئے ہیں۔

دلیل اول:۔ ” لقوله عليه السلام من مات ولم يعرف امام زمانه فقد مات ميتة جاهلية “

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ جو بھی آدمی اس حالت میں مرا کہ وہ اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانتا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

علامہ صاحب نبراس نے اپنے زمانہ کا امام نہ پہچاننے کی دو صورتیں ذکر کی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

” سواء كان في زمانه امام ولم يعرفه او لم يكن في زمانه امام اصلاً “

یعنی امام زمانہ نہ پہچاننے کی دو صورتیں ہیں۔

اول:۔ یہ کہ اس کے زمانہ میں امام تو ہے لیکن وہ اسے جانتا نہیں ہے۔

دوم:۔ یہ کہ اس زمانہ میں امام بالکل ہے ہی نہیں۔

اس اور اس کے حاشیہ میں جاہلیت کی موت کی یہ تفسیر کی گئی ہے۔

” والجاهلية هي الحالة التي كان الناس عليها قبل الاسلام على ضلال “

یعنی جاہلیت سے مراد وہ گمراہی ہے کہ اسلام سے قبل لوگ اس پر تھے۔ نبراس میں

ہے۔ ''وفیہ تشدید عظیم''

یعنی اس حدیث میں بڑا سخت حکم ہے کہ ایک مسلمان نے شرع شریف کے تمام احکام کی پوری پابندی کی ہے لیکن امام کے انتخاب میں کوتاہی کی اور امام منتخب نہ کیا۔ تو اس کی موت گمراہی پر ہے۔ اب اس وعید میں مسلمانوں کے تمام طبقات داخل ہیں۔ عوام مسلمان اور علماء اور مشائخ جو بھی اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانتا اس کی موت گمراہی کی موت ہے۔ اب اس میں تشدید اور سختی واضح ہے۔

دلیل دوم:۔ ولان الامۃ قد جعلوا اھم المھمات بعد وفات النبی ﷺ نصب الامام حتیٰ قدموہ علی الدفن وکذا بعد موت کل امام من الخلفاء الراشدین ومن بعد ھم وھذا اجماع علیٰ کون النصب من المھمات۔

(عقائد نسفی و نبراس)

خلاصہ دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام کے نزدیک سب سے بڑا مقصد امام کا تقرر تھا اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امام کے تقرر کو آنحضرت ﷺ کے دفن پر مقدم کیا اور اسی طرح خلفاء راشدین اور ان کے بعد جو آئمہ گزرے ہیں ہر ایک کے دفن سے قبل مسلمانوں نے تقرر امام کیا۔ اب ساری امت کا اس پر اجماع ہو گیا۔ کہ امام کا تقرر بڑے مقاصد سے ہے۔

اب قارئین غور کریں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تقرر امام کو دفن پر اس لئے مقدم کیا کہ وہ تھوڑی دیر کیلئے بھی بغیر امام کے ہونا گناہ سمجھتے تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امام کے متعلق جلدی نہ کرتے تو اس دوران جو مسلمان فوت ہو جاتا اس کی موت جاہلیت

اور گمراہی کی موت ہوتی۔ اور واجب ترک کر کے مرتا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امام کے متعلق عجلت سے کام لیا۔ بعض اہل بدعت یہاں صحابہ کرام پر اعتراض کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ایک بڑا المیہ تھا لیکن صحابہ نے اس کی پرواہ نہ کی اور خلافت اور سلطنت میں مشغول ہو گئے تو اس کے دو جواب ہیں۔

جواب اول :۔ اس دور کی خلافت اور حکومت پھولوں کی سیج نہیں تھی بلکہ کانٹوں کا بچھونا تھا۔ صحابہ کرام نے جو تقرر امام میں جلدی کی تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان کو حکومت اور سلطنت کے ساتھ کوئی دلچسپی تھی بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس دوران مرنے والوں کی موت اسلامی موت ہو اور وہ جاہلیت کی موت سے محفوظ رہیں۔

جواب دوم :۔ جب کسی مسلمان کی وفات واقع ہو تو جنازہ پڑھانے کا حق بسا اوقات امام کو ہوتا ہے اور امام کے بعد کوئی دوسرا جنازہ پڑھانے کا مستحق نہیں ہوتا تو صحابہ کرام نے امامت اور خلافت میں جلدی اسلئے کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری جنازہ امام اور خلیفہ پڑھائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت جنازے پڑھے گئے لیکن آخری جنازہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھایا اور اس کے بعد کوئی جنازہ نہیں پڑھا گیا۔

اب بندہ ایک نہایت ثقیل چیز یہاں ذکر کرتا ہے، اگرچہ بندہ کو علم ہے کہ بعض احباب کو اس پر شدید اعتراض ہوگا لیکن بندہ کے نزدیک اللہ جل شانہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہر ایک پر مقدم ہے۔ وہ ثقیل چیز یہ ہے کہ اس وقت پاکستان کے مسلمان اور ان کے آباء واجداد مشائخ اکابرین پانچ صد سال ماضی میں بغیر امام گزرے ہیں۔ اور نظر بظاہر ان کی

موت جاہلیت کی موت ہے لیکن موجودہ دور کے مسلمانوں نے کبھی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی کہ ہم اس واجب کو ادا کریں جو کہ ہمارے اکابرین سے متروک چلا آرہا ہے۔ بندہ نے قبل ازیں جو اسلاف اور اکابرین کے متعلق یہ کہا ہے کہ نظر بظاہر ان کی موت جاہلیت کی موت ہے تو اس کا جواب بندہ آئندہ ذکر کرے گا کہ اسلاف اور اکابرین تقرر امام میں معذور تھے۔ لیکن یہ جواب موجودہ دور کے عوام مسلمان وعلماء اور مشائخ کی طرف سے نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ لوگ تقرر امام میں کامل مختار ہیں۔ اور یہ چیز بندہ آئندہ دلیل سے ذکر کرے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔
اب یہاں تک تقرر امام کے وجود پر دو دلیلیں ذکر کی گئی ہیں۔ اول حدیث شریف اور دوم اجماع صحابہ کرام اور ان کے بعد اجماع دوسرے مسلمانوں کا۔

دلیل سوم:۔ ”ولان کثیراً من الواجبات الشرعیه یتوقف علیه ای علی نصب الامام وقد تقرر فی اصول الفقه ان ما یتوقف علیه الواجب فهو واجب“

خلاصہ دلیل سوم یہ ہے کہ بہت واجبات شرعی ہیں کہ وہ نصب امام پر موقوف ہیں۔ مثلاً جہاد و حدود اور اظہار شعائر اسلام مثل عید اور جمعہ کی یہ سب واجب ہیں اور تقرر امام پر موقوف ہیں۔ اور تقرر امام موقوف علیہ ہے۔ اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ واجب جس پر موقوف ہو وہ موقوف علیہ بھی واجب ہوتا ہے۔ تو تقرر امام واجب ٹھہرا۔ جس سے تمام مسلمان خواص و عام پانچ صد سال سے محروم چلے آرہے ہیں۔

یہاں تک بندہ نے اہل سنت کے مذہب کے مطابق تین دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں پر تقرر امام واجب ہے۔ اور اس کے بغیر مسلمان کی موت جاہلیت اور گمراہی کی موت ہے۔ اور یہ تقرر اتحاد اہل سنت کے بغیر مشکل ترین ہے۔ لیکن ہمارے عوام اور مشائخ

اور علماء انتشار کے درپے ہیں اور بعض لوگوں کو اسلئے برداشت نہیں کرتے کہ ان کے ساتھ ان کی ذاتی رنجش ہے۔ اور اس رنجش کی تسکین کیلئے باغیوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اور نظام مصطفیٰ ﷺ کی پیٹھ میں چھرا گھونپ رہے ہیں۔ حیرت یہ ہے کہ اس کے باوجود نفاذ نظام مصطفیٰ ﷺ اور تحفظ شان مصطفیٰ ان کا نعرہ ہے جو کہ ان کے عمل کے متصادم ہے۔

درمختار اور شامی میں بھی امامت کے مسئلہ پر بحث کی گئی ہے اب بندہ ان کتابوں سے کچھ ذکر کرتا ہے۔ درمختار میں ہے۔

"ھی صغریٰ و کبریٰ فالکبریٰ استحقاق تصرف عام علی الانام و تحقیقه فی علم الکلام ونصبه اھم الواجبات فلذا قدموه علی دفن صاحب المعجزات"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ امامت دو قسم ہے۔

اول:۔ امامت صغریٰ کہ نماز کی امامت کرنا ہے اور لوگ نماز میں اس کی اتباع کرتے ہیں۔

دوم:۔ امامت کبریٰ اور اس کی تعریف یہ ہے کہ جس کو اس امر کا حق ہو کہ اس کا تصرف لوگوں پر عام ہو اور بندہ جو یہاں جس امام پر بحث کر رہا ہے یہ امامت کبریٰ ہے اور امام کا انتخاب بڑے اعلیٰ واجبات سے ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ کے دفن سے امامت کا مسئلہ پہلے طے کیا۔ تو نصب امام اگر اعلیٰ واجبات سے نہ ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو دفن سے مقدم نہ کرتے۔

علامہ ابن عابدین شامی نے فرمایا کہ امامت کی تعریف شرح مقاصد میں اس طرح ہے

"انها رياسة عامة في الدين والدنيا خلافة عن النبي ﷺ"

خلاصہ تعریف یہ ہے کہ امام اس رئیس کو کہتے ہیں جو کہ دین اور دنیا ہر ایک میں رئیس ہو۔ اور یہ اسلئے ہوا کہ وہ نبی ﷺ کا خلیفہ اور نائب ہے۔ ہر دو تعریف سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک سربراہ مملکت ہوتا ہے اور دوسرا سربراہ حکومت۔ سربراہ مملکت اور صدر اکیلا سربراہ حکومت کو معزول کر سکتا ہے۔ برخلاف سربراہ حکومت کے شرعی امام سربراہ مملکت اور صدر ہوتا ہے نہ کہ سربراہ حکومت کیونکہ وہ اکیلا صدر اور سربراہ مملکت کو معزول نہیں کر سکتا۔ تو لوگوں پر تصرف عام صرف سربراہ مملکت کو ہے۔ ان ہر دو میں فرق کرنا لازم ہے۔ ورنہ بہت سی خرابیاں لازم آئیں گیں۔ جیسا کہ آگے چل کر بندہ ان خرابیوں کا ذکر کرے گا۔ یہاں تک مقصد اول ختم ہوا۔ اب اس مقصد سے چند امور واضح ہوتے ہیں۔

امر اول:۔ امام کا انتخاب واضح ہے کہ یہ سیاسی مسئلہ ہے اور مسلمانوں پر واجب بھی ہے اور واجب یہ شرعی مسئلہ ہے تو معلوم ہوا کہ اسلام میں سیاست اور شریعت ایک ہے اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ شرعی جماعت ہے اس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے یا یہ کہ یہ سیاسی جماعت ہے شرعی نہیں ہے یہ فرق شرع شریف سے ناواقفی پر مبنی ہے اور یہ فرق دراصل نصاریٰ کے نزدیک ہے کہ ان کے نزدیک مذہب اور سیاست باہم مغائر ہیں۔

امر دوم:۔ قبل ازیں بندہ ذکر کر چکا ہے کہ کوئی عورت شرع شریف میں سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا مرد تو ہر مرد بھی سربراہ مملکت نہیں بن سکتا بلکہ بعض مرد سربراہ مملکت

ہو سکتے ہیں، اور بعض مرد سربراہ مملکت نہیں ہو سکتے۔ اب یہاں دو پہلو ہیں۔ منفی اور مثبت۔ منفی پہلو تو یہ ہے کہ کوئی عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی۔ اور مثبت پہلو یہ ہے کہ اگرچہ ہر مرد سربراہ نہیں ہو سکتا لیکن بعض مرد سربراہ مملکت ہو سکتے ہیں، جن میں شرائط پائی جائیں۔

اب بندہ یہاں ایک المیہ ذکر کرتا ہے وہ یہ کہ جمعیت علماء پاکستان جس کو جے۔ یو۔ پی کہا جاتا ہے بدقسمتی سے دو دھڑوں میں بٹ گئی ہے ایک دھڑے کا اجلاس ۲۲ مارچ کو لاہور میں ہوا، اور اخباری اطلاع کے مطابق اس اجلاس میں پانچ ہزار علماء اور مشائخ نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں جو علماء اور مشائخ اہل سنت شریک ہوئے سب کا تعلق جے۔ یو۔ پی یعنی جمعیت علماء پاکستان سے نہیں تھا بلکہ بعض کی مذہبی اور سیاسی جماعتیں جے۔ یو۔ پی کے سوا ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان مختلف الخیال علماء و مشائخ کا اجتماع اور اتحاد کس نکتہ پر ہوا۔؟ تو بندہ نے جہاں تک غور کیا تو معلوم ہوا کہ دراصل ان علماء و مشائخ کا علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی (رحمۃ اللہ علیہ) کے ساتھ ذاتی رنجش اور عناد ہے۔

اور یہ لوگ اس تاک میں تھے کہ کوئی موقع ملے تو علامہ نورانی سے اپنے عناد کا بدلہ لیں۔ اب جب علامہ نورانی کے بعض پرانے رفیقوں نے علامہ نورانی کے خلاف بغاوت کی تو ان لوگوں نے موقع کو غنیمت خیال کیا اور حب علی اور بغض معاویہ کا رول ادا کرتے ہوئے بغاوت کی تائید میں مجتمع ہو گئے اور اس عناد باطنی کو یہ رنگ دیا کہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی عورت کی سربراہی کو جائز مانتے ہیں، حالانکہ یہ محض بہتان ہے۔ علامہ نورانی بارہا اعلان کر چکے ہیں کہ عورت کی سربراہی خلاف شرع اور ناجائز اور حرام ہے۔ لیکن اس اعلان سے یہ لوگ اسلئے مطمئن نہیں ہوتے کہ ان کا مقصد احقاق حق تو نہیں ہے صرف علامہ نورانی پر کیچڑ

اچھالنا ہے خواہ اس کا سبب بہتان ہی کیوں نہ ہو۔اب ۲۲ مارچ کے اجلاس کا المیہ یہ ہے کہ اس اجلاس میں سارا زور اس پر دیا گیا کہ عورت سربراہ مملکت نہیں ہوسکتی یعنی سارا زور خطابت منفی پہلو پر دیا گیا۔اور مثبت پہلو کو نظر انداز کر دیا گیا کہ پھر سربراہ مملکت کون ہونا چاہئے۔؟ حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ سربراہ کون ہونا چاہئے۔ کیونکہ قبل ازیں حدیث شریف سے ثابت کیا گیا ہے کہ تقرر امام واجب ہے اور جس کو اپنے زمانہ کے امام کی معرفت نہیں ہے اس کی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہے۔اب بندہ ان پانچ ہزار علماء اور مشائخ سے دوٹوک دوسوال کرتا ہے۔

سوال اول:۔ ان پانچ ہزار علماء ومشائخ نے کوئی اپنا امام منتخب کیا ہے یا منتخب کرنے کی کوشش کی ہے یا نہیں۔؟ برتقدیر اول وہ کون ہے جس کو منتخب کیا یا انتخاب کی کوشش کی۔؟ نام بتلائے۔اور برتقدیر ثانی ان پانچ ہزار نے واجب کو ترک کیا ہے کیونکہ دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ تقرر امام واجب ہے۔

سوال دوم:۔ ان پانچ ہزار علماء مشائخ کو اپنے امام زمانہ کی معرفت ہے یا کہ نہیں۔؟ برتقدیر اول یعنی اگر معرفت ہے تو وہ کون ہے ذرا ہم کو بھی بتلائے۔؟ اور برتقدیر ثانی ان پانچ ہزار کی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہوگی۔اب المیہ یہ ہے کہ ان پانچ ہزار کو اپنی موت کی کوئی فکر نہیں ہے کہ ان کی موت اسلامی ہو یا جاہلیت کی۔اگر ان پانچ ہزار کو اس امر سے دلچسپی ہوتی کہ ان کی موت اسلامی موت ہو نہ کہ جاہلیت کی تو ۲۲ مارچ کے اجلاس میں یہ لوگ مثبت پہلو کو نظر انداز نہ کرتے۔

اب بندہ قارئین کو یہ بتلانا چاہتا ہے کہ باوجود پانچ ہزار کے جم غفیر کے مثبت پہلو کو کیوں نظر انداز کیا گیا تو جواب یہ ہے کہ اس جم غفیر کو ان ہر دو مسئلہ کا علم ہی نہیں ہے کہ تقرر امام واجب ہے یا نہ۔؟ اور نیز اس کا بھی علم نہیں کہ معرفت امام سے مسلمان کی موت اسلامی موت ہوتی ہے۔ اور عدم معرفت سے مسلمان کی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے۔۔ جب ان کو ان ہر دو مسئلہ کا علم ہی نہیں تو پھر مثبت پہلو پر بحث کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب یہ پانچ ہزار کا جم غفیر اس فقیر اور اس کے ہم سیاست اہل سنت پر ہر دو سوال نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہمارے پاس دندان شکن جواب ہے۔ ملاحظہ ہو۔

پاکستان میں اہل سنت و جماعت کی آبادی تقریباً ۸۵ فی صد ہے۔ اگر یہ ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو جائیں تو مہینوں کی بجائے دنوں میں شرعی امام کا تقرر اور انتخاب ہو سکتا ہے۔ اور اہل سنت جاہلیت کی موت سے بچ سکتے ہیں۔ اور ان کی موت اسلامی موت بن سکتی ہے۔ یہ منشور لے کر جمعیت علماء پاکستان نے پہلے شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں اور اس کے بعد علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی زید مجدہ کی قیادت میں یہ کوشش کی کہ تمام اہل سنت جمعیت علماء پاکستان کے جھنڈے کے نیچے اکٹھے ہو جائیں۔ تاکہ الیکشن کے موقع پر جمعیت علماء پاکستان اتنی بھاری اکثریت سے کامیاب ہو کہ وہ بغیر کسی اور سیاسی پارٹی کی امداد کے خود مرکزی حکومت تشکیل دے سکے۔

اور چونکہ یہ قاعدہ ہے کہ مرکز میں جو پارٹی الیکشن میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہوتی ہے حکومت کی تشکیل اس کا حق ہوتا ہے۔ تو اب جمعیت علماء پاکستان کے سربراہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی تمام شرائط کے جامع ہیں۔ لہذا الیکشن میں کامیابی کے بعد جمعیت اپنے

سربراہ اور قائد کو شرعی امام منتخب اور مقرر کرسکتی ہے۔ جمعیت کو شرعی امام کیلئے کسی اور آدمی کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمعیت نے اپنا سربراہ علامہ شاہ احمد نورانی کو منتخب کیا ہے۔ تاکہ سربراہ مملکت کے انتخاب کے وقت کوئی اختلاف پیدا نہ ہو۔ اور اگر سربراہ جماعت میں سربراہ مملکت کے شرائط موجود نہیں ہیں تو پھر کامیابی کے بعد سربراہ مملکت اور تلاش کرنا ہوگا۔ اور پھر اس میں اختلاف پیدا ہوسکتا ہے۔ اب خود جمعیت کے اندر ایسے حضرات تھے جن کو جمعیت کا یہ منشور پسند نہیں تھا کہ پاکستان میں شرعی امام منتخب کیا جائے جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ حضرات خود شرعی امام بننے کے اہل نہ تھے۔ تو انہوں نے علامہ نورانی کے خلاف بغاوت کر کے ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مسجد تعمیر کرنی شروع کردی۔ اور جمعیت کے منشور کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔ اور پھر المیہ یہ ہوا کہ پانچ ہزار علماء و مشائخ میں اگر ذرا سمجھ بوجھ ہوتی تو وہ یہ سوچتے کہ معمولی بات پر اہل سنت میں انتشار پیدا ہو رہا ہے۔ ہر دو فریق کے درمیان مصالحت کی کوشش ہونی چاہئے۔ جیسا کہ فرمان خداوندی ہے۔ اور پھر ان علماء و مشائخ کا دعویٰ بھی نظام مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ ہے۔ اور یہ اہل سنت کے اتحاد کے سوا مشکل ترین ہے۔ لیکن ان علماء و مشائخ کا علامہ نورانی کے ساتھ ذاتی عناد تھا۔ لہذا شیطان نے صحیح راستہ مصالحت کا ان کی نظروں سے اوجھل کردیا۔ اور انہوں نے باغی شرذمہ قلیلہ کی تائید کر کے اہل سنت میں انتشار اور افتراق کو ہوا دی۔ مناسب یہ تھا کہ باغی فریق کی حوصلہ شکنی کی جاتی اور ان کے اجلاس اور کنونشن کا بائیکاٹ کیا جاتا تاکہ ان کو اپنی قدر و قیمت معلوم ہو جاتی۔

خلاصہ یہ کہ ان پانچ ہزار علماء و مشائخ نے افتراق اور انتشار پیدا کر کے نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کا راستہ مسدود کردیا ہے، یا اس کو پیچھے دھکیل دیا ہے جس پر جتنا افسوس کیا جائے

وہ کم ہے۔شاید کسی نے ایسے موقع پر کہا ہے۔ع۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجاماند مسلمانی

یہاں تک بندہ نے مقصد اول میں تین دلائل سے ثابت کیا ہے کہ امام کا تقرر تمام مکاتب فکر کے نزدیک واجب ہے صرف خارجی فرقہ نے اس وجوب کا انکار کیا ہے۔اب اس دور میں اگر کوئی مسلمان وجوب امامت کا انکار کرے تو وہ خارجی ہی ہوگا۔

مقصد دوم:۔ میں یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ اس شرعی امام کا تقرر کیوں واجب ہے اور اس کے فرائض کیا ہوں گے۔عقائد نسفی میں ہے۔

"والمسلمون لا بد لهم من امام يقوم بتنفيذ احكامهم واقامة حدودهم وسد ثغورهم وتجهيز جيوشهم واخذ صدقاتهم وقهر المتغلبة والمتلصصة وقطاع الطريق واقامة الجمع والاعياد وقطع المنازعات الواقعة بين العباد وقبول الشهادات القائمة على الحقوق وتزويج الصغار والصغائر الذين لا اولياء لهم وقسمة الغنائم ونحو ذالك من الامور التي لا يتولاها احاد الامة"

اس طویل عبارت میں دو چیزوں کا ذکر ہے۔اول یہ کہ تقرر امام کیوں واجب ہے۔ دوم یہ کہ امام کے ذمہ کیا فرائض ہوں گے۔امر اول کی تفصیل یہ ہے کہ تقریباً تیرہ واجب ایسے ہیں جو کہ امام پر موقوف ہیں اور امام ان واجبات کا موقوف علیہ ہے۔اور قبل ازیں گزر چکا ہے کہ واجب کا موقوف علیہ بھی واجب ہوتا ہے۔تو چونکہ تقرر امام واجب ہے لہذا مسلمانوں پر ضروری ہوا کہ تقرر امام سے اپنا واجب ادا کریں۔

امر دوم کی تفصیل یہ ہے کہ مذکورہ بالا واجبات امام کے فرائض میں داخل ہیں اور بغیر

امام کے دوسرا آدمی ان فرائض کو ادا نہیں کر سکتا۔ ان تیرہ امور کی تفصیل ملاحظہ ہو جو کہ امام کے فرائض میں داخل ہیں۔ اور تقرر امام پر موقوف ہیں۔

اول:۔ امام کا کام یہ ہوگا کہ وہ مسلمانوں کے احکام نافذ کرے۔

دوم:۔ شرعی حدود قائم کرے گا مثلاً چوری، زناء اور شراب کی حدیں۔

سوم:۔ اسلامی ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرے گا۔

چہارم:۔ اسلامی فوج کیلئے اسلحہ اور دوسری ضروریات کا انتظام کرے گا۔

پنجم:۔ زکوۃ وعشر اور خراج وصول کرے گا۔

ششم:۔ باغیوں کی سرکوبی کریگا۔

ہفتم:۔ چوروں کی سرکوبی کریگا۔

ہشتم:۔ ڈاکوؤں کی سرکوبی کریگا۔

نہم:۔ جمعہ اور عیدین قائم کرے گا۔

دہم:۔ لوگوں میں جو جھگڑے ہیں ان کا حل پیش کرے گا۔

یازدہم:۔ حقوق پر شہادتیں قبول کرے گا۔

دوازدہم:۔ جن نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کے ولی نہیں ہیں ان کے نکاح کرے گا۔

سیزدہم:۔ مال غنیمت کی تقسیم کرے گا۔ اور اس کے علاوہ کئی اور امور ہیں جن کو

ہر آدمی سرانجام نہیں دے سکتا، اور امام سرانجام دے سکتا ہے۔ چونکہ تاحال پاکستان میں شرعی اور باشرائط امام نہیں ہے لہذا اس کو زکوۃ اور عشر اور خراج اور دوسرے موجب ادا کرنے مسلمانوں پر ضروری نہیں البتہ ادا کر دیئے جائیں تو جائز ہیں۔

اس مقصد دوم سے ثابت ہوا کہ اسلامی قانون اور نظام مصطفیٰ ﷺ کو ہر آدمی نافذ نہیں کر سکتا بلکہ یہ کام منتخب امام کا ہے۔ تو گویا اسلامی آئین کی بنیاد اور پہلی اینٹ تقرر امام ہے۔ اور اگر بغیر تقرر امام کے نظام مصطفیٰ ﷺ نافذ کیا جائے تو اس کی مثال یہ ہے جیسے بغیر بنیاد کے دیوار تعمیر کی جائے۔ اور ہر آدمی شرعی امام اور سربراہ مملکت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کیلئے شرائط ہیں جن کا بعد میں ذکر کیا جائے گا۔

اب یہاں عقائد نسفی پر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ عقائد نسفی کا یہ متن ہے اور متون میں اختصار ہوتا ہے لیکن امام کے مسئلہ کو طوالت سے کیوں ذکر کیا گیا ہے۔ تو شارح نبراس نے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا ہے۔

"وقد اطنب المصنف اطناباً لایناسب المختصر تنبیهاً علی الاهتمام بنصب الامام وارشاد الائمة الی مایجب علیهم"

خلاصہ یہ کہ متُــــون مختصر ہوتے ہیں۔ اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے امامت کے مسئلہ کو طوالت سے بیان فرمایا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔؟ تو جواب یہ ہے کہ اس طوالت کے دو فائدے ہیں۔

فائدہ اول:۔ تمام مسلمانوں کو متنبہ کرنا ہے کہ امام کا تقرر بڑا مقصودی امر ہے اور تم پر واجب ہے لہذا اس سے غافل نہ ہونا۔

فائدہ دوم:۔ آئمہ کو رہنمائی کرنی ہے کہ تم پر جو تیرہ چیزیں واجب ہیں ان کو کما حقہ ادا کرنا۔ عقائد نسفیہ کے مصنف نے جو امامت کا مسئلہ طویل عبارت میں ذکر کر کے اس کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ افسوس کے اس صدی کے پانچ ہزار علماء نے ۲۲ مارچ کے اجلاس میں اس کو محسوس نہیں کیا۔ اور سارا وقت منفی سیاست میں ضائع کیا، کہ عورت سربراہ مملکت نہیں ہوسکتی۔ صرف اہل سنت میں انتشار کو ہوا دے کر کار بے خیر کا ارتکاب کیا۔ پرانے علماء و مشائخ کا طریقہ وصل اور باہمی محبت تھا لیکن اس صدی کے علماء و مشائخ کا طرہ امتیاز فصل اور باہمی افتراق اور انتشار ہے۔ گویا کہ اس صدی کا تصوف بھی تبدیل ہو گیا ہے۔ پرانا تصوف تو یہ تھا۔

" بئس الفقیر علی باب الامیر خیر الامیر علی باب الامیر "

یعنی برا شیخ وہ ہے جو امراء کے دروازوں کا چکر لگاتا ہے اور اچھا امیر وہ ہے جو کہ مشائخ کے دروازوں پر حاضری دیتا ہے۔

یہ تو پرانا تصوف تھا اب نیا تصوف اور اس کا زریں مسئلہ ملاحظہ ہو۔

" خیر الافقیر علی باب الامیر بئس الامیر علی باب الفقیر "

یعنی بڑا اور نامی گرامی شیخ وہ ہے جو کہ امراء کے دروازوں پر حاضری دیتا ہے۔ اور برا امیر وہ ہے جو کہ مشائخ کے در کی حاضری دے۔

حضرت خواجہ ثانی قدس سرہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے پرانے تصوف کے متعلق چند ٹھیٹھ پنجابی مقولے ہیں۔ چونکہ جدید ذہنوں پر ثقیل ہیں لہذا ان کو یہاں نقل نہیں کیا جاتا۔ خلاصہ یہ کہ جس مسلمان کو اپنے امام زمانہ کی معرفت ہے اس کی موت اسلامی اور ہدایت کی موت

ہے۔اور جس کو یہ معرفت حاصل نہیں ہے اس کی موت جاہلیت کی موت اور ضلالت کی موت ہے۔ یہ حکم تو ایک عام مسلمان کا ہے۔اور پھر علماء اور مشائخ کو تو یہ معرفت بطریق اولی حاصل ہونی چاہئے۔ حیرت ہے کہ ۲۲ مارچ کے علماء ومشائخ نے اس امر پر تو اتفاق کیا کہ عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی۔ لیکن شیطان نے یہ امر ان کے ذہن سے نکال دیا ہے کہ آخر سربراہ مملکت کون ہونا چاہئے۔؟ تا کہ اس کی معرفت حاصل کر کے مسلمان جاہلیت اور ضلالت کی موت سے بچ جائے۔اور اسلامی موت سے سرفراز ہو۔تو جو علماء ومشائخ منفی پہلو پر بحث کرتے ہیں اور مثبت پہلو کو نظر انداز کرتے ہیں معلوم ہوا کہ ان کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ ان کی موت اسلامی ہو یا جاہلیت کی موت۔ ان کو پریم صرف ایک عورت سے ہے کہ وہ سربراہ اور حکمران نہیں ہو سکتی۔ ایسے جم غفیر جن کو اپنی موت کی پرواہ نہیں کہ اسلامی ہو یا کہ جاہلیت کی۔اور وہ اہل سنت میں انتشار پھیلا رہے ہیں۔ان کو علماء ومشائخ کہنا علماء ومشائخ کی توہین ہے۔

غور فرماویں کہ امامت کا مسئلہ بغیر اتحاد اہل سنت کے حل نہیں ہو سکتا۔اب جو علماء مشائخ ۲۲ مارچ کو اجلاس لاہور میں جمع ہوئے بندہ باادب ان سے دریافت کرتا ہے کہ وہ اتفاق اور اتحاد اہل سنت کیلئے مجتمع ہوئے یا کہ افتراق و انتشار اہل سنت کیلئے۔؟ شق اول بدیہی البطلان ہے۔کیونکہ ان مشائخ کا جو سربراہ ہے اور جس کی کوشش سے اجلاس لاہور منعقد ہوا اخباری اطلاع کے مطابق اس نے برملا کہا ہے کہ علامہ نورانی کے ساتھ ہمارا اتحاد نہیں ہو سکتا۔

مزید برآں اجلاس لاہور میں جو علماء ومشائخ مجتمع ہوئے ان کے درمیان نقط اتحاد صرف اور صرف بغض علامہ نورانی تھا۔ پھر ان سے اصلاح اور اتفاق کا تصور ہی نہیں ہو سکتا

تو اب شق ثانی متحقق ہوئی کہ یہ اجتماع لاہور صرف اور صرف افتراق اور انتشار کیلئے تھا اور فرقہ باغیہ کی پیٹھ ٹھونکنے کیلئے تھا کہ بغض نورانی پر ڈٹے رہنا ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر یہ جم غفیر علماء ومشائخ اجلاس لاہور میں شامل نہ ہوتا تو فرقہ باغیہ ایک دن میں اپنی موت آپ مرجاتا۔ علماء ومشائخ کی شمولیت سے اس بیمار کو چند دن کی حیات ضرور مل گئی ہے۔ اب انتظار ہے کہ اس کا جنازہ کب نکلتا ہے۔ بندہ کی شرعی رائے یہ ہے کہ فرقہ باغیہ یا تو ندامت کے ساتھ حق کی طرف رجوع کرلے گا اور بصورت دیگر انشاء اللہ ختم ہو جائے گا۔

غور فرماویں کہ جو علماء ومشائخ ۲۲ مارچ کے اجلاس لاہور میں شریک ہوئے ہیں سب کی زبان پر نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کا دعویٰ ہے اور اس نظام مقدس کو صرف اور صرف شرعی امام جامع شرائط ہی نافذ کرسکتا ہے۔ اور تقرر امام اتحاد اہل سنت پر موقوف ہے۔ تو نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ نظام مصطفیٰ ﷺ اتحاد اہل سنت پر موقوف ہے۔ اور انتشار اہل سنت نظام مصطفیٰ ﷺ کا دشمن ہے۔ تو چونکہ یہ علماء ومشائخ انتشار اہل سنت کا سبب بنے ہیں لہذا یہ لوگ اس نظام مقدس کے دشمن ہیں۔ لہذا ان کو یہ امر زیب نہیں دیتا کہ وہ نظام مصطفیٰ ﷺ کا دعویٰ کریں۔

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے نہ تو کبھی امراء اور حکام کے دروازوں کا چکر لگایا ہے اور نہ ہی انہوں نے اہل سنت میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ البتہ انہوں نے اصولوں پر کبھی سودے بازی نہیں کی۔ جس نے اصولوں کی خلاف ورزی کی اس کو سزا دینے میں انہوں نے کبھی تامل نہیں کیا اگرچہ وہ بڑا عہدے دار کیوں نہ ہو۔ اور اس کا نام انتشار نہیں ہے بلکہ نظام عدل ہے۔ تقریباً ہر سیاسی پارٹی اختلاف کی وجہ سے متعدد پارٹیوں میں تبدیل ہوئی ہے اور جمعیت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے لیکن جمعیت کا باغی ٹولہ نہایت قلیل ہے اور اہل

سنت کا سوادِ اعظم اب بھی علامہ شاہ احمد نورانی کے ساتھ ہے۔ بندہ کو اعتراف ہے کہ میرے مضمون میں بظاہر علماء و مشائخ کی گستاخی کی گئی ہے اور بعض معاندین اس فقیر کے خلاف پروپیگنڈہ بھی کریں گے اس کا ایک جواب تو بعد میں مضمون کے آخر میں آئے گا چند جوابات یہاں ملاحظہ ہوں۔

جواب اول:۔ علماء و مشائخ خطاء سے معصوم نہیں ہیں ان سے خطاء سرزد ہوسکتی ہے بلکہ ہوتی ہے تو ان کو ادب کے ساتھ خطاء پر متنبہ کرنا یہ گستاخی نہیں ہے بلکہ یہی حقیقی احترام ہے کیونکہ جس آدمی پر تنقید نہ ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ میری ہر بات درست ہوتی ہے اور تنقید سے بالاتر ہے تو وہ احتیاط سے کام نہیں لیتا۔ لہذا خطاء کا احتمال زیادہ ہوتا ہے اور اگر اس کو علم ہو کہ میری بات پر تنقید ہوگی تو وہ ہر بات سوچ سمجھ کر اور احتیاط سے کرے گا اور یہی اس کے حق میں بہتر ہے اور جو علماء و مشائخ ۲۲ مارچ کے اجلاس میں شریک ہوئے اور اس سے اہل سنت میں افتراق پیدا ہوا یہ ایک خطاء تھی تو بندہ نے پورے احترام کے باوجود اس خطاء پر ان علماء و مشائخ کو متنبہ کیا ہے اور خطاء کی سنگینی کی وجہ سے اس پر تنبیہ کرنا ضروری تھی۔ اور اس کو گستاخی کہنا اس صدی کا تصوف ہے۔ جو تصوف قدیم کے الٹ ہے۔

جواب دوم:۔ بندہ کا نظریہ یہی ہے کہ علماء مشائخ کا احترام لازم ہے لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے حبیب ﷺ کا احترام علماء و مشائخ کے احترام سے بہت زیادہ ہے۔ لہذا فقیر کے نزدیک اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام بیان کرنے میں اگر بظاہر علماء و مشائخ کی گستاخی لازم آتی ہو تو کوئی قباحت نہیں ہے اور کسی کا احترام احکام شرعیہ

بیان کرنے میں مانع نہ ہونا چاہئے۔

مقصد سوم:۔ اس مقصد میں امام کے شرائط بیان کیے جاتے ہیں تا کہ یہ معلوم ہو کہ ہر آدمی نہ تو امام شرعی ہوسکتا ہے اور نہ ہی اسلامی آئین نافذ کرسکتا ہے۔ عقائد نسفی میں ہے۔

"ثم ینبغی ان یکون الامام ظاهراً یرجع الیه لا مختفیاً ولا منتظراً ویکون من قریش ولا یکون من غیرهم ولا یختص ببنی هاشم واولاد (علی رضی اللہ عنہم)"

خلاصہ عبارت یہ کہ امام ظاہر ہونا چاہئے تا کہ لوگ اپنے مسائل میں اس کی طرف رجوع کریں اور امام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ نہ ہو منتظر بھی نہ ہو یعنی اس وقت تو لوگوں کے سامنے نہ ہو لیکن مستقبل میں اس کے نکلنے کا انتظار ہو۔ اور وہ قریش سے ہوگا۔ اور غیر قریشی نہیں ہوگا۔

اور امام کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ بنی ہاشم سے ہو یا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہو۔

یہ جو ذکر کیا گیا ہے یہ اہل سنت کا مذہب ہے اور اہل شیعہ اس امر پر متفق ہیں کہ امام کا قریشی ہونا ضروری ہے۔ اس کے بعد اہل تشیع کے دو مذہب ہیں۔

مذہب اول:۔ یہ کہ امام کیلئے ضروری ہے کہ بنی ہاشم سے ہو غیر ہاشمی امام نہیں ہوسکتا۔

مذہب دوم:۔ یہ کہ امام کیلئے ضروری ہے کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے ہو۔ چونکہ اہل سنت کے نزدیک یہ دونوں مذہب باطل ہیں اس لئے متن میں دونوں مذہبوں کے رد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ شرح عقائد میں ہے۔

"یعنی یشترط ان یکون الامام قریشاً لقوله علیه الصلوٰۃ والسلام الآئمة من قریش وهذا وان کان خبراً واحدًا لکن لما رواه ابو بکر رضی اللہ عنہ محتجابه علی الانصار ولم ینکره احد فصار مجمعاً علیه ولم یخالف فیه الا الخوارج وبعض المعتزلته ولا یشترط ان یکون هاشمیاً او علویا لما ثبت بالدلیل من خلافة ابی بکر و عمر وعثمان رضی اللہ عنہم مع انهم لم یکونوا من بنی هاشم وان کانوا من قریش"

متن عقائد نسفی میں تین دعوے تھے شارح عقائد علامہ تفتازانی نے ہر ایک پر دلیل ذکر کی ہے۔

دعویٰ اول:۔ کہ امام کیلئے یہ ضروری ہے کہ قریش سے ہو۔اور غیر قریش سے نہ ہو۔اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک امام قریش سے ہوگا۔اس دلیل کی مدار اس امر پر ہے کہ الآئمہ پو جواَل ہے وہ استغراق کیلئے ہے۔اور اس وقت امام کا ہر فرد قریشی ہوگا اور غیر قریشی نہیں ہوگا۔اب اس دلیل پر اعتراض ہوتا ہے اور شارح تفتازانی نے اس کا جواب دیا۔

اعتراض:۔ یہ ہے کہ مسئلہ امامت اہل سنت کے نزدیک اگر چہ فروعات سے ہے اور حدیث الآئمۃ من قریش یہ خبر واحد ہے اور ظن کی مفید ہے اور جو مسائل فروعات سے ہیں وہ دلیل ظنی سے ثابت ہو جاتے ہیں تو امام کا قریشی ہونا اہل سنت کے نزدیک تو خبر واحد سے ثابت ہو جائے گا لیکن اہل شیعہ کے نزدیک یہ مسئلہ اصول اعتقادیہ سے ہے۔اور اس کے

لئے دلیل قطعی کا ہونا ضروری ہے۔تو امام کے قریشی ہونے کا مسئلہ اہل شیعہ کے نزدیک اس خبر واحد ظنی سے کیسے ثابت ہوگا۔؟

جواب:۔ تو شارح تفتازانی نے اس مسئلہ کا یہ جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد انصار نے مہاجرین کو کہا "منا امیر ومنکم امیر" یعنی اب ایک امیر نہیں ہوگا بلکہ دو امیر ہوں گے ایک ہم سے یعنی انصار سے اور ایک دوسرا امیر تم سے ہوگا یعنی مہاجرین سے۔تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انصار کے خلاف حدیث الآئمۃ من قریش سے استدلال کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ مہاجرین سے ہی امام ہوگا کیونکہ وہی قریش ہیں۔اور امام انصار سے نہیں ہوسکتا کیونکہ انصار قریش نہیں تھے۔تو اس حدیث کا کسی نے انکار نہ کیا۔تو اس حدیث پر اجماع صحابہ ہوا۔تو اب یہ حدیث قطعی ہوگئی اور یقین کا فائدہ دے گی۔ تو اب اہل شیعہ کے نزدیک بھی اس حدیث شریف سے استدلال درست ہوگا۔خلاصہ جواب یہ ہوگا کہ یہ حدیث اگرچہ باعتبار اصل کے خبر واحد اور مفید ظن ہے لیکن جب اس پر صحابہ کا اجماع ہوگیا تو اب یہ خبر یقین کا فائدہ دے گی۔البتہ خوارج اور بعض معتزلہ قریش والی شرط کے منکر ہیں۔

اب اس تصریح سے معلوم ہوگیا کہ اس دور میں اگر کوئی آدمی قریش کی شرط کا انکار کرے تو وہ خارجی ہوگا یا معتزلہ۔اہل سنت ہرگز نہیں ہوسکتا۔علامہ تفتازانی نے جو جواب دیا ہے صاحب نبراس نے اس کو ان الفاظ سے رد کیا ہے۔ملاحظہ ہو۔

"وھاھنا بحث وھو ان جعله خبر الآحاد من قلته تتبع الاحادیث کما ھو عادۃ المتکلمین فانه حدیث متواتر رواہ نحو اربعین صحابیا کما فی الصواعق"

خلاصہ اعتراض یہ ہے کہ علامہ تفتازانی کا اس حدیث کو اصل سے خبر واحد کہنا درست نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تفتازانی متکلمین سے ہے اور متکلمین تتبع حدیث میں کمزور ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں فرمایا کہ یہ حدیث متواتر ہے اور اس کو تقریباً چالیس صحابہ نے روایت کیا ہے۔ اور خبر متواتر باعتبار اصل کے یقین کا فائدہ دیتی ہے

خلاصہ اعتراض یہ کہ علامہ تفتازانی نے حدیث الآئمۃ من قریش کو اصل کے لحاظ سے ظنی اور خبر واحد قرار دیا اور اجماع صحابہ کے لحاظ سے قطعی قرار دیا۔ یعنی یہ حدیث صرف ایک وجہ سے قطعی ہے اور صاحب نبراس نے بحوالہ ابن حجر اس حدیث کو دو وجہ سے قطعی قرار دیا۔ یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ حدیث متواتر بمنزلہ آیۃ قرآنی ہے۔ اور اس کے انکار سے کفر کا خطرہ ہے۔ اور اس کے علاوہ اس پر اجماع صحابہ بھی ہے۔ اور اس اجماع کا انکار بھی کفر کے خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ تو صاحب نبراس کی تحقیق کے مطابق اس حدیث کا انکار دو وجہ سے کفر کا سبب ہے۔ اور علامہ تفتازانی کی تحقیق کی مطابق اس حدیث کا انکار صرف ایک وجہ سے کفر کا سبب ہے۔ یہاں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صرف اجماع صحابہ ہے کوئی خبر متواتر نہیں اس کے باوجود اس خلافت کا انکار کفر ہے۔ اور امام کا قریش سے ہونا اجماع صحابہ سے بھی ثابت ہے اور خبر متواتر سے بھی۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ امام کے قریش سے ہونے کی قطعیت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی قطعیت سے زیادہ ہوگی۔ تو اس کے منکر کو بطریق اولی کفر کا خطرہ ہے۔

مقصد سوم میں تین دعوے تھے۔ علامہ تفتازانی نے ہر ایک پر دلیل دی۔ دعویٰ اول یہ تھا کہ امام کیلئے قریشی ہونا ضروری ہے اور غیر قریشی امام نہیں ہوسکتا۔ اس دعویٰ پر دلیل

حدیث الآئمۃ من قریش اور لفظ الآئمہ پر الف لام استغراق کا ہے۔ اس دلیل پر ایک اعتراض تھا اور اسکے دو جواب دیئے گئے۔ جواب اول علامہ تفتازانی نے دیا اور جواب دوم ابن حجر اور صاحب نبراس نے دیا۔ اب دلیل اور اعتراض و جواب سے چند امور واضح ہوئے غور فرماویں۔

امر اول:۔ جب انصار نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حدیث سماعت کی تو اس پر کوئی اعتراض نہ کیا کہ قریش میں کون سی خصوصیت ہے جو کہ غیر قریش میں نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے قریش امامت کے مستحق ہیں اور غیر قریش مستحق نہیں ہیں۔ بلکہ انصار نے بغیر چون و چرا اس حدیث کو تسلیم کر لیا اور اپنے مطالبہ امامت سے دستبردار ہو گئے۔ ان کا ایمان تھا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو مستحق امامت ٹھہرایا تو لازمی طور پر قریش میں کوئی خصوصیت ہے، جو کہ غیروں میں نہیں ہے۔ اگرچہ ہم کو وہ خصوصیت معلوم نہیں ہے۔ برخلاف آج کل کے جدید ذہن کے کہ یہ ذہن اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو آسانی سے تسلیم نہیں کرے گا، بلکہ یہ کہے گا کہ سب مسلمان برابر ہیں لیکن بندہ اس جدید ذہن کو کہتا ہے کہ اس فرمان نبوی میں شک سے تمہارے ایمان کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہمارے ایمان میں یہی فرق ہے۔

امر دوم:۔ یہ درست ہے کہ عورت امام نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ خبر واحد سے ثابت ہے اس پر کوئی خبر متواتر نہیں ہے اور ہاشمی کا امام ہونا اور غیر ہاشمی کا امام نہ ہونا یہ خبر متواتر سے ثابت ہے۔ پاکستان میں آج تک جتنے سربراہان ہوئے بندہ کے خیال میں کوئی بھی ہاشمی نہیں تھا۔ بلکہ سب غیر ہاشمی تھے۔ اس کے باوجود علماء و مشائخ ۲۲ مارچ کو اجلاس لاہور میں شریک ہوئے انہوں نے اور ان کے آباؤ اجداد اور مشائخ نے ان تمام غیر ہاشمی سربراہان مملکت کی

سربراہی کو تسلیم کیا اور کسی کے خلاف کوئی فتویٰ نہ دیا۔ لیکن آج یہ لوگ عورت کی سربراہی کے خلاف شور مچا رہے ہیں۔ بندہ ان علماء ومشائخ کو چیلنج کرتا ہے کہ وہ فرق بتائیں کہ انہوں نے اوران کے آباء ومشائخ نے غیر ہاشمی کی سربراہی کو تو تسلیم کرلیا حالانکہ یہ خبر متواتر کے اور اجماع صحابہ کے خلاف ہے۔ جس کا انکار کفر ہے۔ اور عورت کی سربراہی کے خلاف شور مچایا ہوا ہے حالانکہ یہ خبر واحد کے خلاف ہے جس کا انکار کفر نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ تم نے اور تمہارے اکابرین نے حدیث متواترہ کو نظر انداز کر دیا اور خبر واحد کو اچھالا تو یہ یا تو جہالت پر مبنی ہے کہ تم کو اس حدیث کا علم تک نہیں اور یا یہ عناد پر مبنی ہے یعنی اس عورت کے ساتھ عناد اور ذاتی مخاصمت ہے۔ جن علماء ومشائخ میں کوئی حمیت ہے وہ بندہ کے اس چیلنج کا جواب دیں۔

امر سوم:۔ آج کل سربراہ دو قسم کے ہیں اول سربراہ مملکت جس کو صدر کہا جاتا ہے دوم سربراہ حکومت جس کو وزیر اعظم کہا جاتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں پر جو تقرر امام واجب ہے اور وہ عورت نہیں ہو سکتی اور اس امام کا قریشی ہونا ضروری ہے کیا اس سے مراد ہر ایک سربراہ ہے یعنی صدر اور وزیر اعظم ہر دو کا شرعی امام ہونا لازمی ہے یا ان سے صرف ایک کا شرعی امام ہونا ضروری ہے تو پھر وہ کون ہوگا صدر یا وزیر اعظم۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ ہر ایک مستقل امام نہ ہو۔ بلکہ ہر دو کا مجموعہ امام ہو۔ اب بندہ اس پر بحث کرتا ہے۔ گزارش یہ ہے کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس سے انکار کوئی جاہل ہی کر سکتا ہے کہ ہر شئی کی پہچان اس کی تعریف سے ہوتی ہے اب دیکھنا ہے کہ امام کی تعریف کیا ہے۔؟ اگر وہ تعریف ہر ایک پر صادق آئے تو دونوں مستقل طور پر امام ہوں گے۔ اور اگر تعریف صرف ایک پر صادق آتی ہے نہ دوسرے پر تو وہی امام ہوگا۔ یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ نصب امام کا مسئلہ دراصل علم فقہ کا

مسئلہ ہے کیونکہ نصب امام افعال مکلفین سے ہے اور افعال مکلفین کی بحث علم فقہ میں ہوتی ہے لیکن چونکہ اس مسئلہ میں اختلاف بہت ہے اور اس میں اعتقاد کے خراب ہونے کا خطرہ ہے اسلئے مسئلہ امامت کی تفصیل علم کلام میں ہے۔ اور علم فقہ میں اس کا ذکر اجمال کے طور پر آئے گا۔ اب امامت کی تعریفیں ملاحظہ ہوں۔

تعریف اول: ۔ درمختار میں ہے۔ "الامامۃ صغری وکبری فالکبری استحقاق تصرف عام علی الانام ای علی الخلق"

شامی میں ہے۔ " وھو متعلق تبصرف لا باستحقاق لان المستحق علیھم طاعتہ الامام لا تصرفہ ولا بعام اذا المتعارف ان یقال عام بکذا لا علیہ "

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ امامت میں مخلوق پر تصرف عام کا استحقاق ہوتا ہے اور لفظ علی الانام یہ تصرف کے متعلق ہے نہ کہ استحقاق اور عام کے متعلق کیونکہ اگر استحقاق کے متعلق ہو تو یہ معنی ہوگا کہ مخلوق پر استحقاق تصرف عام ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے کیونکہ لوگوں پر طاعت امام ضروری ہے نہ کہ امام کا تصرف۔ اور اگر علی الانام متعلق استحقاق کے ہو تو یہ معنی ہوگا کہ لوگوں پر مستحق تصرف امام ہے۔ اور لفظ عام کے متعلق بھی نہیں ہے۔ کیونکہ عام کا صلہ باء آتا ہے نہ کہ علیٰ۔ چنانچہ عام محاورہ ہے۔ بکذا لا علیہ ۔

خلاصہ تعریف یہ ہوا کہ امامت میں لوگوں پر تصرف عام کا استحقاق ہوتا ہے جس کو لوگون پر تصرف خاص کا استحقاق ہو وہ امام نہیں ہے۔ شامی میں تعریف کے جنس اور فصل کو اس طرح بیان کیا " وخرج بقید العموم مثل القضاء والامارۃ "

یعنی عموم کی قید اس لئے لگائی تا کہ قاضی اور امیر خارج ہو جائے۔ کیونکہ ان ہر دو کو

تصرف عام کا استحقاق نہیں ہوتا۔ بلکہ تصرف خاص کا استحقاق حاصل ہوتا ہے کیونکہ جس علاقہ کا قاضی اور حاکم مقرر کیا گیا ہے اس کا حکم صرف انہیں لوگوں پر جاری ہوگا جو اس علاقہ کے رہنے والے ہیں نہ کہ سارے ملک پر۔ اب عورت اور غیر قریشی امام تو نہیں ہو سکتے لیکن کسی خاص علاقہ کے قاضی اور حاکم ہو سکتے ہیں۔ تو جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورت بالکل حاکم نہیں ہو سکتی ان کا یہ قول دین سے بے خبری پر مبنی ہے۔ اور وہ نام ونہاد علامہ ہیں۔

تعریف دوم:۔ مواقف اور شرح مواقف میں ہے۔

"الامامة رياسته عامته فی امور الدين والدنيا تشخصٍ من الاشخاص فقيد العموم احتراز عن القاضی والرئيس وغير هما والقيد الاخير احتراز عن كل الامته اذا عزلوا الامام عند فسقه فان الكل ليس شخصاً واحداً"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ امامت یہ ہے کہ ایک شخص کیلئے دین اور دنیاوی امور میں ریاست اور سرداری عام حاصل ہو کوئی دینی اور دنیاوی شعبہ اس کی ریاست سے خالی نہ ہو۔ اس کے بعد تعریف کے جنس اور فصل بیان کرتا ہے کہ عموم کی قید سے قاضی اور رئیس اور ہر وہ آدمی خارج ہو گیا جس کو بادشاہ نے کسی خاص علاقہ پر سردار مقرر کیا ہو۔

اب اس تعریف سے بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ امام نہیں ہو سکتے جیسے عورت اور غیر قریش یہ لوگ قاضی اور کسی خاص علاقہ کے رئیس اور حاکم ہو سکتے ہیں۔ اور جو آخری قید ہے تشخص من الاشخاص اس سے مجموعہ امت خارج ہو گئی۔ کیونکہ ساری امت مجموعی طور پر امام نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ ایک شخص نہیں ہے بلکہ متعدد اشخاص کا مجموعہ ہے۔ اس تعریف سے یہ امر واضح ہو گیا کہ امام صرف ایک ہوگا متعدد امام نہیں ہو سکتے۔ نہ ہر ایک مستقل امام ہو سکتا ہے اور

نہ مجموعہ من حیث مجموعہ۔

تعریف اول اور تعریف دوم تقریباً ایک جیسی ہیں اب ان ہر دو تعریف پر اعتراض کرتا ہے اس مجموعہ کی صورت یہ ہے کہ امام فاسق ہوگیا اور اہل حل وعقد جنہوں نے اس امام کا تقرر کیا تھا انہوں نے امام کو معزول کر دیا۔ تو اب وہ اہل حل وعقد مجموعی طو پر امام نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ ایک شخص نہیں ہیں اس تعریف سے یہ امر واضح ہوگیا کہ شرعی امام صرف ایک ہوتا ہے امام متعدد نہیں ہو سکتے نہ ہر ایک مستقل اور نہ مجموعہ من حیث مجموعہ :

تعریف اول اور دوم ہر دو تقریباً ایک جیسی ہیں اب ان ہر دو تعریف پر صاحب موافق اعتراض کرتا ہے ملاحظہ ہو۔

"ونقض هذا التعريف بالنبوة"

خلاصہ اعتراض یہ ہے کہ نبوت اور امامت ایک چیز نہیں بلکہ متغائر ہیں اور یہ تعریف نبوت پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ تمام لوگوں پر تصرف عام کا نبی مستحق ہوتا ہے اور نبی کی بھی امور دینی اور دنیاوی میں ریاستہ اور سرداری عام ہوتی ہے۔ تو تعریف مانع نہ ہوئی اس کے بعد تعریف کرتا ہے اور یہ تعریف جامع مانع ہے۔

تعریف سوم:۔ "الامامة خلافة الرسول فی اقامة الدین وحفظ حوزة الملته بحیث یجب اتباعه علی کافة الامته وبهذا القید الاخیر یخرج من ینصبه الامام فی ناحیة کالقاضی مثلاً ویخرج المجتهد اذ لا یجب اتباعه علی الامته کافة بل علی من قلده خاصة"

خلاصہ تعریف سوم یہ ہے کہ امامت رسول اللہ ﷺ کی خلافت کا نام ہے اور یہ

خلافت اقامت دین میں ہے اور ملت کے مجموعہ کی حفاظت میں ہے اور اس کی اتباع تمام امت پر واجب ہوتی ہے اس آخری قید سے قاضی اور مجتہد خارج ہو گئے کیونکہ قاضی اور مجتہد کی اتباع ساری امت پر واجب نہیں ہے بلکہ قاضی کی اتباع صرف اس حلقہ کے لوگوں پر ہے جس حلقہ کا وہ قاضی ہے یا ان لوگوں پر ہے جن کا مقدمہ اور کیس قاضی کے پاس ہے اسی طرح مجتہد کی اتباع صرف اس کے مقلدین پر واجب ہے۔ اب اس تیسری تعریف پر وہ اعتراض نہیں ہوتا جو کہ تعریف اول اور دوم پر ہوتا ہے کہ ہر دو تعریف نبوت پر بھی صادق آتی ہیں حالانکہ امامت اور نبوت دو متغائر چیزیں ہیں تیسری تعریف پر اعتراض اس لئے نہیں ہوتا کہ نبوت کسی رسول کی خلافت نہیں ہے بلکہ نبوت شریعت مطہرہ کی بعثت ہے۔ بندہ دوبارہ یہاں ذکر کرتا ہے کہ یہ جو شرع شریف کا مسئلہ ہے عورت امام اور حاکم نہیں ہو سکتی اس سے مراد وہ حکومت اور امامت ہے جس کی تین تعریفیں ذکر کی گئیں ہیں اسکے سوا بعض صورتوں میں عورت حاکم ہو سکتی ہے جیسا قاضی یا ملک کے کسی خاص حصہ کی حکومت۔ البتہ عوت جیسا کہ امامت کبریٰ کی اہل نہیں ہے امامت صغریٰ کی بھی اہل نہیں ہے یعنی نماز کی امامت کی بھی اہل نہیں ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ امامت کی جو تین تعریفیں کی گئی ہیں یہ صرف صدر پر صادق آتی ہیں یا کہ صرف وزیراعظم پر یا ہر ایک پر یا ہر دو کے مجموعہ من حیث مجموعہ پر۔ تو بندہ عرض کرتا ہے کہ یہ تعریفیں صرف اور صرف صدر پر صادق آتی ہیں۔ کیونکہ تینوں تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ امام کیلئے ضروری ہے کہ تمام لوگوں پر اس کا تصرف عام ہو اور تمام لوگوں پر اس کی اتباع واجب ہو۔ اور یہ امر صرف صدر مملکت پر صادق آتا ہے اور یہ صفت صرف صدر مملکت میں پائی جاتی ہے نہ کہ وزیراعظم پر اور اس کی چند وجوہ ہیں۔

وجہ اول:۔ صدر مملکت اکیلا وزیر اعظم اور وزراء اعلیٰ کو معزول کر سکتا ہے جیسا کہ صدر ضیاء الحق نے کیا تھا اگرچہ اس کیلئے بعض شرطیں ہیں لیکن وزیر اعظم اکیلا نہ تو صدر مملکت کو معزول کر سکتا ہے اور نہ ہی وزراء اعلیٰ کو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس وقت وزیر اعظم پاکستان اور پنجاب اور بلوچستان کے وزراء اعلیٰ کے درمیان شدید چپقلش اور محاذ آرائی انتہائی کو پہنچ چکی ہے لیکن وزیر اعظم بے بس ہے۔ اگر اس کو صوبوں کے وزراء اعلیٰ کو معزول کرنے کا اختیار ہوتا تو وزیر اعظم اپنے اس اختیار کا ضرور استعمال کرتا۔ البتہ مرکزی اسمبلی کو صدر اور وزیر اعظم کو معزول کرنے کا اختیار ضرور ہے۔ اور اسی طرح صوبائی اسمبلیوں کو وزراء اعلیٰ کو معزول کرنے کا اختیار ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مرکزی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے اراکین کی خرید و فروخت ہو رہی ہے تاکہ اس کے ذریعے وزیر اعظم اور وزراء اعلیٰ کو ان کے عہدہ سے معزول کیا جا سکے۔

وجہ دوم:۔ پاکستان میں انتظامیہ دو قسم کی ہے۔ ایک انتظامیہ وزیر اعظم کے ماتحت اور دوسری وزراء اعلیٰ کے ماتحت، صوبوں کی انتظامیہ پر وزیر اعظم کا کنٹرول نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ صوبوں کی انتظامیہ وفاقی اور مرکزی وزراء کو تنگ کرتی رہتی ہے اور وزیر اعظم اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا تو معلوم ہوا کہ وزیر اعظم کا ملک کے تمام لوگوں پر تصرف عام نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ شرعی امام صرف صدر مملکت ہے نہ کہ وزیر اعظم۔ تو نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ عورت اور غیر قریش صرف صدر مملکت نہیں ہو سکتے وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ ہو سکتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے کیونکہ عورت اور غیر قریش صرف امامت کبرائی کے اہل نہیں ہیں۔ قضاء اور ملک کے کسی حصے کے حاکم ہو سکتے ہیں اگرچہ عورت امامت صغریٰ کی بھی اہل نہیں ہے اور

غیر قریشی اس کا اہل ہے۔

یہاں تک بندہ نے دلیل سے ثابت کیا ہے کہ جو سربراہ شریعت مطہرہ میں عورت اور غیر قریش نہیں ہوسکتا ہو وہ صدر مملکت ہے نہ کہ وزیر اعظم۔ کیونکہ امام کی جو تین تعریفیں کی گئی ہیں وہ صدر مملکت پر صادق آتی ہیں، اور وزیر اعظم پر صادق نہیں آتیں۔

اب بندہ یہ ذکر کرتا ہے کہ اگر تسلیم کرلیا جائے کہ وزیر اعظم پر بھی امام کی تین تعریفیں صادق آتی ہیں اور جس طرح عورت اور غیر قریشی شرع شریف میں صدر مملکت نہیں ہوسکتے اسی طرح وزیر اعظم بھی نہیں ہوسکتے۔ تو یہاں ایک اور قباحت لازم آئے گی اور وہ یہ کہ یہ امر تو شمس اور امس سے زیادہ واضح ہے کہ صدر مملکت تو یقیناً سربراہ مملکت اور امام ہے جس کی قبل ازیں تین تعریفیں ذکر کی جاچکی ہیں اور اس کا انکار نری جہالت ہے اور اگر وزیر اعظم بھی سربراہ مملکت تسلیم کرلیا جائے تو ایک چھوٹے سے ملک کے دو امام اور دو سربراہ مملکت ہو جائیں گے۔ اور یہ شرع شریف میں ناجائز ہے۔ اب بندہ اس پر دلائل پیش کرتا ہے۔

دلیل اول:۔ مسلم شریف میں ہے۔

"بروایة مشکوٰة (عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الاخر منهما۔ رواہ مسلم"

خلاصہ حدیث شریف یہ ہے کہ اگر دو خلیفہ کے ساتھ لوگ بیعت کریں تو پہلے کی اطاعت کرو اور دوسرے کے ساتھ لڑائی کرو۔

حدیث شریف میں جو بیعت کا ذکر ہے اس سے مراد خلیفہ اور امام کا انتخاب ہے خواہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر ہو یا زبان کے ساتھ یا کسی اور وجہ سے ہو۔ اس حدیث شریف سے واضح

ہو گیا کہ ایک زمانہ میں مسلمانوں کے دو خلیفہ اور امام نہیں ہو سکتے۔ اور اگر بالفرض دو امام ہوں تو دوسرے کے ساتھ مقابلہ اور لڑائی ضروری ہے۔ مسلم شریف کی ایک اور حدیث شریف میں ہے۔

"عن عبداللہ ابن عمرو قال قال رسول اللہ ﷺ من بایع اماماً فاعطاہ صفقۃ یدہ وثمرۃ قلبہ فلیطعہ ان استطاع فان جاء آخر ینازعہ فاضربوا عنقہ رواہ مسلم"

خلاصہ حدیث شریف یہ ہے کہ جس آدمی نے ایک امام کے ساتھ بیعت کی اور اسے منتخب کیا اور دل سے اس کی امامت کو تسلیم کیا تو حتی الامکان اس امام کی اطاعت کرے اور اگر کوئی اور امامت اور خلافت میں اس کے ساتھ جھگڑا کرے تو اس کی گردن اڑا دو۔

اس حدیث شریف سے بھی یہ معلوم ہوا کہ ایک ملک میں مسلمانوں کے دو امام اور سربراہ مملکت ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اور اگر ایسا ہو تو پہلے کی اطاعت لازم اور دوسرے کی گردن اڑانے کا حکم ہے۔ بخاری اور مسلم دونوں میں ایک اور حدیث بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے تعدد امام شرع شریف میں منع ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ ہو۔

"عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون قالوا فما تامرنا قال فوابیعۃ الاول فالاول اعطوھم حقھم الحدیث متفق علیہ"

خلاصہ ترجمہ حدیث شریف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے انبیاء ان کی اصلاح کرتے تھے۔ جب ایک نبی کا وصال ہوتا تھا تو ایک اور نبی اس کا خلیفہ ہو جاتا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا البتہ خلفاء کثرت سے ہوں گے۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نے عرض کی کہ ان خلفاء کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے۔؟

تو آپ نے فرمایا کہ خلیفۃ الاول کی اطاعت کرو۔ اور اس کے وصال کے بعد پھر اول کی اطاعت کرو اور ان کو ان کا حق ادا کرو۔

چونکہ بظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید یہ خلفاء ایک زمانہ میں ہوں گے اور یہ شرعاً منع ہے اسلئے حاشیہ مشکوٰۃ میں اس وہم کو رفع کیا گیا۔

" قال الطیبی الفاء للتعقیب والتکریر والاستمرار ولم یرد به فی زمان واحد بل الحکم هذا عند تجدد کل زمان وتجدد بیعةٍ "

خلاصہ حاشیہ یہ ہے کہ خلفاء کثیرہ جن کا ذکر حدیث شریف میں ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ یہ خلفاء ایک زمانہ میں ہوں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے ہوں گے اور مختلف زمانوں میں لوگ ان کی بیعت کریں گے جب ایک فوت ہوگا تو دوسرا اس کا خلیفہ ہوگا۔

یہاں تک بندہ نے تین احادیث سے ثابت کیا کہ ایک چھوٹے ملک کے دو امام اور دوسربراہ مملکت نہیں ہو سکتے۔ اب اس پر بندہ دلیل دوم نقل کرتا ہے۔

دلیل دوم :۔ شرح مواقف میں ہے۔

" ثم اذا اتفق التعدد فی بلداو بلاد تفحص عن المتقدم فأُمْضِیَ ولو اصر الآخر فهو من البغاة فیجب ان یقاتل حتی یفِئیَ الی امر الله فان لم یکن هناك متقدم او کان ولم یعلم لعینه وجب ابطال الجمیع واستیناف العقد لمن وقع علیه الاختیار ولا یجوز العقد لاما مین فی صقع ای جانب متضایق الاقطار لادائه الی وقوع الفتنه واختلال النظام اما فی متسعها ای اما العقد لا ما مین فی

سقع متسع الاقطار بحيث لا يسع الواحد تدبيره فهو محل الاجتهاد"

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ ایک چھوٹے سے ملک میں دو اماموں کا تقرر جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے ملک میں فتنہ پیدا ہوگا۔ اور نظام حکومت درہم برہم ہو جائے گا۔ اور اگر اتفاق سے اس چھوٹے ملک میں متعدد اماموں کا تقرر ہو جائے تو اس کی کئی صورتیں ہیں۔

صورت اول:۔ یہ کہ ہم کو علم ہے کہ فلاں کا تقرر پہلے ہے اور فلاں کا پیچھے تو جس کا تقرر پہلے ہے وہ ہی امام ہوگا نہ کہ دوسرا۔ اور اگر دوسرا اپنی امامت پر بضد ہو اور اڑ جائے تو وہ باغی ہے اور اس کے ساتھ اس وقت تک لڑائی کی جائے گی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اور اپنی خلافت سے دستبردار ہو جائے البتہ اگر ملک وسیع اور عریض ہو کہ ایک امام اس کا انتظام نہیں چلا سکتا تو پھر اگر امام متعدد ہوں تو اس کی گنجائش ہے۔ مثلاً آج کل اسلامی ممالک کافی تعداد میں ہیں اور ایک امام تمام ممالک اسلامیہ کا انتظام نہیں چلا سکتا تو متعدد اماموں کا تقرر شرع شریف میں جائز ہے۔ یہاں ایک تنبیہ ضروری ہے وہ یہ کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت شرعیہ پر ایک رسالہ "دوام العیش" تحریر فرمایا ہے اور اس میں خلیفہ اور سلطان کے درمیان سات فرق بیان فرمائے۔ فرق چہارم میں فرماتے ہیں (خلیفہ ایک وقت میں تمام جہان میں ایک ہی ہو سکتا ہے اور سلاطین دس ملکوں میں دس) یہ عبارت شرح مواقف کی عبارت مذکورہ بالا کے بظاہر متصادم ہے جس میں تصریح ہے کہ وسیع و عریض ملک میں متعدد امام ہو سکتے ہیں لہذا اعلیٰ حضرت کی عبارت کی توجیہ لازم ہے۔

صورت دوم:۔ اور اگر ہر دو اماموں سے کوئی مقدم نہیں ہے یا واقع میں ایک مقدم اور دوسرا مؤخر ہے لیکن ہم کو علم نہیں ہے کہ کون مقدم اور کون مؤخر ہے۔ تو سب کی امامت باطل ہے اور نئے سرے سے مسلمان صرف ایک امام کا تقرر کریں جس کو وہ پسند کرتے ہیں۔

دلیل سوم:۔ امیر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امامت اور خلافت کو چھ آدمیوں کے درمیان شوریٰ مقرر فرمایا تھا۔ شرح عقائد میں علامہ تفتازانی نے اس پر اعتراض کیا اور پھر ایک جواب علامہ تفتازانی علیہ رحمۃ اللہ نے خود دیا اور دوسرا جواب علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا۔ اب سوال اور اس کے دونوں جواب ملاحظہ ہوں۔

سوال:۔ "فان قیل کیف صح جعل الامامة شوریٰ بین ستةٍ مع انه لا یجوز نصب الامامین فی زمانٍ واحدٍ"

خلاصہ سوال یہ ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جو امامت کو چھ آدمیوں کے درمیان شوریٰ قرار دیا یہ کس طرح درست ہے۔ حالانکہ ایک زمانہ میں دو امام بھی نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ چھ امام ایک زمانہ میں ہوں۔ اس کے بعد علامہ تفتازانی نے اپنے سوال کا جواب دیا ملاحظہ ہو۔

جواب:۔ "قلنا غیر الجائز هو نصب امامین مستقلین یجب طاعة کل منهما علی الانفراد لما یلزم فی ذالك من امتثال احکام متضادة واما فی الشوریٰ فالکل بمنزلة امامٍ واحدٍ"

خلاصہ جواب یہ ہے کہ متعدد اماموں کا تقرر جو منع ہے تو یہ اس صورت میں ہے کہ ہر

امام مستقل ہو اور ہر ایک کی مستقل طاعت واجب ہو اور یہ قبیح ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ ہر ایک کا حکم دوسرے کی ضد ہو اور دو ضدوں پر عمل محال ہے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جو چھ آدمیوں پر مشتمل شوریٰ قائم کی تو یہ ہر ایک مستقل امام نہیں تھا بلکہ مجموع من حیث مجموع بمنزل ایک امام کے تھے۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جواب درست نہیں ہے کیونکہ قبل ازیں شرح مواقف کی عبارت میں تصریح گزر چکی ہے کہ امام کیلئے شخص واحد ہونا ضروری ہے اور اہل حل وعقد جب امام کو فسق کی وجہ سے معزول کر دیں تو یہ امام نہیں ہو سکتے کیونکہ اہل حل وعقد کل من حیث کل شخص واحد نہیں ہیں۔

چونکہ یہ جواب درست نہیں تھا اسلئے علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ نے اور جواب دیا ہے جس پر یہ اعتراض نہیں ہے۔ علامہ خیالی کا جواب ملاحظہ ہو۔

"وقد یجاب ایضاً بان معنی جعل الامامة شوریٰ ان یتشاور وافینصبوا واحداً منهم ولا یتجاوزهم الامامة ولا النصب ولا التعیین وحینئذٍ لا اشکال اصلاً"

خلاصہ جواب یہ ہے کہ چھ آدمیوں پر جو شوریٰ مشتمل تھی نہ تو ہر ایک امام مستقل تھا تا کہ تعدد امام لازم آئے اور احکام متضادہ پر عمل لازم آئے اور نہ مجموع من حیث مجموع امام تھا تا کہ شخص واحد کے منافی ہو بلکہ شوریٰ کا مطلب یہ تھا کہ یہ چھ آدمی باہم مشورہ کر کے ان چھ سے ایک آدمی امام مقرر کریں اور امامت ان چھ سے تجاوز نہ کرے یعنی ان چھ کے علاوہ کسی کو امام مقرر نہ کریں۔ اور ان چھ کے علاوہ کوئی آدمی بھی ان چھ سے کسی ایک کو امام مقرر نہیں

کرسکتا۔ اوراس وقت کوئی اشکال نہیں ہے۔

علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اخیر میں فرمایا کہ لا اشکال اصلاً اس عبارت سے دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔

اول:۔ یہ کہ علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

دوم:۔ یہ کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب پر اعتراض ہے۔

بہرحال شرح عقائد اور خیالی کی عبارت سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ امام متعدد نہیں ہوسکتے۔ اب بندہ ان علماء ومشائخ سے جو ۲۲ مارچ کے اجلاس لاہور میں شریک ہوئے یہ سوال کرتا ہے کہ آپ کے نزدیک جب عورت وزیراعظم نہیں ہوسکتی کیونکہ وزیراعظم بھی سربراہ ہے اور سربراہ عورت نہیں ہوسکتی تو آپ کی منطق کے مطابق وزیراعظم کا عہدہ بھی غیر شرعی ہے کیونکہ اگر یہ عہدہ تسلیم کیا جائے تو ایک ملک کے دو امام لازم آئیں گے صدر اور وزیراعظم اور یہ شرعاً ممنوع ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ قیام پاکستان سے لے کر آج تک صدر اور وزیراعظم دونوں عہدے آرہے ہیں اور مذکورہ بالا علماء ومشائخ اور ان کے آباء اور مشائخ نے دونوں عہدوں کو تسلیم کیا ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا یہ علماء ومشائخ اس کا جواب دیں۔ چونکہ یہ دور جہالت ہے اور مذکورہ بالا علماء ومشائخ اس کی زد میں ہیں اور ان کو اس کا علم تو ہوگیا کہ عورت سربراہ نہیں ہوسکتی اور عورت کے خلاف ایک طوفان کھڑا کردیا اور ان کو اس امر کا علم ہی نہیں ہے کہ جس طرح عورت سربراہ نہیں ہوسکتی اسی طرح غیر قریشی اور ایک ملک کے دو امام بھی نہیں ہوسکتے۔ دین سے ناواقفی کی یہ انتہاء ہے کہ مذکورہ علماء ومشائخ نے غیر قریشی اور ملک کے دو اماموں کو تو تسلیم کرلیا ہے اور عورت کی حکمرانی کے خلاف ہیں حالانکہ شرع شریف میں

سب کا حکم ایک ہے۔ مذکورہ بالا علماء ومشائخ کا ان میں فرق کرنا یا تو جہالت پر مبنی ہے یا عورت کے ساتھ ان کو کوئی ذاتی رنجش ہے۔

بندہ مکرر عرض کرتا ہے کہ اس فقیر کے نزدیک بھی عورت کا سربراہ ہونا خلاف شرع ہے بندہ کی تحقیق یہ ہے کہ عورت سربراہ مملکت اور صدر نہیں ہوسکتی اور سربراہ حکومت اور وزیر اعظم ہوسکتی ہے۔ اس کے خلاف کوئی دلیل شرعی نہیں ہے کیونکہ بندہ دلیل سے ثابت کر چکا ہے کہ وہ سربراہ جو عورت نہیں ہوسکتی اس کی تعریف صرف صدر مملکت پر صادق آتی ہے نہ کہ وزیر اعظم پر جن علماء ومشائخ کا یہ خیال ہے کہ عورت مطلقاً سربراہ اور حکمران نہیں ہوسکتی یہ خیال خالص جہالت پر مبنی ہے۔ بندہ نے قبل ازیں امامت کی تین تعریفیں ذکر کی ہیں اور ثابت کیا کہ یہ تعریفیں صرف صدر مملکت پر صادق آتی ہیں نہ کہ وزیر اعظم پر۔ کیونکہ امامت میں یہ ضروری ہے کہ امام کا تمام لوگوں پر تصرف عام ہو اور یہ امر صرف صدر مملکت میں پایا جاتا ہے نہ کہ وزیر اعظم میں۔

اب ایک صورت یہ ہے کہ امام صدر اور وزیر اعظم دونوں کا مجموعہ ہو نہ کہ ہر ایک اور اس مجموعہ پر اگرچہ امامت کی تعریف صادق آتی ہے لیکن اس میں دو خرابیاں ہیں۔

خرابی اول:۔ یہ کہ قبل ازیں گزر چکا ہے کہ اہل حل وعقد یہ امام نہیں ہوسکتے کیونکہ امام کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ ایک شخص ہو اور مجموعہ ایک شخص نہیں ہے بلکہ دو شخص ہیں۔

خرابی دوم:۔ جب تعریف مجموعہ پر صادق آتی ہے نہ کہ ہر ایک پر تو پھر عورت حکمران ہوسکتی ہے کیونکہ عورت وہ حکمران نہیں ہوسکتی جس پر امامت کی تعریف صادق آتی ہے

اور چونکہ عورت پر تعریف صادق نہیں آتی تو عورت مطلق حکمران ہو سکتی ہے اور یہ امر ان لوگوں کے منافی ہے جو کہ عورت کی مطلق حکمرانی کے خلاف اور منکر ہیں۔

بندہ کو اعتراف ہے کہ میری تحریر اور تقریر میں تکرار ہے اسلئے معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ تکرار کی وجہ یہ ہے کہ مسئلہ امامت بڑا دقیق اور پیچیدہ ہے اور بندہ کے مخاطب نام ونہاد مذکورہ بالا علماء ومشائخ ہیں۔ جن کو علماء ومشائخ سے اس لئے شمار نہیں کیا جاتا کہ وہ خود اور بذاتہ عالم اور شیخ ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرات علماء مشائخ کی اولاد سے ہیں، پدر من سلطان بود ''

تو مضمون میں تکرار اسلئے ہے کہ مذکورہ بالا علماء ومشائخ کی سمجھ میں یہ مسئلہ آجائے۔

امر چہارم:۔ یہاں بندہ اس پر بحث کرتا ہے کہ جمعیت علماء پاکستان میں جو اختلاف پیدا ہوا اور جمعیت دو دھڑوں میں بٹ گئی ہے تو کتاب وسنت کس دھڑے کی تائید و حمایت اور کس دھڑے کی مخالفت اور مذمت کرتا ہے۔ آیات قرانی ملاحظہ ہو۔

'' وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ - الآية''

خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالی جل شانہ کا فرمان ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو دھڑوں میں اختلاف اور لڑائی جھگڑا پیدا ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ متحارب گروہوں میں صلح صفائی کرائے اب اگر صلح ہو جائے تو بہت بہتر ہے اور اگر ایک فریق صلح پر امادہ نہ ہو تو وہ باغی ہے اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ دوسرے فریق کیساتھ مل کر باغی کے خلاف اس وقت تک برسرپیکار رہیں کہ وہ فرقہ باغیہ اللہ تعالی کے حکم کی طرف رجوع کرے یعنی مصالحت پر

امادہ ہوجائے۔

یہاں تک بندہ نے آیت شریفہ کا نفس مضمون بیان کیا ہے۔اب قرآن پاک کا اعجاز ملاحظہ فرماویں۔ کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ بالا کا نزول جمعیت علماء پاکستان کے اختلاف کے متعلق ہوا ہے اور آیت کریمہ بالکل اس اختلاف پر منطبق ہے۔جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ذیل کی آیت تلاوت فرمائی۔

﴿مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ۔ الآیۃ﴾

تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب آیت مذکورہ بالا تلاوت کی تو ہمیں یوں معلوم ہوا کہ یہ آیت اب نازل ہوئی ہے۔اسی طرح آیت مذکورۃ الصدر (وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا۔الآیۃ) جمعیت کے اختلاف کے متعلق نازل معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی جمعیت کی عاملہ اور شوریٰ اور خادمین کے متفقہ بلا مقابلہ منتخب صدر اور امام تھے۔اور ایک دوسرے گروہ نے ان کے خلاف بغاوت کی جب مسلمانوں نے مصالحت کی کوشش کی تو علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے کبھی مصالحت سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ بارہا اعلان کیا کہ ہمارے دروازے بالکل کھلے ہیں ہم باغیوں کو گلے لگانے کیلئے بالکل تیار ہیں وہ واپس آکر اپنے اپنے عہدوں پر کام کریں۔لیکن دوسرے مخالف گروہ کا اعلان تھا کہ ہمارے اور نورانی صاحب کے راستے ہمیشہ کیلئے جدا ہوگئے ہیں اور مصالحت کا کوئی احتمال نہیں ۔اس اعلان پر اہل سنت غور کریں کہ اسلام اور کفر کے راستے جدا جدا ہیں تو گویا فریق مخالف کے نزدیک ایک دھڑا مومن اور دوسرا کافر ہے۔جیسا

کہ قرآن پاک میں ہے " لکم دینکم ولی دین " غور فرماویں یہ مخالفت اور بغاوت کی حد ہے کوئی ذی عقل باضمیر مسلمان علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے بغاوت کی ہے کیونکہ بغاوت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ سابق امام حق کی مخالفت کی جائے تو ظاہر ہے کہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی اہل سنت کے سابق امام آ رہے تھے اور دوسرے فریق نے ان کی صرف مخالفت ہی نہ کی بلکہ ان کو غیر اسلامی اور غیر آئینی اور غیر اخلاقی طور پر معزول کرنے کا دعویٰ کیا۔

اب بندہ یہ عرض کرتا ہے کہ ۲۲ مارچ کو لاہور میں جو علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے خلاف اجلاس ہوا اخباری اطلاع کے مطابق اس اجلاس میں پانچ صد ۵۰۰ یا پانچ ہزار ۵۰۰۰ علماء و مشائخ شریک ہوئے۔ اگر ان کو فرمان خداوندی کا ذرا احساس ہوتا تو وہ ہر دو فریق کے درمیان مصالحت کی کوشش کرتے۔ تو اگر علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کا مخالف فریق مصالحت پر امادہ نہ ہوتا تو یہ علماء و مشائخ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے ساتھ شریک ہو کر باغی گروہ کے خلاف اس وقت تک برسرپیکار رہتے کہ باغی گروہ اپنی بغاوت سے رجوع کر کے مصالحت پر امادہ ہو جاتا لیکن ان علماء و مشائخ کو علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی سے خداواسطہ کا ایسا عناد تھا کہ انہوں نے فرمان خداوندی کو نظر انداز کر کے باغیوں کی حمایت اور تائید کی۔ بندہ ان علماء و مشائخ سے مؤدبانہ گزارش کرتا ہے کہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالی کے روبرو حساب و کتاب دینا ہے اگر اللہ تعالی نے ان علماء و مشائخ سے سوال کیا کہ بغض نورانی کی وجہ سے تم نے میرے فرمان کو کیوں نظر انداز کیا تو ان علماء و مشائخ کے پاس کیا جواب ہوگا۔؟

اب اسی مضمون پر حدیث شریف ملاحظہ ہو۔ اب بھی وقت ہے کہ یہ علماء و مشائخ

بغاوت سے انحراف کر کے حق کی طرف رجوع کریں تو ان اکابرین کا روز قیامت یہ جواب ہوگا کہ اگرچہ ہم سے غلطی سرزد ہوئی کہ باغیوں کی تائید کی لیکن جب ہم کو حکم خداوندی یاد دلایا گیا تو ہم نے بغاوت سے رجوع کر کے حق کا اتباع کیا۔ تو امید قوی ہے کہ ان کا یہ عذر دربار خداوندی میں مقبول ہوگا کیونکہ

"التائب من الذنب کمن لا ذنب له" اب اس موضوع پر چند احادیث نبویہ علی صاحبها الصلوٰة والتحیة ملاحظہ ہوں۔

حدیث اول:۔ "عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما قال قال رسول الله ﷺ من رآی من امیره شیئاً یکرهه فلیصبر فانه لیس احد یفارق الجماعة شبراً فیموت الامات میتةً جاهلیةً متفق علیه"

خلاصہ حدیث شریف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے امیر میں کوئی ایسی شئی دیکھتا ہے جس کو وہ ناپسند کرتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اس پر صبر کرے اور بغاوت نہ کرے کیونکہ جو آدمی بھی خواہ کوئی بڑا عالم یا بڑا شیخ کیوں نہ ہو اگر ایک بالشت بھی جماعت سے دور ہو کر مر جائے تو وہ جاہلیت اور ضلالت کی موت مرا۔

اب اس حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بھی جمعیت علماء پاکستان کے اختلاف پر پوری منطبق ہوتی ہے گویا کہ اسی اختلاف کیلئے فرمائی گئی ہے۔ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے مخالف دھڑے اور اس کے حامی علماء و مشائخ اگر علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کو اچھا نہیں جانتے تھے تو بحکم حدیث شریف علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی صدارت کو برداشت کرتے اور اسی سال مئی میں جمعیت کے مرکزی انتخابات ہونے والے ہیں تو یہ لوگ

خادمین جمیعت کے ساتھ رابطہ پیدا کرتے اور مرکزی قیادت کو تبدیل کر دیتے۔ بلکہ اگر بغاوت نہ کرتے تو ان لوگوں کا پسندیدہ امیدوار بلا مقابلہ جمیعت کا صدر منتخب کیا جا سکتا تھا لیکن انہوں نے عجلت کر کے بغاوت کا راستہ اختیار کیا تو اب اگر وہ اسی بغاوت پر مر گئے تو ان کی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہوگی۔ تو اب ان لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی موت کو اسلامی موت بنانے کیلئے بغاوت سے انحراف کر کے حق کے راستہ صراط مستقیم پر گامزن ہوں۔

حدیث دوم:۔ ”عن عبر فنحته قال سمعت رسول الله ﷺ يقول انه سيكون هنات وهنات فمن اراد ان يفرق امر هذه الامة وهى جميع فاضربوه بالسيف كائنا من كان رواه مسلم“

خلاصہ مفہوم حدیث شریف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب شر اور فسادات پیدا ہوں گے اب جو آدمی اس امت کے اتفاق میں رکھنا ڈالے گا اس کی گردن تلوار سے اڑا دو خواہ وہ رکھنا ڈالنے والا بہت بڑا علامہ بہت بڑا شیخ کیوں نہ ہو۔

یہ حدیث شریف بھی جمیعت کے اختلاف پر پوری طرح منطبق ہے پاکستان کے اہل سنت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی قیادت پر مجتمع اور متفق تھے۔ فریق مخالف نے مع نام ونہاد علماء ومشائخ کے اس اتفاق کو پارہ پارہ کیا۔ لہذا یہ سب باغی اور گردن زدنی ہیں۔

امر پنجم:۔ زمانہ ماضی میں جب صدارت کے انتخاب پر محترمہ فاطمہ جناح مرحومہ اور ایئر مارشل ایوب خان مرحوم خان کے درمیان مقابلہ ہوا تھا تو اس وقت حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی قدس سرہ العزیز نے محترمہ فاطمہ جناح کے خلاف ایک فتویٰ

تحریر کیا تھا کہ عورت سربراہ مملکت نہیں ہوسکتی۔ یہ فتویٰ بندہ کے نزدیک بالکل حق تھا۔ لیکن اس وقت کے علماء ومشائخ جو کہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے تبحر علمی سے ناواقف اور بذاتہ علوم دینیہ سے جاہل ہیں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ فتویٰ موجودہ وزیراعظم جو کہ عورت ہے کے بھی خلاف ہے بندہ کے نزدیک یہ استدلال باطل ہے۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ عورت وزیراعظم کے خلاف نہیں بلکہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ پر نرا بہتان ہے۔ کیونکہ بندہ قبل ازیں دلائل سے ثابت کر چکا ہے کہ یہ کہنا کہ عورت مطلقاً سربراہ نہیں ہوسکتی بالکل باطل اور غلط ہے۔ کیونکہ وہ سربراہ جو عورت نہیں ہوسکتی اس کی تین تعریفیں گزر چکی ہیں۔ اور یہ تینوں تعریفیں صرف صدر مملکت پر صادق آتی ہیں وزیراعظم پر صادق نہیں آتیں۔ تو خلاصہ یہ ہے کہ عورت صرف صدر مملکت نہیں ہوسکتی اور وزیراعظم ہوسکتی ہے چونکہ محترمہ فاطمہ جناح صدارت کی امیدوار تھیں لہذا شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ حق اور فاطمہ جناح کے خلاف تھا۔ لیکن اس فتویٰ سے وزیراعظم کے خلاف استدلال کرنا حماقت ہے اور ان علماء ومشائخ پر یہ آیت مبارکہ صادق آتی ہے۔

"فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ الآية"

اب بندہ اس امر پر چند دلائل مزید پیش کرتا ہے کہ بعض امور میں عورت سربراہ ہوسکتی ہے۔

دلیل اول:۔ جنگ جمل ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سربراہی میں لڑی گئی اور اس جنگ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سربراہ لشکر تھیں اور ہزاروں فوجیوں نے اپنی ماں کے قدموں میں جانیں قربان کر دیں۔ ان میں صحابہ بھی تھے بلکہ بعض صحابہ عشرہ

مبشرہ سے تھے۔ اب اگر حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کا یہ مطلب لیا جائے کہ عورت مطلق سربراہ نہیں ہو سکتی تو پھر حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ حضرت ام المؤمنین کے بھی خلاف ہوگا۔ تو کیا ان خلوف نے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی توہین نہیں کی اور نادان دوستوں کا کردار ادا نہیں کیا۔؟

لیکن اگر شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ صرف صدر مملکت پر محمول کیا جائے تو اب یہ فتویٰ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی سربراہی کے خلاف نہیں ہے۔

دلیل دوم:۔ فقہ میں مصرح ہے کہ عورت قاضیہ ہو سکتی ہے اور قاضی بھی ان لوگوں کیلئے جن کا وہ قاضی ہے سربراہ ہوتا ہے اور وہ لوگ اپنے امور قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

امر ششم:۔ مخالفین علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی پر چند احمقانہ سوال کرتے ہیں۔

سوال اول:۔ عورت کی سربراہی کی حمایت کا یہ سوال بالکل غلط ہے۔ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے کبھی عورت کی سربراہی کی حمایت نہیں کی انہوں نے بارہا اعلان کیا ہے کہ عورت کی سربراہی خلاف شرع اور غیر شرعی ہے۔ لہذا یہ اعتراض بہتان محض ہے۔

سوال دوم:۔ عورت کے اقتدار کو طول دینے پر مشتمل بیانات یہ سوال بھی مثل اول کے لغو ہے۔ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے کوئی بیان ایسا نہیں دیا دراصل علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی صاحب نے یہ کہا ہے کہ عورت کی سربراہی غیر شرعی اور ناجائز ہے۔ لیکن عوام

نے ووٹ کے ذریعے عورت کو ہم پر مسلط کر دیا ہے اب اس عورت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے تین طریقے ہیں۔

طریقہ اول:۔ یہ کہ یہ عورت خود بہ خود اس عہدہ سے مستعفی ہو جائے اور وہ اس پر تیار نہیں ہے۔

طریقہ دوم:۔ یہ کہ اس کو پانچ سال کیلئے برداشت کر لیا جائے جیسا کہ اس کے باپ کو برداشت کیا گیا ہے۔

طریقہ سوم:۔ یہ کہ اس کے خلاف بدامنی اور سول نافرمانی شروع کی جائے۔ ملک اس وقت بدامنی کا متحمل نہیں ہے دشمنان پاکستان تاک میں ہیں کہ ملک بدامنی کا شکار ہو اور وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہوں۔

لہذا علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے کہ اس عورت کو اپنی مدت پوری کرنے دی جائے۔ اور یہ ایک معقول تجویز ہے بندہ مخالفین سے دریافت کرتا ہے کہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی اور تم دونوں عورت کی حکمرانی کو غیر شرعی اور ناجائز خیال کرتے ہو یہ وجہ تو عورت کی حکمرانی کو طول دینے کی نہیں ہوسکتی۔ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی یہ فرماتے ہیں کہ یہ ''بلا'' ہمارے گلے میں پڑ گئی ہے لہذا اس کو اپنی مدت تک برداشت کرو اگر اس کو اقتدار کا طول کہا جاتا ہے تو بندہ مخالفین سے پوچھتا ہے کہ اس ''بلا'' سے چھٹکارا حاصل کرنے کا تمہارے نزدیک کیا طریقہ ہے۔؟ اگر پانچ سال تک برداشت کرنا ہے تو پھر علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی اور تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں ہے لہذا جو اعتراض تم

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی پر کرتے ہو وہی تم پر عائد ہوگا اور اگر چھٹکارا کا طریقہ بدامنی اور سول نافرمانی ہے تو یہ طریقہ تم نے ابھی تک اختیار نہیں کیا۔ تو اب تم عورت کی حکمرانی کو طول دے رہے ہو تم دوسروں کو قصوروار ٹھہراتے ہو قصور اپنا نکل آیا۔

سوال سوم:۔ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے دورِ صدارت میں جمعیت علماء پاکستان میں افتراق اور انتشار پیدا ہوا ہے اس سوال میں بھی کوئی معقولیت نہیں ہے علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے اصولوں پر کبھی سودا بازی نہیں کی جن لوگوں نے جمعیت کے اصولوں کو پامال کیا ہے اور ذاتی مفادات اور پلاٹ حاصل کرنے کیلئے حکومت کی چاپلوسی کی اور حکومت کو خوش کرنے کیلئے فتوے تحریر کئے علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کا ملی فرض تھا کہ ایسے خودغرضوں سے جواب طلبی کرتے اور ان کو اس جرم کی سزا دیتے اس کو افتراق اور انتشار کہنا سراسر زیادتی ہے۔ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی قیادت پر اہل سنت کا اتفاق تھا علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی عاملہ شوریٰ اور خادمین کے صرف منتخب صدر ہی نہ تھے بلکہ متفقہ صدر تھے۔ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے حاسدوں نے بغاوت کی اور جمعیت علماء پاکستان بلکہ اہل سنت کے اتفاق کو پارہ پارہ کیا اور آیت کریمہ اور حدیث شریف مذکورہ بالا کا مصداق بنے۔ اور بغاوت کی یہ حد کردی کہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کو غیر آئینی اور غیر اخلاقی طور پر معزول کر کے خود غیر آئینی صدر بن بیٹھے۔

لاہور کے جس اجلاس میں یہ غیر آئینی حرکت کی گئی اس میں عاملہ اور شوریٰ کے زیادہ سے زیادہ نو یا دس اراکین تھے۔ اور اس کے بعد راولپنڈی میں علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی نگرانی میں جو اجلاس ہوا اس میں عاملہ اور شوریٰ کے تقریباً ۹۴ اراکین شامل تھے

جنہوں نے علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی قیادت پر مکمل اعتماد کیا۔ اور پھر اس کے بعد ملتان شریف میں جو خادمین کا کنونشن ہوا اس میں دس ہزار سے زیادہ خادمین نے شرکت کی۔ اور بڑے والہانہ اور جذباتی طور پر علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی پر اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ ایسی حالت میں علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کو معزول کرنا تمام قواعد کی مٹی پلید کرنا ہے۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ کسی صوبہ کا وزیر اعلیٰ اپنے صوبائی اراکین کا اجلاس طلب کر کے صدر پاکستان کو معزول کر دے اور پھر صوبائی وزیر اعلیٰ کو صوبائی اراکین صدر پاکستان منتخب کر لیں۔ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی معزولی کچھ اسی قسم کی ہے لہذا انتشار اور افتراق کے مجرم یہ مخالفین اور حاسدین ہیں نہ کہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی۔

سوال چہارم:۔ ایک عورت کے ساتھ علیحدگی میں ملاقات یہ بات درست ہے کہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے وزیر اعظم کے ساتھ ملاقات کی ہے اور اس میں علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی منفرد نہیں ہیں بلکہ سینکڑوں مرد اپنی ضروریات کیلئے وزیر اعظم سے ملاقات کرتے ہیں۔ اور یہ معمول ہے اور پھر یہ ملاقات علیحدگی میں نہیں تھی بلکہ وزیر اعظم کے مشیر اور وزیر اور علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے کئی احباب بھی اس ملاقات میں موجود تھے۔ جیسے کہ اخبارات اس پر شاہد ہیں۔ لہذا اس ملاقات کو افسوس ناک کہنا بذاتہ افسوس ناک ہے۔ نیز علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی یہ اجتماعی ملاقات اس لئے تھی کہ وزیر اعظم کو اس کی کوتاہیوں اور خرابیوں پر مطلع کیا جائے اور یہ امر بالمعروف اوز نہی المنکر کے قبیلہ سے ہے۔ اور اس حدیث شریف پر عمل ہے جس کا معنی اس طرح ہے کہ افضل جہاد حکمران جابر کے سامنے کلمہ حق بیان کرنا ہے۔

سوال پنجم:۔ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے بارہا صدارت چھوڑنے کی کوشش کا اظہار کیا ہے لہذا ان کو مناسب ہے کہ کسی اور صاحب کی صدارت قبول کرلیں۔اس سوال کا جواب یہ ہے کہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کو جس صاحب کی صدارت قبول کرنے کا مشورہ دیا ہے وہ صاحب باغی اور غیر آئینی صدر ہے اور انہوں نے امت مجتمع میں افتراق اور انتشار پیدا کیا ہے اگر علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی اس صاحب کی غیر آئینی صدارت کو قبول کر لیں تو علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کا یہ فعل غیر آئینی ہوگا لہذا شاہ احمد نورانی صدیقی کو غیر آئینی فعل کا مشورہ دینا یہ قابل مذمت ہے اس کے مقابلہ میں بندہ مخالفین کو ایک آئینی مشورہ پیش کرتا ہے وہ یہ کہ جمعیت میں اختلاف سے قبل دسمبر ۱۹۸۹ء میں ہر دو فریق کا لاہور میں مشترکہ اجلاس ہوا۔اور متفقہ طور پر طے ہوا کہ مئی ۱۹۹۰ء میں جمعیت علماء پاکستان کے ہر سطح پر نئے انتخاب ہونگے اور مرکزی انتخاب بھی اس میں داخل ہے چونکہ باغی گروہ بھی اس سے متفق تھا لہذا اس کو چاہئے کہ مئی کے انتخاب میں آئینی طور پر حصہ لے اور جمعیت کے ووٹوں کے ساتھ رابطہ پیدا کر کے اکثریت کو اپنا ہمنوا بنا کر اپنا صدارت کا امیدوار کھڑا کرے اور صدارت کا انتخاب جیت کر آئینی طور پر علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کو اس عہدہ سے علیحدہ کر کے جمعیت کا متفقہ صدر ہو جائے اگر فریق مخالف کا یہ خیال ہے کہ جمعیت کی اکثریت اس کے ساتھ ہے تو اس کو بندہ کا یہ مشورہ قبول کر لینا چاہئے اور حکم خداوندی:

"قَاتِلُوْا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْءَ اِلٰی اَمْرِ اللّٰہِ" کا مصداق بن جائے اور اگر فریق مخالف نے بندہ کا یہ مشورہ قبول نہ کیا تو اسکا یہ مطلب ہوگا کہ فریق مخالف کو جمعیت کی اکثریت کا اعتماد حاصل نہیں ہے اور وہ چور دروازہ سے صدارت پر قابض ہونا چاہتا ہے۔یہاں

تک بندہ نے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے جو فریق مخالف کی طرف سے کئے گئے ہیں۔

امر ہفتم:۔ آج کل یہ بحث زوروں پر ہے کہ عورت سربراہ نہیں ہو سکتی بندہ عرض کرتا ہے کہ یہ امر بالکل درست اور حق ہے کہ عورت کا سربراہ مملکت اور صدر مملکت ہونا شرع شریف میں ناجائز ہے اس پر کتب مذہب میں جو دلیل دی گئی ہے وہ یہ ہے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے۔ "والنساء ناقصات عقل ودین"

شرح مواقف میں ہے۔ "یجب ان یکون عدلا بالغاً عاقلاً ذکراً اذالنساء ناقصات عقلٍ دینٍ"

خلاصہ ہر دو عبارت کا یہ ہے کہ امام کیلئے ضروری ہے کہ وہ مذکر ہو کیونکہ عورتیں عقل اور دین ہر ایک میں ناقص ہیں تو امام ایسا نہیں ہو سکتا لیکن آج کل عورت کے سربراہ ہونے پر یہ حدیث شریف دلیل کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

"لن یفلح قوم ولوا علیهم امرءة رواه البخاری"

خلاصہ ترجمہ حدیث شریف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح اور نجات نہیں پائے گی جس نے عورت کو اپنے اوپر مسلط کیا اس استدلال پر بندہ کو اعتراض ہے وہ یہ کہ حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب جنگ جمل میں لشکر کی قیادت فرما رہی تھیں اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آپ کی حمایت کر رہے تھے تو اس حدیث شریف مذکورہ بالا کے راوی سے کسی نے پوچھا کہ تم ام المؤمنین کی حمایت کیوں نہیں کرتے تو اس راوی نے جواب دیا کہ میں اس حدیث مذکورہ بالا پر عمل کر کے حمایت سے قاصر ہوں۔ تو اس جواب سے واضح ہوگا کہ وہ راوی حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو اس حدیث کا مصداق خیال کرتا تھا

حالانکہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا علم اس راوی سے زیادہ تھا اور آپ مجتہدہ تھیں۔ تو لازمی طور پر یہ حدیث بھی آپ کے علم میں ہوگی تو اگر حدیث شریف مذکورہ بالا کا وہی معنی تھا جو راوی نے سمجھا تھا تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بھی ضرور اس حدیث شریف پر عمل کرتیں اور جنگ جمل میں شریک نہ ہوتیں۔ تو معلوم ہوا کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے نزدیک اس حدیث شریف کا وہ معنی نہیں تھا جو راوی نے سمجھا تو راوی کا اس حدیث شریف سے استدلال درست نہ ہوا۔ تو آج کل کے مستدلین کا اس حدیث سے استدلال کیسے درست ہوگا۔؟ تو اب حدیث شریف کا صحیح مطلب یہ ہوگا کہ عورت سربراہ مملکت نہیں ہوسکتی نہ کہ مطلق سربراہ۔ اور قبل ازیں گزر چکا ہے کہ جنگ جمل کے وقت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سربراہ مملکت نہ تھیں بلکہ سربراہ مملکت حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے اور یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ نیز اگر یہ حدیث شریف حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے خلاف ہوتی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ ضرور اس سے استدلال کرتے کیونکہ یہ حدیث شریف ان کے مدعیٰ کے مطابق تھی۔ جیسا کہ راوی نے استدلال کیا تھا تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث شریف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک بھی قابل استدلال نہ تھی۔

بعض لوگ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث شریف حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے ذہن سے اس وقت اتر گئی ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مذکورہ بالا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں تھی وہ اس سے استدلال فرماتے اور یہ کہنا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے ذہن سے بھی اتر گئی بالکل غیر معقول ہے۔ بلکہ یہ ہر دو تو اکابرین اور علماء اعلام سے ہیں۔ ایسے موقع پر عوام کو بھی حدیثیں یاد آجاتی ہیں جیسا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ حدیث تھی " تقتلك الفئة الباغية " یعنی تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا تو جب حضرت

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آدمیوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تو سب لوگوں کو یہ حدیث یاد آ گئی اور تمام لشکر میں کہرام مچ گیا کہ اب حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہو گیا اور لوگ دوڑ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کے خلاف اس حدیث سے استدلال کیا اور پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کا جواب دینا پڑا جو کہ شروح احادیث میں مذکور ہے۔

امر ہشتم:۔ اس مضمون کے ابتداء میں بندہ نے امامت کے مسئلہ پر بحث کی ہے اور اس میں بیان کیا کہ عورت تو بالکل سربراہ نہیں ہو سکتی باقی رہا مرد تو ہر مرد سربراہ مملکت نہیں ہو سکتا البتہ بعض وہ مرد جو سربراہ مملکت ہو سکتے ہیں ان کیلئے چنداں شرائط ہیں جو مردان شرائط کا جامع ہے وہ سربراہ مملکت بن سکتا ہے اور جو جامع نہیں ہے وہ شرعی امام نہیں ہے بلکہ باغی سلطان ہے۔ اور آج تک پاکستان میں کوئی مرد قریشی اور شرعی امام نہیں ہوا اور شریعت مطہرہ سے ناواقفی کی بناء پر کسی عالم اور پیر اور شیخ نے اس پر نہ کوئی اعتراض کیا اور نہ امن وامان کا مسئلہ پیدا کیا حالانکہ امام کا قریشی ہونا حدیث متواتر سے ثابت ہے جس کا انکار ایمان کے ضیاع کا سبب ہے۔ اور یہ خبر واحد سے ثابت ہے کہ امام اور سربراہ مملکت کوئی عورت نہیں ہو سکتی اور حیرت ہے کہ عورت کے خلاف تو پاکستان میں علماء اور مشائخ نے شور اور غوغا مچا رکھا ہے اور جو حدیث متواتر کے خلاف ہے۔ اس کو اپنا امام تسلیم کر رکھا ہے اور یہ:

"تؤمنون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض"

کی زندہ مثال ہے۔ قبل ازیں بندہ نے جو تحقیق کی وہ علم کلام کی کتابوں سے ماخوذ ہے اور چونکہ دراصل یہ مسئلہ علم فقہ سے تعلق رکھتا ہے لہذا اب اس مسئلہ پر علم فقہ سے کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔ درمختار میں ہے۔

"الامامته صغریٰ وکبریٰ فالکبریٰ استحقاق تصرف عام علی الانام وتحقیقه فی علم الکلام ونصبه اهم الواجبات فلذاقدموه علی دفن صاحب المعجزات ولیشترط کونه مسلماً حرًا ذکرًا عاقلًا بالغاً قادراً قرشیاً لا هاشمیاً علویاً معصوماً ویکره تقلید الفاسق ولیعزل به الالفتنةٍ و یجب ان یدعیٰ له بالصلاح وتصح سلطنة المتغلب للضرورة"

اس عبارت کا کچھ حصہ قبل ازیں گزر چکا ہے عبارت کا مختصر ترجمہ ملاحظہ ہو۔ امامت دو قسم کی ہے۔ چھوٹی امامت اور بڑی امامت۔

چھوٹی امامت تو نماز کی امامت ہے۔ اور امامت کبریٰ کی تعریف یہ ہے کہ جس کو یہ حق حاصل ہو کہ اپنے ملک کے تمام لوگوں پر اس کا تصرف عام ہو۔

اور اگر چہ یہ علم فقہ کا مسئلہ ہے لیکن اس کی تحقیق علم کلام میں ہے۔ علامہ شامی نے اپنے حاشیہ میں عقائد نسفی کی عبارت مذکورہ بالا نقل کی ہے اور تقرر امام بڑے اہم اور اعلیٰ واجبات سے ہے۔ اسی لئے صحابہ کرام نے اس کو آنحضرت ﷺ کے دفن پر مقدم کیا حالانکہ اس سانحہ کی وجہ سے ان کے ہوش و ہواش اڑ چکے تھے اور امام کیلئے دس شرائط ہیں سات ایجابی اور تین سلبی۔

شرائط ایجابی:۔ اول:۔ مسلمان ہو۔ دوم:۔ آزاد ہو۔ سوم:۔ مذکر اور مرد ہو۔ چہارم:۔ عقل مند ہو۔ پنجم:۔ بالغ ہو۔ ششم:۔ قادر ہو یعنی تنفیذ احکام اور دارالاسلام کی حفاظت پر قادر ہو۔ ہفتم:۔ قوم قریش سے ہو۔

شرائط سلبی:۔

اول:۔ امام کا ہاشمی ہونا ضروری نہیں امام غیر ہاشمی بھی ہوسکتا ہے۔

دوم:۔ امام کیلئے یہ ضروری نہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی اولاد سے ہو۔

سوم:۔ امام کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ گناہ سے پاک ہو اور اس کو گناہ کی طاقت ہی نہ ہو۔

یہ دس شرائط ہیں کہ ان کا امام میں ہونا ضروری ہے اور فاسق کو امام مقرر کرنا مکروہ ہے اور اگر تقرر کے وقت تو عادل تھا لیکن بعد میں فاسق ہو گیا تو خود بخود معزول نہیں ہوگا البتہ وہ اس امر کا مستحق ہے کہ معزول کیا جائے اور اگر فاسق کے معزول کرنے میں فتنہ اور فساد کا خوف ہو تو اس کے خلاف بغاوت نہ کی جائے بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ وہ اسے ہدایت دے اور وہ راہ راست پر آ جائے۔

یہ بات علامہ شامی نے اپنے حاشیہ میں ذکر فرمائی ہے اس کے بعد علامہ شامی نے ان شرائط پر دلائل ذکر کیے کہ مسلمان ہونا اس لئے ضروری ہے کہ کافر مسلمانوں کا ولی نہیں ہوسکتا اور آزاد ہونا اسلیئے ضروری ہے کہ عبد اور غلام اپنی ذات کا والی نہیں ہے تو وہ غیروں کا والی کیسے ہوسکتا ہے۔ اور عاقل اور بالغ ہونا امام کے لئے اس لئے شرط ہے کہ اگر عاقل نہیں ہے تو مجنون ہوگا اور اگر بالغ نہیں ہے تو صبی اور طفل ہوگا اور یہ ہر دو بھی اپنے نفس کے والی نہیں ہوتے تو غیر کے والی کس طرح ہوں گے اور مذکر اور مرد ہونا اس لئے شرط ہے کہ اگر عورت ہو گی تو عورت کو پردہ کا حکم ہوگا اور یہ بھی کہ وہ گھر کی چار دیواری کے اندر ہے اور امام کے فرائض میں یہ داخل ہے کہ وہ باہر ظاہر جگہ پر بیٹھے تا کہ مظلوم اور فریادی اس تک پہنچ سکے۔ نیز امام

میدان جنگ میں فوج کے سامنے ہوگا اور ان چیزوں سے عورت معذور ہے اور امام کے لئے قریشی ہونا اس لئے ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمام امام قریش سے ہوں گے اور غیر قریش سے نہیں ہوسکتا۔ اور یہ حدیث متواتر ہے کہ جس کے انکار سے ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور اسی حدیث کی وجہ سے انصاری رضی اللہ عنہم اپنے حق خلافت سے دستبردار ہو گئے اور عہدہ خلافت قریش کے سپرد کر دیا۔

علامہ شامی کے حوالہ سے جو بات بندہ نے ذکر کی ہے کہ فاسق سربراہ کے خلاف خروج اور بغاوت شرعاً منع ہے بلکہ اس فاسق کیلئے اللہ جل شانہ سے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس فسق سے توبہ کرنے کی توفیق دے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آج کل جو حکومت کے خلاف جلوس وغیرہ نکالے جاتے ہیں اور بسا اوقات شدید قسم کی بدامنی پیدا ہوتی ہے یہ شرعاً ناجائز ہے۔ اور اس کی وجہ حکومت کی چاپلوسی کرنا نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار اور دشمنان اسلام اس تاک میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ملک دارالاسلام پر قبضہ کرنے کا ہم کو موقع ملے۔ جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے ملک میں بدامنی ہے پھر ان کو مداخلت کا موقع ملتا ہے تو اس بدامنی اور جلوسوں کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ فاسق حاکم تو راہ راست پر آئے گا یا نہ ہم اپنا ملک گنوا دیں گے۔

آگے چل کر درمختار میں ہے جو متغلب ہے اور اس کو مسلمانوں نے منتخب نہیں کیا بلکہ ڈنڈے کے زور سے مسلمانون کے ملک پر قابض ہو گیا جیسا کہ آج کل مارشل لاء ہوتا ہے۔ تو ضرورت کے وقت اس کی سلطنت صحیح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس کے خلاف بغاوت کی گئی تو فتنہ برپا ہوگا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر تمہارا امیر عبد اور حبشی ناک کٹا ہو تو اس کی بھی سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

یہاں تک شرائط ایجابی کے دلائل کا ذکر ہوا اس کے بعد علامہ شامی نے شرائط سلبی کا ذکر فرمایا کہ ہاشمی کی نفی کر کے شیعہ کا رد کیا ہے کیونکہ شیعہ کہتے ہیں کہ محض قریشی ہونا امام کیلئے کافی نہیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ امام قریشی ہاشمی ہو۔ اور شیعہ نے جو ہاشمی کی شرط لگائی ہے تو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی امامت کی نفی کرنی ہے کیونکہ یہ تینوں حضرات ہاشمی نہیں ہیں اگرچہ قریشی ہیں تو ہاشمی کی شرط بڑھا کر ان تینوں کی خلافت کی نفی کرنی ہے۔ اب شیعہ پر اعتراض ہوا کہ بنو عباس قریشی ہاشمی تھے لیکن تم ان کی امامت کے قائل نہیں ہو تو اس اعتراض سے بچنے کیلئے انہوں نے ایک اور شرط لگائی کہ امام کیلئے ضروری ہے کہ وہ مولا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہو۔ تو اب بنو عباس کی امامت کی نفی ہو گئی کیونکہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے نہیں ہیں اور اہل سنت کے نزدیک امام کیلئے صرف قریشی ہونا شرط ہے نہ کہ ہاشمی اور علوی ہونا۔ اور شیعہ امامیہ کے نزدیک امام کا معصوم ہونا شرط اور اہل سنت کے نزدیک یہ شرط نہیں۔ لہذا اس کی نفی کر دی۔

امر نہم:۔ بندہ قبل ازیں ذکر کر چکا ہے کہ بندہ کے اس مضمون میں کچھ تلخی اور تیزی ضرور ہے اور معاندین اس پر یہ اعتراض کریں گے کہ اس فقیر نے بے باکی کا مظاہرہ کیا اور علماء و مشائخ کی گستاخی کا ارتکاب کیا ہے اور اس کے چند جواب قبل ازیں گزر چکے ہیں اور بندہ نے قبل ازیں وعدہ کیا تھا کہ اس اعتراض کا ایک اور جواب آخر میں آئے گا۔ اب بندہ اپنا وعدہ پورا کرنے کیلئے اس جواب کو یہاں ذکر کرتا ہے۔ وہ یہ کہ احکام الہیہ اور فرمان حبیب ﷺ کے بیان میں بے باکی اس فقیر نے حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی قدس سرہ العزیز سے سیکھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

یہ فقیر ساڑے آٹھ سال دربار عالیہ سیال شریف میں خدمت تدریس علوم اسلامیہ دیتا رہا ہے اس وقت موجودہ جدید دارالعلوم کسی کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا بندہ اور طلباء آستان شریف کی کوٹھڑیوں میں رہتے تھے۔ اور گرمیوں میں کمروں سے باہر الٹی چارپائیاں بچھا کر سوتے تھے کوئی بجلی نہیں تھی لالٹینوں کی روشنی پر مطالعہ کرتے تھے۔ دربار عالیہ پر بندہ صرف ایک مدرس تھا چونکہ کوئی علیحدہ مفتی نہیں تھا فتویٰ کا کام بھی بندہ کے سپرد تھا۔ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو علوم دینیہ پر پوری دسترس تھی اور بلند پایہ فقیہ تھے۔ بندہ اور شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا کئی مسائل پر شدید اختلاف ہو جاتا تھا لیکن آپ اس اختلاف کو بڑی خندہ پیشانی سے صرف برداشت ہی نہ کرتے بلکہ خوش ہو کر فرماتے کہ اس اختلاف سے مسئلہ کی پوری تحقیق ہو جاتی ہے اور موافق مخالف دلائل سب سامنے آجاتے ہیں۔ اس اختلاف کے باوجود عمل بندہ کے فتویٰ پر ہی ہوتا تھا۔ میری گستاخی کی یہ حد تھی کہ میں طالب علموں کے سامنے آپ کے خلاف دلائل دیتا تھا اور طلباء بھی اس گستاخی پر حیرت کا اظہار کرتے تھے کہ بندہ کو اسطرح نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ محسوس تک نہیں فرماتے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی اس عالی حوصلگی سے بندہ کے اندر حق گوئی کی جرأت پیدا ہوئی اور حق بیان کرنے میں کبھی مداہنت نہ کی۔ یہاں بندہ صرف چند مثالیں پیش کرتا ہے۔

مثال اول:۔ ضلع سرگودھا کے دو بڑے زمین دار تھے۔ اور دونوں سیال شریف کے مرید تھے۔ ان کے درمیان جائداد کا جھگڑا تھا جو کہ اربوں روپے مالیت کی تھی۔ انہوں نے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو شرعی ثالث مقرر کیا اور اس فقیر کو فرمایا کہ تم بمنزلہ سرکاری وکیل کے ہو۔ تم میری مدد کرنا جب ان سے ایک فریق نے یہ معلوم کیا کہ حضرت شیخ

الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اس فقیر کی بات پر زیادہ توجہ فرماتے ہیں تو اس فریق نے بندہ کے ساتھ علیحدہ ملاقات کی اور بڑی رشوت کی پیشکش کی۔ تو بندہ نے یہ کہہ کر پیشکش ٹھکرادی کہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ جب کوئی بات مجھ سے پوچھتے ہیں تو پہلے کلمہ شریف پڑھواتے ہیں اب میں کلمہ پڑھ کر کیسے غلط مشورہ دے سکتا ہوں۔؟ اور اگر میں بالفرض غلط مشورہ دوں تو چونکہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں وہ فوراً فرمادیں گے کہ تم غلط مشورہ دے رہے ہو۔ تو پھر تم کو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ جب حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو بہت خوش ہوئے۔ اور تحسین فرمائی اس کے بعد اس فقیر پر ان کی شفقت زیادہ ہوگئی۔

مثال دوم:۔ سیال شریف کا ایک آدمی تھا جو کہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی زرعی زمینوں کا انچارج تھا اس کے ایک لڑکے کی شادی تھی جب شادی کی تاریخ مقرر ہوئی تو عورتوں نے شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو آکر کہا کہ اس لڑکے کی جس لڑکی کے ساتھ شادی ہو رہی ہے دونوں نے فلاں عورت کا دودھ پیا ہے یہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہیں۔ تو شیخ الاسلام نے اس کا تذکرہ بندہ کے ساتھ کیا اور میری رائے دریافت کی تو بندہ نے عرض کی چونکہ دودھ کی گواہ صرف عورتیں ہیں ان کے ساتھ کوئی مرد نہیں ہے لہذا ان کی شہادت کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ تو شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے میری رائے کے خلاف دلائل دیئے لیکن بندہ نے وہ دلائل ماننے سے معذوری ظاہر کردی۔ تو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہوگئے۔ جب شادی کا دن آگیا اور شادی والوں کے گھر ڈھول اور باجے بجنے لگے تو شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے فرمایا کہ اگر اب بھی تم اپنی رائے بدل لو اور دودھ کا فتویٰ دے دو تو میں ابھی جا کر شادی بند کرادوں۔ لیکن میں نے اپنی رائے تبدیل کرنے سے معذوری ظاہر کردی اور وہ شادی بخیر و خوبی سرانجام

پائی۔حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ان عادات واخلاق نے بندہ کے اندر حق گوئی کی جرأت پیدا کی۔تو جب حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی قدآور شخصیت بندہ کیلئے بیان حق سے مانع نہ ہوئی تو آج کل کے مخصوص علماء و مشائخ کا احترام بندہ کیلئے حق گوئی سے کیسے مانع ہوسکتا ہے۔؟اس حق گوئی کے باوجود وہ علماء ومشائخ جو فرقہ باغیہ کی تائید وحمایت کیلئے ۲۲ مارچ کولاہور میں اکٹھے ہوئے بندہ ان کا پورا پورا احترام کرتا ہے اور مذکورہ بالا حق گوئی ان کے احترام کے منافی نہیں ہے بلکہ جو کچھ تحریر کیا گیا اس کی بنا خیر خواہی پر ہے۔

مثال سوم:۔ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ بھی اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر تھے اور ہر دور کے صدور آپ کا بڑا احترام کرتے تھے بندہ نے ایک دفعہ آپ کو عرض کیا کہ آپ اعلیٰ حکام پر کیوں زور نہیں دیتے کہ وہ پاکستان میں نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نافذ کریں تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے ہر دور کے صدروں پر پورا دباؤ ڈالا ہے لیکن وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نظام شریعت نافذ کرنے پر تیار ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ پاکستان کے تمام مکاتب فکر ایک متفقہ اسلامی آئین ہمارے سامنے پیش کریں کیونکہ اگر حکومت ایک مکتبہ فکر کا اسلامی آئین نافذ کرے تو دوسرے مکاتب فکر بدامنی اور امن وامان کا مسئلہ پیدا کردیں گے۔تو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے پاس حکومت کی اس شرط کا کوئی جواب نہیں ہے بندہ نے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو ایک جواب عرض کیا جس کو آپ نے پسند فرمایا بندہ نے یہ جواب دیا کہ جو سیاسی پارٹیاں ہیں ان کے اپنے اپنے منشور ہیں جو کہ مذہبی منشور نہیں ہیں بلکہ سیاسی منشور ہیں اور یہ پارٹیاں اپنے اپنے علیحدہ منشور ترک کرکے ایک منشور پر متفق ہونے پر تیار نہیں ہیں تو مسلمانوں کے مکاتب فکر جن کی مدار مذہب پر ہے وہ اپنا اپنا مذہب چھوڑ کر ایک مذہب پر کیسے

متفق ہو سکتے ہیں متفقہ اسلامی آئین اس وقت پیش کیا جا سکتا ہے جب ہر مکتبہ فکر اپنا مذہب اور دین چھوڑنے پر تیار ہو اور یہ عادت محال ہے۔ دراصل حکومت کا یہ ایک بہانہ ہے کہ پاکستان میں نظام شرعی نافذ نہ ہو سکے۔ کیونکہ نہ مذہبی پارٹیاں اپنا اپنا مذہب ترک کریں گیں اور نہ متفقہ آئین تیار ہوگا اور حکمران بڑے آرام سے حکومت کرتے رہیں گے جب ان کو کوئی اسلامی آئین کے متعلق کہے گا تو وہ مکاتب فکر کو بدنام کریں گے کہ ہم تو نفاذ اسلام کیلئے تیار ہیں مسلمانوں کے یہ مذہبی مکاتب فکر کسی ایک آئین پر متفق نہیں ہوتے اس کے بعد بندہ نے عرض کیا کہ یہ جمہوریت کا دور ہے کئی انتخابی ادارے ہیں جو کہ بنیادی جمہوریت کے انتخاب سے شروع ہوتے ہین اور مرکزی اسمبلی کے انتخاب تک جاتے ہیں اس کے بعد صدر مملکت اور وزیر اعظم اور وزراء اعلی کا انتخاب ہوتا ہے اب سب کی مدار جمہوریت اکثریت پر ہے۔

انتخاب میں وہی کامیاب قرار دیا جائے گا جس نے اکثریت سے ووٹ حاصل کئے ہوں کسی مرحلہ پر یہ شرط نہیں ہے کہ کامیاب وہ ہوگا جس کو اپنے حلقہ انتخاب میں تمام ووٹ حاصل ہوں۔ مثلاً وزیر اعظم وہ ہوگا کہ مرکزی اسمبلی کے تمام اراکین اس پر متفق ہوں تو بندہ عرض کرتا ہے کہ نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ میں یہ جمہوری اور اکثریت والا طریقہ کیوں اختیار نہیں کیا جاتا۔؟ پاکستان میں جس مکتبہ فکر کی اکثریت ہے کتاب وسنت کا نظام اس مکتبہ فکر کی تشریح کے مطابق نافذ کیا جائے۔ غور کریں اکثریت دو قسم ہے۔

اول:۔ سادہ اکثریت۔ دوم:۔ دو تہائی اکثریت۔ پاکستان میں حنفی مذہب کے پیروکاروں کی اکثریت ہے سادہ اکثریت تو واضح ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کیلئے دو تہائی اکثریت ضروری ہے تو حنفی مذہب یہ شرط پوری کرنے کیلئے تیار بھی ہے۔

کیونکہ پاکستان میں دو بڑے مکتبہ فکر ہیں علماء بریلوی اور علماء دیوبند یہ دونوں حنفی مذہب کے پیروکار ہیں اگر ان ہر دو کو اکٹھا کیا جائے تو دوسرے مکاتب فکر آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں۔ صدر ضیاء الحق مرحوم نے اپنی صدارت کے تحفظ کیلئے ریفرنڈم کرایا تھا۔ کیا اسلامی آئین کے نفاذ کیلئے ریفرنڈم نہیں کرایا جاسکتا۔؟ حکومت کا یہ کہنا کہ ایک مکتبہ فکر جو کہ اکثریت میں ہے کی تشریح کے مطابق اگر نظام اسلام نافذ کیا جائے تو اقلیتی فرقہ بدامنی پیدا کرے گا تو حکومت کا یہ عذر بھی غیر معقول اور نامقبول ہے۔ کیونکہ اقلیتی فرقہ کو سمجھایا جاسکتا ہے کہ یہ جمہوریت کا دور ہے جب آپ لوگ اپنی اکثریت ثابت کردیں گے تو پھر اسلامی آئین میں آپ کی تشریح کو قبول کر کے آپ کا پسندیدہ آئین نافذ کردیا جائے گا۔

اور پھر دوسرے مکاتب فکر کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ تو اس جواب سے اقلیتی فرقہ ضرور مطمئن ہو جائے گا اور بدامنی کا خطرہ پیدا نہ ہوگا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ وزیراعظم اور وزیراعلیٰ کے انتخاب کیلئے جب اسمبلی میں ووٹنگ ہوتی ہے تو یہ نہیں کہا جاتا کہ وزیراعظم اور وزیراعلیٰ وہ ہوگا جس پر ساری اسمبلی متفق ہو کیونکہ اگر اکثریت کی بنا پر وزیراعظم اور وزیراعلیٰ کا انتخاب ہو تو جو ارکان اسمبلی اقلیت میں ہیں جس کو اپوزیشن کہا جاتا ہے یہ بدامنی پیدا کریں گے۔ تو یہاں بھی اقلیت اور اپوزیشن کو یہی کہا جائے گا کہ تم اسمبلی میں اکثریت ثابت کرو۔ تو وزیراعظم اور وزیراعلیٰ بھی آپ کے فرقہ سے لئے جائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ اسمبلیوں اور وزیراعظم اور وزیراعلیٰ کے انتخاب اور نظام مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ بالکل ایک طرز پر ہیں۔ تو جب اسمبلیوں اور وزراء کے انتخاب کی مدار اکثریت پر ہے تو نظام اسلام کے نفاذ میں اس اکثریت کو کیوں اپنایا نہیں جاتا۔؟ اور حکومت کا یہ عذر کہ جب تک اقلیتی مکاتب فکر متفق نہ ہوں آئین

اسلامی نافذ نہیں کیا جا سکتا تو یہ اس طرح ہے جیسا اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل میں مستقل ارکان کو ویٹو پاور کا اختیار ہے۔ مطلب یہ کہ سلامتی کونسل کے سینکڑوں ارکان ہیں لیکن اگر یہ سارے کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں تو کونسل کے مستقل ارکان سے صرف ایک مثلاً امریکہ یا روس اکثریت کی رائے کو مسترد کر کے اکثریت کی رائے کو غیر مؤثر اور بے اثر کر سکتا ہے جس کو ویٹو کہا جاتا ہے۔ تو اسی طرح حکومت پاکستان اقلیتی مکاتب فکر کو ویٹو کا اختیار دے کر اکثریت کو غیر مؤثر کرنا چاہتی ہے جو کہ بالکل غیر معقول اور نامقبول ہے۔

حررہ الفقیر عطاء محمد چشتی گولڑوی بندیالوی عفی عنہ

۲۷ شوال ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۳ مئی ۱۹۹۰ء

ومطابق ۱۰ جیٹھ ۲۰۴۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قبلہ استاذی المکرم رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ رسالہ عورت کی حکمرانی کے جواب میں قاضی غلام محمود ہزاروی صاحب نے بے جا خامہ فرسائی فرمائی ہے جس کو انہوں نے ماہنامہ القول السدید لاہور میں چار قسطوں میں شائع کیا ہم اس کی پہلی قسط کو قارئین کی نظر کر رہے ہیں۔ پہلی قسط کا بھی صرف وہ حصہ تحریر کیا جائے گا جہاں تک قبلہ استاذی المکرم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا رد کیا ہے۔ یہ پہلی قسط القول السدید جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۱ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ ستمبر ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی۔ باقی تین اقساط اس کے اگلے شماروں میں شائع ہوئیں۔

﴿مولوی نذر حسین چشتی گولڑوی﴾

عورت کی حکمرانی کی شرعی حیثیت

﴿قاضی غلام محمود ہزاروی﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ

امابعد:۔سب سے پہلے اہل سنت کے دو حصوں میں بٹ جانے پر اظہار افسوس کرتا ہوں۔رہی یہ بات کہ اس میں قصور کس کا ہے سچی بات تو یہی ہے کہ قصور دونوں کا ہے جس کی وضاحت میں آگے چل کر کروں گا انشاء اللہ۔

کیونکہ میں کسی بھی فریق کا ایسا حمایتی وطرف دار نہیں ہوں کہ اس کی غلط بات کو بھی صحیح قرار دینے کی بے جا سعی کروں۔اور جس کسی نے بھی اس قسم کی کوئی کوشش کی ہے یا کر رہا ہے وہ بلاشبہ حقیقت سے دور خلاف واقعہ اور مذموم ہے۔اور سب کو یہ بات خوب سمجھ لینی چاہیے کہ اصلیت پر پردہ ڈالنے سے وہ ہمیشہ چھپ کر نہیں رہ سکتی۔اور علماء بھی اگر حق کو چھوڑ دیں تو پھر وہ علماء حق نہیں ہوں گے بلکہ علماء سوء کہلائیں گے۔

مولانا عطاء محمد بندیالوی صاحب کی فروگزاشتیں

اب اس ضمن میں مولانا عطاء محمد صاحب بندیالوی کا تحریر کردہ کتابچہ فقیر کی نظر سے گزرا ہے جس میں کچھ اس قسم کی کوشش کی گئی ہے اور بہت سی غلط باتیں لکھ دی ہیں جن میں بعض یہ ہیں۔

اولاً:۔بعض اکابرین کا یہ کہنا کہ اگر صدر ایوب، ذوالفقار علی بھٹو اور ضیاء الحق نظام

اسلامی نافذ کر دیتے تو اختلاف ختم ہو جاتا۔حالانکہ اسلامی نظام صرف شرعی امام نافذ کرا سکتا ہےاوران مذکورہ صدور کا پاکستان میں نظام شرعی نافذ کرنا ایسا ہی ہے جیسے امریکہ،فرانس اور ماسکو کے حکمران اپنے اپنے ملکوں میں نظام شرعی نافذ کر دیں۔

(عورت کی حکمرانی صفحہ ۱ اور ۲)

نوٹ:۔ہم یہ بات علم کلام کے مستند حوالے سے ثابت کریں گے کہ قریشی امام نہ ہونے کی صورت میں ہر ذی شوکت اقامت الحدود وتنفیذ احکام کر سکتا ہے نیز بندیالوی صاحب کے مسلم امام کا حوالہ بھی پیش کریں گے کہ مذکورہ بالا حکام نظام مصطفیٰ نافذ کر سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

ثانیاً:۔ بندیالوی صاحب لکھتے ہیں کہ اس وقت پاکستان کے مسلمان اوران کے آباؤ اجداد ومشائخ اکابرین تقریباً پانچ صد سال ماضی میں بغیر امام گزرے ہیں اور نظر بظاہر ان کی موت جاہلیت کی موت ہے لیکن موجودہ دور کے مسلمانوں نے کبھی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی کہ ہم اس واجب کو ادا کریں جو کہ ہمارے اکابرین سے متروک چلا آرہا ہے۔

(عورت کی حکمرانی صفحہ نمبر ۷)

اس کے بعد بندیالوی صاحب نے اسلاف اور اکابرین کو تقرر امام میں معذور تسلیم کر لیا ہے لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ عذر کون سا اور کس نوعیت کا تھا جب کہ ان کو پوری تفصیل سے بتانا چاہئے تھا۔بندیالوی صاحب کو شاید یہ اندازہ نہیں کہ وہ جو الفاظ ماضی یا حال کے بزرگوں کے بارے میں استعمال کر رہے ہیں وہ انتہائی سخت ہیں تو ان کا مصداق متعین کرنے کیلئے پوری تفصیل چاہئے جو کہ یہاں ندارد۔

اور پھر موجودہ دور کے عوام، علماء اور مشائخ کو وہ تقرر امام کے سلسلے میں معذور نہیں بلکہ کامل مختار قرار دیتے ہیں۔

بندیالوی صاحب مزید لکھتے ہیں۔

جن پانچ ہزار علماء نے عبدالستار خان نیازی کو صدر منتخب کیا ہے ان کی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہوگی۔ (رسالہ مذکورہ صفحہ نمبر ۱۲)

یہ سب (پانچ ہزار علماء ومشائخ) باغی اور گردن زدنی ہیں۔

(رسالہ مذکورہ صفحہ نمبر ۳۹)

مزید لکھتے ہیں کہ بندہ ان علماء ومشائخ کو چیلنج کرتا ہے کہ وہ فرق بتائیں کہ انہوں نے اور ان کے آباؤ مشائخ نے غیر ہاشمی کی سربراہی کو تسلیم کرلیا۔ حالانکہ یہ خبر متواتر کے اور اجماع صحابہ کے خلاف ہے جس کا انکار کفر ہے۔۔۔الخ۔ (رسالہ مذکورہ صفحہ ۲۴)

نوٹ:۔ ہم انشاءاللہ تعالیٰ آگے چل کر اس پر کلام کریں گے اور بندیالوی صاحب سے برملا پوچھیں گے کہ جب ۱۹۷۷ء میں ان کے مسلم قریشی امام نے مفتی محمود دیوبندی کی صدارت کو تسلیم کر کے اس کو اپنا امام مان لیا تھا تو ان کے متعلق بندیالوی صاحب کیا حکم شرعی صادر کریں گے۔؟ نیز یہ بھی پوچھیں گے کہ بندیالوی صاحب اب اس موقع پر اتنے سیخ پا ہو رہے ہیں تو اس وقت یہ کیوں خاموش رہے تھے۔؟

ثالثاً:۔ بندیالوی صاحب لکھتے ہیں کہ عورت صدر کے علاوہ وزیر اعظم چیف جسٹس وغیرہ سب کچھ ہو سکتی ہے۔ (رسالہ مذکورہ صفحہ ۳ اور ۲۹)

بندیالوی صاحب لکھتے ہیں کہ پاکستان میں دو بڑے مکتبہ فکر ہیں علماء بریلوی اور

علماء دیوبند۔ یہ دونوں حنفی مذہب کے پیروکار ہیں ۔اگران دوکو اکٹھا کیا جائے تو دوسرے مکاتب فکر آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں۔

نوٹ:۔ بندیالوی صاحب کے یہ الفاظ (عبارت) پاکستان کے اندر اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں ہیں۔ چنانچہ اس عبارت سے متصل پہلے ان کی یہ عبارت ہے۔ ''اوراگر یہ کہا جائے کہ اس ملک میں سنی حنفی نظام نافذ کرنے کیلئے دوتہائی اکثریت ووٹروں کی (جوکہ ایسے نظام کے حق میں اپنا ووٹ استعمال کریں) ضروری ہےتو حنفی مذہب یہ شرط پوری کرنے کیلئے بھی تیار ہے''(عورت کی حکمرانی صفحہ ۵۵)

اب اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ بندیالوی صاحب بریلویوں اور دیوبندیوں کے اتحاد کے خواہ وہ ایسے مقصد کیلئے ہی ہو قائل ہیں۔ جبکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ رضویہ کی تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیوبندیوں کے ساتھ کسی بھی ایسے مقصد کیلئے اتحاد شرعاً نہیں ہوسکتا۔ ہم انشاء اللہ اسی رسالہ میں آگے چل کر وہ تصریحات پیش کریں گے۔

خامساً:۔ بندیالوی صاحب لکھتے ہیں کہ '' ہاشمی کا امام ہونا اور غیر ہاشمی کا امام نہ ہونا یہ خبر متواتر سے ثابت ہے ''(رسالہ مذکورہ صفحہ ۲۳)

نوٹ:۔ غیر ہاشمی کا امام نہ ہونا کسی خبر متواتر سے ثابت نہیں کیونکہ امام کیلئے قریشی ہونے کی شرط ہے ہاشمی ہونے کی نہیں اور بندیالوی صاحب ہاشمی ہونے کی شرط کو ہرگز ثابت نہیں کرسکتے اور خود بندیالوی صاحب کے اپنے کلام میں تضاد ہے کیونکہ یہاں تو یہ لکھ رہے

ہیں کہ " غیر ہاشمی کا امام نہ ہونا یہ خبر متواتر سے ثابت ہے " اور اسی رسالہ میں دوسری جگہ پر لکھتے ہیں کہ

" اور وہ امام قریش سے ہوگا اور غیر قریشی نہیں ہوگا اور امام کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ نبی ہاشم سے ہو۔(رسالہ مذکورہ صفحہ ۲۰ بحوالہ شرح عقائد نسفی)

نوٹ:۔ یہ بات تو بحوالہ ہے لیکن بندیالوی صاحب کی پہلی بات بلا حوالہ ،غیر مدلل اور غیر صحیح ہے۔

سادساً:۔ بندیالوی صاحب لکھتے ہیں کہ عقائد نسفی کا مصنف علامہ نسفی ہے جو کہ حنفی اور صاحب ہدایہ کا استاد ہے۔(عورت کی حکمرانی صفحہ ۴)

یہ بات صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ عقائد نسفی کا مصنف محمد بن محمد ابوالفضل برہان نسفی ہے۔جن کی وفات ۶۸۶ھ میں ہوئی۔اور امام ابوحنیفہ کے مشہد کے پاس مدفون ہوئے۔ البتہ علامہ علی قاری نے ان کا سن وفات ۶۷۹ھ ذکر کیا ہے۔

یہ تو تھا کسی قدر تمہیدی کلام اب ہم ان چھ سات مذکورہ امور میں کسی قدر تشریح و تفصیل کے ساتھ مستقل ابواب میں یوں ذکر کریں گے کہ ان میں سے ہر مسئلہ ایک مستقل باب میں مذکور ہوگا تا کہ ناظرین کو تلاش میں آسانی ہو۔اور یقین کیجئے کہ میرا مقصد اس سے صرف اصلاح ہے نہ فساد اور نہ ہی کسی شخصیت سے عناد۔

باب اوّل

قریشی امام کے کسی وجہ سے دستیاب نہ ہونے یا کہ ایسے جامع شرائط امام کے نصب

کرنے پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں حکومت وقت اسلامی نظام نافذ کرسکتی ہے۔ علامہ سعدالدین تفتازانی المتوفی ۷۹۱ھ فرماتے ہیں۔

"واما اذا لم یوجد من قریش من یصلح لذالك او لم یقتدر علی نصبه لا ستیلاء اهل الباطل وشوكة الظلمة وارباب الضلالة فلا كلام فی جواز تقلد القضاء وتنفیذ الاحكام واقامة الحدود وجمیع ما یتعلق بالامام من كل ذی شوكة كما ذا كان الامام القریشی فاسقاً او جابراً او جاهلًا فضلًا ان یكون مجتهداً و بالجملة مبنی ماذكر فی باب الامامة علیٰ الاختیار والا قتدار وا ما عند العجز والاضطرار واستیلاء الظلمة والكفار والفجار وتسلط الجبابرة الاشرار فقد صارت الریاسة الدنیویة تغلبیة وبنیت علیها الاحكام الدینیة المنوطة بالامام ضرورتاً ولم یعباء بعدم العلم والعدالة وسائر الشرائط والضرورات تبیح المحضورات (شرح مقاصد جلد ۲ صفحه ۲۷۷،۲۷۸)"

یعنی جب قریش میں ایسا آدمی نہ مل سکے جو حکومت کرنے کے قابل ہو یا مل تو سکتا ہو لیکن ایسے جامع شرائط امام کے نصب کرنے کی قدرت نہ ہو۔ جس کی وجہ اہل باطل کا غلبہ اور ظالموں اور گمراہوں کی شوکت ہو تو پھر ایسے حالات میں جو کوئی بھی برسر اقتدار ہو اس کی طرف سے قاضی مقرر کرنا شرعی احکام نافذ کرنا حدیں قائم کرنا اور تمام وہ کام کرنا جن کا تعلق امام کے ساتھ تھا بلاشبہ جائز ہے۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں جیسا کہ اس صورت میں جب کہ امام قریشی تو ہو لیکن عادل نہ ہو بلکہ فاسق ہو یا ظالم ہو یا کہ مجتہد ہونا تو درکنار عالم بھی نہ ہو بلکہ جاہل ہو تو وہ بھی باوجود اس کے کہ وہ جامع شرائط امام نہیں ہے احکام شرعیہ اور اسلامی نظام نافذ کرسکتا

ہے۔غرضیکہ امام کیلئے جو شرائط ذکر کیے ہیں وہ اس صورت میں ہیں جبکہ حالات قابو میں ہوں اور ایسے جامع شرائط امام کے مقرر کرنے پر پوری پوری قدرت حاصل ہو۔لیکن معذور و مجبور ہونے ظالموں کافروں فاسقوں فاجروں کے غلبے اور جابروں شریروں کے تسلط کی صورت میں دنیاوی ریاست تغلبی ہوجائے گی یعنی ایسی کہ جس پر نااہل لوگوں کا غلبہ ہو چکا ہو اور ایسے دینی احکام جن کا نفاذ جامع شرائط امام کے وجود پر موقوف تھا اب ان حالات میں ضرورت کے تحت ہر قسم کے برسر اقتدار طبقے کی طرف سے ان کا نفاذ ملک میں ہوسکتا ہے اور امام کیلئے عالم و عادل ہونے کی شرط اور یوں ہی دوسری شرائط کے نہ پائے جانے کی کچھ پرواہ نہیں کیونکہ قاعدہ ہے " الضرورات تبیح المحضورات " یعنی ضرورتیں اور مجبوریاں ممنوع چیزوں کو بھی مباح اور جائز قرار دے دیتی ہیں۔یہ تو تھی دلیل اور علم کلام کی معتمد و مستند کتاب کا حوالہ۔

اب آیئے بندیالوی صاحب کے قابل اعتماد اور مسلم امام کی رائے بھی اس مسئلہ میں ملاحظہ کر لیجئے۔دیکھئے مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ضیاء الحق اسلام سے مخلص ہوتے تو اسلام نافذ کر سکتے تھے۔(پندرہ روزہ ندائے اہل سنت لاہور ص ١٦۔ ١٦ تا ٣٠ جون ١٩٩٠ء)

اب دیکھئے نورانی صاحب فرمارہے ہیں کہ ضیاء الحق اسلام نافذ کر سکتے تھے مگر بندیالوی صاحب فرمارہے ہیں کہ اسلامی نظام نافذ کرنے کا اختیار صرف اور صرف شرعی امام کو ہے۔اور صدر محمد ضیاء الحق شرعی امام نہ تھے۔(عورت کی حکمرانی ص ٣)

ناظرین کرام! دیکھ لیا نا آپ نے کہ جناب مولانا بندیالوی صاحب حضرت مولانا نورانی صاحب کو ایک طرف جامع شرائط امام مانتے ہیں اور انہی کی وجہ سے پانچ ہزار علماء کرام

کو جہنمی و دوزخی قرار دے رہے ہیں۔ اور دوسری طرف ان کا فیصلہ اور کئی مسئلے ہیں ان کی ثالثی قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ویا للعجب کتنی عجیب بات ہے۔

باب دوم

بندیالوی صاحب بلا استثناء سب پر ایک ہی حکم لگائے چلے جا رہے ہیں جس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ شاید وہ نصب امام کو فرض عین قرار دیتے ہیں جس کا تعلق ہر آدمی کے ساتھ ہے اور بصورت کوتاہی کے وہ معتوب قرار پائے گا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ نصب و تقرر امام فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں۔

عورت کی حکمرانی کی شرعی حیثیت کا ردِّ بلیغ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِاَهۡلِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَهۡلِهِمَا

اما بعد:۔ جمیع اہل اسلام کو عموماً اور اہل علم کو خصوصاً واضح ہو کہ اس فقیر عطاء محمد چشتی بندیالوی نے ایک رسالہ تحریر کیا جس کا نام عورت کی حکمرانی رکھا گیا اس رسالہ میں تین مسائل کا ذکر کیا گیا اس سے نہ تو کسی کی تائید مقصود تھی اور نہ تردید بلکہ مقصد اہم مسائل کی تحقیق تھی تا کہ مسلمان حقیقت حال سے واقف ہوں اور جو ان میں کمی ۔ ہے یا فروگزاشت ہے اس کا تدارک کریں۔ جب یہ مسئلہ عوام اور اہل علم تک پہنچا تو اہل انصاف نے اسکو غور سے پڑھا اور جہاں کوئی شک پڑا اور کوئی بات سمجھ نہ آئی تو بندہ سے استفسار کیا نہ کہ سوال اور اعتراض اور ان ہر دو میں فرق واضح ہے۔ استفسار کی بنیاد خبث باطن پر نہیں ہوتی بلکہ مقصد صرف کسی مسئلہ کو سمجھنا ہوتا ہے اور سمجھنے کے بعد شکریہ ادا کرنا ہوتا ہے جیسا کہ شاگرد استاد سے پوچھتا ہے۔ برخلاف سوال اور اعتراض کے کہ ان ہر دو کی مدار حسد اور کینہ اور خبث باطن پر ہوتی ہے۔ سائل اور معترض کا مقصد دوسرے کی تضلیل اور اپنی لیاقت کا اظہار ہوتا ہے۔

بندہ کے رسالہ عورت کی حکمرانی کے متعلق اہل انصاف نے استفسارات کیئے اور بندہ نے ان کے جواب دیئے اور انکی تسلی ہوگئی اور اہل عناد نے اپنا خبث باطن ظاہر کرتے ہوئے رسالہ پر نہایت احمقانہ اور جاہلانہ اعتراض کیئے۔ کراچی سے ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب نے چند استفسار کیئے اور بندہ نے ان کا جواب دے دیا۔ استفسار اور اس کا جواب رسالہ احوال

کراچی میں شائع ہو چکے ہیں۔اب بندہ کو ایک اور رسالہ موصول ہوا ہے جس کا نام " القول السدید " ہے۔اور کسی صوفی محمد اللہ دتہ کی یاد میں تحریر کیا گیا ہے۔رسالہ میں متعددہ مسائل پر بحث کی گئی ہے اور آخر میں مصنف رسالہ نے بندہ کے رسالہ عورت کی حکمرانی پر بھی اظہار خیال کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ رسالہ کا نام جو القول السدید رکھا گیا ہے یہ برعکس نام نہند زنگی کا فور والا معاملہ ہے۔رسالہ کے مصنف کوئی قاضی صاحب ہیں جناب قاضی صاحب نے بندہ کے رسالہ کی عبارت میں بڑی قطع برید کر کے خیانت کا ثبوت دیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم دینیہ سے بالکل کورے کیت ہیں۔اور دقیق مسائل سمجھنے کی ان میں استعداد ہی نہیں ہے۔اب قاضی صاحب کی خیانت یا کم فہمی ملاحظہ ہو۔قاضی صاحب اپنے " رسلیا قبیحہ " کے صفحہ ۹۱ پر بندہ کے رسالہ عورت کی حکمرانی کے صفحہ نمبر ایک اور دو کی عبارت اس طرح نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔

﴿اولاً بعض اکابرین کا یہ کہنا کہ اگر صدر ایوب، ذوالفقار علی بھٹو اور ضیاء الحق نظام اسلامی نافذ کر دیتے تو اختلاف ختم ہو جاتا۔حالانکہ اسلامی نظام صرف شرعی امام نافذ کرا سکتا ہے اور ان مذکورہ صدور کا پاکستان میں نظام شرعی نافذ کرنا ایسا ہی ہے جیسے امریکہ، فرانس اور ماسکو کے حکمران اپنے اپنے ملکوں میں نظام شرعی نافذ کر دیں﴾

قاضی صاحب نے بندہ پر اس عبارت کے متعلق اتہام اور بہتان باندھا ہے۔بندہ کے رسالہ ص ۱ و ۲ پر یہ عبارت بعینہ ہرگز نہیں ہے۔قاضی صاحب کج فہمی کی وجہ سے مسئلہ امامت کو سمجھ نہیں سکے۔اس ص ۱ و ۲ پر یہ عبارت ہرگز نہیں ہے۔﴿حالانکہ اسلامی نظام صرف شرعی امام نافذ کرا سکتا ہے﴾ بندہ کے رسالہ کے ص ۱ و ۲ پر عبارت اسطرح ہے

ملاحظہ ہو۔

﴿بعض اکابرین نے صدر ایوب، ذوالفقار بھٹو اور ضیاء الحق کے دور حکومت میں یہ فرمایا تھا کہ ان سربراہان حکومت کے ساتھ ہمارا اختلاف صرف اس وجہ سے ہے کہ ان حکمرانوں نے باوجود قدرت کے نظام مصطفیٰ ﷺ کو پاکستان میں نافذ نہیں کیا اگر یہ نظام اسلامی نافذ کر دیتے تو ہم ان کو سربراہ تسلیم کر لیتے۔ اور ہمارا ان سے کوئی اختلاف نہ ہوتا﴾

یہاں تک بندہ نے اکابرین کی عبارت نقل کی ہے بندہ کا اس عبارت میں کوئی جملہ نہیں ہے خصوصاً قاضی پاک نمازی کا اتہام ﴿حالانکہ اسلامی نظام صرف شرعی امام نافذ کرا سکتا ہے﴾ اس کے بعد بندہ نے بعض اکابرین کا رد ان الفاظ میں کیا۔ ملاحظہ ہو۔ اگر مذکورہ حکمران پاکستان میں نظام شرعی نافذ کر دیتے تو یہ اس طرح ہوتا جیسے امریکہ فرانس اور ماسکو کے حکمران اپنے اپنے ملکوں میں نظام شرعی نافذ کر دیں۔ تو یہ حکمران ان ملکوں میں بسنے والے مسلمانوں کے شرعی امام ہرگز نہ ہونگے۔ اسی طرح پاکستان کے مذکورہ بالا حکام اگر پاکستان میں نظام شرعی نافذ کر دیتے تو یہ لوگ پاکستانی مسلمانوں کے شرعی امام ہرگز نہ ہوتے۔

قارئین قاضی صاحب کی خیانت پر غور کریں کہ قاضی صاحب نے جو جملہ بندہ کے ذمہ لگایا ہے وہ صفحہ ۱ و ۲ پر ہرگز نہیں ہے۔ ان دو صفحہ پر بندہ نے پہلے بعض اکابرین کی کلام نقل کی ہے اور اسکے بعد اکابرین کا رد کیا ہے۔ قاضی صاحب نے جس جملہ کا بہتان اس فقیر پر باندھا ہے وہ نہ تو اکابرین کی کلام ہے اور نہ ہی بندہ کی کلام میں ہے۔ جو صفحہ ۱ و ۲ پر تحریر کی گئی ہے قاضی صاحب کا بہتانی جملہ یہ ہے۔ ﴿حالانکہ اسلامی نظام صرف شرعی امام نافذ کرا سکتا ہے﴾ اب بندہ اپنی عبارت کا خود مطلب بیان کرتا ہے۔ اگر قاضی صاحب میں

جرأت ہے تو اس کا رد کریں۔

بعض اکابرین نے یہ فرمایا تھا کہ مذکورہ بالا پاکستانی حکمرانوں نے باوجود قدرت کے نظام مصطفی ﷺ کو پاکستان میں نافذ نہ کیا اگر یہ اسلامی نظام نافذ کر دیتے تو ہم ان کو سربراہ تسلیم کر لیتے۔ اور ہمارا ان سے کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ بندہ نے اس کا یہ رد کیا کہ اگر مذکورہ بالا پاکستانی حکام اسلامی نظام نافذ کر دیں تب بھی یہ شرعی امام اور سربراہ نہیں ہو سکتے۔ اور تقرر امام کے متعلق ہمارا اختلاف ان کے ساتھ باقی رہے گا کیونکہ شرعی امام کیلئے صرف یہ کافی نہیں کہ اسلامی نظام نافذ کرے جیسا کہ بعض اکابرین کو دھوکا ہوا ہے بلکہ شرعی امام کیلئے اور شرائط بھی ہیں جن سے اہم امام کا قریش ہونا ہے اور یہ شرط پاکستانی حکام میں مفقود ہے لہذا اسلامی نظام نافذ کرنے کے باوجود یہ لوگ شرعی امام نہیں ہو سکتے اور پھر آگے چل کر بندہ نے اس کی مثال دی ہے کہ اگر امریکہ فرانس اور ماسکو کے حکمران اپنے اپنے ملکوں میں شرعی نظام نافذ کر دیں تو یہ حکمران ان ملکوں میں بسنے والے مسلمانوں کے ہرگز شرعی امام نہیں ہوں گے۔

اب بندہ قاضی پاک نمازی سے دریافت کرتا ہے کہ اگر صدر ایوب، ذولفقار علی بھٹو اور صدر ضیاء الحق اپنے دور حکومت میں اسلامی نظام نافذ کر دیتے تو کیا آپ کے نزدیک وہ شرعی امام ہو جاتے جس کا تقرر علم کلام میں واجب قرار دیا گیا۔ اور جس کی معرفت سے مسلمانوں کی اسلامی موت ہوتی ہے اور عدم معرفت سے جہالت کی موت۔ اگر قاضی صاحب اثبات میں جواب دے دیں تو یہ حدیث متواتر اور اجماع صحابہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان حکمرانوں میں کوئی بھی قریشی نہیں تھا بعض پٹھان اور بعض آرائیں تھے۔ اور اگر قاضی صاحب نفی میں جواب دیں کہ اگر پاکستانی حکام مذکورہ بالا پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کر دیتے تو

تب بھی وہ شرعی امام نہ ہوتے اور شرعی امام جامع شرائط پاکستانی مسلمانوں کو اور تلاش کرنا پڑتا۔ تو اب قاضی صاحب نے اس فقیر کا دعویٰ تسلیم کر لیا۔ کیونکہ بندہ نے جو رسالہ لکھا ہے اس کا مقصد وحید یہی ہے کہ چھ صد سال سے مسلمان شرعی امام سے محروم چلے آرہے ہیں اور اب شرعی امام کا تقرر نہایت آسان ہے۔ لہذا تمام پاکستانی مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ تقرر امام میں کوشش کریں تاکہ ان کی موت اسلامی موت ہو اور جاہلیت کی موت سے بچ جائیں اور قاضی صاحب کو بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر تقرر امام کی سعی بلیغ کرنی چاہیے تاکہ ان کی موت بھی اسلامی ہو اور جاہلیت کی موت سے محفوظ رہیں لیکن آج کل کے قاضی کھانے پینے کے شوقین ہیں اور ان کو یہ دلچسپی نہیں ہے کہ موت اسلامی ہو یا جاہلیت اور ضلالت کی۔

یہی وجہ ہے کہ بندہ نے تقرر امام پر رسالہ تحریر کیا تو نام و نہاد قاضی صاحب سیخ پا ہو گئے اور خلط مبحث سے کام لیا۔ اب بندہ گزارش کرتا ہے کہ یہاں دو امر ہیں کہ قاضی صاحب ان میں فرق نہیں کر رہے ہے۔

امر اول:۔ تقرر امام جو کہ اجماعاً واجب ہے۔

امر دوم:۔ اسلامی نظام کا نفاذ جو کہ یہ بھی واجب ہے قاضی صاحب ان ہر دو میں فرق نہیں کر رہے ہے۔

بندہ اس بات پر زور دے رہا ہے کہ پہلے پاکستان میں تقرر امام کیا جائے اور پھر وہ اسلامی نظام نافذ کرے تو اب دونوں واجب ادا ہو جائیں گے۔ اور قاضی صاحب تقرر امام کو نظر انداز کر رہے ہیں اور صرف اس امر کی کوشش کر رہے ہے کہ اسلامی نظام نافذ کرنے کیلئے شرعی امام حامل شرائط کی ضرورت نہیں ہے ظالم اور باغی بھی یہ نظام مقدس نافذ کر سکتے ہیں۔

اب بندہ گزارش کرتا ہے کہ اگر قاضی صاحب کی یہ منطق تسلیم کر لی جائے کہ اسلامی نظام نافذ کرنے کیلئے شرعی امام جامع شرائط کی ضرورت نہیں ہے اور ظالم اور باغی بھی یہ نظام نافذ کر سکتا ہے تو تقرر امام جو کہ مستقل اجماعاً واجب ہے اور اس کی معرفت پر اسلامی موت اور عدم معرفت پر جاہلیت کی موت مترتب ہوتی ہے۔ قاضی صاحب نے اس کا کیا علاج سوچا ہے شاید قاضی صاحب کو اپنی اسلامی موت کے ساتھ دلچسپی نہیں ہے اور جاہلیت اور ضلالت کی موت سے نفرت نہیں ہے۔ اب بحث ذرا طویل ہوگئی ہے اسلئے بندہ بحث کو مختصر کرتا ہے اور قاضی صاحب کو چیلنج کرتا ہے کہ وہ اس کا جواب دیں۔

خلاصہ یہ کہ بندہ نے اپنے رسالہ عورت کی حکمرانی کے صفحہ ۱۰ و ۲۰ پر یہ ذکر کیا ہے کہ اگر صدر ایوب ذوالفقار علی بھٹو اور صدر ضیاء الحق اپنے دور حکومت میں اسلامی نظام نافذ کر دیتے تو یہ حکام پاکستانی مسلمانوں کے شرعی امام ہرگز نہ بنجاتے کیونکہ شرعی امام کیلئے قریش ہونا بڑی شرط ہے جو کہ ان حکام میں مفقود ہے اسی طرح امریکہ فرانس اور ماسکو کے حکام اگر اپنے اپنے ملکوں میں اسلامی آئین نافذ کر دیں تو یہ حکام ان ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کے شرعی امام نہیں بنجائیں گے جیسا کہ بعض اکابرین کا خیال ہے کہ اگر صدر ایوب وغیرہ اسلامی نظام نافذ کر دیتے تو ہم ان کو شرعی سربراہ حکومت تسلیم کر لیتے۔

اب بندہ قاضی صاحب کو چیلنج کرتا ہے کہ اگر مذکورہ بالا حکام اپنے اپنے ملکوں میں اسلامی آئین نافذ کر دیتے یا نافذ کر دیں تو کیا یہ حکام مسلمانوں کے شرعی امام ہو جاتے یا نہ۔؟ اگر قاضی صاحب اثبات میں جواب دیں تو یہ حدیث متواتر اور اجماع صحابہ کے خلاف اور خالص بے دینی اور جہالت ہے اور اگر جواب نفی میں ہے تو قاضی صاحب نے بندہ کا دعویٰ

تسلیم کرلیا پھر رد کا کیا معنی۔؟

بندہ نے اپنے رسالہ کے صفحہ نمبر ۱ و ۲ میں جس چیز کا ذکر کیا ہے قاضی صاحب نے اس کا رد نہیں کیا اور جس چیز کا ان صفحات میں ذکر نہیں اس کا رد کیا یہ مخبوط الحواس ہی کر سکتا ہے بندہ نے ان صفحات میں یہ ذکر کیا ہے کہ محض شرعی آئین نافذ کرنے سے کوئی حکمران شرعی امام نہیں ہوسکتا بلکہ اس کیلیے اور شرائط کا جامع ہونا بھی ضروری ہے اور ان شرائط سے ایک اہم شرط قریش ہے قاضی صاحب نے اس کا رد نہیں کیا بلکہ اگر وہ اگلے پچھلے بوڑھوں بزرگوں کو بھی اکٹھا کرلیں تو وہ بھی بندہ کے دعویٰ کا رد نہیں کر سکتے۔ بندہ نے ان صفحات میں ہرگز یہ نہیں کہا کہ ﴿اسلامی نظام صرف شرعی امام نافذ کرسکتا ہے﴾ اور قاضی صاحب اس کا رد کررہے ہیں شاید قاضی صاحب کی عمر ۲۰ ء سے تجاوز کرگئی ہے قاضی صاحب کو واضح ہو کہ آپ نرے ملّا ہیں بندہ مدرس ہے لہذا عبارت میں تقییدات پر غور کرلیں۔

بندہ کے رسالہ کے صفحہ نمبر ۱ و ۲ پر جو عبارت ہے اور قاضی صاحب نے اس کا رد کیا ہے بندہ اس کا دندان شکن جواب دے چکا ہے اگر قاضی صاحب میں حمیت ہو تو وہ اعتراف کرلیں کہ انہوں نے جھک ماری ہے۔ قاضی صاحب اپنے رسالہ کے صفحہ ۹۲ پر بندہ کا رد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں ﴿ہم یہ بات علم کلام کے مستند حوالے سے ثابت کریں گے کہ قریشی امام نہ ہونے کی صورت میں ہر ذی شوکت اقامت حدود و تنفیذ احکام کرسکتا ہے نیز بندیالوی صاحب کے مسلم امام کا حوالہ بھی پیش کریں گے کہ مذکورہ بالا احکام نظام مصطفیٰ ﷺ نافذ کر سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا﴾

جناب قاضی صاحب غیر محمود نے مذکورہ بالا عبارت میں علم کلام کا ذکر صرف رعب

ڈالنے کیلئے کیا ہے ورنہ وہ علم کلام کی ابجد سے بھی واقف نہیں اگر بندہ علم کلام کا سوال قاضی صاحب پر کرے تو ان کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔ بندہ یہاں علم کلام کے صرف دو سوال قاضی صاحب سے دریافت کرتا ہے۔

سوال اول:۔ حدیث شریف میں ہے:

﴿ان الجهنمی ضرسه مثل جبل احد﴾

یعنی دوزخی کی ڈاڑھ احد پہاڑ جیسی ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ جہنمی کی ضرس جس نے گناہ کیا تو وہ تقریباً ایک ماشہ کے برابر تھی اب جو اس کا مقدار قیامت میں احد پہاڑ کے برابر ہوگا تو ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ قیامت میں اور مادہ ملایا جائے گا حالانکہ یہ مادہ گناہ میں شریک نہیں تھا تو تعذیب بلا معصیت لازم آئے گی جو کہ خلاف عدل ہے۔

سوال دوم:۔ حدیث شریف میں ہے:

﴿ماشاء الله کان ومالم یشاء لم یکن﴾

سوال یہ ہے کہ کون وجود ہے اور عدم کون عدم ہے اور وجود اور عدم ہر دو مشیت ایزدی کے تابع ہیں تو مناسب یہ تھا کہ فرمایا جاتا ﴿ماشاء الله کان وما شاء الله لم یکن﴾ اس صورت میں وجود اور عدم ہر دو مشیت ایزدی کے تابع ہوتے۔ اب بندہ قاضی صاحب کی عبارت مذکورہ بالا پر بحث کرتا ہے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں ﴿قریشی امام نہ ہونے کی صورت میں ہر ذی شوکت اقامۃ الحدود و تنفیذ احکام کر سکتا ہے﴾ قاضی صاحب کی اس عبارت میں جو لفظ کر سکتا ہے اس کا معنی امکان اور قدرت ہے تو معنی یہ ہوگا کہ ہر ذی شوکت

کیلئے اقامۃ الحدود ممکن ہے اور محال نہیں اور یہاں بحث ممکن اور محال میں نہیں ہے کہ اقامۃ الحدود ممکن ہے اور ممتنع نہیں ہے بندہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ ہر ذی شوکت کیلئے ممکن ہے کہ اقامت حدود کرے مثلاً امریکہ فرانس اور ماسکو کے حکام ذی شوکت ہیں اور یہ اقامۃ الحدود اور تنفیذ احکام کر سکتے ہیں۔ یہاں بحث اس میں ہے کہ آیا ہر ذی شوکت اقامۃ الحدود اور تنفیذ احکام کرے تو کیا وہ اس ملک کے مسلمانوں کیلئے شرعی امام جس کا تقرر واجب ہے ہو جائے گا یا نہ۔؟

بندہ کہتا ہے کہ ہر ذی شوکت اپنے ملک میں اقامۃ الحدود اور تنفیذ احکام کرے یہ اس ملک کے مسلمانوں کیلئے شرعی امام نہیں ہوگا۔ اور اقامۃ الحدود اور تنفیذ احکام کے باوجود مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ تقرر امام جامع شرائط کو مقرر کریں محض اقامۃ الحدود سے یہ واجب ادا نہیں ہوتا۔ اس عبارت میں بھی قاضی صاحب نے خلط ملط کیا ہے۔ بحث اس میں ہے کہ ہر ذی شوکت غیر قریشی کہ اپنے ملک میں اقامت حدود کرتا ہے کیا یہ مسلمانوں کا شرعی امام ہے یا نہ۔؟ یہاں اس میں بحث نہیں ہے کہ ذی شوکت غیر قریشی اقامت حدود پر قادر ہے یا نہ۔ تو بحث اول میں تھی اور قاضی صاحب نے اس کو بحث دوم میں گھسیٹا ہے۔ اب بندہ قاضی صاحب سے دریافت کرتا ہے کہ ہر ذی شوکت غیر قریشی کہ اپنے ملک میں اقامۃ الحدود اور تنفیذ احکام کرتا ہے کیا آپ کے نزدیک شرعی امام ہے یا نہ۔؟ اگر یہ جواب دیں کہ شرعی امام ہے تو یہ محض بے دینی ہے کیونکہ شرعی امام کیلئے قریشی ہونا اہم شرط ہے اور حدیث متواتر اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے اور اگر یہ جواب دیں کہ محض اقامۃ الحدود اور تنفیذ احکام سے شرعی امام نہیں ہو سکتا تو آپ نے میری بات تسلیم کر لی پھر رد کیسا۔؟ تو آپ کو اپنی غلطی کا اعتراف کرنا چاہئے۔ دراصل قاضی صاحب کی عبارت سے بندہ کو دو شبہ ہوئے ہیں۔

شبہ اول:۔ قاضی صاحب وجوب تقرر امام کے خوارج کی طرح منکر ہیں اس لئے اس امر پر زور دیتے ہیں کہ ہر ذی شوکت غیر قریشی اقامۃ الحدود اور تنفیذ احکام کر سکتا ہے اگر چہ شرعی امام نہ ہو۔

شبہ دوم:۔ قاضی صاحب امام کے قریشی ہونے کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ بعض معتزلہ کا مذہب ہے۔ اس لئے اس پر زور دیتے ہیں کہ اقامۃ حدود کیلئے قریشی ہونا ضروری نہیں ہے یہ کام غیر قریشی بھی کر سکتا ہے۔ قاضی صاحب نے اپنے رسالہ کے صفحہ ۹۲ پر ﴿ نیز بندیالوی صاحب کے مسلم امام کا حوالہ بھی پیش کریں گے کہ مذکورہ بالا احکام نظام مصطفیٰ ﷺ نافذ کر سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا ﴾

قاضی صاحب کی یہ عبارت علم و عقل سے بعید تر ہے جس کی چند وجوہ ہیں۔

وجہ اول:۔ بندہ کا کوئی مسلم امام ہے یہ صریح جھوٹ ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہر ذی علم جانتا ہے کہ کسی چیز کا ادراک اور معرفت اس کی تعریف سے حاصل ہوتی ہے مثلاً کوئی آدمی یہ نہیں جانتا کہ کلمہ کون اور کیا ہوتا ہے۔ تو اس کو کلمہ کی تعریف سمجھائی جائے گی تو وہ کلمہ کو سمجھ جائے گا۔ اسی طرح شرعی امام کا ادراک اور معرفت امام کی تعریف سے حاصل ہوگی۔ بندہ نے اپنے رسالہ عورت کی حکمرانی میں مستند کتب فقہ اور علم کلام سے امام کی تین تعریفیں ذکر کی ہیں۔

تعریف اول کا خلاصہ یہ ہے کہ امام وہ ہے جس کا تمام خلق پر تصرف عام ہو اور قریش سے ہو۔

تعریف دوم کا خلاصہ یہ ہے کہ امام اس ایک شخص کا نام ہے جس کو دین اور دنیا میں

ریاست عامہ حاصل ہو۔اور اسکی ریاست سے کوئی خارج نہ ہواور قریشی ہو۔

تعریف سوم کا خلاصہ یہ ہے کہ امام اس قریشی کو کہا جاتا ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہواور تمام امت پر اس کی اتباع واجب ہو۔

اب غور فرماویں پاکستان میں کوئی ایک قریشی نہیں ہے جس پر ان تعریفوں سے کوئی تعریف صادق آئے یعنی تمام مخلوق پر اس کا تصرف عام ہواور دین ودنیا میں اس کی ریاست عام ہواور وہ خلیفۃ الرسول ہو، ﷺ ۔اور تمام امت پر اس کی اتباع واجب ہو جب پاکستان میں بلکہ تمام عالم اسلام میں ایسا آدمی نہیں ہے تو قاضی صاحب کا بندہ کے متعلق یہ کہنا کہ کوئی اس فقیر کا مسلم امام ہے افتراء محض اور بہتان خالص ہے۔

وجہ دوم:۔ جب بندہ اپنے رسالہ میں تصریح کر چکا ہے کہ تقریباً پانچ صد سال سے پاکستانی مسلمان اوران کے آباؤ اجداد اور مشائخ امام سے محروم چلے آرہے ہیں تو پھر بندہ کا مسلم امام کون ہوسکتا ہے بندہ بھی تو انہی پاکستانیوں میں داخل ہے جو کہ محرومی کا شکار ہیں۔ تو اب قاضی صاحب کا بندہ کیلئے مسلم امام ثابت کرنا جہل محض ہے۔اور پھر مسلم امام کا حوالہ پیش کرنا تو حماقت کی انتہاء ہے۔اور پھر قاضی صاحب جس کو مسلم امام کہہ رہے ہین اگر اس نے یہ کہا ہے کہ:

﴿مذکورہ بالا حکام نظام مصطفیٰ ﷺ نافذ کر سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا﴾

تو اس کی توجیہ ہو سکتی ہے وہ یہ کہ یہ حکام خود عہدہ صدارت سے مستعفی ہو کر کسی قریشی جامع شرائط کو اس عہدہ پر مقرر کرتے اور وہ قریشی اسلامی نظام نافذ کرتا تو اب اس میں کیا قباحت ہے۔؟ اور یقیناً مذکورہ بالا حکام ایسا کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اور اس

کی مثال خود قرآن پاک میں موجود ہے۔

﴿قولہ تعالی۔ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ۔ الآیۃ﴾

یہاں سوال ہوتا ہے کہ کفار پر صرف ایمان واجب ہے نماز وغیرہ واجب نہیں تو کفار کو عذاب صرف ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہوگا نہ کہ ترک نماز سے۔ اور قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب ترک نماز کی وجہ سے ہوگا یہ حنفی مذہب ہے۔ تو احناف نے یہ جواب دیا کہ اگر کفار ایمان لاتے تو نماز ان پر فرض ہوتی اور اس صورت میں ترک نماز پر عذاب ہے۔ تو اب معنی یہ ہوگا کہ ہم نے ایمان کے بعد نماز نہیں ادا کی۔ قاضی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان علماء کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی کتاب کی عبارت پر کوئی اعتراض ہوتا ہو تو حتی الامکان اس کی توجیہ کرتے ہیں اور گاہے یہ توجیہ بھی ہوتی ہے کہ یہ سہو قلم اور ناسخ ہے۔ لیکن قاضی صاحب نے سمجھ لیا ہے ان کو صرف اعتراضوں کیلئے اور افتراء و بہتان گھڑنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے بعد جناب قاضی صاحب اپنے رسالہ کے صفحہ ۹۲ پر بندہ کے رسالہ کے صفحہ ۷ کی عبارت نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔

﴿ ثانیاً:۔ بندیالوی صاحب لکھتے ہیں کہ اس وقت پاکستان کے مسلمان اور ان کے آباؤ اجداد و مشائخ اکابرین تقریباً پانچ صد سال ماضی میں بغیر امام گزرے ہیں اور نظر بظاہر ان کی موت جاہلیت کی موت ہے لیکن موجودہ دور کے مسلمانوں نے کبھی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی کہ ہم اس واجب کو ادا کریں جو کہ ہمارے اکابرین سے متروک چلا آ رہا ہے۔

اس کے بعد بندیالوی صاحب نے اسلاف اور اکابرین کو تقرر امام میں معذور تسلیم کر لیا ہے لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ عذر کون سا اور کس نوعیت کا تھا جب کہ ان کو پوری

تفصیل سے بتانا چاہیئے تھا۔ بندیالوی صاحب کو شاید یہ اندازہ نہیں کہ وہ جو الفاظ ماضی یا حال کے بزرگوں کے بارے میں استعمال کر رہے ہیں وہ انتہائی سخت ہیں تو ان کا مصداق متعین کرنے کیلئے پوری تفصیل چاہیئے جو کہ یہاں ندارد ﴾

جناب قاضی صاحب کی یہ عبارت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جناب کو کتب مذہب کا مطالعہ نہیں ہے ورنہ وہ ایسی سخیف کلام نہ کرتے۔ غور فرماویں ہمارے آباؤ اجداد مشائخ اکابرین مدت مدید تک شرعی امام سے محروم رہے ہیں اسمیں تو شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہزاروں لاکھوں مشائخ اور اکابرین جنہوں نے کبھی مستحب بھی ترک نہ کیا اس اہم واجب کو کیوں ترک کیا جس پر اسلامی موت کی مدار ہے۔؟ تو اب اس سوال کا جواب لازمی ہے تو اب یہ مجمل جواب کافی ہے کہ وہ مشائخ معذور تھے اور معذور مکلّف نہیں ہوتا تو وہ تقرر امام کے بارے میں مکلّف نہ تھے۔ تو ان کی موت جاہلیت کی موت تب ہوتی کہ تقرر امام کی قدرت رکھتے اور پھر ترک کرتے۔ تو جب ان کو تقرر امام کی قدرت ہی نہ تھی تو اب انہوں نے کسی واجب کو ترک نہ کیا لہذا ان کی موت اسلامی ہوگی نہ کہ جاہلیت کی۔ تو اب یہ جواب کافی ووافی ہے کسی تفصیل کا محتاج نہیں لہذا مزید تفصیل طلب کرنی محض بلادۃ اور غباوۃ ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی مسجد میں پڑا ہوا ہے اور نماز با جماعت ہو رہی ہے اور وہ شامل نہیں ہے حالانکہ وہ بڑا شیخ ہے تو اب کوئی آدمی دریافت کرتا ہے کہ حضرت الشیخ نے نماز با جماعت کیوں نہیں پڑھی تو اس کو جواب دیا کہ حضرت الشیخ معذور اور غیر مکلّف ہیں تو اب یہ جواب کافی ہے۔

اب قاضی صاحب کی طرح تفصیل طلب کرنا کہ حضرت الشیخ کو کونسا عذر ہے یہ

تطویل بلا طائل ہے۔اور پھر بعض عذر ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔شاید قاضی صاحب علم بلاغت سے بھی بے بہرہ ہیں لہذا بندہ کا یہ کہنا کہ مشائخ معذور تھے کافی ہے۔مزید تفصیل کی ضرورت نہیں۔اب بندہ یہاں قاضی صاحب کی ایک شدید علمی لغزش بیان کرتا ہے کہ اگر باغیرت اہل علم اس پر مطلع ہو جائے تو دریا میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لے لیکن موجود دور کے قاضی ایسی لغزشوں کو اپنے لیے فخر جانتے ہیں۔لغزش ملاحظہ ہو۔قاضی صاحب نے مذکورہ بالا عبارت میں تحریر کیا ہے۔

﴿بندیالوی صاحب کو یہ اندازہ نہیں کہ وہ جو الفاظ ماضی یا حال کے بزرگوں کے بارے میں استعمال کر رہے ہیں وہ انتہائی سخت ہیں تو ان کا مصداق متعین کرنے کیلئے پوری تفصیل چاہئے جو کہ یہاں ندارد﴾

قاضی صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ ماضی اور حال کے بزرگوں کے متعلق جو الفاظ بندہ کے رسالہ میں مذکور ہیں یہ الفاظ بندہ نے اپنی طرف سے استعمال کئے ہیں اور پھر ان کا جواب بھی بندہ نے اپنی طرف سے دیا ہے کہ مشائخ معذور تھے اس لئے قاضی صاحب عذر کی تفصیل اور نوعیت طلب کر رہے ہیں لیکن یہ خیال بالکل باطل اور قاضی صاحب کی کم علمی پر مبنی ہے یہ سخت الفاظ نہ تو بندہ نے اپنی طرف سے استعمال کئے ہیں اور نہ ہی بندہ نے مشائخ کی طرف سے معذوری کا جواب دیا ہے بلکہ یہ سخت الفاظ جناب نبی کریم ﷺ نے استعمال کئے ہیں اور پھر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح عقائد میں ان الفاظ کو بڑی شدت سے دہرایا ہے اور اسکا مصداق متعین کیا ہے اور مشائخ کی طرف سے کوئی جواب نہیں دیا اور معذوری والا جواب علامہ خیالی نے دیا ہے اور صاحب نبراس نے اسکی ذرا تفصیل

بیان کی۔

بندہ تو سوال و جواب کا صرف ناقل ہے اب قاضی صاحب بندہ کو نہ تو یہ خطاب کر سکتے ہیں کہ بزرگوں کے بارے میں تم نے انتہائی سخت الفاظ استعمال کئے ہیں اور ان کا مصداق متعین کرنے کیلئے تفصیل چاہئے اور نہ ہی قاضی صاحب بندہ سے یہ سوال کر سکتے ہیں کہ عذر کونسا اور کس نوعیت کا تھا بلکہ قاضی صاحب ان لوگوں کو مخاطب کریں جنہوں نے یہ سخت الفاظ استعمال کئے اور پھر جواب میں مشائخ کو معذور قرار دیا۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ پہلے بندہ وہ سخت الفاظ ذکر کرتا ہے اور پھر یہ بتائے گا کہ یہ الفاظ کس نے استعمال کئے اور جواب کس نے دیا۔ الفاظ یہ ہیں جو کہ بندہ کے رسالہ صفحہ ۷ پر مذکور ہیں۔

﴿اس وقت پاکستان کے مسلمان اور ان کے آباؤ اجداد اور مشائخ اکابرین تقریباً پانچ صد سال ماضی میں بغیر امام گزرے ہیں اور نظر بظاہر ان کی موت جاہلیت کی موت ہے﴾

اس عبارت میں نظر بظاہر کے لفظ سے اجمالاً جواب کی طرف اشارہ ہے کہ جاہلیت کی موت باعتبار ظاہر کے ہے حقیقت میں نہیں ہے حقیقت میں ان کی موت اسلامی ہے اگر قاضی صاحب نظر بظاہر کے لفظ پر غور کر لیتے تو ان الفاظ کی سختی کم ہو جاتی اس کے بعد بندہ نے اسی صفحہ پر بایں الفاظ جواب دیا۔

﴿اس کا جواب آئندہ ذکر کرے گا کہ اسلاف اور اکابرین تقرر امام میں معذور تھے﴾

اب بندہ یہ ذکر کرتا ہے کہ یہ انتہائی سخت الفاظ کس نے استعمال کئے غور فرمادیں حدیث شریف میں ہے۔

﴿من مات ولم يعرف امام زمانه فقد مات ميتة جاهلية﴾

یعنی جو بھی مرا اور اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا اس کی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہے حدیث شریف میں جو لفظ من ہے یہ عام ہے اس میں علماء و مشائخ اور عوام مسلمان سب داخل ہیں اب ان میں سے جو فریق بھی فوت ہوا اور اس کو شرعی امام کی معرفت نہ ہو تو اس کی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہوگی۔ صاحب نبراس نے حدیث مذکورہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿والجاهلية هي الحالة التي كان الناس عليها قبل الاسلام اى مات مثل موت اهل الجاهلية وفيه تشديد عظيم﴾

یعنی جاہلیت اس حالت کو کہتے ہیں جس پر لوگ اسلام سے پہلے تھے اب حدیث شریف کا یہ معنی ہوا کہ جو آدمی بھی مرا اور امام کی معرفت اس کو حاصل نہیں ہے تو اس کی موت اہل جاہلیت کی موت کے مثل ہے۔ اس کے بعد صاحب نبراس نے فرمایا کہ اس حدیث شریف میں بڑی سخت اور انتہائی تشدید ہے۔ اب قاضی صاحب غور فرماویں جو انہوں نے میرے متعلق کہا ہے کہ شاید تم کو اندازہ نہیں کہ جو الفاظ تم نے ماضی اور حال کے بزرگوں کے بارے میں استعمال کیے ہیں وہ انتہائی سخت ہیں یہ انتہائی سخت الفاظ بندہ نے استعمال نہیں کیے بلکہ آنحضرت ﷺ نے یہ انتہائی سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں کیونکہ تشدید عظیم کا معنی انتہائی سخت الفاظ ہی ہیں۔ اب قاضی صاحب کو چاہئے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو خطاب کریں کہ جناب شاید آپ کو یہ اندازہ نہیں کہ جو الفاظ ماضی اور حال کے بزرگوں کے بارے میں استعمال کیے یہ انتہائی سخت ہیں تو ان کا مصداق متعین کرنے کیلئے پوری تفصیل چاہئے جو کہ یہاں ندارد۔

کیا قاضی صاحب ایسا خطاب کرنا پسند کریں گے۔؟ کسی نے خوب کہا ہے۔

﴿مفاسد قلة التدبر لا یسعها نطاق البیان﴾

یہاں تک یہ مذکور ہوا کہ یہ انتہائی سخت الفاظ ماضی وحال کے بزرگوں کے بارے میں بندہ نے استعمال نہیں کئے بلکہ سرور دو عالم ﷺ نے استعمال کئے ہیں۔ اس کے بعد حاشیہ نبراس ملاحظہ ہو۔

﴿قال ابو بکر رضی الله عنه فی خطبة المشهورة حین وفات النبی ﷺ الا ان محمدا ﷺ قد مات ولا بد لهذه الدین ممن یقوم به فبادر الکل الیٰ قبوله ولم یقل احد لا حاجة الیٰ ذالك بل اتفقوا علیه﴾

خلاصہ عبارت یہ ہے جب آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ پڑھا جو کہ مشہور ہے اور اس میں فرمایا کہ یقیناً آنحضرت ﷺ کا وصال اور انتقال ہو گیا ہے اور اس دین کیلئے ایسے آدمی کا ہونا ضروری ہے جو کہ اس دین کو قائم کرے۔ تو تمام صحابہ نے عجلت کے ساتھ اس کو قبول کیا اور کسی نے یہ نہ کہا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے بلکہ سب کا اس پر اتفاق ہوا کہ اس دین کیلئے ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو کہ اس دین کو قائم کرے۔

یہ عبارت نقل کرنے سے بندہ کا مقصد یہ ہے دین اسلام کو نافذ کرنے کیلئے ایک خاص آدمی کی ضرورت ہے اور وہ شرعی امام ہے ہر آدمی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ دین اسلام نافذ کرے۔ تو قاضی صاحب کا یہ کہنا باطل ٹھہرا کہ اسلامی آئین ہر فاسق وفاجر نافذ کرسکتا ہے اور اس پر بعد میں تفصیل سے بحث آئے گی۔

اب بندہ یہ ذکر کرتا ہے کہ بقول قاضی صاحب جو انتہائی سخت الفاظ علماء ومشائخ کے

بارے میں استعمال کیے گئے ہیں وہ بندہ کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کے الفاظ ہیں۔اور پھران الفاظ کو علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب نبراس نے وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔اب علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب نبراس رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

﴿واما بعد الخلفاء العباسية فالامر مشكل اذ ليس بعدهم خلافة لا كاملة لانقضاء ثلثين سنة ولا ناقصةٌ اذ لم يوجد بعدهم قرشي يكون له الرياسة العامة على بلاد الاسلام نصب غير القرشي لا يجوز فيلزم ان تعصى الامة كلها بترك نصب الامام﴾

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی سوالیہ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے قبل ازیں خلافت کے دو قسم ذکر فرمائے۔

قسم اول:۔ خلافت کاملہ جس میں مخالفت کی امیزش نہیں ہے اور خلیفہ نے حق کی مخالفت نہیں کی اور نہ ہی نبی ﷺ کی متابعت سے انحراف کیا اور یہ خلافت آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد صرف تیس (۳۰) سال ہے اور آخری خلیفہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ہیں۔

قسم دوم:۔ خلافت ناقصہ کہ اس میں مخالفت حق اور اتباع سے انحراف پایا گیا ہے تو خلافت کاملہ تیس سال تک اور اس کے بعد قیامت تک کبھی ہوگی اور کبھی نہیں ہوگی۔

اس کے بعد علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سخت سوال کیا ہے وہ یہ کہ خلافت عباسیہ کا آخری خلیفہ معتصم باللہ ہے اور اس کو تاتاری کفار نے تقریباً چھ صد ہجری میں بغداد میں قتل کیا۔ چھ صد ہجری تک مسلمانوں کا ایسا خلیفہ رہا جس کا تمام بلاد عالم پر تصرف عام رہا اور اس مدت

تک جو خلفاء ہوئے وہ تمام شرائط کے جامع اور قریشی تھے۔لیکن اس مدت کے بعد خلافت کا معاملہ بڑا مشکل ہے کیونکہ خلفاء عباسیہ کے بعد نہ تو خلافت کاملہ ہے کیونکہ کاملہ صرف تیس سال تک تھی جو بنو عباس کے زمانہ سے پہلے ختم ہوگئی۔اور بنو عباس کے بعد خلافت ناقصہ بھی نہیں کیونکہ خلافت کاملہ ہو یا ناقصہ ہر ایک میں خلیفہ کا قریشی ہونا ضروری ہے اور خلفاء عباسیہ کے بعد کوئی ایسا قریشی خلیفہ نہیں ہوا جس کی بلاد اسلام پر ریاست عامہ ہو۔

اور غیر قریشی کا تقرر نا جائز ہے اگر چہ اس کی بلاد اسلام پر ریاست عامہ ہو۔تو خلفاء عباسیہ کے بعد علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک اور پھر اس زمانہ سے ہمارے اور قاضی صاحب کے زمانہ تک تقریباً آٹھ صد سال تک تمام مسلمان خواہ عوام ہو یا علماء اور مشائخ،غوث وقطب،ابدال شرعی امام سے محروم رہے اور انہوں نے نصب امام کے وجوب کو ترک کیا اور تمام امت ترک واجب کی وجہ سے گناہگار ہوئی اور بظاہر ان کی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہوئی۔اب انصاف قاضی پاک نمازی کے ہاتھ ہے کہ ان کا بندہ کے متعلق یہ کہنا کہ تم کو اندازہ نہیں کہ جو الفاظ ماضی یا حال کے بزرگوں کے بارے میں استعمال کر رہے ہیں وہ انتہائی سخت ہیں تو ان کا مصداق متعین کرنے کیلئے پوری تفصیل چاہیئے جو کہ یہاں ندارد۔

اب قاضی صاحب کا مذکورہ بالا خطاب بندہ کو کرنا قاضی صاحب کی سادگی اور کم علمی اور کتب مذہب سے ناواقفی کی بین دلیل ہے۔قاضی صاحب کو کسی علمی کتاب کا رد لکھنے سے شرم آنا چاہیئے قاضی پر یہ مقولہ صادق آتا ہے۔

﴿بے حیاء باش ہر چہ خواہی کن﴾

بندہ دلیل سے ثابت کر چکا ہے کہ ماضی اور حال کے بزرگوں کے بارے میں انتہائی

سخت الفاظ بندہ نے ہرگز استعمال نہیں کیے بلکہ ابتداء میں آنحضرت ﷺ نے اجمالاً یہ الفاظ استعمال کیے اور پھر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب نبراس رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث مذکورہ بالا سے استنباط کر کے تفصیلاً انتہائی سخت الفاظ استعمال کیے۔ اب قاضی صاحب نے کم فہمی کی وجہ سے جو خطاب بندہ کو کیا ہے وہی خطاب سرور دو عالم ﷺ اور علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب نبراس رحمۃ اللہ علیہ کو کریں جس کی صورت یہ ہوگی کہ ان صاحبان کو یہ اندازہ نہیں کہ جو الفاظ ماضی یا حال کے بزرگوں کے بارے میں استعمال کر رہے ہیں وہ انتہائی سخت ہیں تو ان کا مصداق متعین کرنے کیلئے پوری تفصیل چاہیے جو کہ یہاں ندارد۔

اور اس خطاب سے قاضی صاحب اس مقولہ کا مصداق بنیں گے۔ ﴿بے حیاء باش ہر چہ خواہی کن﴾ اور پھر قاضی صاحب کی جہالت کی داد دینی چاہیے کہ وہ بندہ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ ان الفاظ کا مصداق متعین کرنے کیلئے تفصیل چاہیے جو کہ یہاں ندارد۔ اور قاضی صاحب کو پتہ نہیں چل رہا کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی تفصیل کے ساتھ ان الفاظ کا مصداق متعین کیا ہے جو کہ یہاں ندارد نہیں بلکہ دارد ہے۔ وہ مصداق یہ ہے کہ خلفاء عباسیہ کے بعد یعنی چھ صد ہجری سے لے کر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک اور علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے قاضی صاحب غیر محمود کے زمانہ تک تمام عوام اور علماء اور مشائخ جن میں قاضی کے آباؤ اجداد اور بزرگ داخل ہیں یہ سب شرعی امام سے محروم تھے اور واجب کو ترک کیا اور گناہگار ہوئے۔ اور نظر بظاہر ان سب کی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہے۔ اب قاضی صاحب ان الفاظ کے مصداق کی اس سے زیادہ کیا تفصیل چاہتے ہیں۔؟ یہاں تک بندہ نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ ثابت کیا کہ ماضی یا حال کے بزرگوں کے بارے میں جو انتہائی

سخت الفاظ بندہ کے رسالے میں ہیں یہ الفاظ بندہ نے استعمال نہیں کیے۔ بلکہ ابتداء میں آنحضرت ﷺ نے استعمال فرمائے اور پھر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث شریف سے استنباط کر کے انتہائی سخت الفاظ استعمال کیے۔

بندہ کے الفاظ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ سے نرم تر ہیں بندہ کے الفاظ میں یہ ہے کہ نظر بظاہر ان ماضی اور حال کے بزرگوں کی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہے نظر بظاہر کے الفاظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ حدیث شریف اور علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں نظر بظاہر کا لفظ نہیں ہے اور نہ کسی اور لفظ سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ حکم فی الحقیقت نہیں ہے خلاصہ یہ کہ بندہ کے الفاظ حدیث شریف اور علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ سے بہت نرم ہیں بلکہ انتہائی سخت تو کیا سخت ہی نہیں ہیں لیکن قاضی صاحب کی کم فہمی پر حیرت ہے کہ جن لوگوں نے اصالت انتہائی سخت الفاظ بزرگوں کے بارے میں استعمال کیے ہیں قاضی صاحب کو کم علمی کی وجہ سے اس کا تو علم ہی نہیں ہے اور یہ فقیر جو کہ ان لوگوں کے الفاظ نرم الفاظ کے بھیس میں نقل کر رہا ہے تو قاضی صاحب کو اس پر اعتراض ہے تو ان الفاظ کے تعین مصداق کا بندہ سے مطالبہ کر رہے ہیں حالانکہ ان الفاظ کے مصداق کا کتب مذہب میں تعین کر دیا گیا ہے لیکن قاضی صاحب میں اتنی لیاقت ہی نہیں کہ ان کتب مذہب کو سمجھ سکیں و اجمالتاہ قاضی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ بندہ کے رسالہ عورت کی حکمرانی کا ماخذ شرح عقائد اور اسکا حاشیہ خیالی اور شرح مواقف اور اس کے حواشی اور شرح مقاصد اور شرح تجرید ہیں۔

اب قاضی صاحب تو کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا۔؟

قاضی صاحب کے اساتذہ کو بھی یہ استعداد نہیں کہ وہ ان علمی کتابوں کو پڑھ یا پڑھا سکیں۔ قاضی صاحب غیر محمود اپنے رسالہ کے صفحہ ۹۲ پر بندہ کے رسالہ کے صفحہ ۷ سے ذیل کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

﴿بندیالوی صاحب نے اسلاف اور اکابرین کو تقرر امام میں معذور تسلیم کرلیا ہے لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ عذر کونسا اور کس نوعیت کا تھا جب کہ ان کو پوری تفصیل سے بتانا چاہئے تھا﴾

قاضی صاحب نے مذکورہ بالا عبارت میں بندہ کی اصل عبارت نقل نہیں کی بلکہ اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں ذکر کیا ہے بندہ کے رسالہ کی اصل عبارت یوں ہے۔

﴿بندہ نے قبل ازیں جو اسلاف اور اکابرین کے متعلق یہ کہا ہے کہ نظر بظاہر ان کی جہالت کی موت ہے تو اس کا جواب بندہ آئندہ ذکر کرے گا کہ اسلاف اور اکابرین تقرر امام میں معذور تھے﴾

قاضی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت میں جو یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ عذر کونسا اور کس نوعیت کا تھا یہ مطالبہ قاضی صاحب کی جہالت کم عقلی اور نادانی کی منہ بولتی تصویر ہے۔ بندہ نے قاضی صاحب کی طرح اختراعیات اور من گھڑت باتوں کو اپنے رسالے میں ذکر نہیں کیا بلکہ جو چیز کتب مذہب میں ہے اس کو نقل کیا ہے لیکن قاضی صاحب نے بندہ کو اپنے پر قیاس کر کے یہ سمجھ لیا کہ یہ اپنی طرف سے اختراع کر رہا ہے۔ لہذا مطالبہ بندہ سے کیا جا رہا ہے کہ چونکہ بندہ نے جو کچھ رسالہ میں ذکر کیا ہے یہ کتب مذہب سے نقل ہے لہذا عذر کی نوعیت کا مطالبہ قاضی صاحب کتب مذہب کے مصنفین سے کریں اور یہ امر واضح ہے کہ مصنفین نے کسی بات کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جو چیز واضح ہو اس کو ذکر نہیں کرتے اور پڑھنے والے کی عقل

اور فہم پر اعتماد کرتے ہوئے اسلئے ذکر نہیں کرتے کہ پڑھنے والا خود سمجھ لے گا عذر کی نوعیت بھی واضح تھی لہذا اس کو ذکر نہیں کیا عارف سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لئے فرمایا ہے کہ

﴿یک من علم را دہ من عقل باید﴾

اور قاضی یک من اور دس من تو کیا ایک رتی بھی علم و عقل سے عاری اور خالی ہیں تو وہ عذر کی نوعیت کو کیا سمجھیں گے۔؟ اب بندہ قاضی صاحب کی خدمت میں گزارش کرتا ہے کہ چھ صد ہجری سے لے کر آج تک جو عوام اور علماء و مشائخ بغیر امام کے چلے آرہے اور واجب کو انہوں نے ترک کیا اور تمام امت گناہگار ہوئی تو اس کا جواب علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا اور صاحب نبراس رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

﴿وقد یجاب بانہ انما یلزم معصیۃ لو ترکوہ عن قدرۃ واختیار لا عن عجز واضطرار فلا اشکال اصلاً﴾

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اعتراض کیا ہے علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا ہے۔ اعتراض کی تقریر اگرچہ گزر چکی ہے لیکن بعض فوائد کیلئے اعتراض کی دوبارہ تقریر کی جاتی ہے کیونکہ بندہ کا واسطہ بلید الطبع سے ہے جو کہ علم و دانش سے خالی ہے۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت کے متعلق شرح عقائد میں دو اعتراض کئے ہیں۔

اعتراض اول:۔ حدیث شریف میں ہے۔

﴿الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ الحدیث﴾

یعنی میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خلافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف تیس سال ہوگی

اور دوسری حدیث ہے۔

﴿من مات ولم یعرف امام زمانه فقد مات میتة جاهلية﴾

اس سے معلوم ہوا کہ جس مسلمان کو موت کے وقت اپنے زمانہ کے امام کی معرفت نہیں اس کی موت جاہلیت کی موت ہے اور یہ معرفت کا حکم قیامت تک ہے تو جب پہلی حدیث کے مطابق تیس سال کے بعد خلیفہ اور امام نہیں ہیں تو امام کی معرفت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو اب تیس سال کے بعد کسی مسلمان کو خلیفہ کی معرفت قیامت تک نہ ہوگی تو ساری امت گناہگار اور تارک واجب ہوگی اور ان کی موت جاہلیت کی ہوگی اور ساری امت ضلالت پر مجتمع ہوگی۔ اس سوال کو علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح عقائد میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے۔

﴿فان قيل فعلىٰ ماذكر من ان مدة الخلافة ثلثو ن سنة يكون الزمان بعد الخلفاء الراشدين خالياً عن الامام فتعصى الامة كلهم وتكون ميتتهم ميتة جاهلية﴾

علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حاشیہ میں اس کی دلیل بیان فرمائی ملاحظہ ہو۔

﴿لان ترك الواجب معصية والمعصية ضلالة والامة لا تجمع على ضلالة﴾

خلاصہ عبارت تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اور خیالی رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے تیس سال بعد کوئی خلیفہ اور امام نہیں ہوگا اور کسی کو امام کی معرفت نہ ہوگی۔ اب اس میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور علماء اور مشائخ اور عام مسلمان سب داخل ہیں ان سب کی موت نظر بظاہر جاہلیت کی موت ہوگی اور تارک واجب اور عاصی اور گناہگار اور ضلالت پر مجتمع ہوں گے۔

اب قاضی صاحب غور فرماویں کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ صحابہ تابعین اور تبع تابعین اور آئمہ مجتہدین کے بارے میں انتہائی سخت ہی نہیں بلکہ بہت زیادہ سخت ہیں۔ان الفاظ کے مقابلہ میں جو علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ نے ان بزرگوں کے بارے میں استعمال کئے ہیں جو خلفاء عباسیہ اور چھ صد ہجری کے بعد ہوئے ہیں۔ قاضی صاحب تو ان الفاظ پر حیران اور متعجب تھے جو ان بزرگوں کے بارے میں استعمال ہوئے جو چھ صد ہجری کے بعد پیدا ہوئے لیکن اب ان الفاظ سے انتہائی سخت الفاظ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ تابعین تبع تابعین آئمہ مجتہدین کے بارے میں استعمال کئے۔تو اب تو قاضی صاحب کی حیرانی اور تعجب انتہاء کو پہنچ گیا ہوگا چونکہ ہر دو قسم کے الفاظ بندہ کے نہیں ہیں، لہذا قاضی صاحب بندہ پر الزام نہیں لگا سکتے اور نہ ہی بندہ سے کوئی مطالبہ کر سکتے ہیں۔ یہاں تک علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے سوال اول کو بندہ نے تفصیل سے بیان کیا۔اب علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کا اعتراض دوم ملاحظہ ہو۔

اعتراض دوم:۔

﴿واما بعد الخلفاء العباسية فالامر مشكل اذ ليس بعدهم خلافة لا كاملة لانقضاء ثلثين سنة ولا ناقصة اذ لم يوجد بعدهم قرشي يكون له الرياسة العامة على بلاد الاسلام ونصب غير القرشي ولا يجوز فيلزم ان تعصى الامة كلها بترك نصب الامام﴾

اس اعتراض کی تفصیل قبل ازیں گزر چکی ہے۔علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے

اعتراض کا جواب دیا ہے کہ حدیث شریف میں جو وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد تیس سال تک خلافت ہوگی اور بعد میں قیامت تک نہ ہوگی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مطلق امامت تیس سال تک ہوگی اور بعد میں بالکل نہ ہوگی بلکہ مطلب یہ ہے کہ تیس سال خلافت کاملہ ہوگی اور بعد میں کبھی ہوگی اور کبھی نہیں یا یہ کہ تیس سال خلافت علی الولاء یعنی پے در پے ہوگی اور بعد میں خلافت علی الولاء یعنی پے در پے نہیں ہوگی کبھی ہوگی اور کبھی نہ ہوگی اور علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے اعتراض کا جواب نہیں دیا اور علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں اعتراضوں کا ایک مشترکہ جواب دیا ہے۔

جس کی عبارت پہلے نقل کی جاچکی ہے اب اس کا مطلب بیان کیا جاتا ہے۔ یعنی علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو دونوں سوالوں ماضی اور حال کے بزرگوں کے بارے میں انتہائی سخت الفاظ استعمال کئے ہیں کہ ان کی موت جاہلیت کی موت ہوگی اور یہ ساری امت واجب کی تارک ہوگی اور گناہگار ہوگی اور ضلالت پر مجتمع ہوگی اور یہ ساری باتیں اس وقت لازم آئیں گیں کہ امت تقرر امام کا وجوب قدرت اور اختیار سے ترک کرے حالانکہ خلفاء عباسیہ اور چھ صد ہجری کے بعد امت ترک واجب پر مضطر اور تقرر امام سے عاجز تھی اور عاجز اور مضطر مکلّف ہی نہیں ہوتا تو امت پر تقرر امام واجب ہی نہ تھا لہذا اس کے ترک سے امت نہ تو گناہگار ہوگی اور نہ ضلالت پر مجتمع ہوگی اور اسکی موت اسلامی موت ہوگی نہ کہ جاہلیت کی موت۔ تو اب بالکل کوئی اشکال نہیں نہ اشکال اول نہ اشکال دوم۔ علامہ صاحب نبراس رحمۃ اللہ علیہ نے یہی جواب علامہ شمس الدین خیالی رحمۃ اللہ علیہ سے دو مقام پر نقل کیا ہے۔

مقام اول:۔ حدیث امامت کے بعد عبارت ملاحظہ ہو:

﴿ویجب ان یخص بمن یمکنه النصب والبیعة ویتساهل فیه﴾

خلاصہ جواب یہ کہ حدیث امامت میں جو ہے کہ جو مسلمان مرا اور وہ اپنے زمانہ کے امام کی معرفت سے محروم رہا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے تو یہ وعید صرف اس مسلمان کے لئے ہے جو تقرر امام اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر قادر ہے اور پھر اس نے تقرر امام اور اس کے ساتھ بیعت سے مساہلت اور سستی کی لیکن جو مسلمان تقرر امام پر قادر ہی نہیں تو اس کے لئے یہ وعید نہیں ہے۔

مقام دوم:۔ جہاں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرا اعتراض کیا کہ خلفاء عباسیہ کے بعد امر مشکل ہے کہ ان خلفاء کے بعد آج تک لوگ شرعی امام سے محروم چلے آرہے ہیں لہذا ان کی موت جاہلیت کی موت ہے اور یہ سب ضلالت پر مجتمع ہیں اور انہوں نے ترک واجب کیا اور گناہگار ہوئے۔عبارت ملاحظہ ہو۔

﴿واجیب بانه لم یترکوه عن اختیار بل عن اضطرار والوعید علی الترک الاختیاری فلا اشکال﴾

یعنی خلفاء عباسیہ کے بعد جو مسلمانوں نے تقرر امام کو ترک کیا تو یہ ترک اختیار سے نہیں تھا بلکہ مجبوری کی وجہ سے تھا اور حدیث شریف امامت میں جو وعید ہے وہ اس صورت میں ہے کہ تقرر امام اختیار سے ترک کیا جائے۔اس تمام تحریر سے واضح ہو گیا کہ بندہ نے جو اپنے رسالہ عورت کی حکمرانی میں یہ ذکر کیا ہے ﴿اس وقت پاکستان کے مسلمان اور ان کے آباؤ اجداد اور مشائخ اکابرین تقریباً پانچ صد سال ماضی میں بغیر امام گزرے ہیں اور بظاہر ان کی موت جاہلیت کی موت ہے﴾

یہ انتہائی سخت الفاظ مذکورہ بالا مسلمانوں کے بارے میں بندہ نے استعمال نہیں کئے بلکہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ انتہائی سخت الفاظ مذکورہ بالا مسلمانوں کے بارے میں استعمال کئے ہیں اور علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا مصداق متعین کر دیا۔ اور پھر یہ انتہائی سخت الفاظ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث امامت سے مستنبط کئے ہیں چونکہ قاضی غیر محمود کو مذہبی کتابوں کا مطالعہ نہیں اور وہ علوم دینیہ سے بالکل جاہل اور نابلد ہیں اسلئے انہوں نے یہ انتہائی سخت الفاظ بندہ کی طرف منسوب کئے ہیں اور پھر بندہ سے مطالبہ کیا کہ تم نے جو یہ انتہائی سخت الفاظ استعمال کئے ہیں ان کا مصداق متعین کرنے کیلئے پوری تفصیل چاہئے جو کہ یہاں ندارد۔

اس کے بعد بندہ نے مشائخ کی طرف سے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے انتہائی سخت الفاظ کا جواب دیا ہے کہ مشائخ امام کا تقرر نہ کرنے میں معذور تھے یہ جواب بھی علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب نبراس رحمۃ اللہ علیہ نے دیا۔ یہ جواب بندہ نے نہیں دیا بندہ صرف ناقل ہے لیکن قاضی صاحب اپنی کم فہمی اور کم علمی کی وجہ سے یہ جواب بھی بندہ کی طرف منسوب کر کے بندہ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ یہ بتاؤ وہ عذر کونسا اور کس نوعیت کا تھا۔؟ اگر قاضی صاحب کو علم ہوتا تو وہ یہ مطالبہ علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ صاحب نبراس رحمۃ اللہ علیہ سے کرتے جنہوں نے یہ جواب دیا ہے نیز قاضی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب نامکمل ہے اور واضح نہیں ہے حالانکہ ہمارے مصنفین جو کہ بال کی کھال اُتارتے ہیں کوئی جواب نامکمل اور غیر واضح ذکر نہیں کرتے البتہ مصنفین بعض چیزیں ذکر کرتے ہیں اور بعض قاری کے عقل پر اعتماد کر کے ذکر نہیں کرتے کہ ذرا غور کرے گا تو بات سمجھ لے گا البتہ حیوان لا یعقل کی سمجھ

سے وہ متروکہ چیز بالاتر ہے۔ وہ سمجھنے سے معذور ہے اور اس کے نزدیک جواب نامکمل اور غیر واضح ہے۔

قاضی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب مکمل اور واضح ہے اور اس سے عذر کی نوعیت واضح ہے۔ اب بندہ قاضی صاحب کو عذر کی نوعیت ذکر کرتا ہے اور ذرا تفصیل کے ساتھ ذکر کرتا ہے کہ خلفاء عباسیہ کے بعد علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک اور پھر اس زمانہ سے برصغیر پر انگریزی دور حکومت کے اختتام تک شخصی حکومتیں تھیں اور شخصی حکومت اپنی مرضی سے حکومت نہیں چھوڑتی بلکہ اس کے خلاف باقاعدہ بغاوت اور جنگ کرنا پڑتی ہے اور یہ جنگ مشکل ترین ہوتی ہے کیونکہ شخصی حکومت کے پاس تربیت یافتہ فوج ہوتی ہے اور مہلک اسلحہ جو کہ باغیوں کے پاس نہیں ہوتا مزید برآں مسلمان حکمران خوہ کتنا ہی فاسق ہو بغاوت منع ہے کیونکہ بغاوت سے ملک میں بدامنی پیدا ہوتی ہے اور دشمن اس بدامنی سے فائدہ اُٹھا کر ملک پر قبضہ کر لیتا ہے تو بغاوت ایک حکمران کو سیدھا کرنا مقصود ہوتا ہے اور سارا ملک بغاوت کی وجہ سے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور فقہاء اس کو ذیل کی عربی عبارت سے تعبیر کرتے ہیں ﴿بناء قصر هدم مصر﴾ یعنی ایک مکان بنانے کیلئے پورے شہر کو گرا دینا یہ عقل مندی نہیں ہے اسلئے فقہاء فرماتے ہیں کہ فاسق حکمران کے خلاف بغاوت نہ کرو بلکہ اللہ تعالی جل شانہ سے دعا مانگو کہ وہ اسے صراط مستقیم پر گامزن کر دے۔

علماء و مشائخ اکابرین کے عذر کی یہ نوعیت تھی کہ بغاوت کے بغیر شخصی حکومت کو ہٹانا ناممکن ہے اور حکمران فاسق کے خلاف بغاوت شرع شریف میں منع ہے لیکن عذر انگریز کے دور تک تھا جب پاکستان بن گیا تو یہ عذر ختم ہو گیا کیونکہ اب پاکستان میں شخصی حکومت نہیں ہے

بلکہ حکومت ہمارے ووٹوں سے بنتی ہے۔ اب ہم پاکستانی تقرر امام میں بالکل مختار ہیں ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ علماء اور مشائخ پاکستان میں پھیل جائیں اور عوام وخواص کو یہ تبلیغ کریں کہ تقرر امام کے سوا تمہاری موت جاہلیت اور ضلالت اور ابوجہل کی موت ہے۔

مسلمانوں کے تین گروہ ہیں عوام، علماء اور مشائخ۔ اسلامی موت کے ساتھ رغبت اور جاہلیت کی موت سے نفرت یہ ایسا منشور ہے کہ تینوں گروہوں کو متاثر کرتا ہے کوئی گروہ ایسا نہیں ہے جو یہ کہے کہ مجھے اس منشور سے دلچسپی نہیں ہے۔ پاکستان میں اہل سنت پچاسی فی صد ہیں اگر وہ اس منشور کے تحت ایک مرکز پر مجتمع ہو جائیں تو آئندہ چوبیس اکتوبر کے انتخاب پر ہی تقرر شرعی امام کر سکتے ہیں۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی موت کے ساتھ رغبت اور جاہلیت اور ضلالت کی موت سے نفرت پیدا کی جائے۔

غور کریں سیاسی جماعتیں اپنے دنیاوی منشور روٹی کپڑا مکان عوام کے سامنے پیش کر کے عوام کو متاثر کرتی ہیں اور پھر عوام سے ووٹ حاصل کر کے صدر مملکت اور وزیر اعظم اور وزراء اعلیٰ کے مراتب حاصل کرتی ہیں تو پھر علماء اور مشائخ تقرر امام کا منشور عوام کے سامنے پیش کر کے عوام کو کیوں متاثر نہیں کر سکتے۔؟ یقیناً کر سکتے ہیں۔ اور پھر عوام کے ووٹوں سے تقرر امام شرعی میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ علماء اور مشائخ میں یہ کمزوری ہے کہ وہ سہل پسند ہیں ان کا خیال ہے کہ ہم تو کوئی کوشش نہ کریں اور گھر میں بیٹھ کر عیش کریں اور تقرر امام کو کوئی اور آدمی سرانجام دے کر ہمارے جھولی میں ڈال دے اور وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ تقرر امام ان پر واجب ہے اور یہ واجب انہوں نے ہی ادا کرنا ہے۔

المیہ یہ ہے کہ بعض علماء ومشائخ نے قاضی کی قماش کے ایجنٹ مقرر کر رکھے ہیں اگر

کوئی آدمی تقررامام کا مسئلہ اُٹھائے تو یہ ایجنٹ من گھڑت اور اختراعی دلائل سے مخالفت کرتے ہیں اور عصبیت اور مذہبی منافرت پھیلاتے ہیں اور دیوبندیت اور بریلویت کا مسئلہ کھڑا کردیتے ہیں کہ اگر دیوبندیوں نے اسمبلی میں اچھی بات بھی کہی تو ہم بریلوی اس کی اس بناء پر مخالفت کریں گے کہ یہ دیوبندی کی بات ہے۔ مثلاً قانون ساز اسمبلی میں دیوبندی ارکان یہ مسئلہ پیش کریں کہ چونکہ پاکستان میں مذہب حنفی کے پیروکار زیادہ ہیں لہذا پاکستانی آئین فقہ حنفی ہو یا کہ دیوبندی ارکان اسمبلی میں تقرر امام کی کوشش کریں تو بریلوی ارکان اس کی اس بناء پر مخالفت کریں کہ یہ دیوبندی کا مطالبہ ہے اور اسی طرح یہ ایجنٹ دیوبندیوں کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ اگر بریلوی ارکان اسمبلی یہ مطالبہ کریں کہ پاکستان میں فقہ حنفی نافذ ہو یا تقرر امام کی سعی کریں تو دیوبندی ارکان اس کی اس بناء پر مخالفت کریں کہ یہ بریلویوں کا مطالبہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ ایجنٹ دونوں طرف ہیں حالانکہ وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ قرآن پاک کا یہ حکم ہے۔

﴿قوله تعالی۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

گویا کہ ان ایجنٹوں کا یہ خیال ہے کہ اگر دیوبندی ارکان اسمبلی فقہ حنفی اور تقرر امام کا مطالبہ کریں تو یہ اثم اور عدوان ہے لہذا اس کی مخالفت اور عدم تعاون لازمی ہے۔ یہ چیز اخبارات میں آچکی ہے کہ جو لوگ شرعی آئین کے نفاذ کے خلاف ہیں وہ اعلانیہ تو شرعی آئین کی مخالفت نہیں کرتے کیونکہ عوام میں بدنام ہوتے ہیں لہذا انہوں نے مذہبی طبقہ سے اپنے ایجنٹ چھوڑ رکھے ہیں تاکہ جب مسلمان شرعی نظام نافذ کرنے کیلئے باہم تعاون پر امادہ ہوں تو ملاں کی شکل میں یہ ایجنٹ عصبیت اور مذہبی منافرت اور فرقہ واریت پر اتر آتے ہیں اور اپنے

مکتبہ فکر کے لوگوں کو کہتے ہیں کہ فلاں مکتبہ فکر کے لوگوں کے ساتھ تعاون نہیں کر سکتے کیونکہ یہ تعاون گناہ ہے اور چونکہ یہ ایجنٹ مولوی کی شکل میں ہوتے ہیں لہذا ان کے ہم مکتبہ فکر ان کی اس بات سے گمراہ ہو جاتے ہیں پھر ان ایجنٹوں کو یہ فکر ہوتی ہے کہ بریلوی مکتبہ فکر جو کہ پچاسی فی صد ہیں کہیں یہ متفق اور متحد ہو کر پاکستان میں فقہ حنفی نافذ کرا دیں گے۔

تو یہ ایجنٹ بریلوی مکتبہ فکر میں انتشار اور افتراق کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ نفاذ شریعت کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔ بات طویل ہو گئی ہے اب بندہ اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہے بندہ کی کلام اس میں تھی کہ پانچ صد سال ماضی میں انگریزی دور تک شخصی حکومتوں کی وجہ سے علماء و مشائخ اکابرین تقرر امام میں معذور تھے کیونکہ شخصی حکومتوں کو ختم کرنا ان کی قدرت میں نہیں تھا۔

غور فرماویں مغلیہ حکمران سب قریشی نہ ہونے کی وجہ سے سب غاصب تھے ان سب میں اورنگ زیب عالم گیر بڑا عالم اور نیک سلطان تھا لیکن تاریخ میں ہے کہ عالم گیر نے شخصی حکومت کو بچانے کیلئے کیا کیا پاپڑ بیلے ہیں۔ اپنے صوفی بھائی کو جو میاں میر صاحب کا مرید تھا گرم سلاخوں سے اندھا کیا، بھتیجوں کو قتل کیا، باپ کو قید خانے میں ڈالا بہر حال علماء و مشائخ کے عذر کی نوعیت بندہ نے واضح کر دی ہے لیکن پاکستان قائم ہونے کے بعد یہ عذر ختم ہو گیا لہذا ہم پاکستانی عوام اور علماء و مشائخ اکابرین تقرر امام میں بالکل با اختیار ہیں اور کوئی مجبوری نہیں ہے اگر ہم نے اب تقرر امام سے غفلت برتی تو یقیناً موت جاہلیت اور گمراہی کی ہوگی۔

غور کریں تقرر امام کا مسئلہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے بریلوی دیوبندی اور اہل حدیث اور شیعہ سب کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے اگر اس نیکی میں تعاون کیا جائے تو تقرر امام کا

وجوب بآسانی ادا کیا جاسکتا ہے یہاں ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے۔

وہ یہ کہ ایک آدمی تقرر امام پر قادر نہیں ہے لیکن سارے مسلمان مل کر اس پر یقیناً قادر ہیں صرف اسلامی موت کے ساتھ دلچسپی اور جاہلیت کی موت سے نفرت کی ضرورت ہے دیکھو جنازہ اور جہاد فرض ہے لیکن ہر ایک آدمی اکیلا نہ تو جنازہ پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی جہاد کرسکتا ہے۔ تمام آدمی ملکر جنازہ اور جہاد کا فریضہ ادا کریں گے اس لئے ایک آدمی اکیلا تقرر امام کی ذمہ داری پوری نہیں کرسکتا۔ اب بندہ تقرر امام کی دو اور صورتیں بیان کرتا ہے جو کہ مذکورہ شدہ صورت سے زیادہ آسان ہیں۔

صورت اول:۔ پاکستان کے علماء و مشائخ اسلام پسند سیاسی لیڈروں کی کانفرنس بلائیں اور اس کانفرنس میں یہ مسئلہ پیش کریں کہ انتخاب میں خواہ کوئی پارٹی کامیاب ہو کوئی نہ کوئی صدر مملکت تو ضرور منتخب کرنا ہوگا اب اس میں صرف یہ ترمیم کی جائے کہ صدر مملکت اسکو منتخب کیا جائے جو تمام شرائط کا جامع ہو اور پاکستان میں سینکڑوں آدمی ایسے ہیں جو کہ امام بننے کے اہل ہیں مثلاً پیر پگاڑا اور علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی وغیرہما۔

صورت دوم:۔ انتخاب میں جو سیاسی پارٹی بھی اکثریت سے کامیاب ہو چونکہ یہی پارٹی حکومت تشکیل دے گی اس لئے علماء و مشائخ اس کامیاب سیاسی پارٹی کے لیڈر کے پاس وفد کی صورت میں جائیں اس کو شرعی امام کی اہمیت سے اگاہ کریں کہ تقرر امام میں تمہارا بھی فائدہ ہے اور دیگر سب لوگوں کا کہ سب کی موت اسلامی موت ہوگی اور جاہلیت اور ضلالت کی موت سے حفاظت ہوگی اور تم نے لازماً کوئی نہ کوئی صدر تو مقرر کرنا ہے آپ ایسا

صدر منتخب کریں جو کہ جامع شرائط ہو اور ہر سیاسی پارٹی میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو کہ شرعی امام بننے کے اہل ہیں اور یہ صورت بہت ہی آسان ہے لیکن علماء و مشائخ کو اسلامی موت مرنے کیلئے کچھ نہ کچھ جدو جہد ضرور کرنی ہوگی یہ یاد رکھنا چاہئے کہ شرعی امام صرف اور صرف وہ ہے جسکو ہم آج کل صدر مملکت یا سربراہ مملکت کہتے ہیں وزیر اعظم شرعی امام نہیں ہوتا اور اس کیلئے شرع شریف نے کوئی شرط مقرر نہیں فرمائی اور وزیر اعظم کی عدم معرفت کی وجہ سے مسلمان کی موت جاہلیت کی موت نہیں ہوتی۔

اور وہ یہ ہے کہ شرعی امام کی تعریف یہ ہے کہ اس کا تصرف لوگوں پر عام ہو اور بلاد اسلام میں اس کی ریاست عام ہو اور یہ تعریف صرف صدر مملکت پر صادق آتی ہے نہ کہ وزیر اعظم پر کیونکہ صدر اکیلا وزیر اعظم اور وزراء اعلی اور مرکزی اور صوبائی اسمبلی سب کو ختم اور معذول کر سکتا ہے لیکن وزیر اعظم اکیلا کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے جس پر چھ اگست کا صدارتی حکم شاہد ہے کہ صدر مملکت نے مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں اور ان کی حکومتوں کو ختم اور معزول اور چلتا کیا اور کوئی صدر کا بال بیکا نہیں کر سکا اور صدر اسی طرح اپنے عہدہ اور اختیارات پر قائم ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صدر محض نمائشی اور بے اختیار ہوتا ہے اصل اختیار وزیر اعظم کو حاصل ہوتا ہے تو چھ اگست کا صدارتی حکم اس کی تکذیب کرتا ہے بہر حال شرعی امام جس کا تقرر امت پر واجب ہے یہ صرف صدر ہے نہ کہ وزیر اعظم۔ اب بندہ یہاں ایک اور چیز ذکر کرتا ہے وہ یہ کہ بندہ نے اپنے رسالہ میں ایک سوال اور اس کا جواب ذکر کیا ہے سوال یہ ہے کہ خلفاء عباسیہ کے بعد آج تک کوئی شرعی امام قریشی نہیں ہوا اور ساری امت امام سے محروم رہی اور ان کی موت جاہلیت کی موت ہوئی اور اس سارے زمانے میں امت ضلالت پر مجتمع رہی یہ سوال ہے

جو کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اور پھر علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا اور بندہ نے سوال و جواب ہر دو کو اپنے رسالہ عورت کی حکمرانی میں ذکر کیا ہے۔ اب بندہ کے رسالہ کے قارئین کو یہاں دو دھوکے اور غلطیاں لگی ہیں۔

دھوکا اول:۔ کراچی کا کوئی جاہل نادان ناتراشیدہ آدمی ہے اس نے بندہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ بندیالوی صاحب کی یہ عجب منطق ہے کہ اپنے رسالے میں لکھتے ہیں کہ آج سے پانچ صد سال ماضی میں جتنے علماء و مشائخ اکابرین گزرے ہیں ان سب کی موت جاہلیت کی موت ہے مذکورہ بالا جاہل نادان لال بجھکڑ نے بندہ پر یہ بہتان باندھا ہے بندہ نے اپنے رسالے میں بالکل یہ نہیں کہا کہ پانچ صد سال ماضی میں جو علماء و مشائخ اکابرین گزرے ہیں ان کی موت جاہلیت کی موت ہے۔

جاہل نادان نے بندہ پر افتراء باندھا ہے حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ دلائل سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ سوال علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح عقائد میں ذکر کیا ہے بندہ نے اپنے رسالہ میں یہ سوال ذکر کر کے بحوالہ علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب نبراس رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ اس دور کے علماء و مشائخ تقرر امام کے بارے میں معذور تھے جاہل نادان نے رسالہ سے سوال تو پڑھ لیا لیکن جواب پڑھنے کی اس کو توفیق نہ ہوئی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جواب بھی پڑھ لیا ہو لیکن محض بہتان باندھنے کیلئے سوال ذکر کر دیا ہو اور جواب کو عمداً نظر انداز کر دیا۔

دھوکا دوم:۔ جناب قاضی غیر محمود کو ہوا انہوں نے سوال اور جواب دونوں کو

پڑھا لیکن ان کو دھوکا یہ ہوا کہ ہر دو کو میری طرف منسوب کیا یہ ہر دو سوال اور جواب بندہ کے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے سوال علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کا اور جواب علامہ خیالی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب نبراس رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ بندہ تو صرف ناقل ہے ان معترضین کو معلوم ہونا چاہئے کہ علمی اور دینی دقیق مسائل پر کلام کرنی اور چیز ہے اور جواب میں ہزلیات بکنا اور چیز ہے۔ ع۔

اے بسا آدم روئے ہست

اس کے بعد قاضی صاحب اپنے رسالہ کے صفحہ ۹۲ پر قمطراز ہیں۔

﴿بندیالوی صاحب مزید لکھتے ہیں۔ جن پانچ ہزار علماؑ و مشائخ نے عبدالستار خان نیازی کو صدر منتخب کیا ہے ان کی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہوگی یہ سب پانچ ہزار علماء و مشائخ باغی اور گردن زدنی ہیں﴾

مزید لکھتے ہیں کہ﴿بندہ ان علماء و مشائخ کو چیلنج کرتا ہے کہ وہ فرق بتائیں کہ انہوں نے اور ان کے آباء و مشائخ نے غیر ہاشمی کی سربراہی کو تو تسلیم کر لیا حالانکہ یہ خبر متواتر اور اجماع صحابہ کے خلاف ہے جس کا انکار کفر ہے﴾

قاضی صاحب نے بندہ کے رسالہ کے ص ۱۲ اور ۱۳ اور ۲۴ سے نقل کی ہے جو کہ ادھوری اور اس میں زیادتی کی گئی ہے۔ بندہ کے رسالہ میں نہ تو عبدالستار خان نیازی کا نام ہے اور نہ یہ ہے کہ پانچ ہزار علماء نے عبدالستار خان نیازی کو صدر منتخب کیا قاضی صاحب نے یہ سب اختراع کیا اور افتراء شاید قاضی صاحب کا اس افتراء سے یہ مقصد ہو کہ بندہ پر ایک اور بہتان باندھے کہ بندیالوی یہ کہتا ہے کہ پانچ ہزار علماء کی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے نیازی صاحب کو صدر منتخب کیا حاشا و کلا۔ یہ بندہ پر بہتان

ہے۔ بندہ نے تو یہ کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کو اپنے زمانہ کے امام کی معرفت نہیں ہے اس کی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہوگی اگر ان پانچ ہزار علماء کو مرنے تک اپنے زمانے کے امام کی معرفت نہ ہوئی تو ان کا بھی یہی حکم ہے پانچ ہزار تو کیا پانچ کروڑ ہوں تو ان کا بھی حکم یہی ہے۔ اب قاضی صاحب بتائیں بندہ کے اس دعویٰ کا ان کے پاس کیا جواب ہے۔؟

قاضی صاحب نے بندہ کے رسالہ کی عبارت تو ذکر کی لیکن کوئی رد نہ کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ قاضی صاحب نے بندہ کے دعویٰ کو تسلیم کرلیا قاضی صاحب کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اناڑی ہیں آج تک انہوں نے کسی شرعی مسئلہ پر قلم نہیں اٹھایا قاضی صاحب نے مذکورہ بالا عبارت کا آخری حصہ ادھورا نقل کیا ہے کیونکہ مکمل عبارت کا ان کے پاس جواب نہیں ہے آخری عبارت مکمل طور پر اس طرح ہے۔

﴿بندہ ان علماء ومشائخ کو چیلنج کرتا ہے کہ وہ فرق بتائیں کہ انہوں نے اور ان کے آباء ومشائخ نے غیر ہاشمی کی سربراہی کو تسلیم کرلیا۔ حالانکہ یہ خبر متواتر کے اور اجماع صحابہ کے خلاف ہے۔ جس کا انکار کفر ہے۔ اور عورت کی سربراہی کے خلاف شور مچایا ہوا ہے حالانکہ یہ خبر واحد کے خلاف ہے جس کا انکار کفر نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ تم نے اور تمہارے اکابرین نے حدیث متواترہ کو نظر انداز کردیا اور خبر واحد کو اچھالا تو یہ یا تو جہالت پر مبنی ہے کہ تم کو اس حدیث کا علم تک نہیں اور یا یہ عناد پر مبنی ہے﴾

پوری عبارت اس طرح ہے جو کہ بندہ نے اوپر نقل کی ہے قاضی صاحب نے اس عبارت کا ۱/۳ حصہ نقل کیا ہے ۲/۳ کو ترک کردیا چونکہ قاضی صاحب نے بندہ کی عبارت کا جو

حصہ نقل کیا ہے اس سے بندہ کا مطلب واضح نہیں ہوتا اس لئے بندہ اب اپنی عبارت کا مطلب بیان کرتا ہے اور پھر قاضی صاحب سے اس کا جواب طلب کیا جائے گا۔علماء و مشائخ کو بندہ کا چیلنج یہ تھا کہ سربراہ مملکت کا قریشی ہونا خبر متواتر اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے جس کا انکار ایمان کے لئے خطرہ پیدا کرتا ہے اور سربراہ مملکت کا غیر قریشی ہونا خبر متواتر اور اجماع صحابہ کے خلاف ہے اور قیام پاکستان سے آج تک پاکستان کے سربراہ اور صدور سب کے سب غیر قریشی ہوئے ہیں اور ان علماء و مشائخ اور ان کے آباؤ اجداد نے خبر متواتر اور اجماع صحابہ کو نظر انداز کر کے غیر قریشی سربراہان مملکت تو برداشت کیا اور اس کے خلاف کوئی غوغہ آرائی نہ کی برخلاف عورت کے کہ اس کا سربراہ نہ ہونا خبر واحد سے ثابت ہے اور عورت کا سربراہ ہونا خبر واحد کے خلاف ہے اور یہ علماء عورت کی حکمرانی کے خلاف تو غوغہ آرائی اور شور مچا رہے ہیں اور جناب قاضی صاحب اور ان کے آباؤ اجداد اور مشائخ کا حال بھی ایسا ہی ہے کہ انہوں نے بھی خبر متواتر کو نظر انداز اور اجماع صحابہ کو بھی در خود اعتنا نہ کیا اور اب عورت کی حکمرانی کے خلاف ہیں۔

تو اب اگر قیامت میں اللہ تعالیٰ قاضی صاحب اور ان نام نہاد علماء و مشائخ سے یہ سوال کرے کہ تم نے غیر قریشی کی سربراہی کو تو برداشت کر کے خبر متواتر اور اجماع صحابہ کو تو نظر انداز کئے رکھا لیکن عورت کی حکمرانی کو برداشت نہ کیا حالانکہ اس میں خبر واحد کا خلاف تھا غیر قریشی سربراہ اور عورت میں کیا فرق ہے کہ اول الذکر کو تو برداشت کیا اور ثانی الذکر کو برداشت نہ کیا تو علماء و مشائخ اور قاضی صاحب اور ان کے آباؤ اجداد کے پاس کیا جواب ہوگا۔؟ نیز قاضی صاحب نے بندہ کے رسالہ کی جو عبارت نقل کی ہے اس سے قاضی صاحب بندہ کو الزام

دیتے ہیں کہ بندیالوی صاحب نے پانچ ہزار علماء ومشائخ کو باغی اور گردن زدنی کہا ہے تو قاضی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ بندہ نے ان پانچ ہزار علماء ومشائخ کو نہ تو باغی کہا ہے اور نہ ہی گردن زدنی بلکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے حبیب ﷺ نے ان کو باغی اور گردن زدنی کہا ہے اور آیت اور حدیث جس میں باغی! اور گردن زدنی کہا گیا ہے بندہ کے رسالہ میں مذکور ہے قاضی صاحب کو چیلنج کیا جاتا ہے کہ وہ جواب دیں کہ بندہ نے علماء اور مشائخ کے متعلق جو کچھ کہا ہے کیا وہ آیت اور حدیث سے ثابت نہیں ہوتا اور کیا مذکورہ بالا علماء ومشائخ آیت اور حدیث کا مصداق نہیں ہیں۔؟ بندہ نے جو کچھ لکھا ہے اس کو دلیل سے ثابت کیا ہے اگر قاضی صاحب میں جرأت ہے تو اس کا جواب دیں حیرت ہے کہ قاضی صاحب نے بندہ کے رسالہ کی جو عبارت نقل کی ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا آخر محض کاغذ سیاہ کرنے سے قاضی صاحب کی کیا غرض ہے۔؟

نیز بندہ نے اپنے رسالہ میں کئی جگہ پر تصریح کی ہے کہ امام کیلئے قریشی ہونا شرط ہے ہاشمی ہونا شرط نہیں تو بندہ نے اپنے رسالہ میں ہاشمی یا غیر ہاشمی تحریر کیا ہے تو اس سے مراد قریشی اور غیر قریشی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ قریشی عام اور ہاشمی خاص ہے تو یہاں ذکر خاص اور مراد عام ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

﴿قوله تعالی ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ﴾

یعنی اللہ تعالیٰ مشرک کی مغفرت نہیں کرے گا اب یہاں اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر کی مغفرت نہیں کرے گا خواہ مشرک ہو یا نہ۔ پس مشرک کی کیوں تخصیص کی۔؟ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کافر غیر مشرک کی مغفرت ہوگی تو یہ جواب دیا گیا کہ کافر عام اور

مشرک خاص ہے اور یہاں ذکر خاص اور مراد عام ہے قاضی صاحب چونکہ قرآن پاک اور علوم دینیہ سے بے بہرہ ہیں اس لئے بندہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس کی کلام میں تضاد ہے کہ کہیں کہتے ہیں ہاشمی کا امام ہونا خبر متواتر سے ثابت ہے اور کہیں کہتے ہیں غیر ہاشمی کا امام نہ ہونا خبر متواتر سے ثابت ہے حالانکہ غیر ہاشمی کا امام نہ ہونا کسی خبر متواتر سے ثابت نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ہاشمی سے مراد قریشی ہے اب معنی یہ ہوگا کہ قریش کا امام ہونا اور غیر قریش کا امام نہ ہونا خبر متواتر سے ثابت ہے اب یہ درست ہے کہ غیر قریشی کا امام نہ ہونا خبر متواتر سے ثابت ہے اب یہ بالکل درست ہے اور وہ خبر متواتر جو غیر قریشی کی امامت کی نفی کرتی ہے وہ حدیث ﴿الآئمة من قریش﴾ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر امام قریش سے ہوگا اور کوئی امام غیر قریشی نہیں ہوسکتا قاضی صاحب کو شاید استاد نے یہ نہیں پڑھایا کہ کسی کلام پر کوئی اعتراض ہوتا ہو تو اصل یہ ہے کہ اس کی توجیہ کرو اگر کوئی توجیہ نہ ہو سکے تو اعتراض مناسب ہے۔

قاضی صاحب نے جو بندہ پر اعتراض کیا ہے وہ یہی اعتراض قرآن پاک پر بھی کر سکتے ہیں کہ قرآن میں ہے کہ اللہ تعالی مشرک کی مغفرت نہیں کرے گا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مشرک کی مغفرت ہوگی اگرچہ کافر ہو حالانکہ کافر کی مغفرت نہیں ہے خواہ مشرک ہو یا غیر مشرک تو علماء نے یہی جواب دیا ہے کہ مشرک خاص اور کافر عام ہے اور قرآن کریم میں ذکر خاص اور مراد عام ہے تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالی کافر کی مغفرت نہیں کرے گا خواہ مشرک ہو یا کہ غیر مشرک تو اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قاضی صاحب اپنے رسالہ کے ص ۹۴ پر بندہ کے رسالہ سے نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

﴿بندیالوی صاحب لکھتے ہیں کہ عقائد نسفی کا مصنف علامہ نسفی ہے جو کہ حنفی اور صاحب ہدایہ کا استاد ہے﴾

قاضی صاحب نے بندہ کے رسالہ عورت کی حکمرانی کے صفحہ ۴ سے یہ عبارت بھی ادھوری نقل کی ہے پوری عبارت اس طرح ہے۔

﴿عقائد نسفی کا مصنف علامہ نسفی ہے جو کہ حنفی اور صاحب ہدایہ کا استاذ اور علامہ زمخشری کا ہمعصر ہے﴾

اس عبارت میں بندہ نے چار دعوے کئے ہیں۔

دعویٰ اول:۔ عقائد نسفی کا مصنف علامہ نسفی ہے۔

دعویٰ دوم:۔ علامہ نسفی حنفی المذہب ہے۔

دعویٰ سوم:۔ علامہ نسفی صاحب ہدایہ کا استاد ہے۔

دعویٰ چہارم:۔ علامہ نسفی علامہ زمخشری کا ہمزمان ہے۔

جناب قاضی صاحب نے بندہ کے ان چاروں دعووں کے متعلق صرف اتنا کہا!

﴿یہ بات صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے عقائد نسفی کا مصنف محمد بن محمد ابوالفضل برہان نسفی ہے جسکی وفات ۶۸۶ھ میں ہوئی اور امام ابوحنیفہ کے مشہد کے پاس مدفون ہوئے البتہ ملا علی قاری نے ان کا سن وفات ۶۷۹ھ ذکر کیا ہے﴾

قارئین غور فرماویں جناب قاضی صاحب نے بندہ کے چار دعووں کے متعلق صرف اتنا کہا کہ یہ بات صحیح نہیں ہے لیکن کسی دعویٰ کے عدم صحت پر دلیل قائم نہیں کی فرق صرف یہ

ہے کہ بندہ نے کہا کہ عقائد نسفی کا مصنف علامہ نسفی ہے اور قاضی صاحب نے کہا برہان نسفی ہے۔ تو علامہ نسفی اور برہان نسفی میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ برہان نسفی کو علامہ نسفی کہہ سکتے ہیں۔ قاضی صاحب نے علامہ نسفی کا جو نام لکھا ہے محمد بن محمد ابوالفضل یہ بھی بندہ کے کسی دعویٰ کا رد نہیں ہے۔ کیونکہ بندہ نے علامہ نسفی کا نام ذکر نہیں کیا۔ اگر بندہ علامہ نسفی کا نام ذکر کرتا اور وہ نام قاضی صاحب کے ذکر کردہ نام کے خلاف ہوتا تو قاضی صاحب کہہ سکتے تھے کہ تمھارا ذکر کردہ نام درست نہیں۔ بلکہ نام اور ہے۔ اسی طرح قاضی صاحب نے علامہ نسفی کا جو سن وفات ذکر کیا ہے۔ یہ بھی بندہ کے کسی دعویٰ کا رد نہیں کیونکہ بندہ نے سن وفات لکھا ہی نہیں ہے۔ اگر بندہ سن وفات لکھتا اور قاضی کے تحریر کردہ سن وفات کے خلاف ہوتا تو قاضی صاحب کہہ سکتے تھے کہ تمھارا ذکر کردہ سن وفات صحیح نہیں۔ بلکہ میرا سن وفات درست ہے۔ خلاصہ یہ کہ قاضی صاحب نے بندہ کی مذکورہ بالا عبارت کا جو رد کیا ہے یہ نہائت ہی مجنونانہ رد ہے۔ اب بندہ اپنے دعوؤں پر دلائل پیش کرتا ہے اور اس سے قاضی صاحب کا خود بخود رد ہو جائے گا۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح عقائد میں علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا ﴿نجم الملة والدين عمر النسفي﴾

جامع التقاریر پر حاشیہ عبدالحکیم برخیالی میں ہے۔

﴿اسمه عمر بن محمد بن احمد بن اسماعيل بن محمد بن لقمان النسفي وله شيوخ كثيرة جمع اسمائهم في كتاب سماه تعداد الشيوخ عمر كانت ولادة بنسف سنة احدىٰ وستين واربعمأة وفات سنةسبع وثلاثين وخمسمأة

وهو متاخر عن النسفی صاحب التفسیر وغیر صاحب الکنز والمدارك وغیر ابی المعین نسفی کلهم حنفیون﴾

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ علامہ تفتازانی جس نے علامہ نسفی کی کتاب عقائد نسفی کی شرح کی ہے وہ خود فرمارہے ہیں کہ علامہ نسفی کا نام عمر بن محمد ہے۔تو جناب قاضی صاحب کا یہ کہنا کہ اس کا نام محمد بن محمد ہے یہ علامہ تفتازانی کی تصریح کے خلاف ہے۔اور جامع التقاریر میں بھی یہ ہے کہ علامہ نسفی کا نام عمر بن محمد ہے۔مزید برآں علامہ نسفی نے خود ایک کتاب لکھی اور اس میں اپنے اساتذہ کی تعداد ذکر کی اور اس کتاب کا نام ہی رکھا۔

﴿تعداد الشیوخ لعمر﴾

تو علامہ نسفی نے خود اپنا نام عمر بتایا ہے تو قاضی صاحب غور کریں انہوں نے جو علامہ نسفی کا نام ذکر کیا ہے وہ علامہ تفتازانی اور جامع کے ہی خلاف نہیں بلکہ خود علامہ نسفی کے خلاف ہے۔اب قاضی صاحب بتلائیں کہ علامہ نسفی کا نام آپ کو زیادہ معلوم ہے یا خود علامہ نسفی کو۔؟ نیز قاضی صاحب نے علامہ نسفی کا جو سن وفات ذکر کیا ہے وہ بھی جامع التقاریر کے خلاف ہے کیونکہ جامع التقاریر میں سن وفات ۵۳۷ھ ذکر کیا گیا ہے اور قاضی صاحب نے دو سن وفات ذکر کئے۔اول ۶۸۶ھ دوم ۶۷۹ھ۔علامہ مولوی عبدالحی لکھنوی نے اپنی کتاب فوائد بهیة فی تراجم حنفیه میں فرمایا ہے۔

﴿عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل بن محمد بن لقمان النسفی ... شیوخ کثیرة قد جمع اسماء مشائخه فی کتاب سماه تعداد الشیوخ عمر ومات ... سنة سبع و ثلثین و خمس مأة بسمرقند ولادته بنسف سنة احدیٰ

وستین واربع مأة حکی انه اراد ان یزور جار الله الزمخشری فی مکة فلما قدم وصل الیٰ داره ودق الباب لیفتحه فقال العلامة الزمخشری من ھذا فقال عمر فقال الزمخشری انصرف فقال نجم الدین یاسیدی عمر لا ینصرف فقال الزمخشری اذا نکر صرف ﴾

فوائد بہیۃ اور جامع التقاریر ہر دو میں علامہ نسفی کا نام عمر بن محمد بن اسماعیل ذکر کیا گیا ہے اور دونوں میں مذکور ہے کہ علامہ نسفی نے ایک کتاب تصنیف کی جس میں آپنے اساتذہ کے ناموں کی تعداد ذکر کی اور اس کتاب کا نام تعداد شیوخ عمر رکھا۔ اب علامہ نسفی نے خود اپنا نام عمر ذکر کیا نیز فوائد بہیۃ میں ایک واقعہ کا ذکر ہے اور اس واقعہ میں بھی علامہ نسفی نے اپنا نام عمر ذکر کیا واقعہ یہ ہے کہ علامہ زمخشری جس کا لقب جار اللہ ہے یہ مکہ شریف میں رہتا تھا علامہ نسفی جب مکہ شریف گیا تو اس نے علامہ زمخشری کی زیارت کا ارادہ کیا اور زمخشری کے گھر گیا تو دروازہ پر دستک دی تا کہ زمخشری دروازہ کھولے تو علامہ زمخشری نے اندر سے کہا کون ہے۔؟ تو علامہ نسفی نے جواب دیا کہ میرا نام عمر ہے تو زمخشری نے کہا انصرف یعنی لوٹ جا۔ تو علامہ نسفی نے کہا عمر لا ینصرف ۔ اس جملہ کے دو معنی ہیں۔

اول:۔ یہ کہ عمر نہیں لوٹتا۔

دوم:۔ یہ کہ عمر غیر منصرف ہے۔

تو زمخشری نے دوسرے معنی کے لحاظ سے جواب دیا کہ عمر معرفہ ہو تو غیر منصرف ہوتا ہے اور نکرہ ہو تو منصرف ہوتا ہے اور تو نکرہ ہے کہ میں تم کو نہیں پہچانتا لہذا تو منصرف ہے لہذا لوٹ جا۔

اس واقعہ میں بھی علامہ نسفی نے اپنا نام عمر ہی بتایا۔ نیز جامع التقاریر میں چار نسفیوں کا ذکر ہے۔

اول:۔ نسفی مصنف عقائد نسفیہ۔ دوم:۔ نسفی صاحب کنز۔ سوم:۔ نسفی صاحب مدارک۔ چہارم:۔ ابوالمعین نسفی۔

یہ چاروں باہم متغائر ہیں اور سب حنفی ہیں نیز فوائد بہیۃ میں ہے کہ علامہ نسفی کی وفات سمرقند میں ہوئی تو قاضی صاحب کا یہ کہنا کہ علامہ نسفی امام ابوحنیفہ کے مشہد کے پاس مدفون ہے یہ بھی غلط ہے امام ابوحنیفہ کا مزار غربی بغداد میں ہے اور علامہ نسفی سمرقند میں مدفون ہے اور ہر دو کے درمیان سینکڑوں میل کا فاصلہ ہے۔ نیز فوائد بہیۃ کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علامہ نسفی اور علامہ زمخشری باہم ہمزماں ہیں۔ اب علامہ نسفی کے نام وغیرہ کے متعلق ایک اور دلیل ملاحظہ ہو۔

شرح عقائد میں جو تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ کا نام عمر ذکر کیا ہے صاحب نبراس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح میں علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر اس طرح کیا ہے عبارت ملاحظہ ہو۔

﴿عمر بن محمد نسفی یکنی ابا حفض تولد سنة احدیٰ وستین اربع مائة وتوفیٰ سنة سبع وثلثین وخمس مأة بسمر قند وهو احد المشائخ صاحب الهداية ومن العجائب انه دق باب الزمخشری صاحب الكشاف فقال من بالباب قال عمر قال انصرف قال عمر لا ينصرف قال اذا نكر صرف﴾

اس عبارت میں بھی علامہ نسفی کا وہی نام ونسب اور تاریخ ولادت اور وفات ذکر کی گئی ہے جو کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اور جامع التقاریر اور فوائد بہیۃ میں ہے اور یہاں بھی ذکر کیا

گیا ہے کہ وفات سمرقند میں ہے اور علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ زمخشری کا مقالمہ ذکر کیا گیا ہے اور یہ بھی تصریح ہے کہ علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ صاحب ہدایۃ کا استاد ہے۔تو اب بندہ نے اپنے تمام دعوؤں کو دلیل سے ثابت کر دیا اور قاضی صاحب کی سب باتیں دلیل سے رد کر دیں۔اب بندہ قاضی صاحب کی غلطیوں کی فہرست ذکر کرتا ہے۔

قاضی صاحب نے علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ کا نام غلط ذکر کیا، تاریخ وفات میں غلط بیانی سے کام لیا اور جگہ وفات میں ٹھوکر کھائی۔ان دلائل کے مقابلہ میں قاضی صاحب کے پاس اگر کوئی دلیل ہے تو وہ نہایت ضعیف ہے۔ایک اور دلیل ملاحظہ ہو۔فوائد بہیۃ میں ہے۔

﴿وقرء عليه بعض تصانيفه صاحب هداية﴾

یعنی علامہ نسفی کی بعض تصانیف کو صاحب ہدایۃ نے علامہ نسفی سے پڑھا۔اب بندہ کے سب دعوے دلیل سے ثابت ہو گئے اور قاضی صاحب کی تمام تحقیق باطل ٹھہری۔اب اگر قاضی صاحب میں کچھ غیرت اور شرم ہو تو آئندہ علمی اور دقیق مسائل پر قلم نہیں اُٹھائیں گے۔
قاضی غیر محمود اپنے رسالہ کے صفحہ ۹۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔

﴿جب ۱۹۷۷ء میں ان کے مسلم قریشی امام نے مفتی محمود دیوبندی کی صدارت کو تسلیم کر کے اس کو اپنا امام مان لیا تھا تو ان کے متعلق بندیالوی صاحب کیا حکم شرعی صادر کریں گے۔؟ بندیالوی صاحب اس موقع پر اتنے سیخ پا ہو رہے ہیں تو اس وقت یہ کیوں خاموش رہے تھے۔؟﴾

قاضی صاحب کی یہ عبارت جہالت کا شاہکار ہے جاہل غبی کو اتنا معلوم نہیں کہ بندہ نے جو اپنے رسالہ میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ تقرر امام سب لوگوں اور مسلمانوں پر واجب ہے اور اس کی معرفت نہ ہونے سے مسلمان کی موت جاہلیت کی موت ہے۔اس امام سے مراد

کسی سیاسی جماعت کا صدر نہیں ہے اور نہ ہی جلسہ یا اجلاس کا صدر یا امام مسجد مراد ہے بلکہ امام سے مراد وہ ہے جس کی تین تعریفیں رسالہ میں درج ہیں۔ یعنی امام سے مراد وہ ہے جس کا تصرف مخلوق پر عام ہو اور یہ تصرف اس کا شرعی استحقاق ہو اور بلاد اسلام پر اس کی ریاست عام ہو اور وہ قرشی ہے اور تمام امت پر اس کی اتباع واجب ہو اور بندہ دلائل سے ثابت کر چکا ہے کہ خلفاء عباسیہ کے بعد آج تک ایسا امام تمام عالم اسلام میں نہیں ہوا اور قیام پاکستان سے لے کر آج تک پاکستان میں بھی نہیں ہوا تو قاضی صاحب کا یہ کہنا کہ تمہارے مسلم قریشی امام نے مفتی محمود دیوبندی کو اپنا امام مان لیا قاضی صاحب کا بندہ کو یہ طعنہ دینا حد درجہ کی کم فہمی اور کج بحثی ہے۔

بندہ کا کوئی مسلم امام نہیں ہے اور نہ ہی مفتی محمود کو ایسا تعریف شدہ امام ۱۹۷۷ء میں مقرر کیا گیا بلکہ وہ ایک محدود جماعت کا صدر تھا اور پھر بندہ کے مسلم امام کی کیا خصوصیت ہے۔ پیپلز پارٹی کے سوا سب نے مفتی محمود کو صدر تسلیم کیا اور ان میں قاضی کے بزرگ بھی داخل تھے جن کے سامنے وہ اب جبین سائی کر رہے ہیں بندہ کے خیال میں قاضی صاحب کی مراد مسلم امام سے علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی ہیں جن کے ساتھ قاضی صاحب کو خدا واسطے کا بیر اور بغض اور حسد ہے بندہ نے ان کو کبھی امام تسلیم نہیں کیا البتہ اگر پاکستان کی منتخب قومی اسمبلی مستقبل میں علامہ نورانی صاحب کو صدر مملکت منتخب کر لے تو وہ یقیناً پاکستان کے مسلم شرعی امام ہوں گے اور اس میں کسی کافر کو بھی شک نہیں ہوگا البتہ جس کی قاضی صاحب وکالت کر رہے ہیں اگر اس کو مرکزی اسمبلی بالاتفاق صدر منتخب کرے تو وہ کبھی شرعی امام نہیں ہوگا بلکہ باغی ہوگا اور قاضی صاحب اور ان کے احباب باغی کی امت کہلائیں گے۔ قاضی صاحب کا یہ کہنا کہ مفتی محمود دیوبندی کو امام مان لیا ان کے متعلق بندیالوی صاحب کیا حکم شرعی صادر کریں

گے تو جواب یہ ہے کہ قاضی صاحب کا یہ بہتان محض ہے کہ مفتی محمود کو شرعی امام مان لیا گیا البتہ صدر ضرور تسلیم کیا گیا لیکن اس جرم میں تو قاضی صاحب کے وہ بزرگ بھی شریک تھے جن کی وہ وکالت کرر ہے ہیں پھر بندہ قاضی صاحب سے دریافت کرتا ہے کہ آپ ان کے متعلق کونسا حکم شرعی صادر کریں گے۔

پھر قاضی صاحب کا یہ کہنا کہ اس وقت بندہ خاموش رہا یہ بھی قاضی صاحب کی کم علمی ہے بندہ ہرگز خاموش نہیں رہا بندہ نے یہ مسئلہ جمعیت علماء پاکستان کی عاملہ اور شوریٰ میں اٹھایا اور اس پر پوری بحث کی لیکن وہ علمی اور تحقیقی بحث تھی۔ قاضی صاحب کی طرح متعصبانہ بحث نہ تھی۔ اب اگر قاضی صاحب کو اس کا علم نہ ہو تو اس میں بندہ کا کیا قصور ہے۔ ملتان سنی کانفرنس سے لے کر آج تک بندہ جمعیت علماء پاکستان کی شوریٰ اور عاملہ کا رکن چلا آرہا ہے اور قاضی صاحب تو شاید جمعیت کے عام رکن بھی نہیں رہے اس لئے قومی اتحاد پر ابحاث کا ان کو علم تک نہیں ہے اور اس کم علمی کی وجہ سے قاضی صاحب بندہ کو خاموشی کا الزام دے رہے ہیں۔

قاضی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے جو لوگ گھر کے اندر صنف نازک کی گود میں بیٹھنے کے عادی ہیں ان تک ملکی حالات پر ابحاث کی اطلاع نہیں پہنچتی اور وہ کم علمی کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ خاموشی ہی خاموشی ہے۔ اب بندہ قاضی صاحب سے دریافت کرتا ہے کہ مفتی محمود کی صدارت کو تسلیم کرنا قاضی صاحب کے نزدیک شرعاً جائز ہے یا نہ۔؟ اگر جائز ہے تو پھر اس پر قاضی صاحب کا اعتراض خلاف شرع ہے اور اگر جائز نہیں ہے تو قاضی صاحب صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ بزعم خویش نام ونہاد عالم دین اور اسلامی قاضی ہیں آپ کیوں خاموش رہے۔؟ قاضی صاحب کی اس معاملہ میں کارکردگی کا کسی کو علم نہیں۔ مفتی محمود کی صدارت کے متعلق بندہ

نے جمعیت کے ایک اجلاس میں ایک تقریر کی تھی جو بندہ یہاں قاضی صاحب کے گوش گزار کرتا ہے تا کہ قاضی صاحب عصبیت کی تنگ وادی سے نکل کر دین کی خدمت کریں ملاحظہ ہو۔
خنزیر قطعی طور پر حرام ہے اس کو حلال جاننا کفر ہے لیکن مضطر آدمی جو کہ بھوک سے مرتا ہے اور خنزیر کے سوا اس کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے تو اب خنزیر اس کے لئے مباح ہے اگر اس نے خنزیر کا گوشت نہ کھایا اور مر گیا تو گناہگار ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اضطرار اور مجبوری کے وقت حرام چیز مباح ہو جاتی ہے اور اس کے استعمال نہ کرنے سے آدمی گناہگار ہو جاتا ہے اسی طرح ۱۹۷۷ء میں پاکستان پر ایک ظالم حکومت مسلط تھی جو کہ نظام مصطفیٰ ﷺ کی دشمن تھی اور اس نے سینکڑوں بے گناہ مسلمانوں کو قتل کرایا اور اس نے ایک منصوبہ بنایا تھا کہ تمام اسلام پسند مسلمانوں کو ایک خاص وقت میں قتل کر دو تا کہ نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والا کوئی مسلمان باقی نہ رہے اور یہ ظالم حکومت پاکستان میں سوشلسٹ نظام نافذ کرے اس منصوبہ کا انکشاف ان لوگوں نے کیا جو اس منصوبہ میں شریک تھے ان سے بعض نے ان لوگوں کو جن کے ساتھ وہ عقیدت رکھتے تھے اطلاع دی کہ فلاں تاریخ کو اپنے گھر رات نہ گزارنا تمہارے خلاف حکومت نے یہ منصوبہ تیار کر رکھا ہے ان اطلاع دہندوں میں پولیس افسر بھی تھے۔ اب اس ظالم حکومت کو کوئی ایک سیاسی پارٹی ہٹا نہیں سکتی تھی اس مجبوری اور اضطرار کی وجہ سے قومی اتحاد وجود میں آیا اگر یہ اتحاد نہ کیا جاتا تو اتحاد نہ کرنے والی سیاسی جماعت گناہگار ہوتی۔ قرآن پاک میں ہے۔

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ﴾

اور اتحاد اور تعاون کی ایک دوسری وجہ بھی ہے اور وہ یہ کہ شرعی قاعدہ ہے کہ اگر انسان

دو بلیہ میں گرفتار ہو جائے تو اَھْوَنْ اور کمتر بلیہ کو اختیار کرے۔صورت مذکورہ بالا میں بڑا المیہ یہ تھا کہ پاکستان جو کہ اسلامی آئین نافذ کرنے کے لئے معرض وجود میں آیا تھا اس میں سوشلسٹ اور سوشل ازم اور مسلمانوں کے قتل عام کو برداشت کرلیا جاتا اور چھوٹا المیہ یہ تھا کہ دیوبندیوں کے ساتھ تعاون کرلیا جائے۔تو اہل سنت نے چھوٹے اور آسان بلیہ کو اختیار کرلیا ۔قاضی صاحب کو استاد نے صرف تعصب سکھایا ہے کہ بڑے سے بڑے المیہ کو تو برداشت کرلو لیکن چھوٹے بلیہ کو ترک کردو۔قاضی صاحب نے اپنے رسالہ کے ص ۹۳ پر بندہ کے رسالہ عورت کی حکمرانی سے ذیل کی عبارت نقل کی ہے۔

﴿پاکستان میں دو بڑے مکتبہ فکر ہیں علماء بریلوی اور علماء دیوبند یہ دونوں حنفی مذہب کے پیروکار ہیں اگر ان دونوں کو اکٹھا کیا جائے تو دوسرے مکاتب فکر آٹے میں نمک برابر نہیں ہیں﴾

اس کے بعد قاضی صاحب بندہ کی مذکورہ بالا عبارت پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

﴿اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ بندیالوی صاحب بریلویوں اور دیوبندیوں کے اتحاد کے خواہ وہ ایسے مقصد کیلئے ہی ہو قائل ہیں۔جبکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ رضویہ کی تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیوبندیوں کے ساتھ کسی بھی ایسے مقصد کیلئے اتحاد شرعاً نہیں ہوسکتا﴾

جناب قاضی صاحب کی سابقہ عبارت سے تو جہالت نادانی جھلکتی ہے اور اس عبارت سے بے دینی اور عصبیت اور دین دشمنی ظاہر ہوتی ہے اسلامی آئین کے نفاذ کے متعلق پاکستانی ہر حکومت ایک عذر لنگ پیش کرتی ہے کہ مسلمانوں کے کئی مکاتب فکر ہیں اور ان کے

اسلامی آئین مختلف ہیں۔اب کس مکتبہ فکر کا آئین پاکستان میں نافذ کیا جائے تمام مکاتب فکر مل کر متفقہ اسلامی آئین پیش کریں تو حکومت پاکستان اس کو نافذ کرنے کیلئے تیار ہے۔ بندہ نے حکومت کے اس عذر لنگ کا اپنے رسالہ میں جواب دیا ہے کہ یہ جمہوری دور ہے حکومت کے تمام کام جن میں عوام کی رائے ضروری ہے یہ سب کام اکثریت کی بنیاد پر چلتے ہیں بنیادی جمہوریتوں سے لے کر مرکزی اسمبلی اور پھر وزراء اعلیٰ اور وزراء اعظم اور صدر کا انتخاب سب کا مدار اکثریت پر ہے یعنی کامیاب وہ ہوگا جس کے ووٹ زیادہ ہیں کبھی کسی نے نہیں کہا کہ کامیاب وہ ہوگا جس کو حلقہ کے تمام ووٹ ملیں اگر کوئی ایسا کہے تو اسے احمق کہا جائے گا۔

ضیاء الحق نے اپنی صدارت کیلئے ریفرنڈم کرایا تھا تو کیا اسلامی آئین کے نفاذ کیلئے حکومت ریفرنڈم اور انتخاب نہیں کرا سکتی۔ پاکستان میں جتنے مکاتب فکر ہیں تو حنفیوں کی بھاری اکثریت ہے کیونکہ بریلوی اور دیوبندی مکتبہ فکر کو اکٹھا کیا جائے تو ان کی اتنی بھاری اکثریت ہے کہ دوسرے مکاتب آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں اور یہ ہر دو مکتبہ فکر اپنے کو حنفی کہتے ہیں اور اپنے کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد اور پیروکار کہتے ہیں اگر یہ دونوں مکاتب فکر فقہ حنفی کے متعلق ووٹ دیدیں تو جمہوری تقاضا یہ ہے کہ پاکستان میں فقہ حنفی نافذ کی جائے۔اب قاضی صاحب نے بندہ کی اس تجویز پر اعتراض کیا ہے کہ اس طرح دیوبندیوں کے ساتھ اتحاد لازم آتا ہے جو کہ شرعاً ناجائز ہے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رضویہ میں اس کی تصریح کی ہے۔

جناب قاضی صاحب نے اپنی دیانت کا بیڑا تو غرق کیا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہیں یہ

نہیں فرمایا کہ اگر دیوبندی ملک میں اسلامی آئین اور فقہ حنفی نافذ کرنے کیلئے ریفرنڈم اور انتخاب میں حصہ لیں تو بریلوی حضرات اس کا بائیکاٹ کریں اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ دیوبندی اگر کلمہ اور نماز پڑھیں یا کہ کسی اور کو کلمہ اور نماز پڑھنے کی تبلیغ کریں تو بریلوی حضرات کلمہ اور نماز ترک کردیں اور جس کو دیوبندی کلمہ اور نماز کی تبلیغ کریں بریلوی حضرات اس کو یہ کہیں چونکہ تبلیغ کرنے والا دیوبندی ہے لہذا اس کی تبلیغ پر عمل نہ کریں یہ بات بالکل باطل ہے اور ایسی بات کوئی بے دین ہی کرسکتا ہے۔ اگر پاکستان میں فقہ حنفی کے نفاذ پر ریفرنڈم اور انتخاب ہو اور دیوبندی فقہ حنفی کے نفاذ کے حق میں ووٹ دیں تو اس صورت میں اگر بریلوی حضرات بھی فقہ حنفی کے حق میں ووٹ دیں تو اس کا نام اتحاد نہیں ہے جیسا کہ قاضی صاحب نے کج طبع کی وجہ سے سمجھا ہے بلکہ اس کو تعاون علی البر کہا جائے گا کیونکہ پاکستان میں فقہ حنفی اور اسلامی آئین کے نفاذ کی کوشش کرنا نیکی اور خیر ہے نہ کہ اثم اور گناہ۔ بندہ قاضی صاحب کو یاد دلاتا ہے کہ قیام پاکستان کے وقت قاضی صاحب کے صوبہ سرحد میں ریفرنڈم ہوا تھا کہ یہ صوبہ پاکستان کیساتھ رہنا چاہتا ہے یا نہ۔؟ تو دیوبندی اور بریلوی دونوں نے ووٹ دیا کہ ہم پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں اگر قاضی صاحب کے نزدیک یہ ہر دو مکتبہ فکر کا اتحاد ہے تو اس وقت قاضی صاحب کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ کیوں بھول گیا۔؟

اور قاضی صاحب اس حق سے کیوں ساقط رہے اور الساقط عن الحق الشیطان الاخرس کا رول کیوں ادا کیا۔؟

اور اگر قاضی صاحب قیام پاکستان کے وقت فتویٰ دینے کے قابل نہ تھے تو قاضی صاحب کے بزرگوں اور مشائخ نے کیوں سکوت اختیار کیا۔؟

اب بندہ قاضی صاحب سے ایک دوٹوک سوال کرتا ہے کہ دیوبندی اپنے طور پر یہ تحریک چلائیں کہ پاکستان میں اسلامی آئین فقہ حنفی کی صورت میں نافذ کیا جائے تو دیوبندیوں کا یہ مطالبہ خیر ہے یا شر۔؟

اگر قاضی صاحب یہ کہیں کہ یہ مطالبہ شر ہے تو یہ بدیہی البطلان ہے اور جس کے دل میں رتی بھر ایمان ہے وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ قاضی صاحب کہیں اور اگر قاضی صاحب یہ کہیں کہ مطالبہ نیکی اور خیر ہے تو پھر بریلویوں کو اس کی تائید کرنی چاہیئے یا نہ۔؟ اگر قاضی صاحب یہ کہیں کہ بریلویوں کو تائید نہیں کرنی چاہیے تو آیت مبارکہ کا خلاف لازم آئے گا۔

﴿قولہ تعالی۔ تعاونوا علی البر﴾

اور اگر قاضی صاحب یہ کہیں کہ بریلویوں کو تائید اور تعاون کرنا چاہیے تو یہی بندہ کا مدعیٰ ہے جس کو قاضی صاحب نے تسلیم کرلیا اور پھر قاضی صاحب کا یہ کہنا کہ یہ تائید اور تعاون شرعاً ناجائز ہے یہ بالکل باطل ٹھہرا۔ اب بندہ قاضی صاحب کی ایک اور کم علمی بیان کرتا ہے وہ یہ کہ قاضی صاحب اپنے رسالہ کے ص ۹۳ پر بندہ کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں۔

﴿اب اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ بندیالوی صاحب دیوبندیوں اور بریلویوں کے اتحاد کے قائل ہیں﴾

قاضی صاحب کا یہ بندہ پر اتہام محض ہے بندہ نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ دیوبندیوں اور بریلویوں کے درمیان اتحاد ہونا چاہیئے بلکہ بندہ کے رسالہ میں عبارت اس طرح ہے ملاحظہ ہو۔

﴿علماء بریلوی اور علماء دیوبندی دونوں حنفی مذہب کے پیروکار ہیں اگر ان ہر دو کو اکٹھا کیا جائے تو دوسرے مکاتب فکر آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں صدر ضیاء الحق مرحوم

نے اپنی صدارت کے تحفظ کیلئے ریفرنڈم کرایا تھا کیا اسلامی آئین کے نفاذ کیلئے ریفرنڈم نہیں کرایا جاسکتا۔؟﴾

قاضی صاحب نے بندہ کی اس عبارت کا یہ مطلب لیا ہے کہ بندیالوی صاحب بریلویوں اور دیوبندیوں کے اتحاد کے قائل ہیں۔اتحاد یہ ہے کہ بریلویوں کے عقیدہ اور دیوبندیوں کے عقیدہ میں اتحاد ہوجائے اور بریلویوں کا وہی عقیدہ ہو جو کہ دیوبندیوں کا ہے حاشا وکلا۔

بندہ نے یہ نہیں کہا بلکہ یہ کہا ہے کہ اگر ان دو کو اکٹھا کیا جائے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر دو کی گنتی اکٹھی کی جائے تو ان کی گنتی دوسرے مکاتب فکر کی گنتی سے بہت زیادہ ہوگی یعنی اگر فقہ حنفی کے نفاذ پر ریفرنڈم کرایا جائے اور دیوبندی اور بریلوی فقہ حنفی کے حق میں ووٹ دیں اور دوسرے مکاتب فکر فقہ حنفی کے خلاف ووٹ دیں تو ان دو مکاتب فکر کے ووٹوں کی گنتی اتنی زیادہ ہوگی کہ ان کے مقابلہ میں دوسرے مکاتب فکر کے ووٹوں کی گنتی آٹے میں نمک کے برابر سے بھی کم ہوگی۔

اب قاضی صاحب عقل سے کام لیں کہ کیا اس صورت میں بریلویوں اور دیوبندیوں میں اتحاد ہوجائے گا۔؟ ہرگز نہیں بلکہ بریلویوں اور دیوبندیوں میں اختلاف اسی طرح رہے گا جیسا کہ پہلے سے تھا کیونکہ بریلویوں اور دیوبندیوں میں فقہ حنفی کے نفاذ میں تو اختلاف نہیں ہے اتحاد تب ہوگا کہ ہر دو گروہ اختلافی مسائل میں سمجھوتا کرلیں۔بندہ اس کی ایک واضح مثال پیش کرتا ہے پاکستان میں ہر پانچ سال بعد الیکشن اور انتخاب ہوتے ہیں اور بسا اوقات دیوبندی اور بریلوی ایک امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں اور یہ امیدوار ان کا متفقہ امیدوار ہوتا ہے

تو قاضی صاحب کے خیال میں کیا ہر دو گروہ کے درمیان اتحاد ہو جائے گا۔؟ ہرگز نہیں کیونکہ امیدوار میں تو اختلاف نہیں ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ اگر دیوبندیوں اور بریلویوں کی اپنی اپنی کوششوں سے پاکستان میں فقہ حنفی نافذ ہو جائے تو قاضی صاحب کے نزدیک ہر دو میں اتحاد ہو جائے گا قاضی صاحب کو اتنا معلوم نہیں کہ اتحاد رفع اختلاف کا نام ہے نہ کہ متفقہ علیہ چیز کی حمایت کا نام۔ بندہ قبل ازیں کئی بار ذکر کر چکا ہے کہ جو خواتین وحضرات کہ مغرب زدہ ہیں اور پاکستان میں اسلامی آئین کے نفاذ کے خلاف ہیں یہ لوگ خود تو اگر اسلام کے برملا کوئی بات کریں تو عوام میں بدنام ہوتے ہیں اس لئے خود تو برملا ایسی حرکت نہیں کرتے لیکن انہوں نے چند ملاؤں کو اپنا ایجنٹ مقرر کر رکھا ہے کہ جب اسلامی آئین کے نفاذ کی کوئی تحریک چلے تو وہ نام نہاد ملاں اس کو مذہبی رنگ دے کر اس تحریک کو ناکام کریں اسلامی آئین کا نفاذ اس دور میں اتفاق بین المسلمین کے بغیر مشکل ترین ہے تو جب مسلمان اجتماعی صورت میں اسلامی آئین کے نفاذ کی تحریک شروع کرتے ہیں تو یہ ایجنٹ ملاں مذہبی عصبیت پھیلانی شروع کر دیتے ہیں کہ ہم فلاں مکتبہ فکر کے ساتھ کسی نیک کام میں بھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

بندہ کا خیال ہے کہ جناب قاضی صاحب بھی ان ایجنٹوں میں داخل ہیں کیونکہ قاضی صاحب اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ دیوبندی اگر پاکستان میں فقہ حنفی کے نفاذ کی کوشش کریں تو بریلویوں کو ان کی حمایت نہیں کرنی چاہئے بلکہ مخالفت کرنی چاہئے اور اسی طرح اگر بریلوی پاکستان میں نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کی کوشش کریں تو وہ دیوبندیوں کو کہیں کہ تم ہمارے مطالبہ کی حمایت نہ کرو کیونکہ ان دونوں صورتوں میں اگر بریلوی حمایت دیوبندیوں کی

کریں یا کہ دیوبندی حمایت بریلویوں کی کریں تو یہ حمایت دیوبندیوں اور بریلویوں کے درمیان اتحاد ہوگا جو کہ شرعاً جائز نہیں۔

غور فرماویں قاضی صاحب کا حمایت مذکورہ بالا کو اتحاد کہنا بالکل غلط ہے کیونکہ قبل ازیں گزر چکا ہے کہ اتحاد رفع اختلاف ہے یعنی جس مسئلہ میں پہلے اختلاف ہے اب اس اختلاف کا رفع کرنا اتحاد ہے۔اور اگر کسی مسئلہ میں اتفاق ہے تو اس کی حمایت کا نام اتحاد نہیں ہے لہذا بندہ نے جو یہ کہا ہے کہ اگر ریفرنڈم میں ہر دو مکاتب فکر اکٹھے ہو جائیں تو ووٹوں کی کثرت کی وجہ سے پاکستان میں فقہ حنفی کا نفاذ آسان ہے یہ بالکل درست ہے اور قاضی صاحب کا اس فتویٰ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو شامل کرنا فاضل بریلوی پر بہتان ہے۔شاید کسی نے ایسے واقعہ کے متعلق ہی کہا ہے:

﴿خود تو ڈوبے ہیں صنم ☆ تجھے بھی لے ڈوبینگے﴾

قاضی صاحب نے بندہ پر تو بغض اور کینہ کی بناء پر افتراء پردازی کی ہے قاضی صاحب سے التجاء ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو تو معاف کر دیں۔

اس کے بعد قاضی صاحب اپنے رسالہ کے صفحہ ۹۴ پر تحریر کرتے ہیں ﴿یہ تو تھا کسی قدر تمہیدی کلام اور یقین جانئے کہ میرا مقصد اس سے صرف اصلاح ہے نہ فساد اور نہ کسی شخصیت سے عناد﴾

بندہ کہتا ہے کہ کسی شئی کی تمہید اس کی بنیاد ہوتی ہے اور قاضی صاحب کی یہ تمہید مجموعہ اباطیل اور خرافات اور ریت کا گھروندہ ہے تو پھر قاضی صاحب نے اس باطل تمہید اور بنیاد پر چھ ساتھ ابواب کی تعمیر کی ہے اس کا حال ابھی سے معلوم ہو گیا اور بندہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے

تار و پود بکھیر دیگا۔ فانتظر متفتشاً۔

قاضی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت سے بغض و عناد کے علاوہ جہالت کم فہمی اور نادانی کی لہر واضح ہے۔ قاضی صاحب اپنے رسالہ کے ص ۹۴ پر تحریر فرماتے ہیں۔

﴿اب ہم ان چھ سات مذکورہ امور میں کسی قدر تشریح و تفصیل کے ساتھ مستقل ابواب میں یوں ذکر کریں گے کہ ان میں سے ہر مسئلہ ایک مستقل باب میں مذکور ہوگا﴾

قاضی صاحب نے مذکورہ بالا عبارت میں چھ سات امور کا ذکر کیا ہے تو بندہ کہتا ہے کہ قاضی صاحب کا ان امور کو چھ سات کہنا بالکل غیر مناسب ہے قاضی صاحب پر لازم تھا کہ ان امور کو پہلے گنتی کر لیتے کہ چھ ہیں یا سات۔؟ اور پھر صرف ایک عدد ذکر کرتے دو عدد کا ذکر جہل پر مبنی ہے اگر وہ امور چھ ہیں تو ان کو سات کہنا غلط ہے اور اگر سات ہیں تو چھ کہنا نادانی کی دلیل ہے۔ اور پھر قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ ہر مسئلہ کو مستقل باب میں ذکر کیا جائے گا اس سے معلوم ہوا کہ جتنے مسائل ہیں اتنے ابواب ہوں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ سات باب ہوں گے حالانکہ قاضی صاحب کا جو رسالہ بندہ کے پیش نظر ہے جس میں یہاں تک کی ساری باتیں اور امور ہیں اس میں صرف دو باب ہیں ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ چار یا پانچ باب ابھی تک قاضی صاحب کے رحم میں ہوں اور اجل مسمیٰ ظاہر ہوں۔ حَتّٰی یَبْلُغَ الْکِتَابُ اَجَلَہٗ۔

یہاں تک تو قاضی صاحب کی تمہید پر بحث تھی اب بندہ قاضی صاحب کے مقاصد پر بحث کرتا ہے۔

قاضی صاحب اپنے رسالہ کے ص ۹۶ پر تحریر کرتے ہیں۔

﴿اب بندیالوی صاحب کے قابل اعتماد اور مسلم امام کی رائے بھی اس مسئلہ میں

ملاحظہ کر لیجئے مولانا شاہ احمد نورانی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ضیاء الحق اسلام سے مخلص ہوتے تو اسلام نافذ کر سکتے تھے مگر بندیالوی صاحب فرما رہے ہیں کہ اسلامی نظام نافذ کرنے کا اختیار صرف اور صرف شرعی امام کو ہے اور صدر محمد ضیاء الحق شرعی امام نہ تھے ﴾

قاضی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت پر بندہ تین طریقہ پر بحث کرتا ہے۔

بحث اول:۔ بندہ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی بندہ کے یا کسی اور کے مسلّم امام ہیں کیونکہ بندہ قبل ازیں تفصیل سے بیان کر چکا ہے کہ جس امام کی بحث بندہ کے رسالہ عورت کی حکمرانی میں ہے اور جس امام کی تحقیق بندہ نے اپنے رسالہ میں کی ہے اس سے مراد نہ تو امام مسجد ہے اور نہ ہی کسی محدود سیاسی جماعت کا صدر بلکہ اس امام سے مراد وہ ہے جس کی تعریف کتب فقہ اور کلامیہ میں ہے اور بندہ نے اس کی تین تعریفیں اپنے رسالہ میں ذکر کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ امام وہ ہے جس کا مخلوق پر تصرف عام ہو اور اس کی اتباع تمام امت پر واجب ہو اور بلاد اسلام پر اس کی ریاست عام ہو اور وہ قریش سے ہو اور بندہ دلیل سے ثابت کر چکا ہے کہ ایسا امام خلفاء عباسیہ کے بعد آج تک نہیں ہوا تو پھر علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی صاحب اور کسی اور کو مسلم امام کہنا اور پھر اس کو بندہ کی طرف منسوب کرنا یہ نرا بہتان اور خبث باطن کا اظہار ہے البتہ یہ بات بندہ نے ضرور کہی ہے کہ مستقبل میں اگر نورانی صاحب انتخاب اور الیکشن میں کامیاب ہو جائیں اور مرکزی اسمبلی اکثریت سے علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی صاحب کو صدر منتخب کر لے تو علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی صاحب جامع شرائط امام ہوں گے اور ان پر شرعی امام کی تعریف صادق آئے گی اور اس کا انکار کوئی معاند جاہل ہی کر سکتا ہے۔ اور جمعیت کے مخالف دھڑے کے صدر کو اگر مرکزی قومی اسمبلی اتفاق رائے سے

بھی صدر پاکستان منتخب کرے تو یہ شرعی امام نہیں ہوگا بلکہ باغی ہوگا کیونکہ وہ جامع شرائط امامت شرعیہ نہیں ہے۔

بحث دوم:۔ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے اگر یہ فرمایا ہے کہ اگر ضیاء الحق اسلام سے مخلص ہوتے تو اسلام نافذ کر سکتے تھے اس کا جواب قبل ازیں گزر چکا ہے اب بندہ دوبارہ اس جواب کو ذکر کرتا ہے کہ شاید بات قاضی صاحب کی سمجھ میں آجائے اگرچہ معاند سے سمجھ کی توقع نہیں ہے یہ جواب کئی وجوہ پر ہے۔

وجہ اول:۔ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی صاحب کے الفاظ یہ ہیں ﴿نافذ کر سکتا تھا﴾ اور کر سکتا کا معنی امکان ذاتی اور قدرت ہے اور اس میں کلام نہیں ہے اسلام کے نفاذ کا نفس امکان اور قدرت ہر ذی شوکت متغلب باغی کو حاصل ہے۔ جیسے امریکہ، فرانس اور برطانیہ کے حکمرانوں کو بھی یہ امکان ذاتی اور قدرت حاصل ہے۔ کلام اور بحث اس میں ہے کہ اگر ضیاء الحق اسلام نافذ کر دیتا تو کیا شرعاً یہ نفاذ مستحسن ہوتا یا نہ۔؟

بندہ کہتا ہے کہ یہ نفاذ شرعاً غیر مستحسن ہوتا کیونکہ صدر ضیاء الحق ہمہ مقتدر تھا اور وہ خود مستعفی ہو کر شرعی امام مقرر کر سکتا تھا تو اب اگر ضیاء الحق اسلام نافذ کر دیتا تو شرعی امام نہ ہونے کی وجہ سے اس کی موت اور ان لوگوں کی موت جو تقرر امام کا اختیار رکھتے ہیں ان سب کی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہوتی۔ البتہ عوام پاکستانی مسلمان اس وعید میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ضیاء الحق کے دور میں وہ تقرر امام پر قادر نہیں تھے۔

اب قاضی صاحب غور کریں کہ اگر ضیاء الحق اسلام نافذ کر دیتا تو جب اس کی موت

جاہلیت اور ضلالت کی موت ہے تو ضیاء الحق کا نفاذ اسلام کیسے مستحسن شرعاً ہوتا۔؟ اور علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے تو صرف یہ فرمایا کہ ضیاء الحق اسلام نافذ کرسکتا تھا یہ نہیں فرمایا کہ اگر نافذ کرتا تو یہ نفاذ شرعاً مستحسن ہوتا اور یہ بات بندہ کے قول کے منافی نہیں کہ اسلامی آئین کا نفاذ صرف اور صرف شرعی امام کے اختیار میں ہے یعنی نفاذ اسلام مستحسن صرف اسی صورت میں ہے کہ اس کو شرعی امام نافذ کرے۔

وجہ دوم:۔ قبل ازیں ابتداء میں بندہ ذکر کر چکا ہے کہ اگر ضیاء الحق اسلامی آئین نافذ کر دیتا تو وہ بے شک نافذ کرسکتا تھا اور اس کو اس پر قدرت تھی لیکن اس نفاذ سے وہ شرعی امام ہرگز نہ بنتا بلکہ باغی ہی رہتا۔ اب علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کا یہ فرمان کہ ضیاء الحق اسلام نافذ کرسکتا تھا اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس نفاذ سے ضیاء الحق شرعی امام بنجاتا۔ اب بھی بندہ کے قول اور علامہ نورانی صاحب کے فرمان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

وجہ سوم:۔ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کا فرمان کہ ضیاء الحق اسلام نافذ کرسکتا تھا اس کا یہ معنی نہیں کہ ضیاء الحق صدارت کے عہدہ پر رہتے ہوئے اسلام نافذ کرسکتا تھا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صدر ضیاء الحق کو پورا اختیار تھا کہ وہ صدارت کے عہدہ سے مستعفی ہوکر باشرائط شرعی امام کا تقرر کرتا اور وہ شرعی امام اسلام نافذ کرتا تو نفاذ کی نسبت ضیاء الحق کی طرف مجاز ہے اور قرینہ یہ ہے کہ صدر ضیاء الحق خود بلاواسطہ اسلام نافذ کرنے کا اہل نہ تھا۔

بحث سوم:۔ بندہ نے اپنے رسالہ میں علامہ شاہ احمد نورانی کا نام لے کر کہیں بھی نہیں کہا کہ وہ میرے مسلّم امام ہیں تو رضوی صاحب کا یہ کہنا کہ علامہ شاہ احمد نورانی

صدیقی بندیالوی صاحب کے مسلم امام ہیں یہ بندہ اور علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے ساتھ عناد اور بغض ہے۔اب بندہ قاضی صاحب کو ایک مسئلہ بیان کرتا ہے کہ کسی مسلمان کے ساتھ بغض اور عناد کتنا جرم ہے تفاسیر میں ہے کہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے چند آدمیوں سے سنا کہ وہ صحابہ کرام کا گلہ کر رہے ہیں تو آپ نے ان آدمیوں سے پوچھا کہ تم مہاجر ہو یا انصار؟ تو انہوں نے نفی میں جواب دیا تو امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو تم نے خود اقرار کیا کہ تم مہاجر اور انصار نہیں ہو اب میں گواہی دیتا ہوں کہ تم مسلمان ہی نہیں ہو کیونکہ قرآن پاک میں مسلمانوں کے تین گروہ کا ذکر ہے۔اول:۔مہاجرین دوم:۔انصار سوم:۔وہ بعد میں آنے والے مسلمان جو کہ سابقہ مسلمانوں کیلئے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں اور ان کے دل میں کسی مسلمان کے متعلق حسد اور بغض اور کینہ نہیں ہے اور اس تیسرے گروہ کا ذکر قرآن پاک کی اس آیت میں ہے۔

قولہ تعالیٰ:﴿وَالَّذِيْنَ جَاۤؤُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ الآية﴾

یعنی کئی مسلمان تو پہلے گزر گئے مثلاً مہاجرین اور انصار اور جو مسلمان ان کے بعد آئے وہ یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمارے اور ہم سے پہلے مسلمانوں کے گناہ معاف فرما اور ہمارے دلوں میں مسلمانوں کے متعلق کوئی حسد،بغض اور کینہ پیدا نہ فرما۔

اب قاضی صاحب غور فرماویں کہ وہ نہ تو مہاجر ہیں اور نہ مدینہ شریف کے انصار بلکہ ان کے بعد آنے والے ہیں تو اگر انہوں نے اکابرین اہل سنت کے متعلق دل میں ذرا برابر حسد اور بغض رکھا تو پھر امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ سن لیں۔بندہ نے اپنے رسالہ میں جو تنقید کی

ہے اس کی وجہ حسد اور بغض نہیں بلکہ خیر خواہی ہے کہ ان کو ایک خالص شرعی مسئلہ بتایا گیا کہ تم اپنے رویہ پر نظر ثانی کرو۔ اور اللہ تعالی اور اس کے حبیب ﷺ کے فرمان پر عمل کرو کیونکہ اسی میں دین اور دنیا کی بہتری اور ہدایت اور فلاح ہے خلاصہ یہ کہ بندہ نے اپنے رسالہ کے ذریعے تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ اب قاضی صاحب کا اپنے رسالہ کے ص ۹۷ پر یہ تحریر کرنا کہ اس فقیر نے پانچ ہزار علماء کو دوزخی اور جہنمی قرار دیا ہے یہ بالکل بہتان اور افتراء ہے۔ بندہ نے ان کو دوزخی اور جہنمی ہرگز نہیں کہا بلکہ ان کے سامنے اللہ تعالی اور اس کے حبیب لبیب ﷺ کا حکم بڑے احترام اور ادب کے ساتھ پیش کیا ہے جس پر عمل سے دوزخ اور جہنم سے نجات حاصل ہوتی ہے اس کے بعد جناب قاضی صاحب اپنے رسالہ کے ص ۹۷ اور باب دوم کے ابتداء میں رقم طراز ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

﴿بندیالوی صاحب بلا استثناء سب پر ایک ہی حکم لگائے چلے جا رہے ہیں جس سے یہ تأثر پیدا ہوتا ہے کہ شاید وہ نصب امام کو فرض عین قرار دیتے ہیں جس کا تعلق ہر آدمی کے ساتھ ہے اور بصورت کوتاہی کے وہ معتوب قرار پائے گا حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ نصب و تقرر امام فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں﴾

قاضی صاحب کی یہ عبارت بھی جہالت کا شاہکار ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ قاضی صاحب کو علوم دینیہ سے عموماً اور مذہب حنفی سے خصوصاً کوئی واقفی نہیں ہے اور ان کو استاد نے جو غلط سلط پڑھایا ہے اس پر اعتماد کر کے اپنی علمی کم مائیگی کا اظہار کر رہے ہیں ذرا کان کھول کر سن لیں قاضی صاحب کو فرض عین اور فرض کفایہ کا استاد نے فرق ہی نہیں بتلایا۔ فرض عین اور فرض کفایہ کا تعلق ہر آدمی سے نہیں بلکہ ہر مسلمان کے ساتھ ہے اور ماضی اور حال میں ہر

مسلمان فرض عین اور فرض کفایہ کیساتھ مکلّف ہے اور فرض عین اور فرض کفایہ کی کوتاہی کی صورت میں ہر مسلمان معتوب قرار پائے گا۔کوتاہی کا یہ معنی ہے کہ فرض کفایہ کسی نے بھی ادا نہیں کیا تو اس کوتاہی کی صورت میں ہر مسلمان کو ترک فرض کا گناہ ہوگا۔اس کی ذرا تفصیل ملاحظہ ہو تاکہ قاضی صاحب اور ان کے بزرگوں اور شاگردوں کو فرض کفایہ کا پتہ چل سکے اور وہ جہل مرکب کے گرداب سے نکلیں۔

واضح ہو کہ فرض عین کی طرح فرض کفایہ ہر مسلمان پر فرض ہے اور ہر مسلمان اس کے ساتھ مکلّف ہے فرض عین کی طرح فرض کفایہ کا تعلق ہر مسلمان کے ساتھ ہے اور بصورت کوتاہی کہ کسی مسلمان نے فرض کفایہ کو ادا نہیں کیا تو ہر ایک معتوب اور گناہگار ہوگا اور فرض عین کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کے ساتھ ہر ایک مسلمان مکلّف ہے اور اس کا تعلق ہر ایک مسلمان سے ہے۔اب بندہ فرض عین اور فرض کفایہ میں فرق بیان کرتا ہے کہ اگرچہ ہر دو فرض کے ساتھ ہر مسلمان مکلّف ہے اور ہر دو کا تعلق ہر مسلمان سے ہے لیکن اگر بعض مسلمان فرض کفایہ کو ادا کردیں تو یہ فرض ان لوگوں سے بھی ساقط ہو جائے گا جنہوں نے ادا نہیں کیا برخلاف فرض عین کے کہ اس کے ساتھ ہر مسلمان ایسا مکلّف ہے کہ ہر ایک کو ادا کرنا پڑتا ہے اور بعض مسلمانوں کے کرنے سے دوسروں سے ساقط نہیں ہوتا اور جو بھی اس کو ترک کرے گا وہ گناہگار ہوگا۔

جناب قاضی صاحب کی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض کفایہ کے ساتھ ہر مسلمان مکلّف نہیں ہوتا اور نہ ہی فرض کفایہ کا تعلق ہر مسلمان سے ہوتا ہے بلکہ فرض کفایہ بعض مسلمانوں پر فرض ہوتا ہے اور اس کا تعلق بعض مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے اور بعض مسلمان گناہگار ہوتے ہیں جب کہ فرض کفایہ کو کوئی بھی ادا نہ کرے اور فرض کفایہ کے ساتھ بعض مسلمان مکلّف

ہیں۔قاضی صاحب کی یہ تمام عبارت بالکل باطل ہے اور مذہب سے ناواقفی پر مبنی ہے۔اب بندہ قاضی صاحب کی عبارت مذکورہ کے ہر جملہ کا رد کرتا ہے قاضی صاحب اپنے رسالہ کے ص ۹۷ پر تحریر کرتے ہیں۔

﴿بندیالوی صاحب بلا استثناء سب پر ایک ہی حکم لگائے چلے جا رہے ہیں﴾

جناب والا بندیالوی نے جو کچھ کہا درست اور شریعت کے مطابق کہا اگر تقرر امام پر قدرت کے باوجود اگر نہ تو سارے عالم اسلام کا ایک امام ہے اور نہ پاکستانی مسلمانوں نے اپنا شرعی امام مقرر کیا تو بلا استثناء ہر مسلمان یا ہر پاکستانی مسلمان کی موت جاہلیت کی موت ہوگی اور ضلالت کی۔کیونکہ اگرچہ تقرر امام فرض کفایہ ہے لیکن چونکہ فرض کفایہ ہر مسلمان پر فرض ہے اور ہر ایک اس کے ساتھ مکلّف ہے لہذا اگر بالکلیہ ترک کیا گیا تو ہر مسلمان مستقل طور پر گناہگار ہوگا اور ہر مسلمان کی موت مستقل طور پر جہالت اور ضلالت کی موت ہوگی۔

البتہ اگر تقرر امام پر قدرت ہی نہیں ہے تو یہ مستثنیٰ ہیں۔اور معذور ہیں۔لیکن بندہ قبل ازیں بیان کر چکا ہے کہ اب پاکستانی مسلمان تقرر امام پر کلی طور پر مختار اور قادر ہیں کیونکہ حکومت کا تقرر ہمارے ووٹوں کا محتاج ہے اور ہم ووٹ دینے میں کلی طور پر مختار ہیں ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ہم کو اسلامی موت سے دلچسپی اور جہالت کی موت سے نفرت ہو اور اس کا انکار معاند ہی کر سکتا ہے کیونکہ انتخاب کے وقت اگر ہم ہر امیدوار کو کہیں کہ ہم تم کو ووٹ اس شرط پر دیتے ہیں کہ تم کامیابی کے بعد شرعی امام کے تقرر میں کوشش کرو گے اور یہ ظاہر ہے کہ انتخاب کے وقت ہر امیدوار ہر شرط مقدورہ ماننے کو تیار ہوتا ہے اور پھر تقرر امام صرف ووٹروں کے مفاد میں نہیں ہیں بلکہ اس سے امیدواروں کی موت بھی اسلامی ہوگی لہذا اس شرط پر عمل

کرنا ہر امیدوار کیلئے آسان ہوگا یہ تقرر امام کی ایک صورت ہے اس کے سواء تقرر امام کی اور صورتیں بھی ہیں جن کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے اور سب صورتیں آسان اور ہمارے اختیار میں ہیں تو ثابت ہوا کہ پاکستانی مسلمان تقرر امام میں بالکل مختار ہیں اور اگر تقرر امام کو ترک کیا گیا تو ہر پاکستانی بلا استثناء جہالت کی موت مرے گا۔

خواہ وہ عام مسلمان ہو خواہ قاضی ہو خواہ بڑا عالم اور بزرگ شیخ ہو قاضی صاحب کا خیال ہے کہ وہ اور ان کے مشائخ اور متعلقین تو آرام سے حلوے مانڈوں سے لطف اندوز ہوں اور ان کو اپنی موت کی فکر نہ ہو کہ حلال موت مریں یا حرام کی۔ اور کوئی دوسرا تقرر امام کا فریضہ ادا کرے۔ غور کریں اسلام کی تبلیغ کیلئے مسلمانوں نے جان و مال اور اولاد کی قربانی دی اس وقت پاکستان میں تقرر شرعی امام نہ تو جان کو خطرہ ہے اور نہ ہی مال کو۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ پاکستان کے علماء و مشائخ عوام کو تقرر امام کی ضرورت کا احساس دلائیں۔ جن میں سب کا بھلا ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان تقرر امام کی ضرورت کا احساس دلاتا ہے تو بعض علماء اور مشائخ اپنے قاضی نما ایجنٹوں کو یہ حکم دیتے ہیں کہ تم تقریر اور تحریر کے ذریعے تقرر امام کا رد کرو کہ تقرر امام کوئی ضروری چیز نہیں ہے قاضی صاحب اپنے رسالہ کے صفحہ مذکورہ پر رقم طراز ہیں۔

﴿بندیالوی صاحب کے حکم سے یہ تأثر پیدا ہوتا ہے کہ شاید وہ نصب امام کو فرض عین قرار دیتے ہیں جس کا تعلق ہر آدمی کے ساتھ ہے اور بصورت کوتاہی کے وہ معتوب قرار پائے گا حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ تقرر امام فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں﴾

بندہ کہتا ہے کہ تقرر امام فرض کفایہ ہے اس کے باوجود ہر مسلمان اس کے ساتھ

مکلف ہے اور اس کا تعلق ہر مسلمان کے ساتھ ہے اور اگر اس میں کوتاہی کی گئی اور کسی مسلمان نے ادا نہ کیا تو ہر مسلمان معتوب ہوگا اور اس کی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہوگی اور اس میں کوئی استثناء نہیں ہے اور فرض عین اور فرض کفایہ میں جو فرق ہے اس کا ذکر قبل ازیں کیا جا چکا ہے۔ قاضی صاحب کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ قاضی صاحب کے نزدیک فرض عین اور فرض کفایہ میں یہ فرق ہے کہ فرض عین کا تعلق ہر آدمی کے ساتھ ہے اور فرض کفایہ کا تعلق ہر آدمی سے نہیں ہے یعنی ہر آدمی اس کا مکلف نہیں ہے اور اگر فرض کفایہ کو ہر آدمی نے ترک کیا تو ہر آدمی معتوب نہیں ہے پس قاضی صاحب کا یہ فرق محض جہالت ہے قاضی صاحب اپنے رسالہ کے ص ۹۹ پر تحریر کرتے ہیں۔

﴿انگریز کے دور میں بھی بعض علماء و معززین نے اس مقصد کے حصول کیلئے پوری پوری سعی کی تھی چنانچہ امام فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو جلاوطن کیا گیا اور کالا پانی لیجایا گیا تو علماء نے کفر کا مقابلہ کرتے ہوئے بڑے بڑے مصائب جھیلے اور تکلیفیں برداشت کیں﴾

قاضی صاحب نے مذکورہ بالا عبارت میں ایک نہایت پے چیدہ مسئلہ کا ذکر کیا ہے جس سے وہ بالکل نابلد اور ناواقف ہیں اور قاضی صاحب نے اس عبارت میں اعتراضات سے بچنے کیلئے مبہم اور گول مول الفاظ کا سہارا لیا ہے۔ مثلاً قاضی صاحب نے تحریر کیا کہ

﴿انگریز کے دور میں بعض علماء و معززین نے اس مقصد کے حصول کیلئے پوری پوری سعی کی﴾

اس عبارت میں جو لفظ مقصد ہے یہ مبہم اور گول مول ہے اس لفظ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس مقصد سے کیا مراد ہے۔ بندہ کی بحث نصب امام اور تقرر امام میں ہے اور قاضی صاحب

نے یہی امام کا لفظ اپنے رسالہ میں کئی جگہ پر ذکر کیا ہے اور عبارت مذکورہ بالا سے صرف تین سطر فاصلہ پر نصب امام کا لفظ کیا ہے اب اس کی کیا وجہ ہے کہ یہاں امام کے لفظ کے بجائے مقصد کا لفظ استعمال کیا۔؟ اگر اس مقصد سے مراد نصب امام اور تقرر امام ہے تو فاضل خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے لے کر آج تک کسی عالم نے تقرر امام کیلئے کوئی سعی نہیں کی قاضی صاحب کو چیلنج ہے کہ کسی مستند تحریر سے ثابت کریں کہ فلاں عالم نے اپنی تحریر یا تقریر میں نصب امام اور تقرر امام کا ذکر کیا ہو جیسا کہ کتب کلامیہ اور بندہ کے رسالہ عورت کی حکمرانی میں ہے کہ تقرر امام واجب ہے اور اس کی معرفت کے بغیر مسلمان کی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہے جتنے مغلیہ خاندان کے حکمران ہوئے ہیں ان سے کوئی بھی شرعی امام نہیں تھا سب باغی تھے اور علامہ فاضل خیر آبادی قدس سرہ العزیز مغلیہ دور کے آخری حکمران بہادر شاہ ظفر کے دور میں تھے جس سے انگریزوں نے ہندستان کی حکومت چھینی ہے اگر فاضل خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے انگریز کے خلاف شرعی امام کیلئے جہاد کیا ہے تو بہادر شاہ ظفر کے خلاف کیوں لڑائی نہیں کی اور اس کی اتباع کیوں کی۔؟

مزید برآں انگریزوں کیخلاف لڑائی صرف مسلمانوں نے نہیں کی بلکہ اس دور کے ہندوؤں اور سکھوں نے بھی لڑائی کی ہے۔ تو قاضی صاحب بتائیں کہ انگریز کے خلاف جو غیر مسلموں نے لڑائی کی کیا یہ شرعی امام کے تقرر کیلئے تھی۔؟ جب غیر مسلموں کی انگریز کے خلاف لڑائی تقرر امام کیلئے نہیں تھی تو فاضل خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور اس دور کے علماء رحمۃ اللہ علیہم کا انگریز کے خلاف جہاد بھی تقرر امام کیلئے نہیں تھا باقی رہی یہ بات کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں نے انگریز کے خلاف لڑائی کی اس میں فرق کیا تھا۔ تو گزارش ہے کہ مغلیہ حکمران مسلمان اور انگریز

نصرانی کافر تھے تو مسلمانوں نے انگریز کے خلاف جہاد کفر کی وجہ سے کیا اور قاضی صاحب نے بھی اپنی عبارت میں اس کو تسلیم کیا ہے چنانچہ مذکورہ بالا عبارت میں تحریر کرتے ہیں۔

﴿تو علماء نے کفر کا مقابلہ کرتے ہوئے بڑے بڑے مصائب جھیلے﴾

تو اس عبارت میں قاضی صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ فاضل خیر آبادی اور اس دور کے علماء رحمۃ اللہ علیہم نے انگریز کے خلاف جہاد کفر کی وجہ سے کیا تو اب قاضی صاحب کا مذکورہ بالا عبارت میں یہ کہنا کہ بعض علماء و معززین نے اس مقصد کیلئے پوری پوری سعی کی تھی یہ لفظ اس مقصد کتنا بے معنی ہو گیا اور قاضی صاحب کی عبارت میں تعارض بھی آ گیا کہ پہلے کہتے ہیں اس مقصد کیلئے سعی کی اور پھر فوراً کہتے ہیں کہ کفر کا مقابلہ کیا مسلمانوں نے جو انگریز کے خلاف جہاد کیا اس کی وجہ کفر تو مذکور ہوئی اب یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ غیر مسلموں نے انگریز کے خلاف کیوں لڑائی کی۔ تو وہ اس لئے کہ انگریز چھ ہزار میل سے آ کر ہندوستان پر قابض ہو گئے تو ہندوستانی غیر مسلموں کو غیرت آئی کہ یہ غیر ملکی ہم پر حکومت کرتے ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ فاضل خیر آبادی اور ان کے ہم عصر علماء رحمۃ اللہ علیہم کے دور میں جب شرعی امام نہیں تھا تو انہوں نے تقرر امام کیلئے کیوں سعی نہ کی تو جواب یہ ہے کہ ان علماء نے مغلیہ دور اور انگریزی دور دونوں پائے ہیں اور مغلیہ اور انگریزی ہر دو دور میں شخصی حکومتیں تھیں جن کا ہٹانا ان علماء کے اختیارات اور قدرت میں نہ تھا اور وہ معذور و مضطر اور مجبور تھے لہذا اس مسئلہ کے علم کے باوجود حدیث امامت کی وعید میں داخل نہیں ہیں اور ان کی موت اسلامی موت ہے نہ کہ جہالت اور ضلالت کی۔ جس طرح آج کل کے پاکستانی عوام اور علماؤ مشائخ کی کہ تقرر امام پر قدرت اور اختیار کے باوجود نصب امام کیلئے کوئی کوشش نہیں کرتے بلکہ اگر

کوئی اس مسئلہ کی سعی کرے تو یہ علماء اور مشائخ اپنے ملاں نما ایجنٹوں کی پیٹھ ٹھونکتے ہیں کہ تم اس کا رد کرو کہ یہ تمہاری انوکھی منطق ہے۔

نوٹ:۔ قبلہ استاذی المکرم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مضمون ہمیں اتنا ہی ملا ہے جو قارئین کی نظر کر دیا گیا ہے۔تدریسی مصروفیات کی وجہ سے استاذ العلماء رحمۃ اللہ علیہ یہ مضمون مکمل نہیں کر سکے۔قاضی غلام محمود ہزاروی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مضمون عورت کی حکمرانی کی شرعی حیثیت کی پہلی قسط کے صرف تین اوراق کا جواب دیا ہے اگر استاذ العلماء رحمۃ اللہ علیہ چاروں اقساط کا جواب دیتے تو ایک ضخیم کتاب معرض وجود میں آجاتی حقیقت میں قبلہ استاذی المکرم رحمۃ اللہ علیہ نے جو تین اوراق کا جواب دیا ہے یہ قاضی صاحب کی چار اقساط پہ بھاری ہے۔قارئین پہ یہ بات مطالعہ سے واضح ہو جائے گی۔قاضی صاحب نے استاذ العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ عورت کی حکمرانی پر بے جا تنقید کر کے اپنی جہالت کا پردہ چاک کیا ہے۔

مولوی نذر حسین چشتی گولڑوی عفی عنہ

اہل بیت کرام اور خصوصاً سیدی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے مستند فضائل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اما بعد! فقیر عطا محمد چشتی گولڑوی عفی عنہ اہل ذوق اہل سنت کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ میرے ایک عزیز علامہ شاہ حسین گردیزی زید مجدہ نے بندہ سے فرمائش کی ہے کہ یہ فقیر حضرت قبلہ سیدی وسندی محبوب الٰہی السید محی الملۃ والدین جناب شاہ غلام محی الدین گولڑوی قدس سرہ کے حالات حیطۂ تحریر میں لائے۔ اگرچہ آپ کے حالات کا احاطہ اس فقیر جیسے ہیچ مدان کے لئے نہایت مشکل اور متعذر ہے بلکہ سمندر کو کوزے میں بند کرنا ہے۔ لیکن بمطابق مقولہ مشہور ما لا یدرك كله لا يترك كله یعنی جس چیز کا پورا ادراک نہ ہو سکے اس کے لئے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ اس کو بالکل ترک کر دیا جائے۔

اس بناء پر بندہ اپنے حضرت کے یہاں وہ چند احوال تحریر کرے گا جن کا اس فقیر نے خود مشاہدہ کیا ہے یا کہ نہایت مستند طریقہ سے بندہ کو معلوم ہوئے۔ کوئی سنی سنائی بے سروپا بات یہاں تحریر نہیں کی جائے گی کیونکہ اس فقیر نے حضرت قبلہ شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ اپنے شیخ کے بے سند اور غلط ملفوظات ذکر کرنا ایسا ہے جیسے حدیث موضوع کا وضع کرنا اور لوگوں کو بطور اصلی حدیث بیان کرنا ہے۔

قبل اس کے کہ یہ عاجز اپنے حضرت کے احوال بیان کرے مناسب معلوم ہوتا ہے

کہ اہل بیت نبی اکرم ﷺ کے نہایت مستند فضائل بیان کرے۔ خصوصاً سیدی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے فضائل۔

قرآن پاک میں ہے۔ قولہ تعالیٰ

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ جز ایں نیست کہ اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ نجاست اور پلیدی تم سے لے جائے اور مکمل طور پر تم کو پاک کر دے۔

لفظ رجس سے مراد برے عقائد، بری عادتیں اور برے اعمال ہیں اور تطہیر سے مراد روحانی کمالات ہیں۔ مذکورہ بالا آیۃ مبارکہ اہل تشیع اور اہل سنت کے درمیان معرکۃ الآراء ہے ۔شیعہ اس آیت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ائمہ اہل بیت معصوم ہیں اور ان سے کوئی گناہ صادر نہیں ہو سکتا۔ محققین اہل سنت نے شیعہ کے اس استدلال کو چند وجوہ سے ردّ کیا ہے۔

وجہِ اوّل:۔ شیعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اہل بیت پیدائشی طور پر معصوم اور گناہوں سے پاک ہیں۔ یہ عقیدہ تب ثابت ہوتا کہ قرآن پاک کی آیت اس طرح ہوتی (ان اللّٰہ اذھب عنکم الرجس اھل البیت و طھرکم تطھیرا) یعنی صیغہ ماضی لایا جاتا حالانکہ آیۃ مذکورہ بالا میں صیغہ مضارع لایا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اذہاب رجس اور تطہیر مستقبل میں ہوگی۔

وجہ دوم:۔ آیت مبارکہ میں ارادہ اذھاب اور ارادۂ تطہیر کا ذکر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کر رہا ہے کہ مستقبل میں اہل بیت سے رجس دور کر دے اور اہل

بیت کو پاک کر دے اور شیعہ کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد اس کے ارادہ سے متخلف ہو سکتی ہے یعنی جس چیز کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے یہ ضروری نہیں کہ وہ چیز واقعہ میں متحقق بھی ہو تو اس اصل کی بناء پر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ اذہاب اور تطہیر کیا ہو لیکن یہ مراد پوری نہ ہوئی ہو۔

وجہ سوم:۔ مستقبل میں اذہاب، رجس اور تطہیر تب متصور ہو گی کہ نزول کے وقت اہل بیت میں رجس اور گناہ ہوں اور یہ بھی شیعہ کے عقیدہ کے خلاف ہے۔

وجہ چہارم:۔ یہ ایک قاعدہ مسلمہ ہے کہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خصوص مورد کا۔ قرآن میں لفظ اہل بیت ہے جو کہ مطلق ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اہل بیت سے مراد صرف ائمہ اہل بیت ہیں یا کہ مطلق اہل بیت جو قیامت تک آنے والے ہیں۔ اگر مراد صرف بارہ آئمہ ہوں تو اس پر کوئی قرینہ نہیں کیونکہ یہ آیہ بارہ آئمہ کے متعلق نازل نہیں ہوئی اور نیز خصوص مورد کا اعتبار نہیں اور اگر مراد قیامت تک آنے والی اہل بیت ہیں تو یہ خلاف مشاہدہ ہے کیونکہ بعض اہل بیت سے کبائر کا صدور بھی ہوا ہے مثلاً زنا اور شرب خمر مزید براں نہج البلاغۃ کے بعض خطبات سے پتہ چلتا ہے کہ شیعہ کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی معصوم نہیں ہیں۔

وجہ پنجم:۔ مذکورہ بالا آیۃ تطہیر کی طرح اہل بدر کے متعلق بھی قرآن پاک میں ایک آیۃ نازل ہوئی ہے۔ تو شیعہ پر یہ لازم آئے گا کہ اہل بدر کو بھی معصوم تسلیم کریں حالانکہ تمام اہل بدر شیعہ کے نزدیک معصوم نہیں ہیں۔ اب اہل بدر کے متعلق آیۃ ملاحظہ ہو۔

قولہ تعالیٰ: وَلٰكِنْ يُرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ۔ الآیۃ

یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری تطہیر کا ارادہ فرماتا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کرنے کا۔

اب اس آیۃ کا فائدہ مذکورہ بالا آیۃ تطہیر سے کچھ زیادہ ہی ہے کیونکہ اس آیۃ میں اتمام نعمت کا بھی ذکر ہے تو اب معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اہل بدر کی تطہیر بھی فرمائی اور ان پر نعمت کا بھی اتمام کر دیا اور یہ اتمام اسی وقت متصور ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر کو گناہوں اور شر شیطان سے محفوظ فرمائے۔ شیعہ آیتِ تطہیر سے ائمہ اہل بیت کی معصومیت ثابت کرتے ہیں تو پھر دوسری آیۃ سے اہل بدر کی معصومیت بطریق اولیٰ ثابت ہوگی، حالانکہ تمام اہل بدر کی معصومیت کا وہ عقیدہ نہیں رکھتے۔

یہاں تک بندہ نے آیۃ تطہیر سے اہل شیعہ کی دلیل کا ردّ کیا ہے۔ اب بندہ یہ ذکر کرتا ہے کہ اہل سنت نے آیۃ تطہیر کا کیا معنی کیا ہے تو واضح ہو کہ اہل سنت کے نزدیک بھی آیۃ تطہیر میں آنحضرت ﷺ کی آل داخل ہے اور اس میں اہل بیت کی مدح اور ستائش بیان کی گئی۔

اہل سنت کے نزدیک آیۃ تطہیر کے دو معنی کئے گئے ہیں:

معنی اوّل:۔ ارادہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی محبت ہے یعنی اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اس بات کو کہ تم سے رجس اور ناپاکی دور کر کے تمہاری تطہیر کرے اور اللہ تعالیٰ نے اس محبت کا اظہار قرآن پاک میں فرما دیا تا کہ جب تک قرآن پاک کی تلاوت ہوتی رہے گی۔ امت کے سامنے اس محبت اور پسند کا ذکر ہوتا رہے گا۔ اور ظاہر ہے کہ اہل بیت کو پاکیزگی اسی وقت حاصل ہوگی کہ اہل بیت کتاب وسنت اور شرع شریف پر مکمل عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے اظہار سے اہل بیت کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ اہل بیت تم شرع شریف پر پورا عمل کرو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق جس چیز کو پسند فرماتا ہے وہ چیز متحقق ہو جائے۔

دوسرا معنی:۔ اللہ تعالیٰ نے آیۃ تطہیر سے قبل اوامر اور نواہی کا ذکر فرمایا ہے اور آیۃ تطہیر نواہی اور اوامر کی علت ہے تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو نہی کی اور امر بھی۔ نہی اس لئے تا کہ جب تم رک جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تم سے رجس لے جائے گا اور جب تم امر پر عمل کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری تطہیر کر دے گا تو گویا کہ نواہی سے اجتناب اور اوامر پر عمل یہ ہر دو شرط ہیں اور اذہاب رجس اور تطہیر یہ ہر دو مشروط ہیں یعنی اذہاب، رجس اور تطہیر اس وقت متحقق ہوں گے۔ جب کہ اہل بیت منہی عنہ سے اجتناب اور مامور بہ پر عمل پیرا ہوں گے اور یہ معقول امر ہے۔ نیز یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ جب کسی چیز پر نقش و نگار کرنے ہوں تو پہلے اس چیز کا تخلیہ کیا جاتا ہے یعنی اس چیز کو ریگ مال سے صاف کیا جاتا ہے اور اس کے بعد تحلیہ ہوتا ہے یعنی اس چیز پر نقش و نگار کیا جاتا ہے تو اذہاب، رجس سے تخلیہ کی طرف اور تطہیر سے تحلیہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ دوسرا معنی علامہ صاحب روح المعانی نے کیا ہے۔

اس معنی پر ایک اعتراض ہوتا ہے جس کا علامہ صاحب روح المعانی نے جواب دیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ اس میں اہل بیت کی کیا تخصیص ہے جو مسلمان بھی منہی عنہ سے اجتناب اور مامور بہ کا ارتکاب کرے تو وہاں بھی تخلیہ اور تحلیہ متحقق ہوتا ہے خواہ وہ مسلمان اہل بیت سے ہو یا نہ ہو۔

تو علامہ صاحب روح المعانی نے اس کا جواب دیا ہے۔ جواب کی تقریر علامہ مذکور کی عبارت میں ملاحظہ ہو:

و فیہ ایماء الی قبول اعمالھم و ترتب الآثار الجمیلۃ علیھا قطعًا و یکون ھذا خصوصیۃ لھم و مزیۃ علی من عداھم من حیث ان اولئک الاغیار اذا انتھوا و اتمروا و لا یقطع لھم بحصول ذالک۔

خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت جو اعمال کرتے ہیں وہ قطعی طور پر مقبول ہوتے ہیں اور ان اعمال پر جو ثواب وغیرہ مترتب ہوتے ہیں۔ یہ ترتب بھی قطعی ہے اور یہ اہل بیت کی خصوصیت ہے جو کہ غیر اہل بیت میں متحقق نہیں ہے اور اہل بیت کو اغیار یعنی غیر اہل بیت پر یہ فوقیت حاصل ہے کیونکہ غیر اہل بیت اگر منہی عنہ سے اجتناب کریں اور مامور بہ کا ارتکاب کریں تو یہ امر قطعی نہیں کہ ان کے اعمال قبول ہوں گے اور نہ ہی یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ ان کو وہ مراتب حاصل ہوں گے جو کہ اہل بیت کرام کو حاصل ہوتے ہیں۔

یہاں تک بندہ نے اہل بیت رسول اللہ ﷺ کی بزرگی پر ایک آیۂ تطہیر پیش کی ہے اور اس آیۂ کی نہایت مجمل تحقیق کی ہے۔ اب بندہ اہل بیت کے اور خواص ذکر کرتا ہے جو غیر اہل بیت میں نہیں پائے جاتے اور اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آج کل کے بعض آکڑ خان مشائخ اور مغرور و متکبر نام نہاد صالحین کا یہ طریقہ ہے کہ صرف اپنے مشائخ جن کی طرف وہ منسوب ہیں، کی تعریف اور ستائش سننا اور کرنا پسند کرتے ہیں اور دیگر اکابرین امت کی عموماً اور مشائخ اہل بیت کی خصوصاً اگر ایسی تعریف کی جائے جس کی وجہ سے مشائخ اہل بیت کی دوسرے صالحین پر برتری معلوم ہوتی ہے تو یہ آکڑ خان مغرور اس کو پسند نہیں کرتے اور ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور اس کا نہایت سخیف طریقہ سے ردّ کرتے ہیں اور اہل بیت کے اعلیٰ اور ارفع سردار حضرت غوثِ اعظم السید محی الدین عبدالقادر گیلانی رضی اللہ عنہ کو جو اللہ تعالیٰ نے مراتب عالیہ عطا فرمائے ہیں اور ان مراتب عالیہ میں حضرت غوثِ صمدانی قطب ربانی رضی اللہ عنہ کا کوئی ولی شریک نہیں ہے۔ جب یہ آکڑ خان ان مراتب خاصہ کا ذکر سنتے ہیں تو ان کا انکار کر

دیتے ہیں اور اپنے مشائخ کو ان مراتب خاصہ کے لحاظ سے غوثِ اعظم کے برابر یا زیادہ خیال کرتے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مطلق اہل بیت اور مشائخ اہل بیت کے عموماً اور محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کے خصوصاً خواص بیان کئے جائیں جن میں غیر اہل بیت عموماً اور غیر اہل بیت مشائخ شریک اور مساوی نہیں برتر ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

خواص اہل بیت کے ذکر سے قبل بندہ عرض کرتا ہے کہ یہ فقیر مشرب کے لحاظ سے چشتی گولڑوی اور حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ادنیٰ ترین غلام ہے اور تمام سلاسل کے تمام مشائخ کے ساتھ عموماً اور مشائخ چشت اہل بہشت کے ساتھ خصوصاً بڑی عقیدت مندی رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود فرق مراتب کا قائل ہے۔

مشہور مقولہ ہے کہ ''گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی'' جس طرح ہر مسلمان تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایمان رکھتا ہے، اس کے باوجود فرق مراتب کے ساتھ بھی ایمان رکھتا ہے اور اس فرق مراتب میں دوسرے انبیاء کرام کی گستاخی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان تمام اولیاء کرام کے ساتھ پوری عقیدت رکھتا ہے۔ اس کے باوجود وہ فرق مراتب کا عقیدہ بھی رکھتا ہے اور حضرت غوثِ صمدانی محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کو قطب الاقطاب اور سلطان الاولیاء جانتا ہے تو اس میں دوسرے مشائخ کی کوئی گستاخی نہیں ہے۔ آج کل کے آکڑ خان مشائخ کرام کو اپنے پر محمول کرتے ہیں کہ جیسا یہ آکڑ خان اپنے کو اوروں سے برتر سمجھتے ہیں شاید مشائخ کرام کا طریقہ بھی یہی ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقبول اپنے کو سب سے کمتر سمجھتے ہیں۔

جیسا کہ حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے کہ ان کے زمانہ میں بارش نہ

برسنے کی وجہ سے قحط سالی پیدا ہوگئی۔لوگوں نے ان سے استدعا کی کہ دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ بارانِ رحمت برسائے تو حضرت ذوالنون اپنا شہر چھوڑ کر کہیں دور دراز جگہ پر چلے گئے۔ان کے جانے کے بعد ان کے شہر میں بارش ہوگئی جب حضرت ذوالنون واپس اپنے شہر آئے تو لوگوں نے قلب مکانی کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ بارش گناہوں کی وجہ سے بند ہو جاتی ہے۔میں نے غور کیا تو اس شہر میں مجھے اپنے سے بڑھ کر کوئی گنہگار نظر نہ آیا۔اس لئے میں نے مناسب خیال کیا کہ میرے گناہوں کی وجہ سے بارش رکی ہوئی ہے۔اس لئے میں نے مناسب خیال کیا کہ میں یہاں سے چلا جاؤں اور پھر میرا یہ خیال درست بھی ثابت ہوا کہ میرے جانے کے بعد بارش ہوگئی۔

البتہ بعض مشائخ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ تحدیث نعمت کے طور پر اپنے مراتب عالیہ کا اعلان کریں تو وہ مشائخ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے اعلان کرتے ہیں۔ جیسا کہ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کیا جائے گا۔

بات طویل ہوگئی ہے۔بندہ دراصل اہل بیت کے فضائل اور خواص بیان کر رہا تھا۔اب اہل بیت کے خواص نمبروار بیان کئے جائیں گے۔لیکن یاد رہے کہ بندہ جو چیز بھی ذکر کرے گا وہ مستند کتب مذہب کے حوالہ سے ذکر کرے گا اور کسی غیر مستند ملفوظ کا سہارا نہیں لے گا جیسا کہ اناڑی لوگوں کا وطیرہ ہے۔

خاصہ اوّل:۔ قبل ازیں بندہ علامہ صاحب روح المعانی کی عبارت اور تفسیر سے ثابت کر چکا ہے کہ آیۃ تطہیر میں اللہ تعالیٰ نے اہل بیت سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے اعمال قطعی طور پر مقبول ہوں گے اور ان اعمال صالحہ پر ثواب اور دیگر مراتب قطعی طور پر مترتب

ہوں گے اور جو مسلمان اغیار سے ہیں یعنی اہل بیت سے نہیں ہیں۔ ان کے اعمال اور مراتب میں یہ قطعیت نہیں ہے۔ اب بندہ اس خاصہ اوّل کو ذرّا تفصیل سے ذکر کرتا ہے کہ اہل بیت کی تین اقسام ہیں۔ ادنیٰ، اوسط اور اعلیٰ۔ اسی طرح غیر اہل بیت کی بھی تین اقسام ہیں جو اہل بیت قسم ادنیٰ میں داخل ہیں۔ ان کے اعمالِ صالحہ کی قبولیت اور اس پر مترتب عالیہ قطعی ہیں اور غیر اہل بیت کی تینوں اقسام میں یہ قطعیت نہیں ہے۔ جب ادنیٰ اہل بیت کی یہ فضیلت ہے تو اعلیٰ اہل بیت کی بزرگی کا احاطہ مشکل ترین ہے اور اس کو فضیلت جزئی کہا جاتا ہے جو کہ فضیلت کلی کے منافی نہیں ہے۔ فافہم وتدبر

خاصہ دوم:۔ علامہ صاحب روح المعانی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

عبارت ملاحظہ ہو:

ولذا نجد عُبّاد اهل البيت اتم حالا عن سائر العباد المشاركين لهم في العبادة الظاهرة واحسن اخلاقا و ازكى نفساً و اليهم تنتهي سلاسل الطرائق التي مبناها كما لا يخفى على سالكيها التجلية و التحلية اللتان هما جناحان للطيران الى حظائر القدس والوقوف على اوكار الانس۔

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ چونکہ اہل بیت کے اعمال صالحہ قطعی طور پر مقبول ہیں اور ان اعمال پر مراتب عالیہ کا ترتب بھی قطعی ہے اس لئے مشائخ اہل بیت کے حالات دوسرے مشائخ سے بہت اتم اور کامل ہیں۔ حالانکہ دوسرے مشائخ عباداتِ ظاہرہ میں مشائخ اہل بیت کے ساتھ شریک ہیں اور مشائخ اہل بیت دوسرے مشائخ سے اخلاق کے لحاظ سے بہت حسین اور ان کے نفوس بہت پاکیزہ ہیں اور تمام سلاسل اور طرائق مشائخ اہل بیت کی طرف

منتہی ہوتے ہیں اوران سلاسل کی بنیاد اعمال، اخلاق اور عقائد ذمیمہ سے تخلیہ اور حسنات سے تحلیہ ہے اور یہ ہر دو تخلیہ اور تحلیہ دو پر ہیں، جن کے ذریعہ مقاماتِ مقدسہ کی طرف اڑا جاتا ہے۔اس طویل عبارت سے بھی واضح ہو گیا کہ مشائخ اہل بیت اور مشائخ غیر اہل بیت اگرچہ اس امر میں شریک ہیں کہ ہر دو مشائخ منہی عنہ سے اجتناب اور مامور بہ پر عمل کرتے ہیں لیکن مشائخ اہل بیت کے حالات اور اخلاق دوسرے مشائخ کے حالات اور اخلاق سے اتم اور احسن ہوتے ہیں اور اسی طرح تزکیہ نفس میں مشائخ اہل بیت کے ساتھ کوئی مشائخ برابر نہیں۔

خاصہ سوم:۔ روح المعانی میں ہے:

و رایت فی مکتوبات الامام الفاروقی الربانی مجدد الف الثانی قدس سره ما حاصله ان القطبية لم تكن على سبيل الاصالة الا لائمة اهل البيت المشهورين ثم انها صارت بعدهم لغيرهم على سبيل النيابته عنهم ثم انتهت النوبته الى السيد الشيخ عبد القادر الكيلانى قدس سره النورانى فنال مرتبته القطبية على سبيل الاصالة فلما عرج بروحه القدسية الى اعلىٰ عليين نال من نال بعده تلك على سبيل النيابته عنه فاذا جاء المهدى ينالها اصالة كمانا لها غيره من الائمة رضوان الله عليهم اجمعين۔

خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ امام ربانی مجدد الف ثانی نے مکتوبات میں فرمایا کہ اصلی اور مستقل قطب بغیر ائمہ اہل بیت کے نہیں ہوا اور ائمہ اہل بیت کے بغیر جس کو یہ رتبہ قطبیت ملتا ہے۔یہ قطب اصلی اور مستقل نہیں ہوتا بلکہ آئمہ اہل بیت کا نائب اور ان کا فیض یافتہ ہوتا ہے اور نیز یہ قطب ائمہ اہل بیت کے زمانہ میں نہیں ہوتا بلکہ آئمہ کے وصال کے بعد ان کا نائب

ہوتا ہے۔ پھر قطبیت کی انتہا سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ پر ہے اور وہ مستقل اور بالا صالۃ قطب ہیں اور ان کے زمانہ میں ان کے سوا دوسرا کوئی قطب نہ تھا۔ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی روح مقدس جب اس دنیا سے اعلیٰ علیین میں پہنچی تو اس کے بعد جو قطب بھی اس دنیا میں تشریف لایا وہ محبوب سبحانی کا نائب اور آپ کا فیض یافتہ ہے۔ جب آخر زمانہ میں حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ تشریف لائیں گے تو وہ قطب بالا صالۃ ہوں گے جیسا کہ ائمہ اہل بیت قطب بالا صالۃ تھے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

اس عبارت سے چند امور واضح ہوئے:۔

امر اول:۔ ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم اور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ قطب بالا صالۃ ہیں، ان کے سوا جو قطب بھی ہے وہ ان کا نائب ہے۔ یہ تمام نائب غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ سے پہلے آئمہ اہل بیت کے نائب اور ان کے فیض یافتہ تھے۔ اور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد تمام قطب حضرت محبوبِ سبحانی رضی اللہ عنہ کے نائب اور فیض یافتہ ہیں۔

امر دوم:۔ اہل بیت کے سوا کوئی قطب حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں ہے

امر سوم:۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ اگرچہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سرخیل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مراتب عالیہ عطا فرمائے ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے نہایت دیانتداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت محبوب سبحانی کے علو اور فوقیت کا برملا اعتراف کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام سلاسل کے تمام مشائخ کا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق یہی

نظریہ ہے۔ کیونکہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے یہاں کسی اختلاف کا ذکر نہیں فرمایا۔ آجکل کے نام نہاد مشائخ چشت پر بڑا افسوس ہے کہ وہ محبوب سبحانی کی اس عظمت اور فوقیت کے منکر ہیں اور واہی تباہی دلائل کا سہارا لیتے ہیں اور اپنے مشائخ کو غوث اعظم کے برابر اور برتر مانتے ہیں۔ حالانکہ ان کے مشائخ کا عقیدہ غوثِ اعظم کے متعلق وہ ہے جو کہ حضرت مجدد قدس سرہ نے بیان فرمایا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے:

پیران نمی پرند، مریداں ہمی پرانند

خاصہ چہارم: ۔ روح المعانی میں ہے:

و اقول ان السید الشیخ عبدالقادر قدس سرہ غمرنا برہ قد نال ما نال من القطبیة بواسطة جدہ علیه الصلوٰة والسلام علی اتم وجه و اکمل حال فقد کان رضی اللّٰه تعالٰی عنه من اجلة اهل البیت حسنیا من جهة الاب حسینیا من جهة الام لم یصبه نقص والذی غلب علی ظنی ان القطب قد یکون من غیرهم لکن قطب الاقطاب لا یکون الا منهم لانهم ازکی الناس اصلاً و اوفرهم فضلًا و ان من ینال هذه الرتبته منهم لا ینالها الا علی سبیل الاصالة دون النیابة و الوکالة۔

اس عبارت میں بندہ سے کچھ تقدیم وتاخیر ہو گئی ہے۔ اب خلاصہ عبارت عربی ملاحظہ ہو۔ علامہ صاحب روح المعانی حضرت غوث صمدانی کے متعلق اپنا یہ نظریہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے جو قطبیۃ کا اعلیٰ رتبہ پایا ہے وہ بیان اور عرفان سے ماوراء ہے۔ یہ رتبہ آپ کو اپنے جد امجد کے واسطہ سے حاصل ہوا۔ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ رتبہ اتم اور اکمل

ہے اوراتم اوراکمل کیوں نہ ہو۔آپ اہل بیت کے بزرگ ترین افراد سے ہیں۔والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی طرف سے حسینی ہیں رضی اللہ عنہم اور ان میں کوئی نقص نہیں ہے اور غالب ظن یہ ہے کہ اگر چہ قطب تو غیر اہل بیت سے ہوسکتا ہے لیکن قطب الاقطاب اہل بیت کے بغیر نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ اہل بیت نسب اور اصل کے لحاظ سے سب لوگوں سے پاکیزہ اور بزرگی کے لحاظ سے سب لوگوں سے زیادہ ہیں اور اہل بیت سے جو کوئی یہ رتبہ حاصل کرتا ہے تو یہ حصول بالاصالۃ ہے، نیابت اور وکالۃ کی وجہ سے نہیں ہے۔اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت محبوب سبحانی کے زمانۂ اقدس سے لے کر قیامت تک کوئی ولی اللہ آپ کا ہم رتبہ نہیں ہے۔

جو نام نہاد پیر حضرت محبوب سبحانی کے علو مرتبہ اور فوقیت کے منکر ہیں۔علامہ صاحب روح المعانی نے ان کی مذمت فرمائی ہے۔عبارت ملاحظہ ہو:

و لا ینکر ذالك الا زندیق او رافضی ینکر صحبة الصدیق۔

خلاصۂ عبارت یہ کہ ائمہ اہل بیت اور حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہم کے جو مراتب عالیہ ہم نے ذکر کئے ہیں۔ان کا منکر صرف بے دین آدمی یا رافضی ہی ہوسکتا ہے جو کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیۃ کا منکر ہے اور وہ نام نہاد جو کہ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے مناقب سے چین بجبین ہوتے ہیں۔علامہ صاحب روح المعانی کی زبانی اپنے متعلق فتویٰ سن لیں یہ فقیر کہتا تو گستاخی ہوتی۔

خاصہ پنجم:۔ بحر العلوم کی شرح مسلم الثبوت میں ہے:

و مثل هذا الطعن ما طعن به الشیخ ابن الجوزی علی قطب الاقطاب قدمه علی رقبته کل ولی الله محی الملة والدین ابن رسول الله فی الحسب والنسب سیدی و سید هذا الامة السید عبدالقادر الجیلانی او صله الله فی

اعلی الجنان و بوانا فی جوارہ وقع ھذا الطاعن بھذا الطعن فی مھلکۃ عظیمہ و یقال انہ کان یکاد ان یسلب ایمانہ فعصمہ اللہ تعالٰی بدعوۃ ھذا القطب و القصۃ مشروحتہ فی شرح المشکوۃ الفارسی للشیخ عبدالحق الدھلوی و کرامات ھذا القطب متواترۃ لا ینبغی ان ینکرھا الا معاند سفیہ فاحفظ الادب فی رجال اللہ و تثبت۔

خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ پر منکرین نے طعن کئے اوران کے کمالات کا انکار کیا۔اسی طرح محدث ابن جوزی نے حضرت غوثِ اعظم پر طعن کیا اورآپ کے کمالات کا انکار کیا حالانکہ وہ قطب الاقطاب ہیں اوران کا قدم اللہ کے ہر ولی کی گردن پر تھا ۔انہوں نے ملۃ اور دین کو زندہ کیا اور وہ حسب اور نسب پر ہر دو لحاظ سے جناب نبی کریم ﷺ کے لاڈلے بیٹے ہیں اور میرے اور ساری امت کے سردار ہیں۔اللہ تعالٰی ان کو اعلٰی جنت میں جگہ دے اور ہم کو ان کے پڑوس میں آباد کرے اور ابن جوزی محدث اس طعن اور انکار کی وجہ سے ایک بڑی ہلاکت میں پڑ گیا اور مرتے وقت ایمان سے محروم ہونے کو تھا کہ حضرت غوثِ اعظم کی دعاء سے اس کا ایمان محفوظ رہا اور حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی کرامات متواتر ہیں اوران کا انکار وہی کرتا ہے جس کے دل میں حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق عناد ہے اور وہ کمینہ اور احمق ہے۔لہٰذا اللہ تعالٰی کے رجال کا ادب ملحوظ رکھنا لازم ہے۔

اس عبارت سے چند امور واضح ہوئے:

امر اوّل:۔ حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ بالاصالۃ قطب اور قطب الاقطاب ہیں۔قطب الاقطاب صرف ائمہ اہل بیت کی اولاد سے ہوتا ہے۔حضرت غوثِ اعظم کے بعد

جو قطب بھی آیا وہ سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا نائب ہوگا۔

امرِ دوم:۔ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا قدم اللہ تعالیٰ کے ہر ولی کی گردن پر ہے یعنی جو بھی اللہ تعالیٰ کا ولی ہے غوثِ اعظم کا قدم اس کی گردن پر ہے۔ اگر کسی کی گردن پر غوثِ اعظم کا قدم نہیں ہے تو وہ پھر اللہ تعالیٰ کا ولی نہیں ہے اگر اس دور کا کوئی آکڑ خان[1] شیخ یہ کہتا ہے کہ میرے تمام یا فلاں فلاں شیخ کی گردن پر غوثِ اعظم کا قدم نہیں ہے تو وہ آکڑ خان دبی زبان سے یہ اقرار کر رہا ہے کہ میرے مشائخ اللہ تعالیٰ کے ولی نہیں ہیں تو آکڑ خان نے اپنے مشائخ کی توہین کی ہے حالانکہ وہ اس انکار سے اپنے مشائخ کی تعریف کرنا چاہتا ہے، غالباً ایسے ہی بے ادب لوگوں کے متعلق کہا گیا ہے۔ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔

امرِ سوم:۔ چونکہ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے تو جہاں بھی کوئی ولی ہوگا وہاں تک غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا تصرف ہوگا اور اولیاء تمام قطعاتِ زمین میں موجود ہیں لہٰذا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا تصرف تمام قطعاتِ زمین کو محیط اور آپ کی محبوبیت عالمگیر ہے۔ چونکہ یہ رتبہ اور کسی ولی کو حاصل نہیں لہٰذا کسی ولی کا تصرف اور اس کی محبوبیت عالمگیر

---

[1] ایک پیر صاحب نے ایک رسالہ ''شانِ محبوبیت'' کے نام سے لکھا تھا جس میں انہوں نے فاتح قادیانیت حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک عبارت کا ناشائستہ انداز میں ردّ کیا تھا، جس میں حضرت پیر صاحب نے سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت شان کا بیان کیا تھا، حضرت استاذ الاساتذہ مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی قدس سرہ نے جگہ جگہ ''آکڑ خان'' کہہ کر ان کا رد کیا ہے۔ بصیر پور کے مولوی محمد احمد چشتی نے حکایت ''قدم غوث'' میں بارگاہِ غوثیت میں بڑی سوءِ ادبی اور جسارت کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ کتاب حضرت استاذ گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے نہ تھی ورنہ اس کی بھی دھجیاں بکھیر دیتے۔

(مولوی نذر حسین چشتی گولڑوی)

اور تمام قطعات الارض کو محیط نہیں ہے اور حضرت سیدنا شیخ نظام الدین محبوب الٰہی بھی اس میں داخل ہیں۔ لہٰذا فتاویٰ مہریہ میں جو یہ مذکورہ ہے (اور نیز محبوبیت قادریہ عالمگیر ہے اور محبوبیت نظامیہ کئی قطعات ارض تک نہیں پہنچی) بالکل حق اور مطابق دلائل کے ہے۔ اور اس کا انکار حضرت غوثِ اعظم کے مراتب کا انکار ہے جو کہ موجب خسران اور خذلان ہے۔

امر چہارم:۔ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ پر طعن اور آپ کے مراتب اور کمالات کا انکار ایمان کے لئے خطرہ اور ایسے منکر کو خطرہ ہے کہ مرنے کے وقت اس کا ایمان سلب ہو جائے گا جیسا کہ محدث ابن جوزی کو یہ خطرہ پیش آیا اور مرنے کے وقت اس کے ایمان کو خطرہ لاحق ہو گیا اور حاضرین نے محسوس کیا کہ یہ نحوست حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ پر طعن کی وجہ سے ہے تو چونکہ یہ غوثِ اعظم کا دور تھا اس لئے حاضرین غوثِ پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابن جوزی کی طرف سے معافی مانگی تو آپ نے ابن جوزی کو معاف کر دیا اور اس کی سلامتی ایمان کی دعا فرمائی تو ابن جوزی سلامتی ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا۔

یاد رکھیں جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے سردار اور سب انبیاء سے افضل ہیں اور کسی نبی کو بزرگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر خیال کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی اور آپ کے کمالات کا انکار ہے۔ اسی طرح حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ تمام اولیاءِ امت کے سردار ہیں اور سب اولیاء سے افضل ہیں اور کسی ولی کو بزرگی اور شرافت کے لحاظ سے غوثِ اعظم کے برابر خیال کرنا آپ کی گستاخی اور آپ کے کمالات کا انکار ہے۔ کسی اہلسنت نے کیا خوب کہا ہے:

غوثِ اعظم درمیان اولیاء
چوں محمد ﷺ درمیان انبیاء

اور جس طرح آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور رتبہ کے لحاظ سے کوئی نبی آپ ﷺ کے برابر نہیں، اس عقیدہ سے دوسرے انبیاء کی توہین نہیں اور گستاخی نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ تمام اولیاء سے افضل ہیں اور کوئی ولی رتبہ کے لحاظ سے حضرت غوثِ اعظم کے برابر نہیں تو اس میں دوسرے اولیاء کی گستاخی اور توہین نہیں ہے لیکن آج کل کا آکڑ خان شیخ اس کو گستاخی خیال کر کے حضرت غوثِ اعظم کی افضلیت کا منکر ہے۔ اس منکر کو بھی ایمان کا خطرہ ہے اور اس کا کوئی سفارشی نہیں ہوگا۔

امر پنجم:۔ حضرت غوثِ اعظم کی تمام کرامات تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں اور تواتر یقین کا فائدہ دیتا ہے۔ لہٰذا غوثِ اعظم کا دوسرے اولیاء سے افضل ہونا اور تمام اولیاء کی گردن پر آپ کا قدم ہے، یہ سب کرامات متواتر اور یقینی ہیں اور ان کا انکار تواتر اور یقین کا انکار ہے اور یہ انکار صرف معاند اور کم عقل ہی کر سکتا ہے۔

یہاں تک ان امور کا ذکر ہوا جو علامہ بحر العلوم کی شرح مسلم الثبوت سے معلوم ہوتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ علامہ بحر العلوم علماء ظاہر اور صوفیاء ہر دو میں بڑے رتبہ کے مالک ہیں اور مثنوی مولانا روم پر ان کی کئی جلدوں میں شرح علماء اور صوفیاء کے نزدیک مستند ہے۔ اب اسی بحر العلوم کی ایک اور عبارت پیش خدمت کی جاتی ہے۔ یہ عبارت بھی شرح مسلم الثبوت میں ہے۔

" و اذا تاملت فی مقامات الا ولیاء و اذا واقهم کمقامات الشیخ محی الدین قطب ا لوقت السید محی الملۃ والدین السید عبد القادر الجیلانی الذی

قدمه علی رقاب کل ولی ۔ الخ"

اس عبارت میں علامۃ بحر العلوم نے اولیاء کرام کے الہام پر بحث کی ہے کہ یہ الہام حجت ہے یا نہیں اور یہ کہ الہام سے یقین حاصل ہوتا ہے یا نہیں اور اس عبارت میں چند اکابر اولیاء کرام کا ذکر کیا ہے۔ اور اس عبارت میں پھر تصریح کر دی کہ غوثِ اعظم کا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے اور کوئی ولی اس سے خارج نہیں ہے اور جن مشائخ کو آ کڑ خان شیخ حضرت غوث اعظم کے برابر خیال کرتے ہیں، ان مشائخ کی گردن پر بھی غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا قدم ہے لہٰذا رتبہ میں غوثِ اعظم کے برابر نہیں ہو سکتے اور یہ ان مشائخ کی قطعاً گستاخی نہیں اور نہ ہی ان کے کمالات کا انکار ہے بلکہ ایک حقیقت واقعیہ بیان کرنا ہے۔ غوثِ اعظم کا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے اگر چہ اس دور کے آ کڑ خان شیخ اس کو گستاخی تصور کرتے ہیں لیکن ان اولیاء کرام سے پوچھو تو وہ اس قدم کو اپنے لئے فخر خیال کرتے ہیں۔ مقولہ:

پیران نمی پرند مریداں ہمی پرانند

بلکہ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا فیض تمام سلاسل میں ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ مولانا محمد نظام الدین اورنگ آبادی جو کہ سلسلہ چشتیہ کے اکابر مشائخ میں سے ہیں، نے کتاب نظام القلوب میں فرمایا کہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی سیدنا عبد القادر رضی اللہ عنہ سے مستفید ہیں۔ جب چشتیوں کا ایک بہت بڑا شیخ استفادہ کی تصریح کر رہا ہے تو کسی آ کڑ خان چشتی کو انکار کرنا زیب نہیں دیتا۔ لہٰذا فتاوٰی مہریہ کی مندرجہ ذیل عبارت بالکل درست اور موافق تصریح علماء اور اصفیاء ہے۔

عبارت مبارکہ یہ ہے کہ:

''چنانچہ سیدنا عبدالقادر و سیدنا خواجہ نظام الدین ہر دو مقام محبوبیت میں شریک ہیں مگر حسب تصریح حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی حضرت سیّد عبدالقادر رضی اللہ عنہ سے مستفید ہیں۔ نظام القلوب ملاحظہ ہو اور نیز محبوبیت قادریہ عالم گیر ہے اور محبوبیت نظامیہ کئی قطعاتِ ارض تک نہیں پہنچی۔''

فتاویٰ مہریہ کی مذکورہ بالا عبارت کی مثال یہ ہے کہ کوئی اہل سنت یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام نفس نبوت میں شریک ہیں اس کے باوجود دوسرے انبیاء سے افضل ہیں۔ اور نبوۃ محمدیہ عالمگیر ہے اور دوسرے انبیاء کی نبوۃ کئی قطعاتِ ارض تک نہیں پہنچی تو جس طرح اس مثال میں دوسرے انبیاء کی گستاخی اور توہین نہیں ہے بلکہ بیان واقع اور فرق مراتب ہے بعینہٖ اسی طرح فتاویٰ مہریہ کی عبارت میں بھی خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی اور سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہر دو کو محبوبیت میں شریک ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود فرق مراتب کے ذکر سے خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی کی گستاخی کا شائبہ تک نہیں ہے اور صرف آکڑ خان شیخ کو ہی گستاخی محسوس ہو رہی ہے اور فرق مراتب کا انکار کر رہا ہے۔ حالانکہ اس انکار کی مذمت کے لئے یہ مصرعہ کافی ہے۔ ع

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

اب آکڑ خان شیخ کو غور کرنا چاہیے کہ اس انکار سے اس کو کون سا لقب ملا یعنی بڑے اچھے بھلے شیخ زندیق ٹھہرے۔

فتاویٰ مہریہ میں ایک اور عبارت بھی ہے لہٰذا مناسب ہے کہ اس کی توضیح کر کے فرق مراتب کو اجاگر کیا جائے۔ عبارت یہ ہے:

''رہا لفظ سبحانی والٰہی سو مقام جذب ومحبوبیت سے جیسا تناسب لفظ سبحان کو ہے لفظ الٰہ کو نہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا اور نہ لفظ الٰہ ذات بحت پر دال ہے بلکہ سبحان کہ رتبہ ذات کا نام ہے۔''

تفصیل عبارت یہ ہے کہ حضرت غوثِ اعظم کو محبوب سبحانی کہا جاتا ہے اور خواجہ نظام الدین دہلوی کو محبوبِ الٰہی کہا جاتا ہے اور سبحانی اور الٰہی دونوں میں یاء نسبت ہے۔ پہلے کا معنی منسوب الی سبحان ہے اور دوسرے کا معنی منسوب الی اللہ ہے اور سبحان کے لفظ کو جذب اور محبوبیت سے زیادہ مناسبت ہے اور لفظ الٰہ کو وہ مناسبت نہیں ہے۔ اور اس کی دلیل یہ آیۂ مبارکہ ہے:

قولہ تعالیٰ: سبحان الذی اسرٰی بعبدہٖ لیلًا

دلیل اس طرح ہے کہ عبدہ سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں اور اس میں عبد کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے تو عبدہ کا معنی ہوگا انقطاع من الخلق الی الخالق اور یہ جذب ہے اور چونکہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں لہٰذا عبدہ کی دلالت جیسی جذب پر ہے اسی طرح محبوبیت پر بھی ہے۔ اب یہاں سبحان کا لفظ لایا گیا ہے نہ کہ الٰہ کا لفظ کیونکہ سبحان جذب اور محبوبیت میں زیادہ مناسب ہے کیونکہ سبحان کا معنی پاکیزگی ہے اور پاکیزگی جذب اور محبوبیت کے زیادہ مناسب ہے اور یہ معبود بحق کے ساتھ فی الحقیقۃ مختص ہے برخلاف لفظ الٰہ کے کہ یہ معبود بحق اور معبود باطل دراصل اس کا اطلاق دونوں پر آتا ہے اگرچہ سبحان اور الٰہ دونوں سبحانی اور الٰہی میں معبود بحق سے عبارت ہیں لیکن اصل کے لحاظ سے ہر دو میں فرق ہے۔ سبحان معبود بحق کے ساتھ مختص ہے اور الٰہ عام ہے اور یہی مطلب ہے کہ الٰہ کا لفظ ذات بحت پر دلالت نہیں کرتا اور سبحان ذات بحت کے ایک رتبہ کا نام ہے۔

حضرت غوثِ اعظم کا قدم جو ہر ولی کی گردن پر ہے۔ اس پر اور دلائل ملاحظہ ہوں۔

مولانا جامی نے نفحات الانس میں فرمایا ہے:

شیخ عبد القادر جوان بودو در صحبت شیخ حماد می بودروزے بادب تمام در صحبت وی نشسته بود چوں برخاست و بیرون رفت شیخ حماد گفت ایں عجمی را قدمے است در وقت وی بر گردن همه اولیاء خواهد بود و هر آئینه مامور شود بآنکه بگوید قدمی هذہ علی رقبة کل ولی الله و هر آئینه آنزا بگوید و همه اولیاء گردن نهند (الی آن قال) گویا که می بینم ترا در بغداد که به منبر آمده و میگوئی قدمی هذه علی رقبته کل ولی الله و مے بینم که اولیاء وقت همه گردنها خود را پست کرده اند اجلال و اکرام ترا و هر چه نسبت بشیخ عبدالقادر گفت واقع شود۔

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ حضرت غوثِ اعظم جوانی میں شیخ حماد کی مجلس میں بیٹھتے تھے۔ ایک دن نہایت ادب کے ساتھ شیخ حماد کی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ جب مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تو شیخ حماد نے فرمایا کہ ایک وقت میں اس عجمی کا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا اور اس عجمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوگا کہ وہ کہے قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله اور پھر یہ عجمی ایسا کہے گا اور تمام اولیاء اپنی گردن رکھ دیں گے۔ تا آنکہ فرمایا کہ میں تجھے دیکھ رہا ہوں کہ تو بغداد میں منبر پر بیٹھ کر کہہ رہا ہے میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام اولیاءِ وقت نے اپنی گردنیں تیری عزت کے لئے نیچے کر دیں۔ اور حضرت حماد نے جو جناب غوثِ اعظم کے متعلق فرمایا وہ اسی طرح واقع ہوا۔

اس عبارت سے چند امور واضح ہوئے:

امر اول:۔ غوثِ اعظم کی یہ کرامت کہ میرا یہ قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے۔ اس کرامت کی قبل از وقوع اولیاء کرام بشارت دیتے رہے ہیں۔

امر دوم:۔ حضرت غوثِ اعظم نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو حکم تھا کہ ایسا کہو اور پھر آپ نے ایسا کہا اور پھر تمام اولیاء نے اپنی گردنیں غوثِ اعظم کے آگے جھکا دیں۔

امر سوم:۔ اولیاء کرام کے ایک شطحیات ہوتے ہیں کہ بلا ارادہ اور غلبہ عشق و مستی کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں اور اگر غلبہ ذوق و مستی نہ ہوتا اور وہ صحو میں ہوتے تو یہ امور ان سے صادر نہ ہوتے۔

مذکورہ بالا کلام سے یہ واضح ہوا کہ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ کلام قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ یہ از قبیل شطحیات نہیں ہے کیونکہ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جملہ کہنے کا حکم تھا اور آپ رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ فرما کر اس حکمِ الٰہی کی تعمیل کی اور اللہ تعالیٰ شطحیات کا حکم نہیں فرماتا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہمیشہ ارادہ سے ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ از قبیل شطحیات نہیں ہے بلکہ حالت صحو میں ارادہ کے ساتھ ہے۔

امر چہارم:۔ تمام اولیاء کرام نے جو اپنی گردنیں غوثِ اعظم کے قدم کے نیچے رکھ دیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل انسان کے

لئے باعث عزت اور فخر ہے لہٰذا اولیاء اللہ کا گردن جھکا دینا ان کے نزدیک باعثِ عزت تھا اور یہ خیال باطل ہے کہ جن اولیاء نے اپنی گردنیں جھکا دیں اس میں ان کی کسر شان اور ذلت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض آکڑ خان مشائخ نے حضرت غوثِ اعظم کی اس کرامت کا انکار کر دیا اور اسے شطحیات پر محمول کیا۔

بندہ یہاں اس کی ایک مثال پیش کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تمام صحابہ اور اولیاء کرام نماز کے وقت کعبہ کی طرف منہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اسی طرف منہ کر کے سجدہ کرتے ہیں حالانکہ خانہ کعبہ پتھروں کا بنا ہوا ہے اور کبھی کسی نبی یا ولی کو یہ خیال نہیں آیا کہ پتھروں کی طرف منہ کر کے سجدہ کرنے میں ہماری ذلت ہے۔ یہ خیال اس لئے نہیں آتا کہ ہم کو یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کعبہ اور پتھروں کی طرف منہ کر کے کرو چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے، اس لئے اس میں انسان کی عزت ہے نہ کہ ذلت۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اعلان کر دو کہ قدمی ھذہ علی رقبتہ کل ولی اللّٰہ اور پھر آپ نے یہ اعلان کر دیا۔

اب یہ اعلان سچا اسی وقت ہو سکتا ہے کہ تمام اولیاء کرام اپنی گردنیں غوثِ اعظم کے سامنے جھکا دیں تو تمام اولیاء کرام نے گردنیں جھکا کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اس کو سچا کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں اولیاء کرام کی عزت ہے۔ اس دور کے آکڑ خان شیخ کا یہ خیال خام ہے کہ اگر میرے مشائخ غوثِ اعظم کے آگے گردنیں جھکا دیں اور ان کی گردنوں پر غوثِ اعظم کا قدم آ جائے تو اس میں ان مشائخ کی بے عزتی ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ غور کریں خانہ کعبہ کی بناء پتھروں سے ہے اور خانہ کعبہ احکامِ الٰہیہ کے ساتھ مکلف نہیں ہے۔ نہ اس نے

نماز پڑھی اور نہ حج کیا، نہ روزہ رکھا نہ زکوٰۃ دی اور نہ جہاد کیا۔ اس کے باوجود اس کی طرف منہ کر کے خداوند تعالیٰ کو سجدہ کرنا عزت ہے تو غوثِ اعظم کے سامنے اولیاء کرام کا گردنیں جھکانا بطریقِ اولیٰ عزت ہوگی کیونکہ غوثِ اعظم مکلف ہیں، انہوں نے نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے، حج کیا، مجاہدہ کیا اور خصوصاً آنحضرت ﷺ کی اولاد میں سے ہیں اور یہ صفات خانہ کعبہ میں نہیں ہیں۔

اس کے بعد نفحات الانس کی ایک اور عبارت ملاحظہ ہو:

روزے شیخ عبدالقادر در رباط خود در مجلس میگفت و عامه مشائخ قریب به پنجاه تن حاضر بودند و ازاں جمله شیخ علی هیتی و شیخ بقا بن بطوء و شیخ ابو سعید و شیخ ابو النجیب و شیخ ابو سعود وغیر ایشاں از مشائخ کبار ناگاه در اثنائے سخن گفت قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله شیخ ابو سعید قیلوی گفت که چوں شیخ عبدالقادر گفت قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله حق سبحانه و تعالٰی بر دل وی تجلی کرد و رسول الله ﷺ بر دست طائفه از ملائکته مقربین بمحضر اولیاء متقدمین و متأخرین که آنجا حاضر بودند احیاء باجساد خود و اموات بارواح خود خدخلعتے دروی پوشانیدندو بروئے زمین هیچ ولی نماند مگر که گردن خود را پست کرد و بعضے گفته اند که یك کس از عجم تواضع نه کردو حال وی از وی متواری شد و فی تاریخ امام یافعی رحمه الله تعالٰی و اردو کراماته یعنی شیخ عبد القادر رحمه الله تعالٰی خارجة عن الحصر و قد اخبرنی من ادرکت من اعلام الائمة ان کراماته

تواترت او قربت من التواتر و معلوم بالاتفاق انه لم يظهر ظهور كراماته لغيره من شيوخ الافاق۔

قبل ازیں گزر چکا ہے کہ شیخ حماد نے حضرت غوثِ اعظم کے متعلق پہلے پیش گوئی فرمائی تھی کہ ایک وقت آئے گا کہ یہ عجمی یعنی غوثِ اعظم بغداد میں منبر پر اعلان کریں گے قدمی هذه على رقبة كل ولي الله اور یہ پیشین گوئی وقوع پذیر ہوئی۔ اب عبارت مذکورہ بالا میں اس پیشین گوئی کے وقوع کا ذکر ہے۔ خلاصہ عبارت یہ ہے کہ ایک دن حضرت شیخ عبدالقادر اپنے لنگر خانہ میں مجلس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور تقریباً پچاس مشائخ اس مجلس میں حاضر تھے۔ ان میں سے شیخ علی ہیتی وغیرہ بھی تھے ناگاہ گفتگو کے دوران غوثِ اعظم نے فرمایا کہ میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے اور اسوقت آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ نے تجلی فرمائی اور آنحضرت ﷺ اور مقربین فرشتے اور متقدمین و متاخرین اولیاء کرام جو کہ وہاں موجود تھے، جو زندہ تھے وہ جسموں کے ساتھ اور جو فوت ہو چکے تھے وہ ارواح کے ساتھ حاضر تھے اور ان سب نے حضرت غوثِ اعظم کو خلعت پہنائی اور روئے زمین پر کوئی ولی ایسا نہیں تھا کہ اس نے غوثِ اعظم کے سامنے گردن نہ جھکائی ہو اور بعض نے کہا کہ عجم کے ایک آدمی نے گردن نہ جھکائی تو اس کی ولایت ختم ہو گئی اور تاریخ امام یافعی میں ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی کرامات گنتی سے باہر ہیں اور بڑے بڑے ائمہ نے مجھے خبر دی ہے کہ غوثِ اعظم کی کرامات متواتر یا قریب تواتر کے ہیں اور اس پر اتفاق ہے کہ تمام عالم میں کسی ولی سے اتنی کرامات ظاہر نہیں ہوئیں جتنی کہ حضرت غوثِ اعظم سے صادر ہوئی ہیں۔

اس عبارت سے بھی چند امور واضح ہوئے۔

امر اول:۔ جب غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے غوثِ اعظم کو ایک خاص رتبہ عطا فرمایا اور اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مقربین فرشتوں کا ایک گروہ اور تمام اولیاء، متقدمین اور متاخرین وہاں حاضر تھے، زندہ بھی اور فوت شدہ بھی۔ زندہ اپنے جسم عنصری کے ساتھ اور فوت شدہ اپنی ارواح کے ساتھ حاضر تھے۔ اور روئے زمیں پر جو ولی بھی تھا ہر ایک نے گردن جھکا دی اور ان میں سے سلاسلِ اربعہ کے تمام مشائخ داخل ہیں۔ لہٰذا سب نے اپنی گردنیں غوثِ اعظم کے آگے جھکا دیں اور ان میں آکڑ خان شیخ کے مشائخ بھی داخل ہیں اور ان کی گردنوں پر بھی غوثِ اعظم کا قدم ہے

امر دوم:۔ جب غوثِ اعظم نے یہ اعلان فرمایا تو ہر ولی نے گردن جھکا دی۔ صرف ایک عجمی نے گردن نہیں جھکائی اور اس سے ولایت سلب ہوگئی۔ اب اگر کوئی آکڑ خان یہ کہے کہ فلاں فلاں شیخ نے غوثِ اعظم کے آگے گردن نہیں جھکائی تو اس کا یہ معنی ہوگا کہ ان مشائخ سے بھی ولایت سلب ہوگئی جو کہ صراحتاً غلط ہے۔ کیونکہ صراحتاً گزر چکا ہے کہ صرف ایک عجمی نے گردن نہ جھکا کر تواضع کا اظہار نہیں کیا۔

امر سوم:۔ حضرت امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اکابر علماء اور مستند صلحاء سے ہیں انہوں نے تصریح فرمادی کہ جتنی کرامات غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ سے صادر ہوئی ہیں، اتنی کرامات کسی ولی سے صادر نہیں ہوئیں حتیٰ کہ آکڑ خان شیخ کے مشائخ سے بھی اتنی کرامات صادر نہیں ہوئیں لہٰذا فتاویٰ مہریہ کا یہ فرمان بالکل حق ہے کہ محبوبیت قادریہ عالمگیر ہے کیونکہ تمام عالم کے ولیوں کی گردن پر اس کا قدم ہے اور محبوبیت نظامیہ کئی قطعات ارض تک نہیں پہنچی کیونکہ اس کا قدم تمام

عالم کے ولیوں کی گردن پر نہیں ہے۔ آ کرُ خان مشائخ کو واضح ہو کہ محبت اور چیز ہے اور حقیقت اور چیز جیسا کہ ہر آدمی کو اپنا بیٹا سب سے خوبصورت معلوم ہوتا ہے، یہ محبت ہے لیکن خلافِ حقیقت ہے۔ حقیقت دلائل سے ثابت ہوتی ہے نہ کہ صرف محبت سے خواجہ سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی دہلوی کے ساتھ ہر اہل سنت کو پوری محبت اور عقیدت ہے لیکن حقیقت اپنی جگہ پر ہے۔

حضرت شیخ ابوالمعالی لاہوری قدس سرہ نے تحفہ قادریہ میں مضمون ماقبل کو بایں الفاظ بیان فرمایا ہے:

نقل از شیخ ابی صالح نصر ابن ابن حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم یکے پرسید از قول آنحضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قدمی ھذہ علی رقبتہ کل ولی اللہ فرمود شنیدہ ام از والد خود عبدالرزاق و اعمام خود ابو عبدالرحمٰن عبداللہ عبدالوھاب و ابو اسحاق ابراھیم رضوان اللہ علیہم کہ فرمودند حاضر بودیم در مجلس کہ والد ما رضی اللہ عنہ ایں قول را فرمودہ بود دراں مجلس پنجاہ و چند از اکابر اعیان مشائخ عراق ھمہ رقاب پیش کشیدند و سر فرود آوردند و رسید خبر بما از مشائخ آنوقت کہ در اطراف و امصار بودند ھمہ اعناق خود را بخشوع تمام پست کردند و خبر کردند کہ دراں زماں شیخ محی الدین عبد القادر فرمودہ است قدمی ھذہ علی رقبتہ کل ولی اللہ ایں وضع رقاب از بھر آنست از شیخ ابو سعید قیلوی رضی اللہ عنہ کہ چوں حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

فرمود قدمی هذہ علی رقبته کل ولی اللّٰہ حق سبحانہ و تعالیٰ تجلی کردہ بود بر دل اوو رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ و سلم بر دست طائفه از ملائکة مقربین بمحضر اولیاء متقدمین و متاخرین که حاضر بودند احیاء باجساد و اموات بارواح خود خلعتے دروی پوشانیدند و هیچ ولی درروئے زمین نماند مگر پست گردانید گردن خود را باآنحضرت رضی اللّٰہ عنه از شیخ ابو البرکات که خبر کرد مراوالد من که پر سیدم عم خود شیخ عدی مناف بن مسافر رضی اللّٰہ عنه که میدانی که هیچ یکے از مشائخ متقدمین و متاخرین گفته است قدمی هذہ علی رقبته کل ولی اللّٰہ غیر شیخ محی الدین عبدالقادررضی اللّٰہ عنه گفت نے گفتم پس ایں چه معنی دارد که فرموده است گفت از مقام فردیت خود اظهار کرده است گفتم در هر وقت فردے بوده است گفت مامور شده، نمی بینی بسوئے ملائکة که سجده نه کرده اند مهتر آدم علیه السلام مگر از جهت ورود امر سبحانه و تعالیٰ بر ایشاں از شیخ عارف ابو محمد علی بن ابی بکر که وقتے گفت سیدی عبد القادر رضی اللہ تعالیٰ عنه قدمی هذہ علی رقبته کل ولی اللّٰہ برخواست شیخ علی بن هیتی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه بسوئے آنحضرت و گرفت قدم اوونهاد بر گردن خود و در آمد زیر دامن او و بعضے از اصحاب پرسیدند که ایں چرا کردی گفت از انکه او مامور شد بگفتن ایں قول و اذن شده مراورا به عزل هر که منکر شود او را اولیاء پس خواستم که من باشم اول کسے که مسارعت کند درا انقیاد او ، از شیخ ابو الفرح حسن که چوں مامور شد

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ بایں کہ بگوید قدمی ھذہ علی رقبتہ کل ولی اللہ دیدم اولیاء در مشرق و مغرب کہ گردن نہادند ہمہ اولیاء مگر یک مرد از زمین عجم پس گم شد حال او۔

اس طویل عبارت کا حصہ اوّل تقریباً وہی ہے جو کہ مولانا جامی نے نفحات الانس میں فرمایا اور قبل ازیں نقل کیا جا چکا ہے۔ خلاصہ تمام عبارت یہ ہے کہ حضرت غوث رضی اللہ عنہ کے پوتے شیخ ابی صالح نصر سے جو کہ حضرت عبدالرزاق کے بیٹے ہیں، حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول کے متعلق پوچھا گیا "قدمی ھذہ علی رقبة کل ولی اللہ" تو شیخ ابی صالح نے جواباً فرمایا کہ میں نے اپنے والد عبدالرزاق اور اپنے چچوں سے سنا ہے جن کے یہ نام ہیں ابو عبدالرحمٰن عبداللہ عبدالوہاب اور ابو اسحاق ابراہیم رضوان اللہ علیہم کہ فرمایا انہوں نے کہ ہم اس مجلس میں حاضر تھے جب غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "قدمی ھذہ علی رقبة کل ولی اللہ" اور اس مجلس میں پچاس سے زیادہ عراق کے اکابر مشائخ تھے، سب نے اپنی گردنیں غوثِ اعظم کے سامنے پیش کر دیں اور سر جھکا دیئے اور اس وقت کے مشائخ سے ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ سب نے نہایت عاجزی کے ساتھ اپنی گردنیں جھکا دیں اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ جس وقت شیخ عبدالقادر جیلانی محی الدین عبدالقادر نے فرمایا قدمی ھذہ علی رقبة کل ولی اللہ تو اللہ تعالٰی نے حضرت غوثِ اعظم کے دل پر تجلی فرمائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک گروہ ملائکہ مقربین اور اولیاء کرام متقدمین اور متاخرین حاضر تھے، جو زندہ تھے وہ اپنے جسموں کے ساتھ اور جو فوت شدہ تھے، وہ اپنی ارواح کے ساتھ حاضر تھے اور سب نے حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کو خلعت پہنائی اور روئے زمین پر جو ولی تھا اس نے غوثِ اعظم کے

سامنے گردن جھکا دی اور شیخ ابو البرکات سے منقول ہے کہ میرے باپ نے مجھے کہا کہ میں نے اپنے چچا شیخ عدی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کے سوا مشائخ متقدمین اور متاخرین سے کسی نے کہا ہے۔!

"قدمی هذه علی رقبة کل ولی اللہ" تو شیخ عدی نے جواباً فرمایا کہ غوثِ اعظم کے بغیر کسی ولی نے ایسا نہیں کہا۔ میں نے دوبارہ سوال کیا کہ غوثِ اعظم نے جو فرمایا ہے اس کا کیا مطلب ہے تو شیخ عدی نے فرمایا کہ حضرت غوثِ اعظم مقام فردیت میں تھے۔ آپ کا یہ فرمان مقام فردیت کا اظہار ہے۔ سائل جو کہ شیخ ابو البرکات کا والد ہے، اس نے پھر اپنے چچا شیخ عدی سے پوچھا کہ ہر وقت میں کوئی نہ کوئی ولی مقام فردیت میں ہوتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ قول غوثِ اعظم کے بغیر اور کسی ولی نے تو نہیں کہا تو شیخ عدی نے جواب دیا کہ حضرت غوثِ اعظم کو اللہ تعالیٰ نے یہ کہنے کا حکم دیا تھا اور غوثِ اعظم کے بغیر اور کسی ولی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نہیں ہوا اس لئے غوثِ اعظم نے یہ قول فرمایا اور آپ کے سوا کسی نے یہ قول نہ کیا۔ چونکہ غوثِ اعظم کے اس قول میں نظر بظاہر خود ستائی ہے اور گردن جھکانے والوں کی سوءِ ادبی کا پہلو نکلتا ہے اس لئے شیخ عدی نے اس مسئلہ کو سمجھانے کے لئے ایک بہترین مثال دی ہے کہ غور کرو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو فرشتوں نے سجدہ صرف اس لئے کیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور امرِ الٰہی کی تعمیل میں عزت ہے نہ کہ سوءِ ادب اور ذلت اور نیز اللہ تعالیٰ کے امر پر عمل کرنا خود ستائی نہیں ہے بلکہ تحدیثِ نعمت ہے تو غوثِ اعظم کا یہ فرمان "قدمی هذه علی رقبة کل ولی اللہ" خود ستائی نہیں کیونکہ آپ مامور ہیں اور خود ستائی کا امر نہیں ہوتا بلکہ خود ستائی سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور اولیاء کرام

نے جو اس امر پر عمل کیا یہ باعث عزت ہے نہ کہ ذلت اور شیخ عارف ابو محمد علی بن ابی بکر سے روایت ہے کہ جس وقت سیدی شیخ عبدالقادر نے فرمایا "قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ" تو شیخ علی ہیتی رضی اللہ عنہ اٹھ کر غوثِ اعظم کی طرف گئے اور ان کا قدم اپنی گردن پر رکھا اور آپ کے دامن کے نیچے داخل ہوئے۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ تو شیخ علی نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ غوثِ اعظم کو اس قول کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر ہوا تھا اور نیز آپ کو اس بات کا اذن دیا گیا کہ جو ولی آپ کے اس قول کا انکار کرے آپ اس کو معزول کر سکتے ہیں یعنی اس کی ولایت سلب کر سکتے ہیں تو میں نے چاہا کہ جو لوگ آپ کے تعمیل ارشاد میں جلدی کرتے ہیں میں ان سے سبقت حاصل کروں اور شیخ ابو الفرح حسن سے منقول ہے کہ جب شیخ عبدالقادر جیلانی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ آپ کہیں قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ تو میں نے مشرق اور مغرب کے درمیان تمام اولیاء کو دیکھا کہ سب نے اپنی گردنیں غوثِ اعظم کے آگے رکھ دیں۔ البتہ ایک مرد نے جو کہ زمین عجم سے تھا اس نے گردن نہ رکھی تو اس کی ولایت سلب ہو گئی۔

یہاں تک تحفہ قادریہ کی فارسی عبارت کا ترجمہ ہے۔ اب اس عبارت سے جو امور واضح ہوتے ہیں، ان کو ملاحظہ فرمائیں۔

امرِ اوّل:۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے جو فرمایا کہ میرا یہ قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے۔ یہ قول شطحیات سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور امر تھا اور غوثِ اعظم نے اللہ تعالیٰ کے امر کی تعمیل کی ہے۔

امر دوم:۔ جب غوثِ اعظم نے یہ قول فرمایا تو تمام روئے زمین پر مغرب سے مشرق تک جو اولیاء کرام تھے سب نے غوثِ اعظم کے آگے گردنیں جھکا دیں، صرف ایک عجمی مرد نے گردن نہ جھکائی تو اس کی ولایت سلب اور ختم ہوگئی۔

امر سوم:۔ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اذن ملا کہ جو ولی آپ کے آگے گردن نہ جھکائے، آپ اس کو ولایت سے معزول کر دیں۔

امر چہارم:۔ جس ولی نے غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے آگے گردن نہ جھکائی وہ ولایت سے معزول ہوگیا۔

امر پنجم:۔ تمام اولیاء کرام سے صرف ایک عجمی مرد نے غوثِ اعظم کے سامنے گردن نہ جھکائی اور ولایت سے معزول ہوگیا۔

امر ششم:۔ جب غوثِ اعظم نے مذکورہ بالا قول فرمایا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل پر خصوصی توجہ اور تجلی فرمائی اور اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ملائکہ مقربین سے ایک طائفہ اور تمام اولیاء، متقدمین اور متاخرین حاضر تھے زندہ اپنے جسموں کے ساتھ اور فوت شدہ اپنے ارواح کے ساتھ حاضر تھے۔ اور سب نے آپ کو خلعت پہنایا۔

امر ہفتم:۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا یہ خاصہ تھا کہ آپ نے یہ قول فرمایا۔ آپ کے سوا کسی ولی نے یہ قول نہیں کیا۔

امر ہشتم:۔ فتاویٰ مہریہ میں جو وارد ہے کہ محبوبیت قادریہ عالمگیر ہے اور محبوبیت نظامیہ کئی قطعات ارض تک نہیں پہنچی۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ تمام روئے زمین پر مغرب سے مشرق تک جو اولیاء ہیں، سب نے غوث اعظم کے آگے اپنی گردنیں جھکا دیں اور یہ مرتبہ کسی ولی کو عموماً اور خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کو خصوصاً حاصل نہیں ہے۔

امر نہم:۔ جب غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا یہ قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے تو تمام سلاسل کے جو مشائخ اس وقت موجود تھے، سب نے اپنی گردنیں جھکا دیں۔ خصوصاً خواجہ غریب نواز اجمیری نے بھی اپنی گردن جھکا دی تو خواجہ غریب نواز کے بعد سارا سلسلہ چشتیہ عموماً اور خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی خصوصاً غریب نواز کے حکم میں داخل ہو گئے تو گویا سب نے غوث اعظم کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دیں۔ لہٰذا تمام سلاسل کے تمام مشائخ سے غوث اعظم افضل ٹھہرے۔ لہٰذا محبوبیت قادریہ عالمگیر ہوئی اور کسی ولی کی محبوبیت عالمگیر نہیں ہے اور کئی قطعات ارض تک نہیں پہنچی اور حضرت شیخ نظام الدین محبوب الٰہی بھی اس میں داخل ہیں۔

امر دہم:۔ غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا ہے کہ میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے چونکہ غوث اعظم کو اس قول کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم اور امر تھا لہٰذا غوث اعظم کا یہ قول اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ولی کو حکم دیا کہ تم اپنی گردن کو غوث اعظم کے قدم کے نیچے جھکا دو تو ہر ولی نے اپنی گردن جھکا دی لیکن ایک مرد عجمی نے اپنی گردن غوث اعظم کے سامنے نہ جھکائی تو اس کی ولایت سلب ہو گئی تو حضرت شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ قادریہ میں اس کی مثال نقل کی ہے کہ اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت رب

العزت جل شانہ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو تمام فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا لیکن ایک ابلیس نے سجدہ نہ کیا تو وہ مردود ہوا حالانکہ سجدہ کا معنی غایت تذلل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے فرشتوں نے اسے ذلت نہ سمجھا بلکہ عزت خیال کیا۔ البتہ ابلیس نے اسے ذلت سمجھتے ہوئے سجدہ سے انکار کر دیا اور ملعون ہوا۔ اسی طرح ربّ العزت نے حضرت غوثِ اعظم کے ذریعہ تمام ولیوں کو حکم دیا کہ اپنی گردنیں غوثِ اعظم کے قدم کے نیچے رکھ دو تو تمام ولیوں نے اللہ کے امر کی تعمیل کرتے ہوئے گردنیں جھکا دیں اور اس کو اپنی عزت خیال کیا نہ کہ ذلت مگر ایک مردِ عجمی نے اس کو ذلت سمجھتے ہوئے گردن نہ جھکائی اور ولایت سے محروم ہو گیا۔

خلاصہ یہ کہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ فتاویٰ مہریہ میں جو ہے کہ محبوبیت قادریہ عالمگیر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ روئے زمین اور مغرب اور مشرق تک جتنے ولی ہیں، سب کی گردن پر غوثِ اعظم کا قدم ہے اور سب اولیاء نے اپنی گردنیں غوثِ اعظم کے سامنے جھکا دیں اور یہ رتبہ صرف اور صرف غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے اور کسی کو حاصل نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ سب اولیاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عالمگیر محبوبیت صرف حضرت محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے اور کسی کو یہ محبوبیت حاصل نہیں ہے تو حضرت شیخنا السید السند غوث زمان قطب دوران سید مہر علی شاہ قدس سرہ نے فتاویٰ مہریہ میں فرمایا ہے کہ:

"محبوبیت قادریہ عالمگیر ہے اور محبوبیت نظامیہ کئی قطعاتِ زمین تک نہیں پہنچی۔"

یہ فرمان بالکل حق اور تمام اولیاء کرام کا اس پر اجماع ہے۔ صرف ایک مردِ عجمی نے اس کا انکار کیا اور محروم ہو گیا تو اس دور کے جس، آ کڑ خان شیخ نے حضرت غوث اعظم کے اس

مرتبہ اور خصوصیت کا انکار کیا ہے وہ اسی مرد عجمی کی طرح محروم ہے اور اگر بالفرض اس میں ولایت ہے تو وہ سلب ہوگئی ہے۔نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا۔

بندہ نے جو حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ اور آپ کی محبوبیت عالمگیر کے متعلق ذکر کیا ہے، اس کی وجہ ابتداء میں ذکر کی گئی ہے اور دوبارہ مفصل طور پر ذکر کرتا ہوں۔ بندہ نے کچھ عرصہ ہوا ایک رسالہ دیکھا جس کا نام ''شانِ محبوبیت'' ہے اور مصنف کا نام ''محی الدین'' ہے اور اس رسالہ میں غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے خصائص کا انکار کیا گیا ہے۔ مثلاً محبوبیت قادریہ عالمگیر ہے، یہ سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا خاصہ ہے جو کہ کسی دوسرے ولی کو نہیں ملا حتیٰ کہ شیخ المشائخ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ کو بھی یہ مرتبہ نہیں ملا اور اس میں محبوب الٰہی دہلوی رضی اللہ عنہ کی بے ادبی نہیں بلکہ فرق مراتب ہے اور یہ صاحب فرق مراتب کا انکار کر رہے ہیں۔ شاید ان جیسوں کے حق میں کہا گیا ہے:

''گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی''

تو غوثِ اعظم کے مراتب عالیہ اور خواص کا انکار صریح زندقہ ہے۔ صاحب روح المعانی اپنی تفسیر میں غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

" قد نال ما نال من القطبية بواسطة جده عليه الصلوٰة والسلام علىٰ اتم وجهٍ و اكمل حالٍ فقد كان رضى الله تعالىٰ عنه من اجلة اهلبيت حسنيا من جهة الاب حسينيا من جهة الام لم يصبه نقص لو ان و عسٰى و ليت و لا ينكر ذالك الا زنديق او رافضى ينكر صحبة الصديق "

خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ حضرت غوثِ اعظم نے وہ رتبہ قطبیت حاصل کیا ہے کہ اس کا

احاطہ متعین رہے۔ یہ رتبہ بلاواسطہ اللہ تعالیٰ سے حاصل نہیں کیا بلکہ اپنے جد جناب نبی کریم ﷺ کے واسطہ سے حاصل کیا اور اتم وجہ اور اکمل حال پر حاصل کیا اور یہ کہ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ بزرگ اہل بیت سے تھے، والد کے لحاظ سے حسنی سید اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حسینی سید تھے۔ اور لو، ان، عسلی اور لیت کا نقص ان میں نہیں تھا اور غوثِ اعظم کے کمالات اور خواص کا انکار صرف اور صرف زندیق کرتا ہے یا کہ رافضی جو کہ صحبت صدیق رضی اللہ عنہ کا انکار کرتا ہے۔

غور فرمائیں !!! غوثِ اعظم کے کمالات اور خواص کے منکر کو علامہ صاحب روح المعانی نے یا زندیق کہا ہے یا رافضی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو آدمی غوثِ اعظم کی ولایت کا تو قائل ہے لیکن دوسرے ولیوں کو غوثِ پاک کا تمام کمالات میں ہم پلہ مانتا ہے، یہ زندیق ہے کہ فرق مراتب نہیں کرتا اور جو آدمی غوثِ اعظم کی ولایت کا ہی منکر ہے وہ رافضی ہے کیونکہ رافضی غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کو سیدؔ ہی تسلیم نہیں کرتے۔

مصنف ''شانِ محبوبیت'' سے بھی زندقہ یا رفض کی بو آتی ہے اور مصنف رسالہ شانِ محبوبیت نے حضرت غوثِ زماں قطب وقت قدس سرہ کے متعلق نہایت ہی غلیظ زبان استعمال کی ہے اور رکیک حملے کئے ہیں اور فتاویٰ مہریہ کی ایک نہایت درست عبارت کا ردّ کیا ہے اور مصنف رسالہ کو تو کسی علم دین سے بھی کوئی خاص مس نہیں ہے اور قبلہ عالم اعلیٰ حضرت سیّد مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ علومِ دینیہ کسبیہ اور وہبیہ میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ کہاں پیر مہر علی شاہ اور کہاں مصنف ''رسالہ شانِ محبوبیت''۔۔۔۔ چھوٹا منہ اور بڑی بات۔۔۔

بندہ نے غور کیا کہ مصنف رسالہ شانِ محبوبیت نے غوثِ زماں کے متعلق یہ جسارت کیوں کی ہے؟ تو اس کی دو وجہ معلوم ہوئیں۔

وجہِ اول:۔ مصنف رسالہ کے دل میں چونکہ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق صرف اس وجہ سے عناد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے مراتب سے سرفراز فرمایا کہ مصنف رسالہ کے مشائخ کو وہ رتبہ نصیب نہیں ہوا کیونکہ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے۔ عموماً اور مصنف رسالہ کے مشائخ کو خصوصاً یہ رتبہ حاصل نہ ہوا۔ اس وجہ سے مصنف رسالہ کو غوثِ اعظم سے اللہ تعالیٰ کی عطا پر حسد ہے اور یہ ایک قاعدہ ہے کہ باپ کے ساتھ بغض اور کینہ ہو تو اولاد کے ساتھ بھی بغض ہوتا ہے اور چونکہ حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ قدس سرہ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں اور صحیح النسب گیلانی سید ہیں۔ اس لئے مصنف رسالہ کو ان کے ساتھ بھی بغض اور کینہ ہے بلکہ مصنف رسالہ کو غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی ساری اولاد سے بغض ہے۔

وجہ دوم:۔ حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ قدس سرہ نے فتاویٰ مہریہ میں غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا وہ رتبہ بیان فرمایا ہے جو کہ مصنف رسالہ کے مشائخ کو حاصل نہیں۔ اس لئے سیدنا پیر مہر علی شاہ قدس سرہ کے متعلق غلیظ زبان استعمال کی ہے۔ حالانکہ مصنف رسالہ کے مشائخ کے دل میں غوثِ اعظم کے متعلق احترام ہے نہ کہ عناد۔ نہ معلوم مصنف رسالہ کو یہ عناد کہاں سے وراثت میں ملا ہے؟ قبل ازیں علامہ صاحب روح المعانی کی عبارت میں گزر چکا ہے کہ یہ وراثت زنادقہ یا روافض کی ہے اور مصنف رسالہ ان کے وارث ہیں۔

اب بندہ فتاویٰ مہریہ کی عبارت نقل کر کے اس کا مطلب بیان کرے گا جس سے کسی منصف کو کوئی انکار نہیں ہوگا۔ باقی رہا معاند تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ اس کے بعد مصنف رسالہ شانِ محبوبیت کے رکیک اعتراض نقل کر کے اس کا دندان شکن جواب دے گا۔ فتاویٰ مہریہ

کی عبارت ملاحظہ ہو۔ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کی تصریح ہذا سے نتائج ذیل ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ عالی جناب نہ صرف مقامِ غوثیت کے مالک تھے بلکہ اس سے بالاتر تھے۔

۲۔ آپ ہر شے پر سوائے خدا عزوجل کے غالب و متصرف تھے۔

۳۔ ایسا شخص لاف زن اور کم ظرف نہیں ہوتا بلکہ سچا اور صاحب تمکین ہوا کرتا ہے۔

۴۔ ہر زمانہ میں ایسا ولی ہونا چاہیے۔ اسی باب میں ہے وہ عبارت جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے مگر خوفِ طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کی گئی۔ حضرت شیخ کے زمانہ میں اس تصرف کا مالک حسبِ تصریح شیخ رضی اللہ عنہ ایک ولی تھے۔ مگر اس باب میں لکھتے ہیں کہ گو یہ ولی مقام ھو القاھر فوق عبادہ میں ہے۔ لیکن شیخنا عبدالقادر رضی اللہ عنہ میں علاوہ مقام ہذا کے اور وجوہِ فضیلت بھی موجود تھے۔

فتاویٰ مہریہ کی یہ عبارت فتوحاتِ مکیہ کے باب ۳۷ کا خلاصہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایک ولی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مظہر ہوتا ہے:

و ھو القاھر فوق عبادہ

اور حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ بھی اس فرمان کے مظہر تھے اور اس فرمان کا مظہر وہ ولی اللہ ہوتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے پر غالب اور متصرف ہوتا ہے۔ لہٰذا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے پر غالب اور متصرف تھے۔ یہاں اس کا ذکر بھی ضروری ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں اسماء الحسنیٰ کی توضیح میں تصریح کی ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کے مظہر تھے:

و ھو القاھر فوق عبادہ

یہاں ایک اعتراض ہوتا ہے جس کا شیخ اکبر صاحب فتوحاتِ مکیہ نے جواب دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سوا بھی اس فرمان و ھو القاھر فوق عبادہ کا مظہر ہو سکتے ہیں تو پھر ان ولیوں میں اور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ میں کوئی فرق نہ رہا اور یہ خلافِ اجماع ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ غوثِ اعظم کا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے تو پھر جو ولی غوثِ اعظم کے سوا فرمانِ الٰہی و ھو القاھر فوق عبادہ کے مظہر ہیں۔ ان کی گردن پر بھی غوثِ اعظم کا قدم ہوگا تو پھر برابری نہ رہی۔ اس سوال کا جواب شیخ اکبر ابن عربی نے یہ دیا کہ یہ اعتراض تب ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی میں صرف یہی فضیلت ہو کہ وہ فرمانِ الٰہی کے مظہر ہیں جیسے کہ دوسرے ولی مظہر ہیں۔ حالانکہ یہ بات نہیں کیونکہ غوثِ اعظم میں اس فضیلت کے سوا اور فضائل بھی ہیں جو کہ اور ولیوں میں نہیں ہیں۔ خصوصاً یہ فضیلت کہ غوثِ اعظم کا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے تو اب مساوات لازم نہ آئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت شیخ اکبر ابن عربی کے نزدیک بھی غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ تمام ولیوں سے افضل اور برتر ہیں اور کوئی ولی جملہ مراتب میں آپ کا شریک نہیں۔

اب بندہ یہاں حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کی عبارت مذکورہ بالا کا خلاصہ ذکر کرتا ہے اور قارئین سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس خلاصہ پر غور کریں۔ صاحب ''رسالہ شانِ محبوبیت'' کو یہیں سے دھوکا ہوا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جناب شیخ اکبر نے حضرت غوثِ اعظم اور دوسرے ولیوں رضی اللہ عنہم کے درمیان ایک مابہ الاشتراک ذکر کیا ہے اور ایک مابہ الامتیاز ذکر کیا۔ مابہ الاشتراک تو یہ ہے کہ فرمانِ الٰہی و ھو القاھر فوق عبادہ کا مظہر غوثِ اعظم بھی ہیں اور دوسرے ولی بھی اور مابہ الامتیاز یہ ہے کہ غوثِ اعظم میں اور فضائل بھی ہیں جو کہ دوسرے

ولیوں میں نہیں ہیں مثلاً یہ کہ غوثِ اعظم کا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے اور یہ غوثِ اعظم کا خاصہ ہے جو کہ دوسرے کسی ولی کو حاصل نہیں ہے۔

غور کا مقام یہ ہے کہ شیخ اکبر نے فرق مراتب بیان کیا ہے اور اس فرق مراتب سے کسی ولی کی نہ گستاخی ہوتی ہے اور نہ سوءِ ادب لیکن صاحب رسالہ ''شانِ محبوبیت'' کا زعم باطل ہے کہ اس فرق مراتب سے دوسرے ولیوں کی ہتک ہو جاتی ہے تو اب صاحب رسالہ پر لازم ہے کہ وہ حضرت شیخ اکبر کے ردّ پر بھی ایک رسالہ تصنیف کریں اور اس میں بھی وہی غلیظ زبان استعمال کریں جو کہ انہوں نے حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ قدس سرہ کے متعلق استعمال کر کے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا ہے۔

اگر وہ یہ جواب دیں کہ مجھے صرف غوثِ اعظم کی اولاد سے حسد اور بغض ہے تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ بھی حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔ فرق یہ ہے کہ سیدنا مہر علی شاہ رضی اللہ عنہ صوری اولاد ہیں اور شیخ اکبر معنوی اولاد ہیں۔ مصنف رسالہ کو جاننا چاہیے کہ شیخ اکبر بھی غوثِ اعظم کو حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی سے افضل اور برتر مانتے ہیں جیسا کہ وضاحت سے گزر چکا ہے۔

مزید وضاحت ملاحظہ ہو۔۔۔۔

اس پر اجماع ہے کہ غوثِ اعظم نے فرمایا (قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله) اور مستند طریق سے ثابت ہے کہ حضرت غوثِ اعظم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ یہ کہو اور کسی ولی نے یہ نہیں کہا اور نہ اس کو حکم ہوا۔ یہ ایسی فضیلت ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کو حاصل نہیں اور نہ ہی چشتی سلسلہ کے کسی اور شیخ کو حاصل ہے بلکہ خواجہ

غریب نواز کو بھی حاصل نہیں ہے۔ بلکہ خواجہ غریب نواز نے بھی اپنی گردن جھکائی ہے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے لہٰذا اس میں کسی ولی کی ذلت نہیں ہے بلکہ عزت ہے جیسا کہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے سب مسلمان پانچ وقت میں کئی بار سجدہ کرتے ہیں حالانکہ خانہ کعبہ پتھروں کا بنا ہوا ہے اور اس میں ذلت اس لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اسی طرح ہے تو غوثِ اعظم کے آگے ولیوں کا گردن جھکانا چونکہ امر خداوندی کی تعمیل ہے لہٰذا اس میں کسی ولی کی ہتک نہیں اب صاحب رسالہ ''شان محبوبیت'' کے پاس غوثِ اعظم کی اس خصوصیت کا کیا جواب ہے؟

وہ اگر تمام جنوں اور انسانوں کو جمع کر لیں تو بھی کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ فتاویٰ مہریہ میں اسی خصوصیت کو ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے کہ غوثِ اعظم کی محبوبیت عالمگیر ہے اور خواجہ نظام الدین دہلوی کی محبوبیت عالمگیر نہیں۔ نعوذ باللہ من سوء الفہم و اغواء الشیطان۔

نیز شیخ اکبر ابن عربی نے فتوحات میں تصریح کی ہے کہ غوثِ اعظم کو و ھو القاھر فوق عبادہ کا مقام حاصل ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے سوا سب پر غالب اور متصرف ہیں۔ حتیٰ کہ خواجہ غریب رحمہ اللہ بھی اس میں داخل ہیں اور کسی مستند نقل سے یہ ثابت نہیں ہے کہ خواجہ محبوب الٰہی دہلوی کو و ھو القاھر فوق عبادہ کا مقام حاصل ہے اور اگر بالفرض یہ مقام حاصل ہو تو پھر بھی بحسب تصریح شیخ اکبر غوثِ اعظم میں وہ فضائل ہیں جو کہ خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہی میں نہیں تو کیا مصنف رسالہ ''شانِ محبوبیت'' میں طاقت ہے کہ غوثِ اعظم کی اس خصوصیت کا مستند طریقہ سے جواب دے۔

مصنف رسالہ شانِ محبوبیت نے فتاویٰ مہریہ کی مذکورہ بالا عبارت کو نقل نہیں کیا۔۔۔

اس کی دو وجہ ہیں:

وجہ اول:۔ مصنف رسالہ میں تصوف کی عبارات سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

وجہ دوم:۔ مصنف رسالہ شانِ محبوبیت نے فتاویٰ مہریہ کی عبارت مذکورہ بالا کو سمجھا تو ہے لیکن اس عبارت کو نقل اس لیے نہیں کیا کہ اس عبارت میں شیخ اکبر نے تصریح فرمائی ہے کہ کوئی ولی خواہ اس کو ھو القاھر فوق عبادہ کا مقام بھی حاصل ہو وہ فضائل کے لحاظ سے حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں۔ اگر چہ وہ ولی حضرت نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی ہی کیوں نہ ہوں اور یہ بات مصنف رسالہ شانِ محبوبیت کے مقصد کے منافی ہے کیونکہ مصنف رسالہ شانِ محبوبیت حضرت محبوب الٰہی دہلوی کو محبوب سبحانی بغدادی کے برابر ثابت کرنا چاہتے ہیں، اس لئے عبارت مذکورہ بالا کو مصنف رسالہ نے ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ عبارت برابری کی نفی کرتی ہے۔

فتاویٰ مہریہ کی وہ عبارت جس میں غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کو تمام ولیوں سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ اس کے تین حصے ہیں۔ حصہ اوّل ختم ہوا اور اس کا مطلب غوثِ اعظم اور دوسرے ولیوں میں فرق بیان کرنا ہے خواہ کوئی فرق ہو۔ کوئی خصوصی فرق بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔

اب عبارت کا حصہ دوم ملاحظہ ہو۔

''سیدنا عبدالقادر سیدنا خواجہ نظام الدین ہر دو مقام پر محبوبیت میں شریک ہیں مگر حسب تصریح حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آباد حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی سیدنا عبدالقادر سے مستفید ہیں۔''

یہ عبارت حصہ دوم مصنف رسالہ شانِ محبوبیت نے اپنے رسالہ میں نقل کی ہے اور اس کو تعصب پر محمول کیا ہے۔ حالانکہ یہ عبارت بالکل حق اور مطابق واقع ہے۔ کوئی عقل کا اندھا ہی اس کو تعصب پر محمول کر سکتا ہے۔

اب بندہ یہاں بیان کرتا ہے کہ یہ عبارت کئی وجہ سے حق ہے۔

وجہ اول:۔ فتاویٰ مہریہ کی یہ عبارت بالکل اس طرح ہے جیسے کوئی اہل سنت یہ کہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ اور دوسرے تمام انبیاء صلوات اللہ علیہم مقامِ نبوت میں شریک ہیں مگر حسب تصریح قرآن پاک اور حدیث مقدس آنحضرت ﷺ دوسرے تمام انبیاء سلام اللہ علیہم سے افضل ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام آنحضرت ﷺ سے مستفید ہیں۔ اب اہلسنت کا یہ قول اور عقیدہ بالکل حق ہے اور اس میں تعصب کا شائبہ تک نہیں ہے اور اس میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کی کوئی گستاخی نہیں ہے۔ کوئی کور باطن ہی اس عقیدہ کو تعصب اور گستاخی پر محمول کر سکتا ہے کیونکہ اس میں فرق مراتب کو بیان کیا گیا ہے جو کہ قرآن کے مطابق ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ۔

اس آیہ مبارکہ میں انبیاء کے درمیان فرق مراتب بیان کیا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل قرار دیا گیا ہے اور اسی طرح یہ قول حدیث مقدس کے بھی مطابق ہے:

انا سید ولد آدم و بیدی لواء الحمد۔

جیسا کہ اہل سنت کا یہ قول اور عقیدہ حق ہے۔ بعینہٖ اسی طرح فتاویٰ مہریہ کی عبارت بالا حصہ دوم حق ہے کہ سیدنا عبدالقادر اور سیدنا نظام الدین ہر دو مقام محبوبیت میں شریک ہیں لیکن سیدنا عبدالقادر رضی اللہ عنہ کو سیدنا خواجہ نظام الدین دہلوی پر فضیلت ہے کہ خواجہ نظام الدین

نے سیدنا عبدالقادر سے استفادہ کیا ہے جیسا کہ مرید اپنے شیخ سے استفادہ کرتا ہے۔تو ظاہر ہے کہ مفیض کا درجہ مستفیض سے بالاتر ہوتا ہے لہٰذا اس لحاظ سے سیدنا عبدالقادر کا رتبہ سیدنا محبوب الٰہی سے برتر ہے اور فتاویٰ مہریہ میں اس فضیلت کو مولانا نظام الدین اورنگ آبادی کی تصریح سے ثابت کیا گیا ہے جو کہ چشتیہ کے بڑے عظیم مشائخ سے ہیں۔فتاویٰ مہریہ کی عبارت حصہ دوم سے صرف مطلق فرق مراتب بیان کرنا مقصود ہے اور یہ مقصود حضرت مولانا اورنگ آبادی کی تصریح سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔وہ بڑا کم فہم ہے جو یہ کہتا ہے کہ اس تصریح سے یہ فرق مراتب ثابت نہیں ہوتا۔

اب بندہ مصنف رسالہ شانِ محبوبیت کی وہ عبارت نقل کرتا ہے جس میں مولانا اورنگ آبادی کی تصریح کا جواب دیا گیا اور پھر اس کا دندان شکن جواب دے گا۔عبارت ملاحظہ ہو:

"رہا نظام القلوب کا حوالہ تو وہ مدعی کے دعویٰ کی دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ اس میں کہیں ذکر نہیں ہے کہ محبوبیت قادریہ محیط ہے اور محبوبیت نظامیہ محدود ہے۔افادہ اور استفادہ کا ذکر ہے اور وہ بھی ایک ذکر کے متعلق،جس سے رتبہ کی کمی اور زیادتی معلوم نہیں ہوتی:

كما لا يخفى على من له ادنى بصيرة۔"

اس عبارت کے ردّ سے پہلے بندہ حضرت مولانا سعدی شیرازی کی ایک حکمت یہاں ذکر کرتا ہے

(حکمت) دو کس دشمن ملك و دین اند پادشاہ بے حلم و زاھد بے علم

یعنی جس بادشاہ میں تحمل اور بردباری نہیں وہ اپنے ملک اور سلطنت کا دشمن ہے اور زاہد اور نیک آدمی کہ جس میں علم دین نہیں ہے وہ دین کا دشمن ہے۔مصنف رسالہ شانِ

محبوبیت کی عبارت مذکورہ ذیل چند وجوہ سے مردود ہے۔

وجہ اول:۔ فتاویٰ مہریہ میں قطعاً اس سے پہلے محبوبیت قادریہ اور نظامیہ کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی نظام القلوب کے حوالہ سے اس کو ثابت کرنا ہے اور نہ ہی یہ دعویٰ ہے اور نہ ہی نظام القلوب کے حوالہ سے اس دعویٰ کا ثابت کرنا مطلوب ہے۔ بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ غوثِ اعظم کا رتبہ ہر ولی سے برتر ہے خواہ من وجہ ہو اور یہ دعویٰ فتاویٰ مہریہ کی عبارت حصہ اوّل میں کیا گیا ہے جو کہ شیخ اکبر کی عبارت کا خلاصہ ہے۔

حصہ دوم میں ایک مثال کے ذریعہ اس دعویٰ کو نظام القلوب کے حوالہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ اگرچہ غوثِ اعظم اور محبوبِ الٰہی محبوبیت میں شریک ہیں لیکن غوثِ اعظم سے حضرت محبوبِ الٰہی نے استفادہ کیا ہے لہٰذا غوثِ اعظم کو اس لحاظ سے برتری حاصل ہے اور افادہ اور استفادہ سے رتبہ کی کمی اور زیادتی واضح ہے۔ اس کا انکار کور باطن ہی کر سکتا ہے۔

خلاصۂ عبارت حصہ دوم یہ ہے کہ محبوب سبحانی اور محبوب الٰہی کے درمیان ایک مابہ الاشتراک اور دوسرا مابہ الامتیاز ہے۔ مابہ الاشتراک یہ ہے کہ ہر دو اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور مابہ الامتیاز یہ ہے کہ محبوب سبحانی مفیض اور مفید اور محبوب الٰہی مستفیض اور مستفید ہیں اور مفیض کا درجہ مستفیض سے زیادہ ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ یہاں مطلق افاضہ اور استفاضہ مراد نہیں ہے بلکہ ایک ولی کا دوسرے ولی سے روحانی افاضہ اور استفاضہ مراد ہے۔

وجہ دوم:۔ مصنف رسالہ شانِ محبوبیت نے فتاویٰ مہریہ پر یہ اتہام لگایا ہے کہ اس میں محبوبیتِ قادریہ کو محیط اور محبوبیتِ نظامیہ کو محدود کہا ہے حالانکہ یہ صریح بہتان ہے۔ اس

عبارت سے قبل نہ محیط کا ذکر ہے اور نہ ہی محدود کا اور نہ ہی اس کا ثابت کرنا مقصود ہے۔ بلکہ اس عبارت سے صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ چونکہ محبوبِ الٰہی نے محبوب سبحانی سے استفادہ کیا ہے لہٰذا محبوب سبحانی کا رتبہ اس لحاظ سے محبوبِ الٰہی سے برتر ہے اور یہ امر شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کی تصریح سے واضح ہے اور مصنف رسالہ کا یہ کہنا کہ افادہ اور استفاضہ کی وجہ سے رتبہ کی کمی، زیادتی معلوم نہیں ہوتی۔۔۔ یہ بالکل باطل ہے ورنہ صاحب رسالہ اپنے مشائخ سے بلحاظ رتبہ برابر ہوگا۔

☆......☆......☆......☆

نوٹ:

حضرت رئیس المدرّسین کشور تدریس کے تاجدار اس کے بعد حضرت خواجہ غلام محی الدین گولڑوی (بابو جی) رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی لکھنا چاہتے تھے لیکن جس طرح کہ آغازِ رسالہ میں بیان فرمایا' ان کی تدریسی اور دوسری عملی مصروفیات نے اس طرف توجہ دینے کا موقع نہ دیا۔

(نذر حسین چشتی گولڑوی)

سفر نامہ بغداد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمْ

ضروری التماس یہ ہے کہ فقیر سراپا تقصیر نے یہ سفر نامہ اپنے ذوق کے مطابق تحریر کیا ہے۔ جو چیز اس فقیر کو خوب معلوم ہوئی ہے اس کو احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے۔ ممکن ہے کوئی بات بعض قارئین کی طبع عالی کے موافق نہ آئے تو محرر ایں سطور معذور ہے۔

من مذھبی حب الدیار لاھلھا

للناس فی ما یعشقون مذاھب

میرا مذہب محبوب اور اس کے مکانات سے محبت ہے اور عشاق کے مذاہب اپنے محبوبوں کے متعلق جدا جدا ہوتے ہیں۔ وہ اس معاملہ میں کسی مذہب کے پابند نہیں۔

27 مارچ 1948ء 15 جمادی الاوّل 1367ھ بروز ہفتہ

صاحبزادہ بلند اقبال عماد الملۃ والدین حضرت علامہ شاہ معین الدین صاحب مع اپنے برادر خورد صاحبزادہ نیک اختر اسرار الطریقۃ والحق حضرت شاہ محمد عبد الحق صاحب اپنی کار پر صبح سویرے اسٹیشن پر تشریف فرما ہوئے۔ اس کے بعد کئی اصحاب تانگوں پر سوار ہو کر پہنچے۔

27 مارچ 1948ء 15 جمادی الاولیٰ 1367ھ بروز ہفتہ صبح تقریباً ساڑھے آٹھ بجے ہمارے حضرت غریب نواز (حضرت خواجہ غلام محی الدین معروف بہ بابو جی رحمۃ اللہ علیہ آستانہ

عالیہ گولڑہ مقدسہ سے نہایت تزک واحتشام کے ساتھ پیدل روانہ ہوئے۔ محرر ایں سطور بھی آپ کی خاک پا کو "کحل البصر و البصیرۃ" (سر اور دل کی آنکھوں کا سرمہ) سمجھ کر حضور انور کے ساتھ تھا۔ راستہ میں لوگ جوق در جوق زیارت کے لئے آتے رہے۔ آپ نے ہر ایک پر عنایت بے غایت فرمائی۔ آپ ساڑھے نو بجے گولڑہ مقدسہ ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ آپ نے کراچی تک جو ڈبے ریزرو کروار کھے تھے۔ پہلے سے اسٹیشن پر موجود تھے جو ساڑھے گیارہ بجے گاڑی سے منسلک ہو کر چلے۔ پونے بارہ بجے گاڑی راولپنڈی پہنچی۔ راولپنڈی اسٹیشن پر زائرین کا بڑا ہجوم تھا۔ جس نے فرطِ محبت سے نعرۂ تکبیر سے فضا کو گرما دیا۔ ایک بجے گاڑی راولپنڈی سے روانہ ہوئی اور یہ گاڑی فرنٹیئر میل تھی۔ جس کے ساتھ ریزرو ڈبے جوڑ دیئے گئے تھے۔ دو بج کر دس منٹ پر مندرا اسٹیشن پر گاڑی پہنچی اور گوجر خان دو بج کر تیس منٹ پر۔ یہاں بھی مشتاقانِ دیدار کا بڑا ہجوم تھا جنہوں نے تمام ہمراہیان حضرت کے لئے چائے کا انتظام کر رکھا تھا اور یہاں سے کئی آدمی آپ کے ہمراہ بغداد شریف جانے کے لئے سوار ہوئے جن میں مولوی محمد فاضل صاحب قابل ذکر ہیں۔ پانچ بج کر اٹھارہ منٹ پر گاڑی جہلم اسٹیشن پر پہنچی۔ لالہ موسیٰ اسٹیشن پر لوگوں کا جمِ غفیر زیارت کے لئے موجود تھا۔ جنہوں نے چائے اور دودھ کا انتظام کر رکھا تھا۔

شام آٹھ بجے گاڑی لاہور پہنچی، رات کو تمام لوگ انہی ریزرو ڈبوں میں رہے۔ صبح کو زائرین کا اس قدر اجتماع ہوا کہ آپ تک پہنچنا کارے دارد خیال کیا جاتا تھا۔ استاذ صاحب اچھرہ والے مولانا حافظ مہر محمد صاحب، مولوی بشیر احمد صاحب خطیب جامع مسجد حافظ آباد، برادرم علی محمد، حکیم محمد دین صاحب، چوہدری دین محمد صاحب اور دیگر معززین لاہور اسٹیشن پر

حاضر تھے۔نواب صاحب قریشی ،محمد حیات صاحب آف رادھن بھی اسٹیشن پر آپ کی زیارت کو آئے اور میاں محمد ذاکر صاحب چونکہ لاہور میں موجود نہ تھے۔لہٰذا وہ زیارت سے محروم رہے۔یہ ڈبے کراچی میل کے ساتھ لگا دیئے گئے تھے۔

گاڑی 28 مارچ 1948ء، 16 جمادی الاولیٰ 1367ھ بروز اتوار نو بج کر پینتیس منٹ پر لاہور سے روانہ ہوئی۔بارہ بج کر تیس منٹ پر منٹگمری (ساہیوال) پہنچی۔بہت سے لوگ زیارت سے مشرف ہوئے۔میاں مسعود صاحب قبلہ جو کہ حضرت بابا گنج شکر کی اولاد سے ہیں۔گولڑہ مقدسہ سے آپ کے ہمرکاب تھے اور منٹگمری جا کر اترے۔حاجی فیروز الدین جو کہ زیارت کے لیے گولڑہ مقدسہ آئے ہوئے تھے وہ بھی یہاں اترے۔دوست محمد وٹو صاحب نے کھانے کا انتظام کر رکھا تھا۔لوگوں نے کھانا کھایا اور وٹو صاحب مع چند ہمراہیوں کے بارادہ بغداد شریف گاڑی پر سوار ہو گئے۔

ملتان اسٹیشن پر بھی لوگوں کا بڑا اجتماع تھا اور یہاں سے بھی بہت سے لوگ بارادہ بغداد شریف گاڑی پر سوار ہوئے۔چھ بج کر انیس منٹ پر گاڑی بہاول پور پہنچی۔یہاں پر بھی لوگوں کا بہت اجتماع تھا۔مولوی عبدالحی صاحب چشتی اور حافظ غلام احمد صاحب قادری پسران حضرت شیخ الجامعہ صاحب (مرحوم) بھی زیارت کے لئے آئے تھے۔مولوی قطب الدین آف کمر مشانی اور مولوی برکت علی صاحب سرگودھا جو شیخ الجامعہ صاحب کی فاتحہ خوانی کے لئے بہاول پور آئے ہوئے تھے وہ بھی زیارت کے لئے موجود تھے۔اور سمہ سٹہ تک حضرت کی ہمرکابی میں آئے اور پھر سمہ سٹہ سے واپس چلے گئے۔دس بج کر پینتالیس منٹ پر گاڑی رحیم یار خان پہنچی۔راستے میں سیّد نجیب علی شاہ صاحب بزیارت بغداد شریف مع اپنے ہمراہیوں

کے سوار ہوئے۔ غالباً ڈیرہ نواب کا اسٹیشن تھا اور آپ کا صاحبزادہ بھی کراچی تک رخصت کرنے کے لئے سوار ہوا۔ صبح ساڑھے نو بجے گاڑی کراچی اسٹیشن پر پہنچی۔

29 مارچ بروز پیر

لاہور سے چل کر تقریباً چوبیس گھنٹوں میں گاڑی کراچی پہنچی۔ ملک تاج محمود صاحب برادر خورد ڈاکٹر عطا محمد صاحب بندیالوی جو ریلوے میں ڈپٹی کنٹرولر ہیں اور آپ بھی اپنی دونوں بیویوں سمیت دربار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لئے حضرت کے ساتھ تھے۔ تمام راستے میں گاڑی کے متعلق جو کام تھا۔ ملک صاحب نے اسے بڑی جدوجہد سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ فی الواقع بڑے شریف اور متواضع انسان ہیں۔

راقم سطور کو ٹیکہ لگوانے کی وجہ سے راستے میں بخار ہو گیا تھا۔ طبیعت پر بڑی گرانی اور پریشانی تھی۔ لیکن حضرت صاحبزادہ بلند اختر شاہ محمد عبدالحق صاحب طال عمرہ کے ساتھ سلم العلوم اور میبذی کی تکرار رہتی تھی۔ اس لئے غم غلط ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ ربّ العزت میرے حضرت کی اولاد کو تا قیام قیامت سلامت با کرامت رکھے۔ کیوں کہ یہ گوہران نایاب اپنے نیازمندوں پر کرم بلیغ فرماتے ہیں اور اپنے نیازمندوں کا دنیا میں یہی لوگ سہارا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کرے قیامت میں ان کی اور ان کے آباؤ اجداد صلوۃ اللہ علیہم کی شفاعت و نظر کرم نصیب ہو۔ آمین الف مرۃ ثم آمین الف الف مرۃ

محرر ایں سطور ہر ایک سبق کی تقریر تقریباً پانچ چھ دفعہ صاحبزادہ عالیجاہ کی خدمت میں عرض کرتا پھر آپ اتنی ہی دفعہ اس کا اعادہ فرماتے۔ پھر بندہ سبق کی تقریر کرتا جاتا تھا اور آپ اس کو ایک کاپی پر قلم بند کرتے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو علم باعمل مکمل جامع اور نافع

عطا فرمائے۔ تاکہ یہ علم کا گھر ہمیشہ ظاہری اور باطنی علوم کا مخزن رہے اور اگر یہ خدمت بندہ کے ذریعے انجام پذیر ہو تو زہے عز و شرف بس یہی نجات کے لئے کافی ہے۔

29 اور 30 مارچ پیر اور منگل کا دن کراچی میں گزارا۔ یہ تحریر آج منگل کو قلم بند کی جا رہی ہے۔ امید ہے کہ بدھ کا دن کراچی رہ کر جمعرات کو جہاز بصرہ روانہ ہوگا۔

آج حضرت قبلہ عالم مدظلہ العالی کا ارشاد ہوا کہ بغیر تصویر کے عراق شریف جانا مشکل ہے لہٰذا ابھی فوٹو والا آئے گا۔ یہ بات سن کر طبیعت پر بڑا بوجھ بنا کیونکہ ہم اس ذاتِ گرامی کے دربار پر حاضر ہو رہے ہیں جن کو محی الدین کا لقب اسی لئے عطا ہوا کہ آپ نے شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ سے ہر ایک بدعت کو دور کر کے از سر نو دین کو زندہ کیا۔ اب اگر ہم ارتکابِ بدعت کر کے دربار پر حاضر ہوں تو یہ بے ادبی ہے۔

30 مارچ بروز منگل

آج صبح کے وقت ملک تاج محمود صاحب کے ذریعے سے ملک فتح شیر خان پدھراڑوی کو کئی دفعہ ٹیلی فون کیا، لیکن کوئی پتہ نہ چلا، آخر ملک صاحب نے ایک آدمی موٹر پر روانہ کیا۔ اس نے بڑی کوشش کی اور آخر کار ملک فتح شیر خان کا پتہ لگا کر ان کو محرر ایں سطور کی اطلاع دی اور بعد از شام ملک صاحب اپنے لڑکے محمد رشید کے ساتھ کراچی اسٹیشن پر ملاقات کے لئے آئے اور حضرت قبلہ مدظلہ العالی کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ چونکہ بڑی مدت کے بعد ملاقات ہوئی تھی۔ لہٰذا ملاقات سے بڑی خوشی ہوئی۔ بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں آخر وہ لوکل گاڑی پر سوار ہو کر رخصت ہو گئے۔

راقم سطور نے چونکہ اپنا فوٹو نہیں بنوایا لہٰذا حضرت غریب نواز اس حقیر

سراپا تقصیر پر ناراض معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میرے دل پر بڑی تنگی آئی ہے تم نے کبھی باہر کا سفر نہیں کیا، جب تم سفر کرو گے تو تم کو معلوم ہو جائے گا اور مقدمات وغیرہ میں تم لوگ کئی غیر شرعی حرکات کرتے ہو۔ یہ سب مجبوریاں ہیں کیا کیا جائے۔ چونکہ حضرت غریب نواز کے ساتھ اس حقیر کا بڑا نازک تعلق ہے۔ لہٰذا اس سرزنش نے کمر توڑ دی اور بہت رنج ہوا کہ میری وجہ سے حضرت مدظلہ العالی کو خوامخواہ تکلیف ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ فوٹو نہ بنواؤ آئندہ دیکھا جائے گا، اب بڑی فکر ہے کہ اگر آگے چل کر کوئی سرکاری گڑبڑ ہوئی تو پھر قبلہ حضرت کو بڑی کوفت ہوگی اور میں ناکارہ آپ کے لئے بار خاطر ثابت ہوں گا۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ملتجی ہوں کہ ربّ العزت اپنے محبوب بندوں کے وسیلہ سے اس فوٹو والی مصیبت کو سر سے ٹالے۔ آج کل اس وجہ سے طبیعت بڑی مضطرب ہے۔ دل میں ہزاروں خیالات آتے ہیں اور حالت یہ ہے کہ (نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن)

یا مسبب الاسباب یا رحمٰن اغثنی یا شیخ عبدالقادر جیلانی

شیئاً للّٰہ امددنی فی سبیل اللّٰہ

کیا کیا جائے؟ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ یہ مذاق عطا فرماتا کہ

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغان گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

اللهم انی اعوذبك من غضبك و غضب حبيبك و غضب اوليائك و غضب عبادك الصالحين۔

29 مارچ بروز پیر سے لے کر آج 31 مارچ بروز بدھ تک کھانے کا بمبئی والے سیٹھ احمد داؤد صاحب انتظام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اور دین و دنیا میں کامیاب فرمائے۔

30 مارچ بروز منگل

عصر کے وقت حضرت صاحب مع ہر دو نور العین ایک سیٹھ صاحب کی درخواست پر ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ قاری محبوب علی صاحب اور چوہدری اورنگ زیب، محمد شفیع صاحب، غلام قادر راولپنڈی والے اور یہ حقیر بھی آپ کے ہم رکاب تھا۔ سیٹھ صاحب دو کاریں لائے تھے۔ جن پر مہمانوں کو لے گئے چائے کی بڑی پر تکلف دعوت دی۔ سیٹھ صاحب نے اپنے گھر میں بڑے بڑے نوادراتِ زمانہ رکھے ہوئے تھے۔ یعنی قسم قسم کے چاندی کے برتن مختلف ممالک کے اور بعض چیزیں بڑی پرانی تھیں۔ مثلاً ایک مورتی جو کہ تین ہزار سال پہلے کی تھی۔ ان کا فرمانا تھا کہ یہ مورتی زمانہ جہالت میں مصری عادت کے مطابق قبروں میں رکھی جاتی تھی۔ چائے کے بعد سیٹھ صاحب ہمیں کاروں پر بندرگاہ پر سیر کے لئے لے گئے۔ وہاں بہت آدمی سیر کے لئے گئے ہوئے تھے۔ بڑا اچھا نظارہ تھا مگر اس حقیر کے دل پر تو حضرت کی زجر و توبیخ سے اداسی چھائی ہوئی تھی اور یہ اشعار زیر لب تھے:

ہمہ شہر پر زِ خوباں منم و خیال ماہے　　چہ کنم کہ چشم بد خونکند بکس نگاہے

ای تماشا گاہ عالم روئے تو　　تو کجا بہر تماشا میروی

شام کی نماز وہاں ہی ادا کی۔ قاری محبوب علی صاحب نے اذان اور اقامت کے فرائض سرانجام دیئے۔ قاری صاحب نے اذان عربی لہجہ میں دی۔ بڑا لطف آیا اور قرآن کریم کی تلاوت بھی نہایت خوش اسلوبی سے کی۔ نماز کے بعد واپس اسٹیشن پہنچ گئے۔ حضرت کریم صاحب ہر روز ہمراہیوں کے ٹکٹ اور پاسپورٹ وغیرہ کے انتظام میں لگے رہتے ہیں۔ کیسے لجپال اور غریب نواز اور کریم النفس ہیں۔ ہم کو اور تو کوئی فکر نہیں لیکن ان کی نظر عتاب کے جگر سوز نظارہ کی ہر وقت فکر رہتی ہے۔ یکم اپریل صبح تک احمد داؤد صاحب کے گھر سے ہی کھانے کا انتظام ہوتا رہا ہے۔

یکم اپریل بروز جمعرات تقریباً ساڑے گیارہ بجے تمام ہمراہی بحری جہاز کے لنگر پر روانہ ہوئے۔ اور حضرت قبلہ غریب نواز سب سے پیچھے کار پر تشریف لائے۔ محرر ایں سطور بھی ہم رکاب تھا۔ بندرگاہ پر آ کر ڈاکٹری معائنہ کروایا۔ اور اس نے ہر ایک کو مہر لگائی۔ ایک خان بہادر صاحب جو کہ ہمارے حضرت صاحب کے بڑے نیاز مند تھے اور اپنے مکان پر بھی آپ کو لے گئے تھے جیسا کہ ماقبل گزر چکا۔ یہ صاحب بھی بندرگاہ پر تشریف لائے اور جہاز کے کپتان سے جہاز میں ساتھیوں کی جگہ کا انتظام کیا۔ تمام ساتھیوں کو اچھی جگہ مل گئی۔ تقریباً پانچ بجے تمام ساتھی جہاز پر بیٹھ گئے۔ جہاز رات کے ساڑھے گیارہ بجے روانہ ہوا۔ حضرت قبلہ غریب نواز نے کئی دفعہ اپنے نیازمندوں میں تشریف لا کر مشتاقوں کو زیارت سے سرفراز فرما کر ہر غم کو خوشی میں تبدیل فرمایا۔ یہ ان کی ذرّہ نوازیاں ہیں اور غوثیوں کی یہی شان ہے جب آپ تشریف لاتے تھے تو یہ مصرعہ ذہن میں آتا تھا۔

خود پیاسوں کے تجسّس میں ہے دریا تیرا

کھانا جہاز کمیٹی کے ذمہ ہے اور آج جمعہ 2 اپریل کی صبح ہے کہ جہاز کی رفتار اپنے پورے شباب پر ہے اور رفتار تو بالکل صاف ہے کوئی حرکت نہیں اور یہ چند سطور لکھی گئیں۔
2 اپریل کی عصر کے بعد محبوب صاحب نے قوالی فرمائی تمام سامعین خوب محظوظ ہوئے۔ وقت نہایت لذت میں گزرا۔ رات کو قبلہ حضرت غریب نواز نے محرر ایں سطور کو فسٹ اور سیکنڈ کے کمرے دکھائے۔ نہایت ہی اعلیٰ انتظام اور ایسے صاف اور آرام دہ کمرے ہیں جیسے بڑے بڑے رؤسا کی کوٹھیاں ہوتی ہیں۔ ان لوگوں کے کھانے کے کمرے علیحدہ اور رہنے کے علیحدہ اور یونہی بیٹھنے کے علیحدہ ہیں۔ اور لائبریری مطالعہ کے لئے علیحدہ ہے۔ سڑکیں نہایت صاف اور سنگ مرمر کی طرح ہیں اور کمروں کے چاروں طرف ایک فراخ برآمدہ ہے، جہاں سے سمندر کا نظارہ بخوبی ہوسکتا ہے۔ چونکہ جہاز سمندر کی سطح پر تہہ و بالا چلتا ہے۔ اس لئے بعض ستارے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ اوپر کو جا رہے ہیں اور پھر نیچے کو جیسے گاڑی کے کھمبے ہوتے ہیں۔ مثلاً جب جہاز لہروں کے اوپر چلتا ہے تو ستارہ نیچے اترتا معلوم ہوتا ہے اور جب جہاز لہروں سے اترتا ہے تو ستارہ اوپر کو جاتا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن ہمارا تو وہی سابقہ حال ہے

ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے

3 اپریل بروز ہفتہ

آج جہاز میں ذرا حرکت معلوم ہوتی ہے بعض احباب کو کچھ چکر بھی آ رہے ہیں بندہ کو بھی کسی وقت چکر محسوس ہوتے ہیں اور ہمارے حضرت کے ٹکٹ سیکنڈ کے تھے لیکن آپ نے دوسروں کی تکلیف کو مدنظر فرماتے ہوئے اپنے ٹکٹ دوسروں کو دئے اور آپ آنجناب سیکنڈ کے برآمدوں میں رات کو استراحت فرماتے ہیں۔ حضرت صاحبزادگان ہم نیاز مندوں کے

ساتھ تھرڈ کلاس میں رونق افروز ہوتے ہیں۔ زہے عزّ وشرف ان بادشاہوں کی بے تکلفی اور سادگی پر انسان قربان ہو جائے، خلق پیغمبر ﷺ کے ساتھ متصف ہیں۔

4 اپریل بروز اتوار

آج سمندر اور جہاز کی رفتار بالکل صاف تھی۔ صبح کو قبلہ حضرت غریب نواز مدظلہ العالی مشتاقوں میں تشریف لائے۔ اس وقت بندہ شاہ محمد عبدالحق صاحب دام بقائہ کے ساتھ سلم العلوم کی تکرار کر رہا تھا۔ اور مسئلہ تحصیل حاصل اور مجہول مطلق کا تھا۔ قبلہ حضرت غریب نواز نے اس مسئلہ میں بڑی خوشی سے دخل دیا اور دیر تک اس پر بحث کی۔ نیز قاعدہ الضرورات تبیح المحذورات پر بھی بحث فرمائی۔ علاوہ ازیں آنجناب نے تمام ہمراہیوں کو ٹیکہ کے متعلق حکم فرمایا۔ اکثر خدام نے ہیضہ کے ٹیکے لگوائے۔ ڈاکٹر ہندو تھا اور پاکپتن شریف کا رہنے والا تھا۔ محرر ایں سطور نے بھی ٹیکہ لگوایا اور قبلہ حضرت غریب نواز دام لطفہ نے بھی ٹیکہ لگوایا۔ اگرچہ آپ نے تمام ٹیکے پہلے سے لگوائے ہوئے تھے لیکن خدام کی تسلی کو پھر ٹیکہ لگوایا۔ زہے لطف زہے کرم

اسی روز تقریباً پونے چھ بجے جہاز بحرین پہنچا اور سمندر میں ہی لنگر انداز ہوا۔ یعنی گودی پر جا کر نہیں لگا۔ جہاز تقریباً ساڑھے چار گھنٹے کھڑا رہا اور رات کو ساڑھے گیارہ بجے روانہ ہوا اور آج 5 اپریل بروز پیر یہ سطور لکھی جا رہی ہیں۔ تمام لوگ نمازِ فجر پڑھ چکے ہیں اور حضرت صاحبزادہ بلند اختر شاہ غلام معین الدین صاحب مشتاق قوال صاحب کو کریما پڑھا رہے ہیں۔ تقریباً 12 بجے دن کو حضرت قبلہ مدظلہ العالی تشریف لائے بہت دیر تک ذکرِ صالحین باعثِ رحمت ہوتا رہا۔ آپ نے حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری، قاری

عبدالرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا غازی احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نہایت دلآویز قصائص بیان فرمائے۔ تمام مجمع نہایت محظوظ ہوا، ہر آدمی صورتِ تصویر تھا۔ اس حدیث پاک کا منظر سامنے تھا کان علی رؤوسھم الطیر اس کے بعد اشعار کا ذکر آیا۔ اور حضرت نے خود چند اشعار بیان فرمائے، آپ پر رقت طاری ہوگئی تو آپ نے محبوب صاحب سلمہ اللہ کو قوالی کا حکم فرمایا، نہایت اعلیٰ قوالی تھی۔

اس کے بعد واعظ صاحب نے قوالی کی نہایت اچھا مضمون شروع کیا لیکن درمیان میں ایک دو شعر ایسے بیان کئے کہ طبیعت ذرا خراب ہوگئی کیونکہ وہ اشعار یا تو بظاہر خلافِ شرع شریف تھے یا کہ ایسا ادق مضمون تھا جو کہ عوام کی سمجھ سے بالا تھا۔ اور انسان کلموا الناس علی قدر عقولھم کے ساتھ مکلف ہے۔ یہ پر لطف منظر تقریباً اڑھائی بجے تک جاری رہا۔ اور آج 5 اپریل بروز سوموار کو کراچی اور اس جگہ کے ٹائم میں اڑھائی گھنٹہ کا فرق تھا۔ 5 اپریل بروز پیر کو تقریباً ساڑھے پانچ بجے جہاز کویت جا کر ٹھہرا اور اب منگل کی رات ہے کہ سطور لکھی جارہی ہیں۔

تمام رات جہاز یہاں ہی ٹھہرے گا اور کل منگل کو بتاریخ 6 اپریل ان شاء اللہ روانہ ہوگا۔ یہاں کویت میں نوشہرہ چھاؤنی کے دو سپاہی اترے ہیں جو کہ یہاں ملازم ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہاں موٹر کی ایک پاکستانی کمپنی کھلی ہے اور ہم اس میں ملازم ہیں۔ جس جگہ پر ہم نے ڈیرہ لگایا تھا۔ وہاں سے چونکہ بار بار اٹھنا پڑتا تھا لہٰذا کویت میں بہت سے آدمیوں کے اترنے سے جگہ خالی ہوئی تو ہم نے بھی جگہ تبدیل کی لیکن قبل ازیں ہم تقریباً اکٹھے تھے۔ اور اب مختلف مقامات پر متفرق ہوگئے ہیں۔

5اپریل بروز سوموار

آج کا نیا واقعہ یہ ہے کہ جو کھانا ہمیں جہاز کی انتظامیہ سے ملتا تھا اس میں تیل ڈالا جاتا تھا لہذا جہاز والوں کو کہا گیا کہ ہم کو کچی خوراک دے دو ہم خود پکا لیں گے۔ انہوں نے ہم کو کچا راشن دے دیا۔ کھانے پکانے کے لئے ایک کمرہ بھی دیا منگل کی رات ہم نے پہلی مرتبہ اپنا کھانا پکا کر کھایا۔

آج بروز پیر پانچ اپریل کو شام کی نماز ہم چند اشخاص نے مل کر پڑھی۔ محرر ایں سطور نے اذان کہی اور صاحبزادہ بلند اقبال شاہ محمد عبدالحق صاحب نے نماز پڑھائی۔ پہلی رکعت میں سورۃ انا اعطیناك الکوثر پڑھی اور دوسری رکعت میں قل یا ایھا الکافرون ۔ اللہ تعالیٰ ان محبوبان کے صدقے ہماری نماز بھی قبول فرمائے۔ اس نماز میں حضرت علامہ مولانا پیرزادہ شاہ غلام معین صاحب اور ملک تاج محمود صاحب اور غلام قادر صاحب راولپنڈی والے شریک تھے۔ غلام قادر صاحب بڑے خوش مزاج آدمی ہیں، مزاح کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔

6اپریل بروز منگل

حضرت قبلہ مدظلہ العالی مع دو نور العین اور چند رفقاء کے ہمراہ شہر کویت میں بذریعہ کشتی تشریف لے گئے اور تا حال کہ ہم نماز ظہر ادا کر چکے ہیں واپس تشریف نہیں لائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بخیریت واپس لائے۔ آمین یارب العالمین

محرر ایں سطور آپ کے ہمراہ نہیں گیا۔ کیونکہ ٹیکہ کی وجہ سے طبیعت بھی درست نہ تھی اور محض سیر کا کوئی خاص شوق بھی نہیں۔

جس کے ہم مارے ہوئے ہیں وہ تو دلبر اور ہے

نیز اس مقولہ پر بھی حتی الامکان اس حقیر کا عمل رہتا ہے کہ

خدا کے گھر بھی نہ جائیں گے بن بلائے ہوئے

اور شتر بے مہار پھرنا تو اصالت طبع میں ہی نہیں ہے۔ اور اس میں یک گونہ سوئے ادب بھی ہے۔ پیرزادہ عالی قدر شاہ محمد عبدالحق صاحب دام بقائہ کو کتاب ''تاویلاتِ اہلسنت'' (از امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نوٹ کروادی ہے کہ اگر مل جائے تو بہت بہتر ہے۔ حضرت قبلہ 12 بجے کویت کو تشریف لے گئے تھے اور چار بجے بخیریت واپس تشریف لائے۔ فالحمد للہ علی ذالك اور آ کر ہماری جگہ پر رونق افروز ہوئے اور شام کی نماز تک تشریف فرما رہے اور بعد از نماز اپنے مقام عالی پر تشریف لے گئے۔

7 اپریل بروز بدھ

صبح کو ہمارا جہاز بخیر و عافیت خلیج فارس کے دھانہ پر پہنچ گیا اور وہاں سے خلیج فارس کے واقف ملاح آئے اور انہوں نے جہاز کو چلانا شروع کیا۔ کیونکہ سابقہ ملاح اس راستہ سے واقف نہ تھے۔ تقریباً دو گھنٹے جہاز دہانہ پر کھڑا رہا کیونکہ خلیج میں اس وقت پانی کم تھا۔ جب جہاز کے موافق پانی ہوا تو جہاز روانہ ہوا۔ اس وقت کراچی کا ٹائم 2 بجے ہیں اور یہاں کا ٹائم پونے بارہ بجے ہیں اور اس وقت ہمارے ساتھی صبح کا کھانا کھا رہے ہیں۔ اب اس وقت خلیج کی یہ صورت ہے کہ ہر دو طرف خشکی ہے اور کھجور کے درخت ہیں اور درمیان میں جہاز جا رہا ہے۔ یہ خلیج دریائے جہلم کے برابر ہے اور یہی دریائے دجلہ ہے جو کہ بصرہ تک اسی طرح جائے گا۔ ہمارا جہاز بدھ کی رات کو تقریباً 12 بجے کویت سے روانہ ہوا تھا۔

۷ اپریل بروز بدھ کراچی کے ٹائم چار بجے اور اس مقام کے لحاظ سے سوا ایک بجے جہاز آبادان میں جا کر لنگر انداز ہوا اور ابھی یہاں ہی کھڑا ہے کہ یہ سطور لکھی جا رہی ہیں۔ جہاز آبادان سے جمعرات کی رات کو تقریباً 12 بجے وہاں کے ٹائم سے اور تقریباً اڑھائی بجے کراچی کے ٹائم سے روانہ ہوا اور دو گھنٹے میں ایک مقام خرم پر پہنچا۔

8 اپریل بروز جمعرات صبح نو بجے کے قریب جہاز خرم سے روانہ ہوا اور تقریباً ساڑھے چار بجے کراچی کے ٹائم سے اور اڑھائی گھنٹے کم بصرہ کے ٹائم سے جہاز بصرہ پہنچ گیا۔ آبادان یہ ایران میں داخل ہے اور یہاں تیل کی بہت بڑی کمپنی ہے جس میں ہمارے ضلع سرگودھا کے کئی آدمی ملازم ہیں مثلاً عطا محمد صاحب وکیل سرگودھا کے دو قریبی رشتہ دار ہمارے حضرت کی قدم بوسی کو جہاز پر حاضر ہوئے اور انہوں نے وہاں کے تمام حالات بیان کئے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کمپنی میں تقریباً 70 ہزار آدمی ملازم ہیں اور یہاں تیل کے تیس کارخانے ہیں۔ اور ہر کارخانہ ہر روز تیس ہزار گیلن پٹرول تیار کرتا ہے اور یہاں ہوائی جہاز کا پٹرول بھی بنتا ہے جو کہ سب سے اعلیٰ درجہ کا تیل ہوتا ہے تو گویا تمام کارخانوں میں ایک دن میں نو لاکھ گیلن تیل تیار ہوتا ہے اور تمام خرچ وغیرہ نکال کر پانچ پیسہ گیلن پڑتا ہے اور وہ کچا تیل پونے دو روپے اور پکا سوا دو روپے فروخت کرتے ہیں۔

آبادان کی خاص بات یہ تھی کہ جس جہاز میں ہم سوار ہوئے تھے اس کا نام ''دوارکا'' تھا۔ اس میں کئی بکرے ذبح کئے ہوئے تھے۔ یہ بکرے مشین سے ذبح کئے گئے تھے اور ان سے گوبر اور دیگر فضلات نکال کر ان کو مشین پر خشک کیا گیا تھا۔ ہر ایک بکرے پر ایک کپڑا پارسل کی طرح چڑھا ہوا تھا اور خوبی یہ تھی کہ ذرا برابر بدبو نہیں تھی۔ یہ تمام بکرے

آبادان ضلع سرگودھا کے کئی آدمیوں نے بتایا کہ یہ گوشت ہم نہیں کھاتے۔ملازمین کی تنخواہیں ڈبل ہیں اور الاؤنس اچھے خاصے ملتے ہیں۔جس آدمی کی تنخواہ پانچ سو روپے ہے تو اس کا الاؤنس چار سو روپے ہیں اور اگر اڑھائی سو روپے تنخواہ ہے تو دو سو روپے الاؤنس ملتا ہے۔ہر چیز کی بڑی گرانی ہے۔گوشت 5 روپے سے لے کر تین روپے سیر تک بکتا ہے۔

آبادان دجلہ کے کنارے واقع ہے۔دجلہ کے مغرب میں عراق کی سلطنت ہے اور مشرق میں ایرانی حکومت۔آبادان سے لے کر بصرہ تک دجلہ کے ہر دو جانب کھجوروں کے بے شمار باغات ہیں۔دجلہ کے کنارے بڑی بڑی کوٹھیاں ہیں، جہاز اور کشتیاں اور موٹر لانچیں بے شمار ساکن و متحرک ہیں۔جب ہم بصرہ پہنچے تو بندرگاہ پر بہت سے معلمین جمع تھے۔جو کہ لوگوں کو کربلا اور نجف اشرف کی زیارتیں کرواتے تھے۔ان معلمین میں سے ایک اہلسنّت بھی تھا۔وہ ہمارے حضرت قبلہ مدظلہ العالی کو ملا دیگر معلمین شیعہ تھے۔ہمارے ساتھ جہاز میں بمبئی کے کئی بوہرے سیٹھ تھے جو کہ کربلا معلیٰ کی زیارت کے لئے آئے تھے۔یہ تمام لوگ شیعہ تھے۔

سرگودھا کے عطا محمد وکیل کا ایک ہم زلف ابراہیم بصرہ میں رہتا تھا۔وکیل صاحب نے اس کو بذریعہ تار اطلاع دی تھی کہ حضرت قبلہ تشریف لا رہے ہیں۔لہٰذا وہ بصرہ کی بندرگاہ پر حاضر تھا چونکہ حکومت بصرہ کسی آدمی کو جہاز سے باہر نکلنے نہ دیتی تھی اور بغیر سرکاری آدمی کے علاوہ کوئی بھی جہاز کے اندر نہیں آ سکتا تھا۔جب تک حکومت تمام مسافروں کے پاسپورٹ نہ دیکھ لے۔اس لئے اس آدمی نے باہر سے بندہ کو اپنا کارڈ دیا کہ حضرت قبلہ کی خدمت میں پیش کر دیں کہ میں ابھی اجازت ملنے پر حاضر ہوں گا۔لیکن بندہ جب اس آدمی کا کارڈ لے کر حضرت قبلہ کی خدمت میں پہنچا تو وہ آدمی خود بخود حاضر تھا لہٰذا کارڈ اس کو واپس کر دیا۔

ہمارے حضرت گاڑی وغیرہ کا انتظام کرنے شہر تشریف لے گئے۔ بعد از نمازِ عصر بروز جمعرات راقم سطور اور شاہ لطیف شاہ صاحب آف راولپنڈی اور سید حسن اختر صاحب اور نواب اچھن صاحب کھانا کھانے کے لئے بازار گئے۔ ایک دکان پر کھانا کھایا۔ اس دوکاندار نے ہمیں چار بڑی بڑی روٹیاں دیں اور دو پلیٹ گوشت آلو اور ایک پلیٹ کلیجی اور ایک پلیٹ چاول اور چار پلیٹوں میں بہترین چٹنی پیش کی۔ بعد میں ایک ایک پیالی چائے پی، اس تمام کھانے پر عراقی سکہ کے لحاظ سے 330 فلس (وہاں کے پیسے) خرچ آئے جو کہ تقریباً ہر آدمی کے حصہ میں ایک روپیہ دو آنے آئے۔ بڑا پر لطف کھانا تھا پیٹ بھر کر کھایا۔

اور مغرب کی نماز ادا کر کے واپس آئے۔ جمعہ کی رات ہم نے بصرہ بندرگاہ پر جہاز ہی میں رہنا ہے۔ یہاں بصرہ میں نوٹ بھی چلتے ہیں جو کہ ایک دینار، نصف دینار اور ربع دینار کے ہوتے ہیں۔ ایک دینار ہمارے سکہ کے لحاظ سے تیرہ روپیہ چار آنے کا ہوتا ہے۔ راقم سطور نے چھ روپے دس آنے دے کر ربع ربع دینار کے دو نوٹ لئے۔ عراقی سکہ کے لحاظ سے ایک دینار ایک ہزار فلس کا ہے اور فلس ہمارے پیسہ کا ہم معنیٰ ہے۔ اور ایک سکہ اٹھنی جیسا تھا جو کہ پچاس فلس کا تھا اور ایک سکہ آنے کی شکل کا تھا اور وہ دس فلس کا تھا۔

بصرہ کا ایک عجیب واقعہ یہ ہوا کہ ہمارا جہاز بصرہ کی بندرگاہ پر دریائے دجلہ میں کھڑا تھا تو ایک ہوائی جہاز آیا۔ دریا میں اترا پھر وہاں سے ہی پرواز کر گیا۔ لیکن یہ واقعہ راقم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا بلکہ اپنے قبلہ حضرت دام بقائہ کے ہر دو نور العین اعنی القمرین النیرین سے سنا اور ان ہر دو سچے حضرات نے مشاہدہ فرمایا تھا۔ بصرہ سے بغداد شریف تک تین سو میل مسافت ہے اور گاڑی کی چھوٹی لائن جاتی ہے۔ تیسرے درجہ کے نو روپے

دوسرے درجہ کے پینتیس روپے اور اوّل درجہ کے 70 روپے کرایہ ہے۔ ہر روز شام کے ساڑھے چھ بجے ڈاک گاڑی جاتی ہے جو کہ دوسرے دن گیارہ بجے بغداد شریف پہنچتی ہے۔ ہم نے نو بجے 9 اپریل بروز جمعہ جہاز سے اتر کر بسوں پر سامان رکھا اور اسٹیشن پر پہنچا دیا۔ ہمارے حضرت مدظلہ العالی نے زیارتوں کے لئے چار بسیں کرایہ پر لیں تو ہم زیارتوں کے لئے روانہ ہوئے۔

دو بسوں میں مستورات تھیں اور دو میں مرد۔ سب سے پہلے حضرت انس بن مالک صاحب رسول اللہ ﷺ کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوئے۔ یہ مزارِ اقدس بندرگاہ بصرہ سے مغرب کی جانب تقریباً نو میل کے فاصلہ پر ہے۔ جس گاڑی میں ہمارے حضرت تشریف فرما تھے وہ راستہ میں خراب ہوگئی۔ لہٰذا ایک گاڑی ہمیں پہنچا کر واپس آئی اور آپ کو لے گئی۔ ہم مزار شریف پر تقریباً بصرہ کے ٹائم کے مطابق 12 بجے پہنچے۔ ایک بجے ہم نے نمازِ ظہر ادا کی۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت قبلہ مدظلہ العالی تشریف لائے اور آپ نے بھی نمازِ ظہر ادا فرمائی۔

نماز کے بعد آپ کی معیت میں تمام رفقاء نے مرقد حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی زیارت کی۔ مزار شریف پر بڑی برکت کا عالم تھا۔ بعض احباب کو بڑی رقت ہوئی۔ آپ کا مزار ایک احاطہ کی صورت میں ہے۔ اردگرد بڑی دیوار ہے۔ مزار شریف گنبد میں ہے۔ لیکن حکومتِ عراق کے ناقص انتظام کی وجہ سے دیواریں گری ہوئی تھیں۔ مزار کے گرد چھاؤنی معلوم ہوتی ہے۔ شاید کہ جنگ کے زمانہ میں یہاں چھاؤنی ہوگی۔ روضہ کی دیوار پر میاں محمد شاہ پور تحصیل، ضلع خوشاب لکھا ہوا تھا۔

اس کے بعد حضرت سیدنا و مولانا حسن بصری رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت کی۔ چھوٹا سا پختہ روضہ انور بنا ہوا تھا۔ آپ کے پاؤں کی طرف امام محمد بن سیرین کا مزار مبارک ہے۔ آپ کے مزار شریف کے ایک حصہ میں بہت ٹھنڈا پانی تھا۔ وہ ہم نے پیا۔ آپ کا مزار مبارک ایک بڑے قبرستان میں ہے۔ اس کے اردگرد دیوار بنی ہوئی ہے۔ اس کا بہت بڑا دروازہ ہے۔ اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے کے مرقد مبارک پر حاضر ہوئے۔ یہ مزار متبرک ایک عالی شان جامع مسجد میں ہے۔ مسجد کے اندر سے سیڑھیاں نیچے کو اترتی ہیں۔ نیچے جا کر لکڑی کی جالی کے اندر مزار مبارک ہے اور اس پر سبز غلاف چڑھا ہوا ہے جس کی دونوں طرف یہ لکھا ہوا ہے۔

"سیدنا زبیر ابن عمة رسول اللہ ﷺ"

یہ نہایت بابرکت مقام ہے۔ اس مسجد اور شہر دونوں کا نام سیدنا زبیر ہے۔ رضی اللہ عنہ اس کے بعد حضرت سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ یہ مزار مبارک ایک گنبد میں ہے۔ بالکل تنہا ایک ویرانے میں ہے اور اس کی لمبائی تقریباً سات فٹ سے زائد ہوگی۔ بالکل کچی مٹی سے بنا ہوا ہے اور اچھا خاصا بلند ہے۔

وہاں سے واپسی پر سیدھے اسٹیشن پر پہنچے۔ چونکہ ایک بس خراب ہوگئی تھی لہٰذا تمام آدمیوں کو تین بسوں میں آنا پڑا۔ ایک بس کی سواریاں تین بسوں کی چھتوں پر تقسیم ہوگئیں۔ ہمارے حضرت کے دونوں صاحبزادے بھی بس کی چھت پر تھے۔

9 اپریل کو چھ بجے شام جبکہ ہم نے نمازِ مغرب پڑھ لی تھی۔ ہماری گاڑی بصرہ اسٹیشن سے روانہ ہوئی۔ یہ ڈاک گاڑی تھی اس میں ایک کنارے سے دوسرے کنارہ تک راستہ ہے۔

روٹی، کباب اور چائے کے دوکاندار گاڑی میں پھرتے رہتے ہیں۔

بصرہ اسٹیشن پر ایک خاص چیز یہ تھی کہ شیعوں کی کئی لاشیں صندوقوں میں بند پڑی تھیں۔ ان کو گاڑی پر رکھ کر کربلائے معلیٰ لے جا رہے تھے۔ گاڑی میں دو دو آدمیوں کے لئے ایک ایک سیٹ تھی۔ ہفتہ کی رات ہمارے حضرت قبلہ غریب نواز نے ہم مشتاقوں میں گزاری اور صبح کے وقت آپ سیکنڈ کلاس مین تشریف لے گئے۔ آپ کی ایک آنکھ چار پانچ یوم سے دکھ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ شفائے کاملہ عاجلہ عطا فرمائے۔ اس وجہ سے آپ نے سبز عینک زیب رخ فرما رکھی ہے۔

10 اپریل بروز ہفتہ

آج 10 اپریل کی صبح ہے اور سورج طلوع ہو رہا ہے۔ گاڑی چل رہی ہے۔ یہ سطور نہایت مشقت سے لکھی جا رہی ہیں کیونکہ گاڑی کی حرکت کی وجہ سے لکھنا دشوار ہے۔ ریل کی پٹڑی کے گرد گندم کی بڑی اچھی فصل ہے لیکن ابھی ذرّا کچی ہے، کٹائی کے قابل نہیں ہے۔ یہ علاقہ جہاں ریل جا رہی ہے۔ نہری ہے کنوؤں پر گھوڑے جوتے ہوئے دیکھے گئے۔ ادھر ادھر کھجوروں کے باغات نظر آ رہے ہیں جبکہ فصل زیادہ معلوم ہوتی ہے زمین معمولی ریتلی ہے۔

بصرہ سے جب گاڑی بغداد شریف کو آ رہی تھی تو راستہ میں ایک اسٹیشن مسیّب ہے۔ اس اسٹیشن سے جب گاڑی روانہ ہوئی تو ہمارے ساتھ ایک معلم تھا۔ اس نے مشرق کی جانب دو روضہ انور کی طرف اشارہ کیا کہ یہ دو روضہ انور حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ کے ہر دو صاحبزادگان کرام رضی اللہ عنہما کے ہیں۔ جن کو شیطان یزیدیوں نے جامِ شہادت پلایا تھا۔ ہماری گاڑی دن کے تقریباً دس بجے بغداد اسٹیشن پر بروز ہفتہ 29 جمادی الاولیٰ 1367ھ بمطابق 10 اپریل

1948ء پہنچی۔ تقریباً ایک گھنٹہ ہم اسٹیشن پر ہی ٹھہرے اور تین بسیں کرایہ پر حاصل کیں جن پر سوار ہو کر حضرت محبوب سبحانی غوثِ صمدانی حضرت سید السادات الشیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

اسٹیشن پر کئی افراد جن کو احباب نے حضرت دام جلالہ کی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ استقبال کے لئے حاضر تھے۔ ہم دربار عالیہ پر پہلے پہنچ گئے۔ حضرت قبلہ دام ظلہ سب سے آخر میں تشریف لائے۔ بغداد شریف میں حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سجادہ نشین صاحب نے پہلے سے رہائش کا انتظام کر دیا تھا۔

جب ہمارے حضرت قبلہ تشریف لائے تو ایک کمرہ آپ کے بیٹھنے کے لئے کھولا گیا آپ مع اپنے جمیع خدام کے اس کمرہ میں بیٹھے تھے کہ حضرت قبلہ نقیب صاحب جو کہ حضرت غوث الثقلین کے سجادہ نشین ہیں، ملاقات کے لئے تشریف لے آئے۔ ہمارے حضرت نہایت انکسار سے ان سے ملے اور نقیب صاحب مدظلہ العالی نے سفر کی حالت پوچھی کہ آپ کس تاریخ کو گھر سے روانہ ہوئے تو آپ نے جواب فرمایا کہ 27 مارچ بروز ہفتہ ہم گھر سے روانہ ہوئے۔ نقیب صاحب نے فرمایا کہ آپ نے کبھی کوئی خط وغیرہ بھی نہیں بھیجا تو ہمارے حضرت نے جواب میں فرمایا کہ بندہ اپنے آپ کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ خط لکھوں بلکہ خط لکھنے کو سوءِ ادب سمجھتا ہوں۔ نقیب صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے فرمایا کہ نہیں تم ہمارے رشتہ دار اور ہمارے بڑے بھائی ہو۔ ہمارے حضرت قبلہ غریب نواز نے جواب میں فرمایا کہ میں آپ کا ادنیٰ خادم اور غلام ہوں۔ نقیب صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ آپ نے بڑا اچھا کیا کہ اپنے دادا کی زیارت کو آ گئے۔ کیا ابھی ارادہ ہوا یا پہلے کا ارادہ تھا؟ ہمارے حضرت نے جواب دیا کہ

ارادہ تو پرانا تھا لیکن جب حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کو منظور ہوا، حاضر ہو گیا۔ نیز نقیب صاحب نے ہمارے حضرت سے پوچھا کہ آپ کے والد ماجد (رحمۃ اللہ علیہ) بھی کبھی یہاں آئے۔ حضرت نے جواب دیا کہ وہ یہاں حاضر نہیں ہوئے نیز نقیب صاحب نے حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری کا بھی ذکر خیر کیا۔

اس وقت بندہ محرر ایں سطور ظہر کی نماز پڑھ چکا ہے اور یہ سطور لکھ رہا ہوں اور ہمارے ساتھیوں کی رہائش کا انتظام ہو رہا ہے۔ ہمارے حضرت غریب پرور دام لطفہ اس امر کی کوشش فرما رہے ہیں کہ ہمیں آپ کے متصل کمرے مل جائیں اور بعد از ظہر حضرت نقیب صاحب قبلہ نے ہمارے حضرت کو کھانے پر مدعو کیا۔ دیگر ساتھی بھی ساتھ تھے۔ کھانا ایک میز پر چُن دیا گیا تھا۔ کھانے کے دوران یہ بات سامنے آئی کہ مسلم لیگ نے کراچی میں ایک کونسل طلب کی ہے جس میں تمام اسلامی ممالک کے نمائندے ہوں گے اور نقیب صاحب قبلہ بھی اس کونسل میں شرکت فرمائیں گے تو ہمارے حضرت نے نقیب صاحب مدظلہ کو اپنی طرف سے دعوت دی کہ آپ گولڑہ ضرور تشریف لائیے۔

حضرت نقیب صاحب نہایت متواضع اور خلیق انسان ہیں۔ آپ کی عمر مبارک 50 سال سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے حضرت مدظلہ العالی کو نقیب صاحب نے بعد از ملاقات فرمایا کہ آپ زیارت کو نہیں گئے تو آپ نے جواب دیا کہ غسل کے بعد کپڑے تبدیل کر کے زیارت کریں گے۔ اس لئے بعد از نمازِ ظہر تمام ہمراہیوں نے نہانے کی تیاری کی۔ پہلے راقم کا خیال تھا کہ میں کپڑے نہ بدلوں گا اور نہ نہاؤں گا۔ کیونکہ جن کپڑوں میں ہم نے حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی زیارت کا قصد کیا ہے انہی کپڑوں میں زیارت کرنی

چاہیے اور اپنی انکساری کا ثبوت پیش کرنا چاہیے، اس لئے کہ حج کے متعلق یہ ارشاد ہے کہ الحاج هو الشعث التفل یعنی حاجی وہ ہے جس کے بال پریشان اور میل آلودہ ہوں۔ لیکن پھر یہ خیال ہوا کہ یہ دربار محبوب ہے۔ یہاں نزاہت اور پاکیزگی زیادہ مقبول ہوگی۔ اور نیز اپنے حضور کا بھی یہی خیال ہے۔ لہٰذا راقم نے بھی دیگر احباء کی تقلید کی۔ بعد از نمازِ عصر تمام زائرین نہا دھو کر اور نئے کپڑے پہن کر عید منانے کی طرح نکلے۔ اس وقت سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔

ہم تمام زائرین اپنے حضرت کی معیت میں روضہ انور کے اندر داخل ہوئے۔ مزار مبارک کے اردگرد قد آدم سے بلند نہایت مضبوط جنگلہ ہے۔ اس کے اندر حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ جو لطف حاضری کے وقت زائرین کو محسوس ہوا، ہمیشہ یاد رہے گا۔ مغرب کا وقت ہو گیا تھا لہٰذا زیارت منقطع کر کے مغرب کی نماز ادا کی اور بعد از نمازِ مغرب پھر زیارت کو گئے۔ قاری محبوب علی صاحب نے قرآن کریم کا نصف رکوع تلاوت کیا۔ اس کے بعد حضور نے بندہ کو فرمایا کہ کوئی حدیث شریف تلاوت کرو۔

بندہ نے یہ حدیث شریف تلاوت کی:

" انما الاعمال بالنیات "

اس کے بعد حضور نے کھڑے ہو کر دعا فرمائی اور رخصت ہو کر اپنی اپنی قیام گاہ پر آ گئے۔ بعد از شام حضور مدظلہ العالی نے تمام ساتھیوں کو رقم عنایت فرمائی کہ خرچ کے لئے

لے لو۔اس کے بعد حضرت قبلہ نقیب صاحب کا ارشاد ہوا کہ کھانا تیار ہے۔لہٰذا ہم تمام کھانا کھانے چلے گئے۔واپسی پر یہ سطور تحریر کی گئیں۔

11اپریل صبح کی نماز کے بعد ہمارے حضرت مدظلہ العالی نے وظائف کے بعد پھر جمیع خدام کے ساتھ محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت کی اور دعا مانگی۔بغداد شریف سے قبلہ سیدھا بالکل جنوب کی طرف ہے مسجد شریف کا ایک ہال ہے اور ایک برآمدہ۔ہال کے ایک تہائی حصہ میں حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ہے اور دو تہائی حصہ مسجد میں داخل ہے۔مسجد کا کوئی صحن متصل نہیں ہے البتہ ایک علیحدہ جگہ ہے جس کے گرد جنگلہ ہے۔مسجد اور اس جنگلے کے درمیان سے راستہ گزرتا ہے۔حضرت غوث الوریٰ رضی اللہ عنہ کے دربار عالیہ کا نقشہ کچھ اس طرح کا ہے۔

دو منزلہ مکانات جنوب

مسجد | اندرونی حصہ | روضۂ انور

مسجد کا بیرونی حصہ

مشرق

مغرب

دروازہ

راستہ ⟸⟹ راستہ

وہ جگہ جس کے گرد جنگلہ ہے

روضہ مبارک حضرت عبدالجبار ابن غوث الوریٰ رضی اللہ عنہما

دو منزلہ مکانات شمال
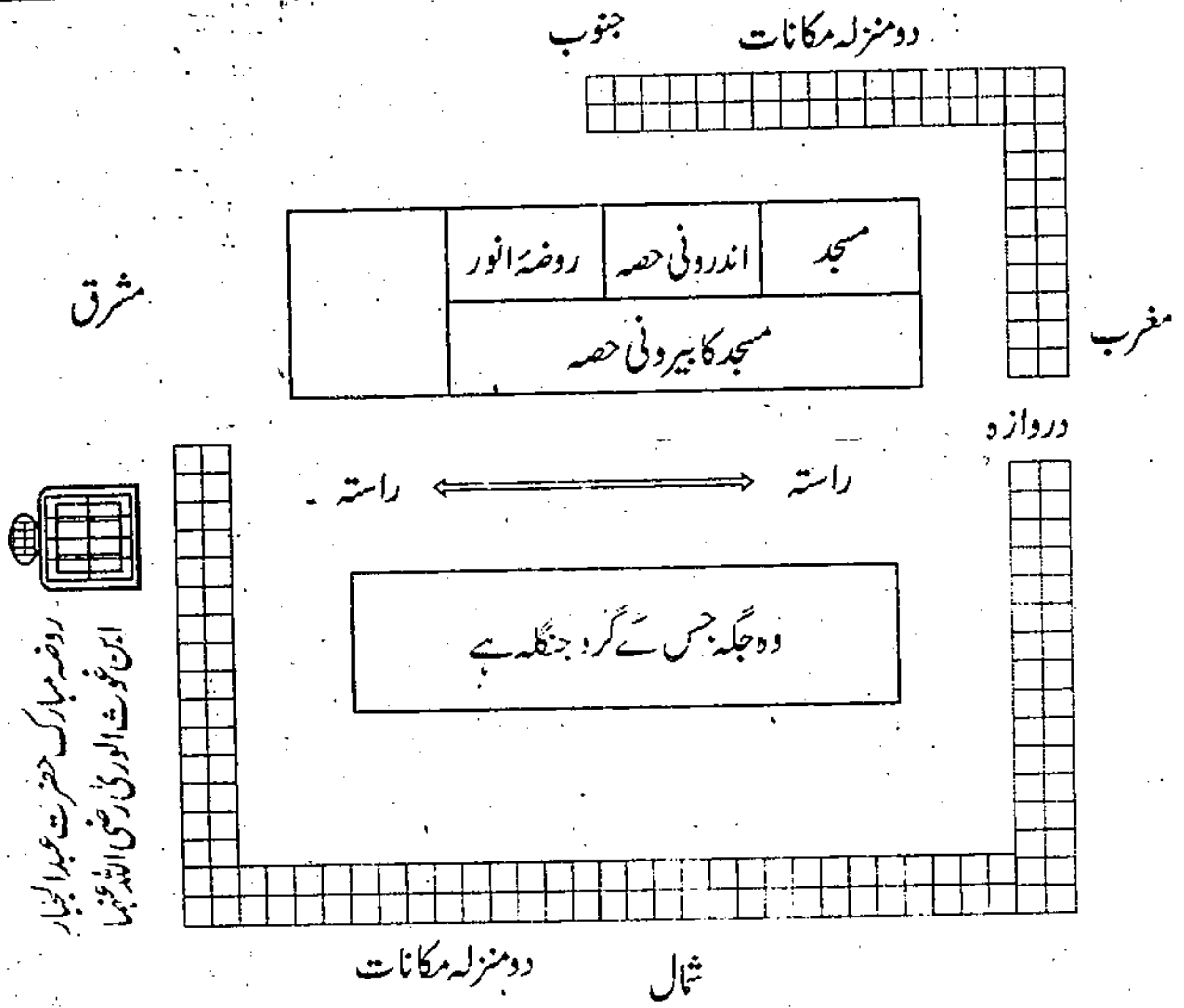
پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ راقم سطور نے اپنی تصویریں نہیں بنوائی تھیں، بڑی فکر یہ تھی کہ اگر خدانخواستہ کوئی بات ہوئی تو حضرت کے قلب انور کو ملال ہو گا لیکن بحمد اللہ تعالیٰ ومنتہ کہ جاتے ہوئے تو کوئی پریشانی نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ محبوبانِ بارگاہ کی برکت سے واپسی پر بھی محفوظ رکھے۔

قل اعوذ برب الناسo ملك الناسo اله الناسo من شر الوسوس الخناس o الذی یوسوس فی صدور الناس o من الجنة والناسo

11 اپریل بروز اتوار

حضرت سیدنا غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے مرقد مبارک پر چادریں چڑھائی گئیں تمام چادریں لے کر مع اپنے حضرت کے ہم تمام خدام حضرت نقیب صاحب قبلہ کے بنگلہ پر پہنچے، وہاں سے محبوب صاحب، مشتاق صاحب، واعظ صاحب اور محبوب صاحب کے والد صاحب نے مل کر قوالی شروع کی۔ دربارِ انور تک قوالی کے ساتھ چادریں لائی گئیں، تمام حاضرین پر رقت کا عالم طاری تھا۔ تمام حاضرین زار و قطار رو رہے تھے اور ہمارے حضرت دام بقاءٗ بار بار در اقدس کو بوسہ دیتے تھے، آخر میں حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے مرقد کے گرد جو جنگلہ ہے، اس کو کھولا گیا اور ہمارے حضرت مع ہر دو نور العین اندر جا کر حاضر ہوئے۔ زہے عز و شرف، بعد از فراغت نقیب صاحب نے تمام حاضرین کے لئے عموماً اور ہمارے حضرت اور ان کی اولاد کے لئے خصوصاً دعا مانگی اور نہایت پُر لطف کیف کے ساتھ دربار سے رخصت ہوئے۔

بعد از نماز ہم تمام خدام اپنے حضرت کی معیت میں پھر دربار اقدس پر حاضر ہوئے۔ بندہ نے حضرت مکرم کے فرمان پر ایک سلام حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے حضور پیش کیا جو کہ زمانہ اقدس حضرت غوث الثقلین (رضی اللہ عنہ) میں اولیاء کرام رحمہم اللہ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے حضور پڑھتے تھے۔ اور اس سلام کو شیخ محقق علی الاطلاق شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے زبدۃ الآثار میں نقل فرمایا ہے۔ سلام یہ ہے:

السلام علیك یا ملك الزمان و یا امام المکان و یا قائما بامر الله و یا وارث کتاب الله و یا نائب رسول الله و یا من السماء و الارض مائدة و اهل وقته کلهم عاملة و یا من ینزل اللقط

بدعوة و یا من یدد الضرع ببرکت رضی اللہ عنہ۔

"آپ پر سلام ہو اے زمانے کے بادشاہ! اے ہر جگہ کے امام! اے اللہ تعالیٰ کے امر کے سبب قائم! اے کتاب اللہ کے وارث! اے رسول اللہ ﷺ کے نائب! اے وہ ہستی کہ زمین و آسمان جس کا دستر خوان ہے اور جس کے زمانے کے لوگ اہل و عیال ہیں! اے وہ ہستی کہ جس کی دعا سے بارش نازل ہوتی ہے اور جس کی برکت سے جانور دودھ دیتے ہیں رضی اللہ عنہ"۔

بعد از زیارت ہمارے حضرت دریائے دجلہ کی طرف سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ جیسا کہ حضرت کا دائمی معمول پاک ہے لیکن بندہ اس ہمراہی سے محروم رہا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

12 اپریل بروز پیر

ہمارے حضرت مدظلہ نے صبح کی نماز کے بعد اپنے وظائف اس جنگلہ کے ساتھ بیٹھ کر پورے فرمائے۔ جس سے سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا مزار پر انوار سامنے نظر آتا ہے اور یہ لکڑی کا جنگلہ ہے جو کہ مسجد منیف اور مرقد شریف کے درمیان واقع ہے، جب آپ اوراد سے فارغ ہوئے تو پھر تمام عقیدت مندوں کے ساتھ دربار پر حاضری ہوئی۔ دربار میں اس قدر جلال ہے کہ انسان ایک دوسرے کی طرف دیکھنے میں بھی جھجک محسوس کرتا ہے اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ جب مرد زیارت سے فارغ ہوتے تھے تو عورتیں زیارت کے لئے حاضر ہوتی تھیں۔ آج بعد از نماز ظہر ہمارے حضرت قبلہ غریب نواز اسٹیشن پر تشریف لے گئے کیونکہ

آپ کا یہ بھی ارادہ ہے کہ قسطنطنیہ جا کر حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کریں۔آپ وہاں جانے کا طریق کار معلوم کرنے کے لئے اسٹیشن گئے تھے۔یہ حقیر آپ کے ساتھ جانے کا شرف حاصل نہ کر سکا۔ بعد از نمازِ عصر اپنے حضرت دام لطفہ کے ساتھ دربار غوث الثقلین رضی اللہ عنہ میں حاضر ہوئے۔ بعد از زیارت روضۂ مقدس میں سے خدام نے ایک دروازہ کھولا اور اس مکان کی زیارت کروائی جس میں حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ عبادت فرمایا کرتے تھے۔

اللھم بحرمت عبادۃ عبادك الصالحین O نور قلوبنا بمحبتك و محبت رسولك و حبیبك و محبت اولیائك و اقمنا علی شریعتك و شریعت افضل انبیائك۔

ترجمہ: اے اللہ! اپنے نیک بندوں کے طفیل ہمارے دلوں کو اپنی محبت، اپنے رسول کی محبت اور اپنے اولیاء کی محبت سے منور فرما اور ہمیں اپنی اور اپنے سب سے افضل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر قائم فرما۔

اس مکان میں حضرت کی قبر مبارک سے اترا ہوا غلاف تھا، جس کی ہم عاجزوں نے زیارت کی نیز اس میں بڑے قرآن کریم رکھے ہوئے تھے۔ان میں سے بعض قلمی اور بہت قدیم تھے جو کہ تحفہ کے طور پر باہر سے آئے تھے۔ نیز اس مکان مقدس میں بڑے قطعات آویزاں تھے جو کہ باہر سے عقیدت مندوں کی محبت کا حسین منظر پیش کر رہے تھے۔خدام نے ایک طاق کی طرف اشارہ کیا کہ اس میں نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک ہے اور رمضان المبارک کی ستائیس کو اسے اتار کر تمام لوگ زیارت کرتے ہیں۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی جمیع اجزائہ و اتباعہ وسلم

مر از زلف او موئے بسند است
فضولی میکنم بوئے بسند است

نیز خدام کرام نے فرمایا یہاں ایک سونے کا صندوق ہے جس پر ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ یہ نذرانہ انور پاشا مرحوم نے روانہ کیا تھا اور ایسے تین اور صندوق کربلاء معلیٰ اور نجف اشرف اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہما کے مزار مبارک پر بھی بھیجے ہیں۔ خدام کرام نے وعدہ فرمایا کہ تم کو اس کی زیارت بھی کروائیں گے۔ نیز خدام کرام نے فرمایا کہ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا اصل مزار دو آدمیوں کے قد کی مقدار نیچے ہے اور اس تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں جو قبر مبارک نظر آ رہی ہے یہ لکڑی کی ہے اور یہ لکڑی مبارک عود کی ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک حمدًا لہ لا یعد و لا یحصی۔

12 اپریل بروز پیر

ہمارے حضرت نے رات کے وقت اپنے کمرے میں مجلس منعقد کی۔ دیر تک آپ اہل اللہ کا ذکر خیر فرماتے رہے۔ پھر مثنوی شریف کا تذکرہ آیا۔ آپ نے چند اشعار خود تلاوت فرمائے پھر محبوب صاحب کو حکم فرمایا۔ محبوب صاحب نے وحدۃ الوجود پر اشعار پڑھے۔ یہ مجلس پانچ بجے تک جاری رہی۔ نہایت پر کیف مجلس تھی نیند کا کسی کو خیال تک نہ تھا۔ آخر میں آپ نے سب کو حکم فرمایا کہ اب جاؤ اور جا کر آرام کرو۔ آپ کی مجلس ایسی محبوب ہوتی ہے کہ کوئی اٹھنے کا نام نہیں لیتا حتیٰ کہ آپ کو آخر میں حکم دینا پڑتا ہے کہ اب جاؤ۔

13 اپریل بروز منگل

تقریباً 10 بجے حضرت شیخ شہاب الدین عمر السہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار عالی مقدار کی زیارت کے لئے گئے۔ چار بسیں کرایہ پر لی گئیں تا کہ تمام مزارات کی زیارت کی جائے جو کہ بغداد شریف میں ہیں۔

تقریباً ساڑھے بارہ بجے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہما کے مرقد عالی پر حاضر ہوئے۔ بہت بڑا شاہی دربار تھا جس طرح حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے مزار کے گرد چاندی کا جنگلہ ہے اسی طرح امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مرقد مبارک کے گرد بھی جنگلہ ہے۔ باہر آپ کی مسجد ہے۔ راقم السطور اور دیگر چند رفقاء نے اس مسجد میں نوافل ادا کئے نیز مجاور دربار عالی کی زیارت کی، ایک سند حاصل کی۔ جس کا ہدیہ ایک سو فلس تھا۔ قبر مبارک کے باہر جنگلہ پر یہ تحریر تھا کہ آپ کا مزار مبارک بوسیدہ ہو گیا تھا۔ شاہ فیصل بن حسین نے اس کی تجدید کی ہے، اللہ تعالیٰ اس سلطان کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ یہ تجدید 1347ھ میں ہوئی۔

اس کے بعد سیدنا بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر اور اس کے بعد علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے۔ چھوٹا سا گنبد تھا اور وہ بھی ایک طرف سے منہدم تھا۔ دروازہ بند تھا۔ دروازے کی کھڑکی ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس سے مرقد مبارک کی زیارت کی۔ مزار مبارک نہایت بوسیدہ تھا۔ جس میں مجدد وقت راحت فرما تھا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر شبلی رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک کی زیارت کی۔ اس کے بعد حضرت امام موسیٰ کاظم اور حضرت امام محمد تقی رضی اللہ عنہما کے مزارات کی زیارت کی۔ یہ ایک ایسا عالی شان دربار ہے کہ راقم سطور نے باید و شاید ایسی عمارت ابھی تک دیکھی ہو۔ اس کا رقبہ تقریباً شاہی مسجد لاہور کے برابر ہے۔ دو گنبد اور کئی مینار ہیں اور ان تمام پر سونے کے پترے

چڑھائے ہوئے ہیں۔ دروازوں پر چاندی کا جڑاؤ ہے اور اندر تمام عمارت میں شیشہ کا بہترین کام ہے جیسے ﴿قلعہ لاہور کے شیش محل میں ہے﴾ دونوں اماموں کی قبریں ایک جنگلہ میں ہیں جو چاندی کا بنا ہوا ہے۔ عمارت بڑی نفیس ہے جو دیکھنے کے قابل ہے۔ لیکن باوجود ان ہر دو امامین کے شیعہ کی ایسی نحوست تھی کہ دل پر تاریکی چھارہی تھی۔ جب راقم ان دونوں اماموں رضی اللہ عنہما کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ خیال آیا کہ ان پاکبازوں کے حضور دل کی یہ کیفیت کیوں ہے؟ تو اہل تشیع کا خیال آیا، جب باہر آئے تو حضور دام مجدہ نے بھی یہی فرمایا کہ بتلاؤ کیا حالت تھی؟ تو راقم سطور نے عرض کیا کہ اہل تشیع کی نحوست ہے، آپ نے فرمایا کہ درست ہے، اسی احاطہ میں حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کا مزار پرانوار بھی ہے اور اس کے متصل مسجد ہے۔ نمازِ ظہر ہم نے انہی امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کی مسجد میں ادا کی۔

اس کے بعد ہم نے یوشع نبی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت امام ابراہیم خواص اور حضرت جنید بغدادی اور سری سقطی رضی اللہ عنہم کے مزارات کی زیارت کی۔ حضرت جنید بغدادی اور حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہما کے مزار روضہ میں ہیں۔ اس کے بعد حضرت بہلول دانا، حضرت ذوالنون مصری، حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہم اور حضرت زبیدہ رضی اللہ عنہا ﴿ہارون الرشید کی اہلیہ محترمہ﴾ کے مزارات کی زیارت کی۔ حضرت زبیدہ رضی اللہ عنہا کے مزار کا دروازہ بند تھا۔ اس لئے باہر سے ہی زیارت کی۔ اس کے بعد حضرت منصور حلاج رضی اللہ عنہ کے مرقد کی زیارت کی۔ اس کے بعد حضرت حبیب عجمی رضی اللہ عنہ کے مزار پر اسرار کی زیارت کی۔ ان تمام مزاراتِ شریفہ کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر مزار مبارک کے متصل بہترین مسجد ہے اور تقریباً مسجد کے اندر سے مزار شریف کو راستہ جاتا ہے۔ اس کے بعد ہم بغداد شریف سے 25 میل دور ایک بلدۂ مبارکہ

سلمان پاک گئے۔ یہاں حضرت سلمان فارسی، حضرت حذیفہ بن یمان اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کے مزارات ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی قبر علیحدہ ہے اور اس کے ساتھ ایک مسجد ہے۔ اس کے مشرق کی جانب حضرت حذیفہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کے مزارات ہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا مزار ایک مکان میں ہے اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا مزار دوسرے مکان میں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک کے پاس سید طٰہٰ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے جو کہ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کی چوتھی پشت میں سے ہیں۔

اس شہر سلمان پاک میں ایک مولوی صاحب رہتے ہیں جن کا اسم گرامی محمد وحید الدین صاحب ہے۔ مولوی صاحب انگہ ضلع خوشاب کے رہنے والے ہیں۔ ان کے والد صاحب نے ترکوں کے زمانہ میں اپنے وطن سے ہجرت کی تھی۔ انہوں نے واقعہ سنایا کہ حضرت حذیفہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کے مزارات یہاں سے ایک میل کے فاصلہ پر تھے۔ جب دریائے دجلہ قریب آیا تو آپ فیصل اوّل شاہ بغداد کے خواب میں آئے اور فرمایا کہ ہمیں کہیں اور منتقل کر دو۔ شاہ فیصل نے ان ہر دو صاحبوں کو نکال کر یہاں دفن کیا۔ اس واقعہ کو تیرہ سال ہو چکے ہیں۔ جب ان صاحبوں کو قبروں سے نکالا گیا تو بالکل صحیح و سالم تھے اور کفن تک سالم تھا۔ آنکھوں میں نور بھی دکھائی دیتا تھا گویا کہ سو رہے ہیں۔

اس کے بعد ہمارے حضرت دام بقائہ دریائے دجلہ کے کنارے تشریف لے گئے۔ جہاں یہ ہر دو صاحبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدفون تھے۔ راقم السطور بھی ساتھ تھا۔ جہاں آج کل سلمان پاک آباد ہے۔ اس مقام میں خلیفہ ثانی حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں

مدائن شہر آباد تھا جو کہ ایرانیوں کا پایۂ تخت تھا۔ وہاں اب بھی ایک محل ہے جو کہ نوشیرواں کے زمانہ کا ہے اور جب جناب نبی کریم ﷺ متولد ہوئے تو اس محل میں شگاف پیدا ہوا گیا تھا جو آج تک موجود ہے۔

ہمارے حضرت دام بقائہ نے بس سے اتر کر اس شگاف کو ملاحظہ فرمایا۔ محرر ایں سطور نے بھی وہ شگاف دیکھا، چونکہ اس کے گرنے کا خطرہ ہے لہٰذا حکومت نے اس کے آگے نئی دیوار بنا دی ہے تا کہ اس کو گرنے سے محفوظ رکھے۔ سنا گیا ہے کہ اس محل کے ارگرد کھودنے سے اینٹیں برآمد ہوتی ہیں اور لوگ ان سے مکانات تعمیر کرتے ہیں۔

مدائن شہر دریائے دجلہ کے مشرقی کنارہ پر واقع ہے۔ یہاں سے چار میل کے فاصلہ پر وہ مقام ہے جہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ مقدس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دجلہ میں گھوڑے ڈالے تھے اور ایرانی مدائن چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ حضرت شہر بانو رضی اللہ عنہا جو کہ یزدجرد شاہِ ایران کی صاحبزادی تھیں، اسی محل میں رہ گئیں جن کا نکاح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے ہوا اور ان سے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کا تولد پاک ہوا۔

عصر کی نماز ہم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مسجد میں پڑھی۔ غروب کے قریب ہم بسوں پر واپس آئے اور نماز مغرب راستے میں ادا کی۔ راقم سطور نے اذان اور اقامت کے فرائض ادا کیے۔ جاتے ہوئے اور واپسی میں حضرت قبلہ غریب پرور نے روح پرور اشعار اور ایمان افروز واقعات بیان فرمائے۔ واپسی پر تو آپ نے طرز کے ساتھ عجیب اشعار پڑھے۔

14 اپریل بروز بدھ

صبح کی نماز کے بعد حضرت غوث الثقلین کے در اقدس کے سامنے محبوب صاحب

نے قوالی فرمائی اور تین مناقب حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کی شان پاک میں پڑھے۔ اتنا سرور آیا کہ آج کے دن تک نہیں آیا۔ تمام اشعار میں حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی نظر رحمت کو ہم عاجزوں کی طرف مبذول کرنے کا سوال تھا۔ ان میں سے ایک منقبت حضرت صاحبزادۂ اکبر بلند اختر مرکز الجمال منبع الجلال مقبول بارگاہِ الٰہی حضرت علامہ غلام معین الدین شاہ کے فہم حق رسا کا نتیجہ تھی۔ اس کا ہر شعر محبت غوثِ الوریٰ رضی اللہ عنہ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان گوہرانِ گراں مایہ کی عمر دراز فرمائے اور جمیع آفات و بلیات و تکلیفات سے محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین ثم آمین

یارب زباد فتنہ نگاہ دار خاک گولڑہ (مقدسہ)

یہ منقبت آپ نے جاتے ہوئے جہاز میں تصنیف فرمائی تھی۔ بعد از نماز عصر قرب و جوار غوث الابرار رضی اللہ عنہ میں جو مزارات تھے، ان کی زیارت کے لئے ہمارے حضرت تمام عقیدت مندوں کے ساتھ پیدل گئے۔ پہلے حضرت سیدنا محمد ابو جمرۃ رضی اللہ عنہ کے مزار پاک پر گئے۔ آپ کا مزار مبارک بازار کی سڑک کے نیچے ہے۔ اوپر سے ٹریفک گزرتی ہے اور ایک اونچے مکان سے راستہ نیچے کو اترتا ہے۔ ہم سب نیچے اتر کر قبر مبارک کے پاس گئے۔ ہمیں کافی جھک کے کھڑا ہونا پڑا کیونکہ اوپر پختہ چھت تھی جو سیدھا کھڑا ہونے سے مانع تھی۔

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے ایک خادم جو کہ ہمارے ساتھ تھے۔ انہوں نے اس مزار کی ایک کرامت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ دریائے دجلہ کا پانی یہاں تک آ گیا۔ لوگوں کو بڑی فکر ہوئی۔ دریا بڑھتا جا رہا تھا کہ اچانک اس قبر مبارک سے ایک کبوتر نکلا اور اس نے تین دفعہ اپنے پروں کو ہلایا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسی وقت دریا کا پانی واپس چلا گیا۔

اس کے بعد ہم حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ مزار شریف نہایت بوسیدہ ہو چکا تھا۔ دروازے کے پتھر پر آپ کا اسم گرامی لکھا ہوا تھا۔ آپ کی قبر پر بڑی فرحت حاصل ہوئی۔ بندہ راقم ایں سطور نے آپ کے دو واقعات حضور قبلہ دام عزہ کی خدمت میں بیان کئے۔

ایک یہ کہ امام حجۃ الاسلام رضی اللہ عنہ بغداد شریف میں جمعہ کا خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ جب لوگ نماز ادا کر کے فارغ ہوتے تھے تو آپ کا خطبہ جو کہ حقائق و معارف کا مجموعہ ہوتا تھا۔ بازار میں بک رہا ہوتا تھا حالانکہ اس زمانہ میں تحریر کی عجلت کے وسائل مفقود تھے۔

دوسرا یہ کہ آپ کو حجۃ الاسلام اس لئے کہا جاتا تھا کہ آپ کے علم کو دیکھ کر بڑے سے بڑے عیسائی مسلمان ہو جاتے تھے کہ اتنی قابلیت کا انسان گمراہ نہیں ہو سکتا۔

رحمة الله عليه رحمة واسعة الى يوم الميزان۔ اللهم ارزقنا من فيض علمه۔

ترجمہ: قیامت تک ان پر اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت ہو، اے اللہ! ہمیں ان کے علم کا فیض عطا فرما۔

اس کے بعد حضرت غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کے چلہ گاہ کی زیارت کی۔ اس میں آپ کے ایک خلیفہ صاحب رضی اللہ عنہ مدفون تھے۔ بعد ازیں حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کے ایک اور خلیفہ کے مرقد مبارک کی زیارت کی۔ ان کا اسم گرامی سید علی قادری ہندیجی ثم البغدادی تھا۔ آپ رفاعی سلسلہ کے بھی پیشوا ہیں۔

بعد ازیں اس قطب رضی اللہ عنہ کے مرقد مبارک کی زیارت کی جن کو غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کی

توجہ نے قطب بنایا تھا۔ جن کی چوروں پر یہ نظر کرم ہے وہ اپنے نیاز مندوں کو محروم نہیں فرمائیں گے۔

اس کے بعد حضرت شیخ صدر الدین رضی اللہ عنہ کے مرقد کی زیارت کی۔ آپ حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے استاذ ہیں۔ آپ سے حضرت غوث الوریٰ رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم پڑھا تھا اور اس کے بعد حضرت شیخ سراج الدین رضی اللہ عنہ کے مرقد پاک پر حاضر ہوئے۔ آپ بھی حضرت سیدنا قطب الاقطاب رضی اللہ عنہ کے استاذ ہیں۔ آپ سے حضرت غوث الوریٰ رضی اللہ عنہ نے کتبِ دینیہ پڑھیں تھیں۔ زہے عز و شرف آپ کا مزار مبارک حسن پاشا نے بنوایا۔ تمام فرش سنگِ مرمر کا ہے۔ لیکن موجودہ حکومت کی بے اعتنائی کی وجہ سے خلل پذیر ہو رہا ہے۔

اللھم انی اعوذك من امارة الصبیان۔

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں نوعمروں کی حکومت سے۔

اس کے بعد واپس درگاہ غوث دار الامن رضی اللہ عنہ میں واپس آ گئے۔ ہمارے حضرت قبلہ دام بقائہ کسی آدمی کو ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ شاہ پور کے ایک جوان تھے جو کہ میرے خیال میں وکیل عطا محمد صاحب شاہ پور کے ہم زلف تھے۔

آج کا نیا واقعہ یہ ہے کہ عصر سے پہلے حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے دربار شریف کا ایک خادم میرے پاس تشریف لایا۔ اس وقت پیرزادہ بلند اقبال شاہ محمد عبدالحق صاحب اعطاہ اللہ علماً نافعاً کاملاً (اللہ تعالیٰ انہیں علم نافع کامل عطا فرمائے) میبذی کا سبق بندہ سے تکرار فرما رہے تھے۔ حضرت غوث الوریٰ رضی اللہ عنہ کے خادم صاحب نے بندہ کو فرمایا کہ تمہارے پاسپورٹ میں تصویر نہیں ہے لہٰذا تصویر بنواؤ۔ اتنے میں حضرت دام بقائہ تشریف

لے آئے۔ آپ نے خادم صاحب سے فرمایا کہ ہم نے کراچی سے پوچھا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ اگر ایک ماہ تک رہنا ہو تو فوٹو کی ضرورت نہیں۔ خادم صاحب نے عرض کی کہ کل ہائی کمشنر صاحب کے پاس جا کر تفتیش کریں گے۔ ہمارے حضرت صاحب قبلہ راقم ایں سطور کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کو ضرور مستثنیٰ کروائیں۔ الحمد للہ کیسے کریم خاندان کی غلامی حاصل ہوئی زہے عزّ وشرف۔

و امّا بنعمة ربك فحدث۔

اے اللہ! تو ہی عصیاں سے بچانے والا ہے۔ اپنے محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کے صدقے اس بلا کو اپنے عاجز بندہ کے سر سے ٹال۔

(۱) حق پرستوں سے کی اگر تو نے دلجوئی نہیں
طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

(۲) حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ بمن قبلۂ دیں
مددے کعبہ ایماں مددے

(۳) اس پر خطا کی شرم تمہارے ہی ہاتھ ہے
اور اس ننگ دو جہاں کا وسیلہ تمہی تو ہو

(۴) جو دستگیر ہے تمہارا ہی ہاتھ ہے
اور جو ڈوبنے نہ دے وہ سہارا تمہی تو ہو

15 اپریل بروز جمعرات

بعد نماز صبح محبوب صاحب (نے واعظ صاحب کے ساتھ مل کر) قوالی کی۔ تقریباً

پانچ مناقب حضرت غوثِ زماں رضی اللہ عنہ کی شان میں حسب حال حاضرین پڑھے۔ ایسا لطف آیا کہ ہر سامع اپنے آپ سے بھی غائب تھا۔ راقم سطور پر اس روز قوالی کی حقیقت منکشف ہوئی کہ اصل تصرف غوث الوریٰ کا ہے کیوں کہ بعض طرزیں ایسی تھیں کہ ان طرزوں میں مجھے کوئی سرور حاصل نہ ہوا، اس کے باوجود انتہائی رقت اور دل پر اثر خاص تھا تو اندازہ ہوا کہ تصرف غوثِ رضی اللہ عنہ اس قدر ہے کہ یہاں طرز وغیرہ اور الفاظ کی مناسبت کا کوئی اعتبار نہیں۔ آج کے روز مستورات کے لئے خاص دعوت تھی۔ یہ دعوت نقیب صاحب کے گھر کی طرف سے ہوئی۔

16 اپریل بروز جمعہ

بعد از نماز صبح محبوب صاحب نے قوالی کی اور آخر میں تمام حاضرین دربار غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے حاضر ہوئے۔ محبوب صاحب نے یہ اشعار پڑھے۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ما دعی للہ داع

نہایت ہی لطف اور حظ حاصل ہوا لیکن اصل میں قوالی کی حقیقت وہی ہے جو راقم سطور نے گذشتہ مجلس میں ذکر کی ہے۔ جمعہ کی نماز بڑی شان وشوکت سے ہوئی۔ مسجد کے ہال میں گیلری ہے۔ زوال کے بعد مختلف قراء نے لاؤڈ سپیکر پر قرآن کریم کی تلاوت کی۔ یہاں کے وقت کے مطابق ساڑھے پانچ بجے جمعہ کا خطبہ شروع ہوا۔ جمعہ کے لئے ایک خاص عالم مقرر ہے جو کہ صرف جمعہ ہی پڑھاتا ہے۔ دوسری نمازوں کے لئے دو امام مقرر ہیں جو امام صبح کی نماز پڑھاتے ہیں وہ جاوہ کے باشندے ہیں جامعہ ازہر کے فارغ اور اچھے عالم ہیں۔

حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کی مسجد میں چار مصلّے ہیں۔ ہر مصلے پر اس مذہب کا امام جماعت کراتا ہے۔ لیکن باقاعدگی سے صرف احناف کی جماعت ہوتی ہے۔ شوافع شاید دو وقت صبح اور شام اپنی جماعت علیحدہ کراتے ہیں۔ باقی نمازیں احناف کے پیچھے ادا کرتے ہیں۔ مالکی اور حنبلی تو صرف عید کے موقع پر آتے ہیں اور علیحدہ نماز پڑھتے ہیں۔

بعد از نمازِ جمعہ خطیب صاحب نے حدیثِ جبرائیل پر تقریر فرمائی اور (ما المسئول عنها باعلم من السائل) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم بالقیامت کی نفی کی۔ جب فارغ ہوئے تو بندہ محرر ایں سطور نے عرض کیا:

"یا سیدی انت قلت لا علم لرسول الله ﷺ بالساعة كيف يفهم هذا المطلب من هذا لحديث فاجاب بان النفي ظاهر۔ قلت النفي اذا ورد على اسم التفضيل فالنفي راجع الى الزيادة لا الى نفس الفعل۔ فاجاب بان هذا المعنى ايضًا قال به الشارحون لكن ههنا عوامًا لا يفهمون الدقائق العلمية و ما قلت صحيح لا تنكر فاعطاني رسالة فيها الموعظة والنصيحة للمسلمين باتباع الشريعة و بعد ذلك حضرت مجلس حضرتنا فقبلت يده الشريفة بعد المصافحة ادام الله يده على رؤوسنا مادامت الارض ساكنة و الفلك دائرا فقال لم فقلت هكذا تعوذنا يوم الجمعة معتاد و بعد ذالك حضرت مجلس القمرين النيرين ادام الله بقائهما و فعلت مثل السابق۔"

17 اپریل 1948ء بروز ہفتہ

بعد از نمازِ صبح دربار عالی وقار کے سامنے محبوب صاحب نے قوالی کی۔ ازاں جملہ ذات مقدس مصطفیٰ ﷺ پر سلام بھی پڑھا۔ نہایت لطف آیا اور یہ شعر تو کس قدر ہی نفیس تھا کہ

سلام اس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اس پر بروں کو جس نے فرمایا کہ میرے ہیں

جب اس حقیر سراپا تقصیر نے یہ شعر سنا تو اس کا یہ معنی القاء ہوا کہ فضل کے موتی جناب مصطفیٰ ﷺ کی اولاد امجاد ہے جس کی وجہ سے خلقِ خدا مستفیض ہوئی۔ اور جو آپ ﷺ کی اولاد باصفات کی طرف منسوب ہو وہ خود رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہوا۔

"لان المنسوب الی المنسوب الی الشیء منسوب الی ذالك الشیء"

کیونکہ شے کے منسوب کی طرف جو منسوب ہو وہ بھی اس شے کی طرف منسوب ہوتا ہے اور یہی معنی ہے اس مصرع کا کہ "سلام اس پر بروں کو جس نے فرمایا کہ میرے ہیں۔"

نمازِ عصر سے پہلے بندہ کچھ لکھ رہا تھا کہ ہمارے حضرت اس کمرہ میں تشریف فرما ہوئے جس میں فقیر سراپا تقصیر کا قیام ہے۔ بندہ کی پشت چونکہ دروازہ کی طرف تھی لہٰذا مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ آپ کے ساتھ نقیب صاحب کے ایک خادم تھے۔ انہوں نے بندہ کو "السلام علیکم" فرمایا۔ بندہ نے سر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آفتاب سعادت و ناز طلوع پذیر ہے۔ خادم صاحب نے بندہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کاغذ ہے، اس پر تمہارا فوٹو لگایا جائے گا تو میں نے جواب دیا کہ اچھا اگر ضروری ہے تو لے لیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تم کو

مبارک ہو کہ تمہیں تصویر کی معافی دے دی گئی ہے۔

فالحمد للہ ربّ العالمین ۔ اللھم اجعلنا فی امان الغوث الاعظم رضی اللہ عنہ۔ (یااللہ! ہمیں سیدنا غوثِ اعظم کی امان میں رکھنا۔)

اتوار کی رات کو بوسہ بر قبر کے متعلق بحث ہوتی رہی۔ ایک آدمی جو کہ کھاریاں ضلع گجرات کے ہیں، جن کا نام محمد خان ہے۔ یہاں بغداد شریف سروے میں ملازم ہے۔ انہوں نے کہا کہ علماء بغداد تقبیل مزار کے متعلق آپ لوگوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگرچہ تقبیل (بوسہ دینا) احترام اولیاء کے لئے جائز ہے لیکن عوام کو غلط فہمی واقع ہو جاتی ہے اور وہ سجدہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ راقم سطور نے کہا کہ عوام کو سمجھانا چاہیے کہ وہ سجدہ نہ کریں۔ نہ یہ کہ بوسہ گناہ ہے۔ نیز علامہ عینی نے شرح بخاری میں تقبیل حجر اسود میں ایک صحابی کا فعل نقل کیا ہے کہ

اذا رای قبور الصالحین قبلھا۔

''جب وہ صالحین کی قبروں کو دیکھتے تو انہیں بوسہ دیتے۔''

اصول حدیث کا یہ مسئلہ ہے کہ اگر صحابی کے فعل میں قیاس کو دخل نہیں تو یہ بمنزلہ حدیث مرفوع ہے۔ خیر یہ کلام دیر تک ہوتا رہا۔ چونکہ ہمارے حضرت دام مجدہ کو اللہ تعالیٰ نے روحانیت اور جسمانیت ہر لحاظ سے لطیف پیدا فرمایا ہے۔ حاضرین نے محسوس کیا کہ آپ کی طبع مبارک پر اس بحث کی وجہ سے گرانی ہے۔ لہٰذا حضرت عزت مآب پیر نجیب علی شاہ صاحب نے فرمایا کہ محبوب صاحب سے کچھ اشعار سنے جائیں تا کہ آپ کی یہ گرانی دور ہو جائے۔ لیکن آپ نے فرمایا نہیں وقت زیادہ گزر چکا ہے۔ محمد خان صاحب نے امیر المومنین

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا جو حجر اسود کو بوسہ دینے کے متعلق ہے۔

آپ نے حجر اسود کو بوسہ دے کر فرمایا میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے تو نہ نفع دیتا ہے نہ نقصان۔ اگر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔ (قادری)

تو راقم السطور نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد اور ملا علی قاری کی تحقیق بیان کی کہ مرادِ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ پتھر بحیثیت پتھر ہونے کے فائدہ نہیں دیتا۔ لیکن اس حیثیت سے کہ وہ بیت اللہ شریف کی جزء اور اس کے ساتھ نسبتِ شریفہ رکھتا ہے۔ قیامت کے دن بوسہ دینے والوں کے ہاتھوں میں گواہی دے گا۔

بعد میں تصویر کے متعلق کچھ بحث ہوتی رہی۔ اسی اتوار کی رات کو بندہ نے یہ خواب دیکھا کہ ایک چھوٹی سی پالکی ہے جس میں مستورات بیٹھی ہیں۔ انہوں نے ایک لڑکا پکڑایا وہ پالکی جنوب کی طرف ہے۔ اس لڑکے کو شمال کی طرف ایک بستر پر لٹا دیا گیا سفید رنگ کا لڑکا ہے اور آنکھوں میں سرمہ ہے۔ کسی آدمی نے مجھے بتایا کہ یہ صاحبزادہ حضرت سیدنا وسندنا شاہ غلام معین الدین صاحب کا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک

18 اپریل بروز اتوار

بعد نماز صبح محبوب صاحب نے قوالی کی اور نعت شریف پڑھی۔ جس کا یہ مطلع ہے:

بزم جہاں کے انجمن آراء تمہی تو ہو
اس قدرتی برات کے دولہا تمہی تو ہو

یہ خطاب جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو ہے تو بندہ کے خیال میں اس کا یہ معنی

گزرا کہ حضور اقدس ﷺ اور آپ کی اولاد بزم جہان کی انجمن آراء ہیں کیونکہ اولاد کی صفات باپ کی طرف منسوب کی جا سکتی ہیں جب قوالی کے بعد روضۂ انور پر حاضر ہوئے تو آج ہمارے حضرت قبلہ نے رات کی بحث کی وجہ سے دہلیز کو بوسہ نہیں دیا اور حاضری کے بعد جنگلے کو بھی بوسہ نہیں دیا بلکہ صرف ہاتھ لگا کر واپس آ گئے۔ جب آپ اپنے کمرے میں تشریف لائے تو میں نے محسوس کیا کہ آپ کی طبع عالی پر گرانی ہے۔ لہٰذا میں حاضر ہوا اور مزاج پرسی کی۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ سستی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ رات کی بحث کی وجہ سے تو دل تنگی نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے ساری رات اپنے ساتھ بحث میں گزاری ہے اور آج قوالی میں بھی خاص کیف حاصل نہیں ہوا۔ ارادہ تھا کہ بعد از قوالی واپس رہائش گاہ چلا جاؤں۔ لیکن یہ خیال آیا کہ رفقاء کو پریشانی ہو گی۔

راقم سطور کہتا ہے کہ اولادِ مصطفیٰ ﷺ کس قدر کریم اور سراپائے رحمت واقع ہوئی ہے، اپنی تکلیف برداشت کر لیتے ہیں لیکن خدام پر کرم فرماتے ہیں۔ قرآن کریم میں ربّ کریم نے مسلمانوں کی تعریف بیان فرمائی ہے:

كما قال الله تعالٰى وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

ترجمہ: اور دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انہیں حاجت ہی ہو اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچائے جاتے ہیں وہی کامیاب ہیں۔

بندہ نے آپ کی طبع مبارک کی گرانی دور کرنے کی بہت کوشش کی لیکن خاص فائدہ نہ ہوا۔ یہ تمام دن اسی طرح گرانی میں گزرا۔ رات کو محرر ایں سطور خلافِ عادت اپنے

حضرت کی مجلس میں حاضر نہ ہوا۔ جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ بات منہ سے نکل جاتی ہے اور خوامخواہ آپ کی طبع مبارک پر گرانی ہوتی ہے۔

19 اپریل بروز سوموار

بعد از نمازِ صبح حسب معمول روضہ انور کے سامنے قوالی ہوئی، آج آپ کی طبیعت نسبتاً ہشاش بشاش تھی۔ آپ نے آستان بوسی کی بعد از زیارت ناشتہ وغیرہ کر کے تقریباً کراچی کے ٹائم سے دس بجے اور یہاں کے ٹائم کے مطابق ڈیڑھ بجے ہم تمام خدام آپ کی معیت میں کربلاء معلٰی اور نجف اشرف کی زیارت کے لئے تیرہ گاڑیوں پر روانہ ہوئے جن میں آٹھ ویگنیں اور پانچ کاریں تھیں۔ تیرہ گاڑیوں کا کارواں سڑک پر نہایت خوش منظر معلوم ہوتا تھا۔ ہمارے حضرت قبلہ دامت مسرتہ ویگن میں ہمارے ساتھ سوار ہوئے۔ راستے میں ایک گاؤں محمودیہ ہے وہاں کچھ ٹھہر گئے۔ یہ سطور یہیں محمودیہ میں بس میں بیٹھ کر لکھی جا رہی ہیں۔ آپ ویگن سے ذرا باہر تشریف لے گئے اور واپس تشریف لائے تو بندہ کو فرمایا کہ یہ لکھنے کی کیا زحمت گوارا کر رکھی ہے اور بندہ کو ایک بسکٹ عطا فرما کر فرمایا کہ یہ بھی لکھ لو۔ یہ مزاح کے طور فرمایا۔ راقم السطور نے عرض کیا کہ یہی تو ایک بات لکھنے کے قابل ہے۔

راستے میں ایک اور چھوٹا سا گاؤں اسکندریہ آیا۔ اس سفر میں ایک اور لطف یہ تھا کہ ہمارے حضرت غریب نواز سب سے پیچھے والی ویگن میں سوار تھے۔ آپ کے پاس سیٹی تھی۔ جب بسیں کھڑی ہوتی تھیں تو روانگی کے وقت آپ سیٹی بجاتے تھے۔ اس طرح سب بسیں چل پڑتیں۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ ہم بریک ہیں۔ راستے میں ایک شہر مسیب ہے جس کے ساتھ دریائے فرات بہتا ہے۔ ہماری بس فرات کے کنارے سے گزری۔ یہ راستہ جو کربلا

کو جاتا ہے یہی نجف اشرف سے ہوتا ہوا مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ

اللھم ارزقنا زیارتہ و زیارۃ الکعبۃ شرفھما اللہ شرفًا و تعظیمًا

مسیّب سے آگے گئے تو سڑک بند تھی کیونکہ سڑک پر دریائے فرات کا پانی آ گیا تھا۔ یہاں سے حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ کے ہر دو صاحبزادگان حضرت امام محمد اور ابراہیم رضی اللہ عنہما کے مزارات قریب تھے۔ لہٰذا ان کی زیارت کے لئے گئے۔ نہایت پرنور جگہ تھی۔ البتہ اہل تشیع کا احساس ضرور ہوتا تھا۔ چونکہ پانی کی وجہ سے راستہ بند تھا لہٰذا بسیں چھوڑ کر پیدل جانا پڑا۔ پاکستان کے ٹائم کے مطابق تقریباً سوا تین بجے اور وہاں کے ٹائم کے مطابق ساڑھے پانچ بجے کربلا شریف میں پہنچے۔ وہاں اہل سنت کی ایک بڑی نفیس اور وسیع مسجد ہے، اس میں جا کر نمازِ ظہر ادا کی۔ یہاں کی مساجد کے وسیع ہونے کا مدار مسجد کے ہال پر ہوتا ہے۔ صحن وغیرہ نہیں ہوتا۔ بعد از نمازِ ظہر سب سے اوّل حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہما علمبردار کے مزار کی زیارت کی۔ بعد ازاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مزار پاک پر گئے۔ پہلے حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہ کی زیارت کی بعد ازاں حضرت امام حسین، حضرت علی اکبر اور حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہم کے مزار کی زیارت کی۔ یہ تینوں مزارات ایک پالکی میں ہیں۔ تمام پالکی چاندی کی ہے۔ اس کے بعد گنج شہیداں کی زیارت کی۔ جہاں تمام شہداء رضی اللہ عنہم اکٹھے مدفون ہیں۔ اس کے بعد امام کاظم کے صاحبزادے رضی اللہ عنہ، اس کے بعد اس مقام کی زیارت کی جہاں حضرت سیّد الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔ وہاں قبر کی شکل بنی ہوئی تھی اور اس پر چاندی کا ایک تختہ لگا ہوا تھا۔ ہر دو روضہ انور اس قدر عالی شان ہیں کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ تمام میناروں اور دیواروں پر سونے کا کام کیا گیا ہے۔ دروازے اور کواڑ سب چاندی کے ہیں۔ حضرت سیّد الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کے روضۂ مبارک کے گنبد پر بھی سونے کا کام کیا ہوا ہے۔ اور دونوں

جگہوں کا احاطہ شاہی مسجد لاہور جتنا ہے۔ یہ ہر دو روضہ مبارک بناوٹ میں امامین کاظمین رضی اللہ عنہما کے روضہ کے مشابہ ہیں لیکن یہ ہر دو روضہ مبارک امامین کاظمین رضی اللہ عنہما کے روضہ مبارک سے زیادہ نفیس ہیں۔ اس کے بعد خیمہ گاہ کی زیارت کی جہاں اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈیرہ لگایا تھا اور ظالموں نے ناشکری کرتے ہوئے خاندانِ اہل بیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

سب سے پہلے حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ کا خیمہ ہے، اس خیمہ کی جگہ اب ایک گنبد والی ڈیوڑھی ہے۔ اس کے بعد مشرق اور مغرب کی جانب مستورات کے کجاوے ہیں۔ اب ان کی جگہ چھوٹی چھوٹی کوٹھیاں ہیں جو کہ اوپر سے گول ہیں۔ اس کے بعد حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کا خیمہ ہے۔ اس پر بھی ڈیوڑھی ہے۔ اس کے بعد ایک اور خیمہ ہے۔ بعد میں ایک گول کمرہ ہے جو کہ سیّد الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کا مسکن ہے۔ اس مسکن سے جلال ظاہر ہو رہا ہے۔ اس کمرے کی دوسری طرف وہ جگہ ہے جہاں امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بیمار تھے اور اس مکان سے دوسرے مغرب کی طرف حضرت امام قاسم بن حسن رضی اللہ عنہما کا خیمہ ہے۔ یہ جگہ اس قدر دلگداز ہے کہ پتھر کا کلیجہ بھی پانی پانی ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد تقریباً تین میل کے فاصلہ پر جانبِ مغرب حضرت حُر شہید رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ نہایت متبرک اور پرنور مکان ہے۔ ان تمام مقامات پر ہمارے حضرت نے تمام سائلین کو صف میں بٹھا کر خیرات تقسیم فرمائی۔ اس کے علاوہ بھی مزاراتِ متبرکہ پر کافی نذرانہ پیش کیا بلکہ راستے میں بھی بس کھڑی کر کے بچوں میں خیرات تقسیم فرماتے تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی درگاہ پر ہم نے نمازِ عصر ادا کی۔ چونکہ یہ نماز قبل از وقت ادا ہوئی تھی لہٰذا حضرت حر شہید رضی اللہ عنہ کے مزار پر دوبارہ نمازِ عصر ادا کی اور پھر بسوں پر سوار ہو کر سیدھے نجفِ اشرف کو

روانہ ہوئے۔ کربلا کا میدان جہاں اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم اور یزیدیوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی، نہایت ہی اداس معلوم ہوتا تھا۔ بھیڑوں اور اونٹوں کے گلے چر رہے تھے۔

اس سارے سفر میں ہمارے حضرت قبلہ دام ملکہ پر سخت رقت طاری تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر آپ پھوٹ پھوٹ کر رو دیتے تھے۔ (اضحکه الله تعالیٰ الیٰ یوم المیزان۔)

شام کی نماز ہم نے راستے میں پڑھی۔ آگے چل کر ایک بس کا ایکسل ٹوٹ گیا اور دوسری بس وہاں پنکچر ہوگئی۔ لہٰذا تقریباً ایک گھنٹہ جنگل میں ٹھہرنا پڑا۔ یہ تمام علاقہ ریتلا ہے اور یہاں موٹی موٹی ریت ہے۔ ہوا بڑی اچھی چل رہی تھی۔ ہمارے حضرت دام بقائہ بار بار فرماتے کہ کیا اچھی ریت اور خوب ہوا ہے؟ جی چاہا ہے کہ بس یہیں ریت پر سو جائیں۔

راقم سطور بھی اپنے حضرت دام ظلہ العالی کی ہمرکابی میں تھا اور اسی بس پر سوار تھا جس پر میرے قبلہ غریب نواز تشریف فرما تھے۔ بندہ بالکل آپ کی پشت مبارک کے پیچھے بیٹھا تھا۔ آپ نے راستے میں بڑی نفیس نفیس باتیں بیان فرمائیں' اگر آپ ناراض بھی ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ اور جب محبت کی باتیں فرمائیں تو انسان کروڑ جان سے فدا ہو جاتا ہے۔

جب ہم نجف اشرف کے قریب پہنچے تو ڈرائیور نے مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ کوفہ ہے۔ نجف بڑا اچھا شہر ہے۔ بڑے بڑے ہوٹل ہیں۔ یہاں کے ایک معلم اہل سنت ہیں۔ ہم رات کو ان کے مہمان ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایک سو سے زیادہ افراد کے قیام وطعام کا انتظام کیا۔

نجف اشرف پاکستانی ٹائم کے مطابق تقریباً ساڑھے بارہ بجے پہنچے۔ یہ سطور تقریباً

رات کے ایک بجے نجف اشرف میں لکھی جا رہی ہیں۔تمام رفقاء کھانا کھانے میں مشغول ہیں اور راقم سطور فارغ ہو چکا ہے۔

20اپریل کو ان شاء اللہ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے مزار پر انوار کی زیارت کریں گے اور واپسی پر دوسرے راستے سے بغداد شریف پہنچیں گے۔ یہ حلہ کا راستہ ہے اور آتی دفعہ ہم کربلا کے راستے سے آئے تھے۔کربلا شریف بغداد شریف سے اڑسٹھ میل ہے اور نجف اشریف کربلا سے ستر میل۔گویا کہ ایک دن میں ہم نے ایک سو اڑتیس میل سفر طے کیا۔ یہ رات جو کہ نجف اشرف میں گزری، منگل کی رات تھی۔ہم لوگ تو کمروں میں سوئے لیکن ہمارے حضرت، باہر صحن میں جو کمروں سے نیچے تھا۔زمین پر استراحت فرما ہوئے۔زہے سیرت محمدی واخلاقِ مصطفوی ﷺ

20اپریل بروز منگل

جب ہمارے حضرت اوراد سے فارغ ہوئے تو حضرت امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے دربارِ عالی پر حاضری دی۔تمام میناروں اور دیواروں پر سونا جڑا ہوا ہے۔ دروازوں پر چاندی چڑھائی ہوئی ہے۔مزار مبارک کا جنگلہ بھی چاندی کا ہے۔چاندی سے نقش ونگار کا بہترین کام ہوا ہے۔یہ روضہ انور بھی حضرت کاظمین اور حضرت امام رضی اللہ عنہما کے روضہ مبارک کی طرح ہے اور دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

نجف اشرف ہارون الرشید کے وقت کا بنا ہوا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا روضہ مبارک اولاً ہارون الرشید نے بنوایا تھا۔بعد میں عباس صفوی شاہِ ایران نے پھر حضرت سلطان سلیم ترک نے، پھر نادر شاہ درانی نے مزید تعمیر کی۔دروازہ مبارک پر سونے کی بڑی زنجیر لٹک رہی ہے۔

یہ نادر شاہ درانی نے لٹکائی تھی۔ سنا ہے کہ یہ زنجیر نادر شاہ اپنی گردن میں پہن کر دربار عالی پر حاضر ہوا۔ روضہ پاک کی مغربی جانب بڑی وسیع مسجد سلطان عبدالحمید خان نے بنوائی ہے۔ زنانہ اور مردانہ کمرے علیحدہ ہیں۔ لیکن اس پر بھی اہل تشیع کا قبضہ ہے۔ مزار مبارک پر محبوب صاحب نے پرجوش قوالی فرمائی اور قاری صاحب نے ختم قرآن پڑھا اور آیت ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ تلاوت کی۔ بڑی لذت حاصل ہوئی۔ نجف اشرف میں اتنا بڑا قبرستان ہے کہ کہیں نہیں دیکھا۔ تمام ممالک سے اہل تشیع کو یہاں لا کر دفن کرتے ہیں۔ نجف اشرف میں بڑے بڑے کتب خانے ہیں اور نوادر کتب دستیاب ہیں۔ راقم سطور نے تین کتابیں خریدیں اول شرح تجرید علامہ قوشجی رحمۃ اللہ علیہ۔ دوم رضی شرح کافیہ سوم نعمۃ وعصام علی الجامی رحمۃ اللہ علیہ۔ بعد میں حضرت پیرزادہ شاہ غلام معین الدین صاحب نے سات کتابیں خریدیں جو کہ نوادراتِ زمانہ سے ہیں۔

(۱) مجسطی قلمی ملا مظفر شرح بست باب (۲) اس کے حاشیہ پر بھی ایک کتاب ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو میرے استاذ مولانا یار محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ کو ہمیشہ اس کی تمنا رہی لیکن پوری نہ ہوئی۔ (۳) بست باب کی ایک قلمی شرح ہے۔ (۴) نعمۃ اللہ وعصام علی الجامی (۵) شرح مطالع مع حاشیہ میر سید شریف (۶) تنبیہات در علم نجوم نہایت بہترین کتاب ہے۔ (۷) مفتاح العلوم للسکاکی

ضلع سرگودھا کا ایک طالبعلم نجف اشرف میں پڑھتا ہے۔ جب راقم سطور کتابیں خریدنے گیا تو وہ طالبعلم ہمارے حضرت کی زیارت کو آیا۔ وہ میرا بھی واقف تھا لیکن بندہ سے اس کی ملاقات نہ ہو سکی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ میں حضرت استاذ گرامی مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی سے اچھرہ میں پڑھتا رہا ہوں۔ نہ معلوم وہ کون صاحب ہیں؟ ابھی تک تو کوئی خیال

میں نہیں آتا۔ تقریباً پاکستانی ٹائم کے مطابق ایک بجے ہماری بسیں نجف اشرف سے روانہ ہوئیں۔ جاتی دفعہ تو کربلا کے راستے گئے لیکن واپسی پر "حلہ" کے راستے سے کوفہ پہنچے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مسجد میں آپ کے زخمی ہونے کی جگہ کی زیارت کی۔ آپ کا مکان دور سے بس میں روانہ ہوتے ہوئے دیکھا۔ حضرت مسلم اور حضرت ھانی رضی اللہ عنہما کے مزار کی زیارت کی۔ وہ تنور دیکھا جہاں سے طوفان نوح علیہ السلام کے وقت پانی نکلا تھا۔ نیز حضرت خدیجہ صغریٰ رضی اللہ عنہا کے مرقد مبارک کی بھی کوفہ میں زیارت کی۔ یہ حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ کی سگی بہن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پدری بہن ہیں۔ کوفہ دریائے فرات کے بالکل کنارے پر ہے۔ وہاں حضرت یونس علیہ السلام کے مزار کی زیارت کی۔ دیوار پر مچھلی کی صورت بنی ہوئی تھی اور مچھلی کے منہ کے آگے ایک آدمی کی تصویر تھی۔ یہ دکھایا گیا تھا کہ یونس علیہ السلام کو مچھلی نے ابھی باہر نکالا ہے۔

کوفہ سے چل کر حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے مزار کی زیارت کی۔ ساتھ ہی آپ کے چند اصحاب کی قبریں ہیں۔ وہاں ایک الماری میں تین عجیب طرز کے صندوق تھے۔ ان میں تورات شریف کے تین نسخے تھے۔ یہ تورات شریف بالکل صاف اور سفید چمڑے پر عبرانی زبان اور خط میں لکھی ہوئی تھی۔ عبرانی خط ہم کو گورمکھی کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ واپسی پر راستے میں شہر بابل کو دور سے دیکھا۔ راستے میں سخت بارش شروع ہوگئی اور بارش میں ہی بغداد پہنچے۔ بغداد شریف آ کر یہ چند سطور لکھیں۔

نجف اشرف کی آبادی اسی ہزار اور کوفہ کی آبادی پانچ ہزار ہے۔ ہمارے حضرت نے ان مقامات پر بھی بہت کچھ خیرات تقسیم فرمائی۔ راقم سطور حضرت پیرزادہ شاہ محمد عبدالحق

صاحب کے فرمان پر "سلم العلوم" ہمراہ لے گیا کہ آنجناب ایک کتاب کا سبق پڑھیں گے لیکن آنجناب نے شغل واشغال کی وجہ سے دو دن کے سبق کا ناغہ فرمایا۔ یعنی 19 اور 20 تاریخ کا سبق قضا ہوا۔ دعا ہے کہ خداوند عالم آپ کو علم کا ذوق وشوق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین)

21 اپریل بعد از نمازِ صبح بروز بدھ

دربارِ عالی کے سامنے محبوب صاحب نے حسب معمول قوالی فرمائی۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ تمام قوالیاں دربار عالی کے سامنے جو محبوب صاحب فرماتے ہیں بلا آلات ومزامیر ہوتی ہیں۔ اب ہمارے حضرت دام ظلہ آستان عالی شان حضرت غوث الزمان رضی اللہ عنہ کی تقبیل فرماتے ہیں۔ جمعرات کی رات آپ جمعیۃ الآداب الاسلامیہ کے مرکز میں تشریف لے گئے۔ اراکین الجمعیۃ کو پہلے سے علم ہو چکا تھا اور وہ ایک جگہ پر جمع تھے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مدرسہ کے ایک مدرّس اور آپ کی مسجد کے خطیب صاحب بھی موجود تھے۔ یہ ہر دو صاحب بڑے عالم ہیں۔ راقم سطور بھی آپ کی ہمرکابی میں تھا۔

علماء نے راقم سطور سے پاکستان کے دینی مدارس، نصابِ تعلیم اور علماء کے متعلق استفسار فرمایا۔ مغرب کی نماز وہاں ہی پڑھی۔ بعد از نماز علماء نے حکومتِ پاکستان کے متعلق سوالات کئے۔ بندہ نے یہی جواب دیا کہ فی الحال قوانینِ شرعیہ نافذ نہیں ہیں۔ لیکن عوام میں قوانین شرعیہ کے نفاذ کا سخت جذبہ ہے اور ان شاءاللہ ضرور قوانینِ شرعیہ کا اجراء ہو جائے گا۔ نیز اسلحہ کے متعلق پوچھا کہ کیا پاکستان میں کارخانے ہیں یا نہیں؟ بندہ نے کہا اس وقت تو نہیں ہیں لیکن عنقریب قائم ہو جائیں گے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مسجد کے خطیب صاحب نے فرمایا کہ پاکستان کا دورہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، وہاں آپ لوگوں سے ملوں گا۔

یہ سوال بھی کیا کہ سنا ہے کہ پاکستان میں جمعہ دیہات میں بھی ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ احناف بغیر شہروں کے جمعہ نہیں پڑھتے البتہ غیر احناف ایسا کرتے ہیں۔ ایک اور عالم نے بندہ سے سوال کیا کہ اقامت جمعہ کے لیے سلطان شرط ہے اور پاکستان میں سلطان نہیں ہے تو بندہ نے جواب دیا کہ یہ کوئی ضروری شرط نہیں ہے۔ اس لئے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر سلطان نہ ہو تو مسلمان ایک امام مقرر کرلیں اور اس کے پیچھے جمعہ اور عیدین پڑھیں۔ اس پر دوسرے علماء نے بھی میری تصدیق کی۔

نیز ہمارے حضرت اعلیٰ پیر مہر علی شاہ گولڑوی رضی اللہ عنہ کی ذاتِ پاک کے متعلق بھی گفتگو ہوتی رہی۔ راقم سطور نے عرض کیا کہ زندیق قادیانی کو ہمارے حضرت نے ہی ذلیل کیا تھا اور اس کے ردّ میں ''سیف چشتیائی'' تصنیف فرمائی تھی۔ اور مولوی حسین علی رئیس الوہابیہ کو بھی ذلیل کیا تھا اور وہابیت کے رد میں اعلاء کلمۃ اللہ تصنیف فرمائی۔ علماء نے یہ بھی دریافت کیا کہ ہمارے حضرت کے کتنے متبعین ہوں گے؟ بندہ نے عرض کیا کہ لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔

رخصت کے وقت پانچ پانچ دینار ہمارے حضرت نے ہدیہ کے طور پر علماء کو پیش کیے۔ علماء نے لینے سے انکار کیا کہ ہم بڑے غنی ہیں۔ آخر بڑے اصرار کے بعد منظور فرمایا۔ لیکن اس شرط پر کہ اس رقم کو'' جمعية الآداب الاسلاميه ''پر خرچ کیا جائے گا۔ مزار بوسی کے مسئلہ کی تحقیق کے لئے ہم نے الجمعیۃ سے مغنی ابن قدامہ مکمل اور چار جلدین عینی شرح بخاری اور دو جلد شامی لے آئے۔ جزاهم الله خير الجزاء۔

جمعرات 22 اپریل 1948ء

بعد از نمازِ صبح محبوب صاحب نے حسبِ معمول قوالی فرمائی۔ آج شیخ بڈھا صاحب

مجاور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے گیارہویں شریف کا کھانا پکایا۔ شیخ صاحب نے چھ سیر گھی کا حلوہ تیار کروایا۔ تمام ہمراہیوں نے اپنی استطاعت کے مطابق گیارہویں شریف میں حصہ لیا۔ ساڑھے چھ سو روپے جمع ہوئے۔ ان کے چاول 23 اپریل کو پکائے جائیں گے۔ رات کو تقریباً ساڑھے چار بجے تک حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر رہے۔

23 اپریل 1948ء بروز جمعہ

محبوب صاحب نے بعد از نماز صبح قوالی کی۔ آج راقم سطور کی طبیعت پر کچھ گرانی تھی۔ تمام قوالی میں غنودگی سی رہی۔ شاید رات کو دیر تک جاگنے کی وجہ سے ہے۔ بعد از قوالی حضرت قبلہ مدظلہ راقم سطور کے کمرے کے سامنے تشریف لائے اور فرمایا کہ آج قوالی کا کیا حال رہا؟ میں نے عرض کیا کہ میں تو قوالی میں سویا رہا۔ آپ نے فرمایا کیوں؟ بندہ نے عرض کیا کہ کچھ تکلیف معلوم ہوتی ہے۔ حضور نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ بخیریت رکھے۔ آج گیارہویں شریف کی چھ دیگیں پکائی گئیں۔ تین پلاؤ کی اور تین زردہ کی۔ بعد از عصر حضرت مدظلہ کے مسکن میں قاری محبوب علی صاحب نے ختم مروج پڑھا۔ اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ایک دیگ ہمراہیوں کے لئے رکھ کر پانچ دیگیں فقراء و خدام میں تقسیم کردو۔ آج آپ کسی صاحب کو ملنے کے لئے شہر میں تشریف لے گئے اور قبل از نمازِ عصر ہمارے حضرت مدظلہ العالی، حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح اور کرامات بیان فرماتے رہے۔ آپ کے پاس ایک کتاب تھی جس کو دیکھ کر آپ حالات بیان فرماتے رہے۔ یہ اس لئے تھا کہ آنجناب ہر معاملہ میں پوری احتیاط فرماتے ہیں تاکہ کوئی بات خلاف واقع بیان نہ کی جائے۔ آج کل بندہ مزار بوسی کے مسئلہ کی تحقیق کر رہا ہے۔ سنا تھا کہ مغنی ابن قدامہ میں جواز لکھا ہے لیکن میں نے مغنی میں دیکھا تو وہاں منع اور بدعت لکھا ہوا ہے۔

وہ علماء کرام جن کی ملاقات کو ہمارے حضرت مدظلہ العالی جمعرات کی رات تشریف لے گئے تھے۔وہ ہفتے کی رات ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ان میں حضرت علامہ سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے بھی تھے جو کہ بغداد شریف کے ممتاز علماء میں سے ہیں۔ چونکہ راقم الحروف نے روح المعانی سے بڑا استفادہ کیا ہے لہٰذا ان کے پوتے کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ان علماء کے ساتھ بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ترجمہ کے فرائض راقم سطور نے ادا کئے۔

ان علماء کے اسماء گرامی یہ ہیں۔حضرت مولانا محمد امجد۔حضرت مولانا عبدالقادر۔ مولانا سید فواد بن سید شاکر بن سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی۔اوّل الذکر صاحب بڑے غمخوارِ اہل اسلام ہیں۔بہت دیر تک عربی میں تقریر فرماتے رہے، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہمیں پاکستان سے بڑی امید ہے کہ قوانین شرعیہ کی نفاذ کی ابتداء پاکستان سے ہی ہوگی اور تمام ممالکِ اسلامیہ اس کی تقلید کریں گے۔نیز انہوں نے فرمایا کہ علماء و مشائخ اور دیگر اہل اصلاح کو فوج میں بھرتی ہونا بڑے ضروری امور و فرائض سے ہیں تاکہ فوجی اہل دین اور صالح ہوں کیونکہ سلطنت کی صلاح و خیر کا مدار فوج کی صلاح و خیر پر ہے اور فوج کی صلاح و خیر رئیس لشکر کی نیکی پر ہے۔اگر مشائخ اور علماء نے فوج سے کنارہ کیا تو اہل فساد اشرار اور بددین لوگ فوج پر چھا جائیں گے۔پھر علماء و مشائخ کو مقابلہ کرنا دشوار ہو جائے گا۔ان علامہ موصوف نے ترکی کا حوالہ پیش کیا کہ علماء نے حکومت سے احتراز اور اجتناب کیا تو بددین ملک پر ایسے چھا گئے کہ دین کی کوئی بات باقی نہ رہی۔نیز حکومت پاکستان کو اسلحہ کے کارخانے کھولنے چاہئیں کیونکہ جب سلاح اور صلاح دونوں جمع ہو جائیں تو اس کا نتیجہ فلاح ہوتی ہے۔

علامہ سید آلوسی کے پوتے نے بندہ کے ساتھ کئی علمی مذاکرات بھی کیئے کہ تفسیر

بیضاوی ہند میں کتنی پڑھائی جاتی ہے؟ اور بیضاوی کے کون سے حواشی ہند میں پائے جاتے ہیں؟ تو میں نے جواب دیا کہ بیضاوی صرف سورۂ بقرۃ تک پڑھائی جاتی ہے اور اس کی چار حواشی میں نے دیکھے ہیں۔ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی شیخ زادہ، خفاجی کارزدنی۔ نیز علماء کی تعداد پوچھی تو راقم سطور نے عرض کیا کہ صحیح تعداد تو معلوم نہیں ہے لیکن تقریباً بیس ہزار علماء ضرور ہوں گے۔ اسی طرح مساجد کی تعداد پوچھی تو میں نے عرض کیا کہ بے شمار ہیں۔ آخر میں قاری محبوب علی صاحب نے ایک رکوع قرآن کریم کا تلاوت فرمایا۔ اس کے بعد ان علماء کرام کے ساتھ ایک صاحب تھے جو کہ اگرچہ داڑھی منڈھے تھے لیکن قرآن کریم نہایت لطافت اور نزاکت سے پڑھتے تھے۔ ان سیّد صاحب نے ایک رکوع تلاوت فرمایا، بڑا کیف حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت فرمائے۔ آمین ثم آمین

اس کے بعد علماء نے روانگی فرمائی۔ ہمارے حضرت ان کے ساتھ درگاہ شریف سے باہر تک تشریف لے گئے اور واپس آ کر پھر مجلس مبارک میں رونق افروز ہوئے اور بہت دیر تک بہترین مذاکرات ہوتے رہے۔ بندہ نے کوئی بات عرض کی تو مزاح کے طور پر فرمایا کہ میں گلا گھونٹ دوں گا۔ پھر از راہِ خوش طبعی بندہ کے گلا کو دونوں ہاتھ مبارک لگائے۔ زہے عز و شرف

کرد دشنام من آن محبوب جانی یک شبے

عمر بگذشت و ہنوزم لذتِ آں در دل است

24 اپریل 1948ء بروز ہفتہ

محبوب صاحب نے دربار غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے قوالی فرمائی۔ جس کا ایک مصرع یہ تھا

ایک چلو کے لئے محتاج مت کر غیر کا

بعد ازاں راقم، مولوی خدا بخش صاحب صاحبزادہ نیک اختر سید علامہ غلام معین الدین صاحب کی معیت میں کتب خریدنے بازار گیا اور یہ کتب خریدیں۔(۱) زیلعی شرح کنز الدقائق مکمل چھ جلد (۲) جامع الفصولین (۳) شرح شرعۃ الاسلام (۴) ابریز شریف (۵) شرح تجرید علامہ قوشجی کتاب الرویا ابن سیرین رضی اللہ عنہ یہ کتب حضرت صاحبزادہ صاحب نے خرید فرمائیں۔

راقم سطور نے مندرجہ ذیل کتب خریدیں۔(۱) الیواقیت والجواہر (250 فلس)۔(۲) سبحۃ المرجان (۳) فوائد بھیۃ (۴) ابریز شریف (۵) حاشیہ ازمیری علی مرآۃ الاصول (400 فلس)

ظہر کے وقت واپس آ گئے اور آ کر کھانا کھایا۔ جاتے ہوئے پیدل گئے تاکہ کچھ تفریح ہو جائے اور واپس بس پر آئے کیونکہ کتابوں کا بوجھ بھی تھا۔ رات کو ہمارے حضرت مدظلہ نے بعد از فراغِ نمازِ عشاء بجلی بجھا کر آرام فرمایا اور آج بعد از نماز مجلس نہیں فرمائی۔ اس لئے ہم سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد آپ نے محبوب صاحب کو بلا کر قوالی سنی لیکن بجلی نہیں جلائی۔ اندھیرے میں قوالی سنی گئی۔ کئی لوگ تو سننے کو گئے لیکن محرر ایں سطور حاضر نہیں ہوا۔

25 اپریل 1948ء بروز اتوار

بعد از نماز صبح محبوب صاحب نے حسب عادت قوالی کی۔ رات کو حضرت قبلہ دام بقائہ نے حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح ایک کتاب سے بیان فرمائے اور تقریباً چار بجے رات کو مجلس برخاست ہوئی اور بعد از برخاستِ مجلس آج پھر حضرت غریب نواز نے اندھیرے میں قوالی کا استماع فرمایا۔ آپ ایک دری پر تشریف فرما تھے۔ بندہ کو کئی دفعہ فرمایا

کہ دری پر بیٹھو۔ آج جب بندہ کو فرمایا کہ دری پر بیٹھو تو بندہ نے یہ مصرع پڑھا:

ایاز قدر خود بشناس

اس مصرع نے حضرت کی طبیعت پر کافی اثر کیا۔ رات کو آپ نے محبوب صاحب سے اسی مصرع کے مضمون پر قوالی سنی۔

26 اپریل 1948ء بروز پیر

بعد از نمازِ فجر روضہ اطہر کے سامنے قوالی ہوئی۔ بعد از قوالی شاہ صاحب، نجیب علی شاہ صاحب، عبداللطیف شاہ صاحب، نواب اچھن میاں صاحب اور راقم سطور نے ایک ہوٹل سے چائے پی اور کپڑوں کا بازار دیکھا۔ کپڑے کی بہت بڑی مارکیٹ ہے۔ سنا ہے کہ ایسی کوئی مارکیٹ ہندوستان میں نہیں ہے۔

رات بعد از نمازِ عشاء پیر ابراہیم جو کہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں، کی زیارت کے لئے ان کی رہائش گاہ پر گئے۔ آپ نے بوسہ کے مسئلہ پر بڑی اچھی تقریر فرمائی اور حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کا ایک ملفوظ شریف بیان کیا جو کہ عربی میں تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بعض ہاتھ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو چوما جاتا ہے۔ حالانکہ وہ ہاتھ کاٹنے کے مستحق ہوتے ہیں تو آدمی کو ایسے ہاتھ چومنے سے بچنا چاہیے۔ یہ گفتگو آپ نے اس وقت فرمائی جب بندہ نے بعد از مصافحہ آپ کے پاؤں کو ہاتھ لگایا۔ اس کے بعد چھری اور کانٹے سے کھانا کھانے پر تقریر فرمائی۔

کسی آدمی نے پوچھا کہ گیلان شریف کہاں ہے؟ جس کی طرف حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی نسبت ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ ملک ایران میں ہے اور تہران بھی دوسری

طرف ہے۔بس کے ذریعے تین دن کا راستہ ہے۔ہم نے تو نہیں سنا کہ ہمارے آباؤ اجداد میں سے کوئی گیلان گیا ہو البتہ گیلان سے آدمی آتے ہیں تو ان سے پوچھا گیا کہ وہاں حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار ہیں یا نہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ موجود ہیں۔

اس کے بعد آپ نے بہترین کھجوریں منگوا کر ہمیں عنایت فرمائیں۔ سیّد عبداللطیف شاہ صاحب کو ایک پلیٹ کھجوریں دیں کہ اپنے دوسرے رفقاء میں تقسیم کر دو۔سید عبداللطیف شاہ صاحب نے پلیٹ اپنے حضرت مکرم دام الطافہ کی خدمت میں پیش کی جو آپ نے تقسیم فرمائی۔نیز ہمارے حضرت دام بقائہ کے پاس بھنے ہوئے سفید چنے پلیٹ میں موجود تھے،وہ بھی آپ نے تقسیم فرمائے۔

اس کے بعد محمد خان صاحب جو کھاریاں ضلع گجرات کے رہنے والے ہیں اور 28 سال سے بغداد شریف میں ملازم ہیں' نے ہمارے حضرت قبلہ کے حضور بیعت کے متعلق عرض کی۔آپ حتی الامکان بیعت سے گریز فرماتے ہیں۔اسلئے آپ محمد خان کو ٹالتے رہے کہ میں بیعت کے قابل نہیں ہوں تو محمد خان صاحب نے عرض کی حضور میرے پاس ایک دلیل ہے کہ آپ قابل بیعت ہیں۔اگر اجازت ہو تو عرض کروں پہلے تو خاموش رہے۔پھر فرمایا کیا دلیل ہے؟ محمد خان صاحب نے بیان کیا کہ جو عالم صبح کی نماز حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی مسجد میں پڑھاتے ہیں ان کا اسم شریف حاجی محمد حاوی ہے۔آج سے تقریباً پونے تین سال قبل ان کو ایک خواب آیا تھا جو اس وقت انہوں نے میرے سامنے بیان کیا تھا۔خواب یہ تھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک جنگل میں کھڑا ہوں اور جانور قطار در قطار میرے سامنے سے گزر رہے ہیں جیسے بادشاہ

لشکر کا معائنہ کرتا ہے۔ پہلے شیر گزرے بعد میں دوسرے جانور یہاں تک کہ ان کے اخیر میں ایک سانپ گزرا۔ ایسا سانپ میں نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ میں اس کا تصور کر سکتا ہوں۔ سانپ کے دم کی دو شاخیں ہیں، وہ سانپ میرے سامنے سے گزرا اور دور جا کر اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور اپنا منہ کھولا۔ اس کا منہ اتنا وسیع تھا کہ جب کرین جہاز سے سامان اٹھا کر اوپر کو لے جاتا ہے تو اس بلندی سے لے کر سمندر تک جو فاصلہ ہوتا ہے اتنا اس سانپ کا منہ ہے لیکن میں ڈرا نہیں۔

اتنے میں وہاں ایک انبوہ عظیم پہنچ جاتا ہے، ان کے آگے ایک شیخ ہیں جن کی بڑی بڑی داڑھی ہے اور ان کے پیچھے ایک ہزار آدمی ہیں جو کہ داڑھیوں والے ہیں۔ اس شیخ اور دوسرے آدمیوں کے ہاتھوں میں تلواریں ہیں یہ شیخ مجھے یعنی مولانا محمد جاوی صاحب کو السلام علیکم فرماتے ہیں جیسا کہ وہ مجھے جانتے ہوں۔ میں ان کو سلام کا جواب دیتا ہوں لیکن ان کو پہچانتا نہیں۔ وہ شیخ مجھ سے سانپ کے متعلق پوچھتے ہیں تو میں نے جواب دیا کہ اس کی دم دو شاخوں والی ہے اور زمین پر دو خط جا رہے ہیں۔ جب یہ دونوں ایک ہو جائیں گے تو وہاں سانپ آپ کو ملے گا۔ وہ شیخ اور دوسرے آدمی سانپ کے پیچھے دوڑتے ہیں اور جب سانپ کے پاس پہنچتے ہیں تو سانپ اپنا منہ کھولتا ہے تو وہ شیخ اور اس کے مرید دوڑ کر سانپ کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ اور جب سانپ ارادہ کرتا ہے کہ منہ کو بند کر کے ان آدمیوں کو نگل جائے تو وہ شیخ اور اس کے رفقاء تلواریں اوپر کر دیتے ہیں تا کہ وہ منہ بند نہ کر سکے اور تلواروں سے اس کے منہ کو چیر دیتے ہیں۔ شیخ اس سانپ کے پیٹ میں چلا جاتا ہے اور تلوار سے اس سانپ کو قتل کر دیتا ہے۔

مولانا محمد جاوی فرماتے ہیں کہ میں نے اس شیخ سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ

میں افغانستان سے آیا ہوں۔اس کے بعد شیخ اپنے تمام ساتھیوں سمیت بغداد شریف کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب بغداد شریف کے قریب آتا ہے تو تمام اہل بغداد استقبال کے لئے جمع ہیں۔کیا مرد اور کیا عورتیں اور کیا حکومت اور اس کا لشکر۔

محمد جاوی فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ سے پوچھا کہ آپ نے سانپ مارا ہے اور یہ تمام لوگ آپ کا استقبال کر رہے ہیں تو شیخ ہنستا ہے۔شیخ کی ہنسی میرے دماغ میں محفوظ ہے۔

اس کے بعد وہ شیخ صاحب اپنے رفقاء سمیت دربار حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ پر حاضر ہوتے ہیں۔ بیرونی اور اندرونی دروازہ کھلا ہے۔لیکن روضہ انور کا دروازہ بند ہے جہاں کلید بردار بیٹھتا ہے۔ جب شیخ وہاں جاتے ہیں حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ مزارِ اقدس سے باہر تشریف لاتے ہیں۔ بڑی بڑی ریش مبارک ہے۔شیخ سے معانقہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔شیخ صاحب حضرت سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب بیٹھتے ہیں۔

مولانا محمد جاوی فرماتے ہیں کہ میں ارادہ کرتا ہوں کہ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤں تو وہ شیخ صاحب یا سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ مجھے اشارہ کرتے ہیں کہ اندر نہ آؤ۔میں ذرا ٹھہر جاتا ہوں لیکن پھر خیال آیا کہ شاید پھر یہ موقع نہ ملے۔اس لئے میں بلا اجازت اندر جا کر حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی دائیں جانب بیٹھ جاتا ہوں لیکن حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ اسی شیخ صاحب کے ساتھ کلام میں مشغول ہیں۔میرے دل میں خیال آتا ہے کہ میں بھی یہاں رہتا ہوں اور علماء میں سے ہوں، حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ میری طرف التفات نہیں فرماتے۔بس یہ وسوسہ میرے دل میں گزرا اور حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے میری طرف التفات فرما کر فرمایا کہ محمد جاوی یہ میرا بیٹا ہے۔بہت مدت مجھ سے غائب رہا اور دور دراز سے آیا ہے، مجھے اس کے ساتھ باتیں کرنے دو،

تم تو یہاں ہی رہتے ہو اس کے بعد حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ اور وہ شیخ صاحب اٹھ کر باہر جاتے ہیں۔ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ باہر کے بڑے دروازے تک آ کر شیخ صاحب کو وداع کرتے ہیں۔

یہ تو وہ خواب ہے جو مولانا جاوی صاحب کو تین سال پہلے آیا تھا اور انہوں نے محمد خان کو بیان کیا تھا۔ اب جمعرات کو جب تین علماء بغداد ہمارے حضرت مدظلہ العالی کی زیارت کو تشریف لائے۔ جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے تو مولانا جاوی صاحب بھی ان کے بعد تشریف لائے تو مولانا جاوی فرماتے ہیں کہ جب باتوں باتوں میں حضرت صاحب نے ضحک فرمایا تو فوراً میرے دل میں خیال گزرا کہ اس آدمی کو میں نے دیکھا ہے لیکن میری سمجھ میں نہ آیا کہ کہاں دیکھا ہے تو دوسرے علماء تو مسلم لیگ اور پاکستان کی باتیں کرتے رہے۔ لیکن میں اسی تفکر میں رہا کہ کہاں زیارت کی ہے۔ آخر کوئی پتہ نہ لگا لیکن جب شیخ علماء کو وداع کرنے کے لئے بڑے دروازے تک باہر تشریف لے گئے تو میرے ذہن میں فوراً القاء ہوا کہ یہ وہی شیخ ہیں جن کو حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے تین سال قبل یہاں وداع کیا تھا اور اسی شیخ صاحب نے ضحک فرمایا تھا۔ ان کی ہنسی اب تک میرے ذہن میں محفوظ ہے۔

27 اپریل بروز منگل

بعد از نمازِ صبح محبوب صاحب نے قوالی فرمائی۔ بعد ازیں بندہ مولانا حاجی محمد جاوی کے مکان پر حاضر ہوا۔ حضرت مولانا عبدالقادر آفندی بھی وہاں تشریف لائے جو جامعہ اعظمیہ بغداد شریف کے خطیب ہیں۔ راقم سطور نے شیخ آفندی کے سامنے صحاح ستہ کی تمام کتب سے اول اور آخر کی احادیث تلاوت کیں اور علامہ آفندی سے صحاح ستہ کی اجازت حاصل کی۔ علامہ آفندی

نے وعدہ فرمایا کہ کتب فقہ کی سند بھی تحریر کردوں گا چنانچہ حسب وعدہ انہوں نے سندِ فقہ بھی عنایت فرمائی۔ علامہ آفندی صاحب بھی جمعرات کی رات کو ہمارے حضرت صاحب کی زیارت کو تشریف لائے تھے۔ آج انہوں نے بندہ سے پوچھا کہ جس رات ہم حضرت صاحب کی زیارت کو آئے تھے تم نے اس سے پہلے مکان میں کوئی خوشبو جلا رکھی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارے حضرت کو نہ عادت ہے اور نہ ہی کوئی خوشبو جلا رکھی تھی۔ آفندی صاحب نے فرمایا کہ جب ہم بیٹھے تھے تو ہمیں بڑی خوشبو آ رہی تھی اور جب حضرت صاحب نے ہم کو کار پر سوار کروایا تو پھر ہم کو بڑی تیز خوشبو آئی۔ ہم راستے میں آپس میں بحث کرتے رہے۔ میرے دوسرے رفقاء کہتے تھے کہ مکان میں بخور یعنی خوشبو جلا رکھی تھی۔ میں نے کہا کہ جلانے کے کوئی آثار نہ تھے

آج کا بڑا واقعہ یہ ہے کہ جناب مدنی صاحب تشریف لائے۔ آپ کے تشریف لانے کا واقعہ عجیب ہے۔ آپ نے حکومتِ سعودیہ سے پاسپورٹ حاصل کیا اور جدہ بھیجا تو جدہ سے جواب آیا کہ حکومت عراق، سوریا (شام) اور بیروت سے علیحدہ علیحدہ اجازت حاصل کرو، چونکہ علیحدہ علیحدہ اجازت حاصل کرنے میں طویل مدت درکار تھی لہٰذا مدنی صاحب رک گئے اور حضرت صاحب کو خط لکھ دیا کہ حاضری سے معذور ہوں۔ 24 جمادی الاخریٰ کی رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ فرماتے ہیں:

" الا تزورنی مع ولدی قلت لا یجیزوننی ! قال رضی الله عنه انی اعطیك اجازة۔ "

کیا آپ میرے بیٹے سمیت میری زیارت نہیں کرو گے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے اجازت نہیں دی جا رہی تو آپ نے فرمایا میں تمہیں اجازت

دیتا ہوں۔

پس میں پاسپورٹ لے کر جدہ آ گیا اور قونصل خانہ میں حاضر ہوا تو حکم ہوا کہ پاسپورٹ لاؤ۔ جب پاسپورٹ لایا تو قونصلر نے کہا کہ دو تصویریں لاؤ۔ اب جدہ میں صرف ایک تصویر والا ہے اور ہفتہ کے بعد تصویر تیار کرتا ہے۔ میں تصویر والے کے پاس گیا تو اس نے آدھے گھنٹہ میں دو تصویریں تیار کر دیں۔ قونصلر نے پاسپورٹ پر دستخط کر دیئے حالانکہ اس سے پہلے ایک سفارش بھی کروائی تھی لیکن قونصلر نے اجازت نہیں دی تھی۔ نیز جس ملک میں جانا ہو وہاں کی ضمانت بھی ضروری ہوتی ہے لیکن قونصلر نے ضمانت بھی معاف کر دی۔

آپ مدینہ طیبہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے ریاض کے راستے موٹر پر مقام جبر تک آئے۔ راستے میں گاڑی 24 گھنٹے تک راستہ سے بھٹکتی رہی کیونکہ ریتلا ملک ہے، پھر آپ مقام جبر سے بحرین تک بحری جہاز میں آئے۔ بحرین سے بصرہ تک ہوائی جہاز میں اور بصرہ سے بغداد تک ریل کے ذریعے آئے۔ ہمارے حضرت دامت مسرتہ آپ کی تشریف آوری سے بہت خوش ہیں کیونکہ حضرت مدنی صاحب بڑے بااخلاق اور وفادار انسان ہیں اور ہمارے حضرت سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔ آپ اکیس دن میں مدینہ طیبہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ سے دار السلام بغداد میں پہنچے ہیں۔ بعد از نماز عصر بغداد شریف کے تین عالم حضرت کی زیارت کو آئے۔ بندہ سے پاکستان کے علمی حالات دریافت کرتے رہے اور نصاب تدریس کے بارے گفتگو کرتے رہے۔

28 اپریل بروز بدھ

کو فجر کی نماز کے بعد محبوب صاحب نے قوالی فرمائی۔ جس کا ایک مصرع یہ تھا:

"اج ڈھولن ماہی آیا"

جو کہ اس عربی مصرعہ کا ترجمہ ہے:

"طلع البدر علینا۔"

رات کو بعد نماز عشاء حضرت پیر سیّد ابراہیم صاحب قبلہ کی محفل میں حاضر ہوئے جو حضرت سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں اور بہت مدت ہندوستان میں رہے ہیں۔ بڑے خلیق اور عالم ہیں۔ یہ دوسری مجلس تھی۔ پہلی مجلس کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ آپ نے بہت اچھی اچھی باتیں فرمائیں۔ ابن سعود کے بارے فرمایا کہ یہ بڑا اخبث ہے اگر مجھے طاقت ہو تو اس سے جہاد کروں۔ ابن تیمیہ کے متعلق فرمایا کہ میں نے اپنے نانا مرحوم نقیب عبدالرحمٰن صاحب سے اس کی بڑی تعریف سنی ہوئی تھی کہ ابن تیمیہ حدیث کا بڑا عالم ہے۔ جب میں ہندوستان گیا تو مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی سے ملاقات ہوئی۔ دورانِ گفتگو ابن تیمیہ کا تذکرہ آیا تو میں نے اس کی تعریف کی۔ مولانا عبدالماجد بدایونی نے فرمایا کہ ابن تیمیہ تو نبی کریم ﷺ کا گستاخ ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ کیسے؟ تو انہوں نے کہا کہ اس کے فتاویٰ کی تیسری جلد لاؤ۔ میرے پاس اس کا فتاویٰ موجود تھا۔ تیسری جلد منگوائی۔ مولانا نے جو اس جلد کو کھولا تو وہی جگہ نکلی، نہ ایک ورق اِدھر نہ اُدھر۔ وہاں لکھا تھا کہ:

"لا یجوز شد الرحال لزیارۃ مرقد النبی ﷺ و لو شدھا فلا یقصر الصلوۃ لان ھذا سفر لمعصیۃ۔"

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کے مزارِ اقدس کی زیارت کے لئے کجاوے باندھنا (سفر کی تیاری کرنا) جائز نہیں ہے اور اگر کجاوے باندھے تو نماز قصر نہ کرے

(یعنی چار رکعت والی فرض نماز کے دو فرض نہ پڑھے) کیونکہ یہ سفر گناہ کا سفر ہے۔"

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جب میں نے یہ دیکھا تو مجھے اتنا غصہ آیا کہ میں نے کتاب اٹھا کر پھینک دی اور کہا۔ نکالو اس کتاب کو یہاں سے۔ بعد میں مجھے پشیمانی ہوئی کہ کتاب میں تو آیات اور احادیث بھی تھیں۔ چنانچہ میں نے توبہ کی پھر حضرت پیر صاحب نے اپنی پگڑی سے تین تعویذ نکالے اور فرمایا کہ ایک میں رسولِ خدا ﷺ کے مزارِ اقدس کی مٹی ہے اور دوسرے میں حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے مرقد کے غلاف کا ٹکڑا ہے اور تیسرے میں کعبہ مکرمہ کی دہلیز کی لکڑی ہے۔ جب ترکوں نے کعبہ شریف کا دروازہ نیا بنایا تھا تو یہ لکڑی تبرکات میں سے مجھے بھی ملی تھی۔ پھر آپ کھانے کے کمرے میں کھانا کھانے گئے ہمیں بھی ساتھ لے گئے اور کھانے کا حکم دیا لیکن ہم نے کھانا کھایا ہوا تھا۔ اس لئے معذرت کر دی تاہم آپ کی بچی ہوئی دہی تبرک کے طور پر کھائی۔ آپ نے مالٹے اور کھجوریں بھی منگوائیں اور ہمیں بھی کھانے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم نے بھی کھائیں۔

اس مجلس میں ہم صرف تین آدمی تھے۔ سید نجیب علی شاہ صاحب، اچھن صاحب اور راقم سطور۔ پہلی مجلس میں حضرت پیر ابراہیم صاحب نے فرمایا تھا کہ پیر سیّد جماعت علی شاہ صاحب سے مجھے دو خاص احادیث کی اجازت ہے۔ بندہ نے درخواست کی کہ ان احادیث کی بندہ کو بھی اجازت فرمائیں۔ آپ نے وعدہ فرمایا کہ جمعہ کا دن متبرک ہے لہٰذا جمعہ کو بتلا دوں گا۔ الحمد للہ علی ذالک

عربی ٹائم کے مطابق تقریباً چار بجے ہم واپس اپنی رہائش گاہ پر آئے اور یہ سطور

رات کے وقت لکھی گئیں۔ کیونکہ اس مجلس میں سید عبداللطیف شاہ صاحب اور چودھری اورنگ زیب صاحب نہ تھے۔ اس لئے آپ نے ہر دو صاحبان کے لئے ایک ایک مالٹا عطا فرمایا۔ زہے عز و شرف

کل بروز جمعرات مدنی صاحب قبلہ کربلائے معلٰی اور نجف اشرف کی زیارت کو جائیں گے۔ معلوم نہیں کتنے آدمی آپ کے ساتھ جائیں گے۔ ایک اسٹیشن ویگن اور دو کاروں کے آدمی ضرور جائیں گے۔

29 اپریل بروز جمعرات

کو صبح قوالی نہیں ہوئی کیونکہ حضرت قبلہ نے مدنی صاحب کی معیت میں کربلا معلٰی اور نجف اشرف جانا تھا۔ آپ ہر دو قمرین نیرین سلمھم اللّٰہ فی الدارین اور دیگر بہت سے رفقاء کے ساتھ عربی ٹائم کے مطابق 12 بجے روانہ ہو گئے ہیں اور امید ہے کہ آج ہی رات کو واپس تشریف لے آئیں گے۔ آج آندھی سی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جمیع رفقاء کے ساتھ بخیریت واپس لائے۔ راقم سطور ساتھ نہیں گیا۔ واحسرتا' وائے محرومی سنا گیا ہے کہ چار کاریں اور ایک اسٹیشن ویگن گئی ہے۔ اب تقریباً چار بج چکے ہیں اور ہمارے حضرت دام دام لطفہ ابھی تک نجف اشرف سے واپس نہیں آئے۔ سنا ہے کہ دریا کا پانی آیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ بخیریت واپس لائے۔ آمین ثم آمین

آج کا عجیب واقعہ یہ ہے کہ یہاں بغداد شریف میں رسم ہے کہ حماموں میں ایک پانی سا پڑا ہوتا ہے

جس سے غیر ضروری بالوں کو دور کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ ہمارے ایک مولوی صاحب جو حمام میں نہانے کے لئے تشریف لے گئے تو سمجھا کہ شاید سر دھونے والی مٹی پانی

میں پڑی ہے۔ لگے ہاتھوں پر ملنے۔۔۔ کچھ دیر بعد زخم نمودار ہونے لگے کیونکہ اس میں کچھ چونا اور ہڑتالی وغیرہ ہوتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ سر وغیرہ نہیں دھویا ورنہ تمام بالوں سے ہاتھ دھونا پڑتے اور ایک نیا تماشا بنتا۔ انسان کو چاہیے کہ جب تک کسی چیز کا پورا علم نہ ہو جائے اسے استعمال میں نہ لائے۔ آج رات بھی راقم سطور حضرت پیر ابراہیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ تیسری مجلس تھی۔

رات کو عربی ٹائم کے مطابق ساڑھے چار بجے ہمارے بعض ساتھی کربلا اور نجف اشرف سے واپس آئے اور ایک خوفناک واقعہ کی اطلاع دی کہ جاتی دفعہ راستے میں بس الٹ گئی اور ہمراہی زخمی ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔ صرف محمد نافع کے ہاتھ پر شدید چوٹ آئی اور بازو دو جگہ سے ٹوٹ گیا ہے۔ محمد نافع صاحب کو کار پر بغداد شریف لاکر ہسپتال میں داخل کرادیا ہے۔ ہمارے حضرت ابھی نجف اشرف میں تھے لیکن تقریباً سات بجے رات عربی ٹائم کے مطابق ہمارے حضرت سلمہ اللہ تعالیٰ بھی کربلا معلٰی سے ہوتے ہوئے تشریف لے آئے ہیں۔ قاری محبوب علی صاحب، محبوب قوال صاحب، ہاشم صاحب اور میاں جان محمد صاحب یہ حضرات معمولی زخمی ہوئے ہیں۔

30 اپریل 1948ء بروز جمعہ

آج ہمارے حضرت نے قوالی سے قبل ہی روضہ انور پر حاضری دی۔ بعد میں قوالی سنی اور واپس مکان پر تشریف لائے۔ بندہ بھی قدم بوسی سے مشرف ہوا۔ حضور نے شفقت اور مہربانی سے نوازا۔ بندہ نے ایک خاص کام کے لئے گزارش کی۔ جس کے بارے میں پہلے بھی کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں۔ آنحضرت دام بقائہ نے بندہ کی نبض دیکھی۔ شاید یہ مقصد ہو کہ جس

کام کے متعلق کہہ رہا ہے۔ اس میں صادق ہے یا نہیں۔ مثنوی شریف میں جوزرگر کا قصہ ہے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ بعد میں حضرت سلمہ اللہ تعالیٰ سر دھونے کے لئے تشریف لے گئے اور بندہ صاحبزادگان القمران النیر ان کے دربار دربار میں حاضر ہو کر زیارت سے مشرف ہوا۔

آج کے چند واقعات نہایت عجیب وغریب ہیں:

1۔ اول جس کام کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ میں نے کئی مرتبہ عرض کیا کہ یہ کام بیعت کے متعلق ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ مجھے مرقد انور حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بیعت فرمائیں لیکن آپ آج تک تواضع کی بناء پر ٹالتے رہے۔ راقم سطور نے دربار حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ میں حاضر ہو کر بھی کئی دفعہ یہی دعا مانگی کہ حضرت دام بقائہ مجھے بیعت فرمالیں۔ جب جمعہ کی نماز ہوگئی تو ہمارے حضرت مع مدنی صاحب اور دیگر مسترشدین کے دربار غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ پر حاضر ہوئے۔ راقم سطور بھی حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کو یاد کر رہا تھا کہ میری مراد بھی پوری ہو جائے۔ بالآخر حضرت کریم نے بندہ کو اپنے پاس آنے کا اشارہ فرمایا۔ جب بندہ قریب آیا تو اس عاجز اور محمد خان صاحب کو مزارِ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس بیعت فرمایا۔ فالحمد للہ حمدًا کثیرًا و الشکر لہ شکرًا عظیمًا

محمد خان ضلع گجرات میں کھاریاں کے رہنے والے ہیں اور نہایت ہی محبّ العلماء والاولیاء ہیں۔ بہت دنوں سے بیعت کے لئے عرض کر رہے تھے۔ اس مطلب کے حاصل نہ ہونے پر بندہ کے دل میں بہت پریشانی وساوس شیطانی کا انبوہ تھا۔ لیکن اب الحمد للہ اطمینانِ کلی ہے

2۔ پیر ابراہیم صاحب سے تین احادیث کی درخواست کی تھی۔

اوّل: حدیث مصافحہ جو کہ بوقت اجازت مصافحہ کیا جاتا ہے۔

دوم: حدیثِ تشبیک کہ بوقت اجازت تشبیک کی جاتی ہے۔

سوم: حدیث رحمت ہے۔

جب ہم آپ کے درِ دولت پر حاضر ہوئے تو آپ مع چند مہمانوں کے کھانا تناول فرمارہے تھے۔ ہم کو بھی اندر بلالیا اور کھانے کا حکم فرمایا۔ میرے ساتھ نواب اچھن صاحب تھے۔ انہوں نے تو علالت کی وجہ سے کھانا نہیں کھایا۔ لیکن راقم سطور نے آپ کے ساتھ کھانا تناول کیا۔ یہاں عام طور پر روسا چھری اور کانٹے کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ لیکن آپ نے بندہ کو فرمایا کہ تم ہاتھ سے روٹی کھاؤ۔ بعد از فراغت دوسرے کمرہ میں تشریف لے گئے اور وہاں جاکر مصافحہ اور تشبیک کے بعد ہر دو حدیثوں کی اجازت فرماکر اجازت نامہ تحریر کردیا اور یونہی تیسری حدیث کی اجازت بھی فرمائی۔ فالحمد للہ و الشکر لہ آج شام کا کھانا گوشت اور حلوے کے ساتھ ملک تاج محمود صاحب بندیالوی نے تمام احباب کے لئے تیار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

جمعہ کی رات ایک خاتون نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو خواب میں دیکھا کہ آنجناب رضی اللہ عنہا پر بہت سے پھول ہیں۔ جب میں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ لوگ جو مجھ کو پھول دیتے ہیں تو میں کیسے قبول نہ کروں؟ تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے حضرت دام بقاءہ جب دوسری دفعہ کربلا تشریف لے گئے تو جمعہ کی رات تھی اور لوگ پھول چڑھا رہے تھی۔ راقم سطور کو یہ تعبیر معلوم ہوتی ہے کہ اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ اس مقام پر شیعوں کا انبوہ کثیر ہے لیکن برکت اور خیر میں کوئی کمی نہیں محض شیعوں کو دیکھ کر زیارت سے محروم رہنا درست نہیں۔

4۔ عراقی فوج کے ایک کرنل صاحب عصر کی نماز مسجد سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ میں

پڑھنے کو آئے تو انہوں نے سید احمد عطاس مدنی صاحب دام بقائہ اور ہمارے پیرزادہ سیمائے سعادہ صاحبزادہ شاہ محمد عبدالحق کی زیارت کی اور دیر تک ان کو غور سے دیکھتے رہے ۔آخر میں انہوں نے یہ واقعہ سنایا کہ میں نے رات کو خوب میں سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ۔آپ مدنی صاحب کی شکل میں تھے اور یہ صاحبزادے ساتھ تھے۔ پھر وہ ہمارے حضرت دام لطفہ گنج عرفان کی زیارت کو آئے اور بہت خوش ہوئے۔

5۔ ہندوستان کا نائب قونصلر جو کہ بغداد میں رہتا اور لاہور کا شیعہ ہے۔ محمد خان صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت غوثِ پاک کے دربار پر حاضر ہونا اچھا نہیں جانتا۔ ہمارے حضرت کی ملاقات کو صبح آیا اور قوالی دربارِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹھ کر سنی اور ہمارے حضرت کے کمرہ میں بیٹھا رہا۔ جب واپس گیا تو محمد خان صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ ہمارے حضرت صاحب کو کیسا پایا؟ تو اس نے جواب دیا کہ اور تو مجھے علم نہیں لیکن اتنا ضرور جان گیا ہوں کہ وہ مجھے اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ ﴿سبحان اللہ، کیسے جذاب الارواح اور مقناطیس القلوب ہیں اور کیوں نہ ہوں ملیح عربی صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جزء ہیں اور مہر اعظم حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی رضی اللہ عنہ کے نورِ نظر ہیں۔ الولد سر الا بیہ﴾

یکم مئی 1948ء بروز ہفتہ

قوالی ہوئی اور مولود شریف طلع البدر علینا من ثنیات الوداع دربار عالی غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھا گیا۔ نہایت نزولِ رحمت معلوم ہوتا تھا۔ جب ہمارے حضرت سلمہ اللہ تعالٰی واپس مکان پر تشریف لائے تو آپ کو پیٹ میں درد محسوس ہوا۔ جس نے رفتہ رفتہ سخت صورت اختیار کر لی۔ تمام دن یہ درد رہا۔ سب غلام بلکہ جمیع مقیمین

آستان عالیشان سارا دن مضطرب اور پریشان رہے۔ عصر کے وقت ڈاکٹر بھی آیا۔ شام کے وقت آپ کو افاقہ ہوا۔ فالحمد لله علی ذالك و الشکر له دائماً۔

راقم سطور، مولوی خدا بخش صاحب اور مولوی محمد فاضل صاحب اور قاری محبوب علی صاحب کے ہمراہ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مزار پر بعد نماز عصر حاضر ہوئے۔ شام کی نماز وہاں ادا کی اور بعد از نماز زیارت کی اور بس پر واپس آ گئے۔ امام اعظم کا مزار مبارک سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک سے تین میل دور ہے۔

اسی تاریخ کو بندہ نے "در الاحکام فی غرر الاحکام" 450 فلس کی خریدی۔ 77 فلس ہمارے ایک روپے کے برابر ہیں۔ آج بغداد شریف میں ہندوستانیوں نے یوم اقبال منایا۔ ہمارے حضرت کو بھی دعوت دی تھی کہ آپ تشریف لائیں اور قوالی کی بھی درخواست کی لیکن چونکہ ہمارے حضرت کی طبیعت ناساز تھی لہذا آپ تو نہیں جا سکے لیکن محبوب صاحب مع اپنی پارٹی کے گئے اور قوالی فرمائی۔ نیز ہر دو صاحبزادگان القمران النیر ان سلمہما اللہ تعالیٰ اور حضرت مدنی صاحب تشریف لے گئے لیکن راقم سطور نہیں گیا۔ ایک تو ہم امام ہمام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہما کے مرقد مبارک پر حاضر ہوئے اور دوسرا اس مجلس میں قادیانیوں کو دخل عظیم تھا۔ میرے خیال ناقص میں ہمارے حضرت سلمہ اللہ تعالیٰ کی بیماری کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آپ کو اس مجلس سے بچالیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ان حضرت کا خود مربی ہے۔

2 مئی 1948ء بروز اتوار

قوالی ہوئی لیکن بندہ اس میں شریک نہ ہو سکا۔ قوالی کے بعد کتابیں خریدنے بازار گئے۔ راقم سطور نے مندرجہ ذیل کتب خریدیں۔ (۱) مسند دارمی 50 فلس کی۔ (۲) شرح علی

قاری بر شمائل ترمذی قلمی 500 فلس کی اس کتاب کے خریدنے میں ہم سے دھوکہ ہوا۔ کتب خانہ والے نے اس کی قیمت ہم سے لکھ کر بیان کی 450 فلس، ہم نے سمجھا کہ 750 فلس۔ لہٰذا ہم نے لکھ دیا کہ ہم 500 فلس دیں گے وہ خاموش ہو گیا کیونکہ اس کا مطلب پورا تھا۔ جب ہم مکان پر آئے غور کیا تو اس دھوکہ کا علم ہوا۔ آج 3 مئی کو واپس گئے۔ اس سے کہا تو اس نے جواب دیا کہ یا تو ادا شدہ قیمت پر لو ورنہ واپس کر دو۔ ابھی تک اس کے ساتھ فیصلہ نہیں ہوا۔ (۳) توضیح تلویح 200 فلس کی۔ (۴) شرح شرعۃ الاسلام 150 فلس کی۔

حضرت صاحبزادہ عماد الملۃ والدین علامہ شاہ غلام معین الدین صاحب نے دو کتابیں خرید فرمائیں۔ (۱) مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر 480 فلس کی اور رسالہ در اصطلاح حدیث 40 فلس کا۔ آج ہمارے حضرت نے دراہیم اور دنانیر بارش کے قطروں کی طرح لٹائے۔ درگاہ شریف کے تمام علماء وزہاد و خدام و مقیمان اور حضرت سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد کو ہدایا پیش کئے۔ علماء کو ہدایا اس حقیر پر تقصیر کے ذریعے پیش کئے۔ تین عالم جو کہ پنجگانہ نماز پڑھاتے ہیں ہر ایک کو آٹھ آٹھ دینار پیش کئے۔ ایک دینار تیرہ روپے سے زیادہ قیمت کا ہے۔ تمام دیناروں کی قیمت 104 روپے سے زائد ہے۔ اب ایک خطیب صاحب رہ گئے ہیں چونکہ محلہ امام اعظم رضی اللہ عنہ میں رہتے ہیں اس لئے ابھی ان کو ہدیہ پیش نہیں کیا گیا۔ باقی سب مقیمین درگاہِ عالی کو ہدایا پیش کئے جا چکے ہیں۔

آج شاہِ عراق کی سالگرہ منائی گئی۔ ہم نے بھی بازار میں دیکھا کہ فوج اور پولیس مع اسلحہ جدید جا رہی تھی۔ نہایت شان و شوکت سے فوج اور پولیس نے بازار میں مارچ کیا۔ بسیں، ٹینک اور گھوڑوں پر فوج اور پولیس سوار تھی۔ ٹینکوں پر توپیں، گنیں اور دیگر جدید آلات نصب تھے۔

3 مئی 1948ء بروز پیر

دربار غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے قوالی ہوئی۔ راقم السطور روضہ انور کے اندر تھا۔ بڑی فرحت محسوس ہوئی۔ ایسی کیفیت پیدا ہوئی کہ جی چاہتا تھا کہ باہر نکل کر قوالوں کے ہاتھوں کو بوسہ دوں۔

بعد ازاں بندہ نے بازار جا کر تفسیر اتقان اور صاحبزادہ بلند اقبال شاہ غلام معین الدین صاحب نے تاریخ ابن خلکان خریدی۔ اوّل کی قیمت چار سو فلس اور ثانی کی قیمت دو دینار یعنی دو ہزار فلس ہے۔ آج مغرب کی نماز سے پہلے بصرہ سے تار آیا کہ پھر جہاز چار پانچ مئی کو بصرہ آئے گا اور آٹھ مئی کو روانہ ہوگا۔ یہ خبر نہایت وحشت سے سنی گئی۔ یہاں ہم سگانِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ایسا دل لگ گیا کہ گویا گھر میں ہیں کبھی خیال تک نہیں آیا کہ گھر وغیرہ اور دیگر امور کا کیا حال ہوگا؟ بس دربار سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کیا ہے؟ زمین پر ایک جنّت ہے و نعم ما قال لو عناہ (شاعر کا شعر کتنا اچھا ہوتا اگر بغداد شریف کے بارے کہا ہوتا۔)

اگر فردوس برروئے زمین است
ہمیں است وہمیں است وہمیں است

اب مفارقت کا ہر قلب میں قلق ہے، دنیا کا نظام ہی اداسی اور مایوسی سے پر ہے۔ کبھی وصال اور کبھی مفارقت پر ملال ہے۔ اے اللہ جل شانہ ہم تیرے محبوب کے در پر آ گئے اور تیرے محبوب اعظم صلوات اللہ علیہ وسلامہ کا ارشادِ اطہر ہے

هم قوم لا يشقى جليسهم۔
''یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوتا۔''

ہم کو ان محبوب ہستیوں کے صدقہ میں سعادت مندوں والا بنا دے اور تا دمِ واپسیں اپنے محبوبوں کی سچی محبت عطا فرما۔ اے اللہ جل شانہ! انت کریم و رسولك ﷺ کریم و غوثك کریم فکیف تکون بین هؤلاء الکرماء محرومین۔

اے اللہ جل شانہ میرے حضرت کے آستانہ عالیشان کو تمام آفات و بلیات و تکالیف سے محفوظ فرما۔

یارب زباد فتنہ نگاہ دار خاک پاک گولڑہ
چنداں کہ بود است و باد را بقاء

اے اللہ جل شانہ! میرے حضرت کی اولاد کو کامل مکمل فرما اور ان کے ذریعہ سے ہم تمام غلاموں کے سینوں کو نور معرفت سے منور فرما اور ہمارے اجڑے دیس دل کو آباد فرما۔ اے اللہ جل شانہ! گولڑہ مقدسہ کو تا قیامت روحانیت کا مرکز فرما اور ہم کو اس دربارِ دُربار کی غلامی عطا فرما۔ زہے عز و شرف۔ اے اللہ جل شانہ میرے حضرت کی اولادِ پاک کو ظاہر د باطنی علوم و کمالات سے مزین فرما۔

اللهم مصرف القلوب صرف قلوبنا علیٰ طاعتك ۔ اللهم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی اتباع شریعتك ۔ اللهم منور القلوب نور قلوبنا بنور معرفتك و محبتك و محبت رسولك ۔

بعد نمازِ عصر ہمارے حضرت سلمہ اللہ تعالیٰ مع مدنی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے سلمان پاک میں حضرت سلمان فارسی اور حضرت جعفر بن عبداللہ اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم کے مزاراتِ مبارکہ کی زیارت کو تشریف لے گئے اور عشاء کی نماز کے وقت واپس آئے۔

4 مئی 1948ء بروز منگل

حسبِ معمول قوالی ہوئی۔ بعدازاں ہم بازار گئے اور کتابیں خریدیں۔ بڑی نادر کتب دستیاب ہوئیں مثلاً (۱) ملا مظفر شرح بست باب (۲) شرح چغمینی طبع ایران (۳) حاشیہ سید بر شرح طوالع الانظار (۴) حاشیہ عصام کبیر (۵) حاشیہ برشامی (۶) توضیح تلویح طبع ایران (۷) الملل والنحل (۸) شرح شرعۃ الاسلام (۹) سنن دارمی (۱۰) رضی علی شافیہ (۱۱) شرح عقائد طبع ایران (۱۲) تہافت لنقرالی۔

5 مئی 1948ء بروز بدھ

حسبِ معمول قوالی ہوئی۔ پھر ہم کتب خریدنے کے لئے بازار گئے۔ بندہ نے تین کتابیں خریدیں۔ (۱) حاشیہ السجاعی علی شرح قطر الندا ء (۲) نقرہ کار مع عصام علی الشافیہ (۳) شرح علی قاری بر رسالہ جزری در علم قرات قلمی اور نیز بارہ گز ململ خریدی جو کہ تقریباً تین روپیہ گز کے حساب سے ملی۔ محرر ایں سطور نے اقلیدس پندرہ مقالہ خریدی۔ لیکن لنگر شریف کو فروخت کر دی۔ آج بھنڈاری کرم الٰہی صاحب نے ہمارے حضرت مدظلہ العالی کو مع جمیع رفقاء کے دعوت کی۔ نہایت ذوق وشوق کی دعوت تھی۔ حلوہ، گوشت اور پلاؤ گوشت والا پکایا۔ بہت دنوں سے بھنڈاری صاحب ہمارے حضرت صاحب سے دعوت کی درخواست کر رہے تھے اور آپ منظور نہیں فرماتے تھے کیونکہ بھنڈاری صاحب خود مسافر ہیں اور ان کا کافی خرچ ہوگا۔ لیکن بالآخر بھنڈاری صاحب کامیاب ہو گئے کیونکہ خلوص اور محبت بالآخر کامیاب ہو ہی جاتی ہے اور خواہ کتنی ہی شدت کیوں نہ ہو آخر اخلاص اس کو نرم کر ہی لیتا ہے۔ بھنڈاری صاحب خود ہمارے بڑے حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ گولڑی قدس سرہ العزیز سے بیعت ہیں

اوران کی بیوی اب ہمارے حضرت دامت برکاتہ سے متوسلہ ہوئی ہے۔

6 مئی 1948ء بروز جمعرات

بعد نمازِ فجر حسب سابق قوالی ہوئی۔ محبوب صاحب نے فراقیہ غزلیں پڑھیں۔ بعد ازاں وداع کا سلام کیا گیا۔ اکثر رفقاء زار و قطار روتے رہے۔ حضرت دام لطفہ اور حضرت مدنی صاحب تو بہت ہی روئے۔ بعد ازاں تمام رفقاء اپنا سامان باندھنے لگ گئے۔

بعد از نمازِ ظہر ہم سب بسوں پر سوار ہو کر اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ اسٹیشن کی گھڑی پر دو بجے تھے یہ عراقی ٹائم ہے۔ یہ حروف پینسل کے ساتھ اسٹیشن کے بنچ پر بیٹھ کر لکھے گئے۔ بندہ نے نصف تھان بیس گز لٹھا بھی خریدا۔ جس پر دو ہزار پانچ سو اکیانوے فلس خرچ ہوئے اور *چھتر فلس بمقابلہ ایک روپیہ ہے اور اڑھائی گز کپڑا واسکٹ اور شیروانی کے لئے بھی خریدا جو کہ 350 فلس فی گز کے حساب سے 875 فلس کا آیا ہے۔ آج رات کا کھانا اسٹیشن پر کھایا۔ بھنڈاری کرم الٰہی صاحب کو ہم رقم دے آئے تھے کہ اسٹیشن پر کھانا پہنچا دیں۔ وہ عصر کے بعد لے آئے جو ہم نے اسٹیشن پر کھایا۔

7 مئی 1948ء بروز جمعہ

گاڑی تقریباً ساڑھے چھ بجے بغداد شریف سے روانہ ہوئی جو صبح بارہ بجے بصرہ پہنچ گئی۔ ہمارے حضرت مدظلہ مع اپنے ہر دو نورِ نظر کے سیکنڈ کلاس میں سوار تھے۔ جاتی دفعہ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ تیسرے درجے میں سوار تھے۔ بقیہ دن اور رات ہم نے مسافر خانہ میں نیچے گزاری۔

جمعرات کو تقریباً تین بجے بحری جہاز ڈمرا بصرہ پہنچا۔ سنا ہے کہ 9 مئی اتوار کو یہاں

سے روانہ ہوگا۔

8 مئی 1948ء بروز ہفتہ

آج کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا جو کہ تحریر کیا جائے کہ جس روز ہم بصرہ پہنچے تو پیر سیّد ابراہیم صاحب کا ایک آدمی آیا ہوا تھا۔ اس کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب مفتی اعظم حیدر آباد دکن اس جہاز پر آنے والے ہیں اور میں ان کے استقبال کو آیا ہوں۔ جب جہاز آیا تو مولانا بھی تشریف لائے۔ راقم سطور ان کی زیارت نہ کر سکا البتہ حضرت صاحب مدظلہ العالی سے ان کی ملاقات ہوئی۔ ہمارے حضرت قبلہ نے ان سے تقبیل مزار کا مسئلہ دریافت فرمایا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں بوسہ کا قائل ہوں لیکن دریافت کرنے پر کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی۔ ہمارے حضرت دام لطفہ نے ان کو فرمایا کہ آپ ایک فتوے کی شکل میں یہ مسئلہ مختص فرما کر گولڑہ مقدسہ روانہ کریں۔ یہ تمام واقعہ حضرت صاحب مدظلہ العالی نے اس فقیر کے سامنے بیان فرمایا۔

واعظ قوال صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت مولانا حکومت حیدر آباد دکن کی طرف سے نذر ونیاز لائے ہیں اور جو مصیبت اس وقت حیدر آباد دکن پر ہے، اس کے دفعیہ کی دربارِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ میں التجا کریں گے۔ حضرت کریم دام بقائہ نے بھی پاکستان اور دیگر اسلامی ریاستوں اور ملکوں کے لئے دعائیں کی ہیں۔ حضرت دام لطفہ نے خصوصاً کشمیر کے معاملہ پر خاص توجہ سے دربارِ ایزدی میں التجا کی۔

آج بعد از نمازِ عصر ہم نے اپنا تمام سامان اٹھا کر چونگی پر رکھ دیا۔ یہ سامان تین سو من سے زائد تھا۔

لیکن ہمارے حضرت دام لطفہ کی سعی جمیلہ سے چونگی والوں نے اس کی تلاشی نہیں لی۔ جیسا کہ جاتے ہوئے ہوا۔ مزدوروں نے تمام سامان اٹھا کر جہاز میں رکھ دیا۔ اگر چہ قانون کے موافق ہمیں اتوار کے روز جہاز میں داخل ہونا تھا۔ لیکن اس وقت بھیڑ کی وجہ سے جگہ کی تنگی کی فکر تھی ہمارے حضرت دام لطفہ کی کوشش سے ہم کو اسی روز ہفتہ کے دن جہاز میں جانے کی اجازت مل گئی اور ہم بعد از نمازِ عصر خالی جہاز میں داخل ہو گئے اور اپنی اپنی جگہ موافق طبع منتخب کر لی۔ سید پیر نجیب علی شاہ صاحب اور خان بہادر دوست محمد وٹو فسٹ کلاس میں ہیں اور حضرت مدنی صاحب اور ہمارے حضرت دام فیضہ اور چند ملتانی پیر بھائی سیکنڈ کلاس میں ہیں کیونکہ سیکنڈ کی سیٹیں تھوڑی میسر ہوئی ہیں۔ ہمارے حضرت کریم نے تمام آدمیوں کی جگہ کو دیکھ بھال کر پھر آرام فرمایا۔

9 مئی 1948ء بروز اتوار

تقریباً گیارہ بجے ہم کو کھانا جہاز کی جانب سے ملا۔ بارہ بجے جہاز بصرہ کی بندرگاہ سے چل پڑا۔

الحمد لله الذی سخر لنا هذا و ما کنا له مقرنین۔ و انّا الی ربنا لمنقلبون۔

ٹائم کا تناسب اس طرح ہے کہ جب عراقی ٹائم کے مطابق بارہ بجتے ہیں تو پاکستانی ٹائم کے مطابق اڑھائی اور عربی ٹائم کے مطابق پانچ بجتے ہیں۔ بغداد شریف دربار غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ میں جو بڑا گھڑیال ہے اس پر عربی ٹائم آتا ہے اور اندر دو گھڑیال ہیں جن پر عراقی ٹائم ہے۔ عربی ٹائم کے مطابق بغداد شریف میں نماز فجر پورے دس بجے، ظہر پانچ بجے، عصر سوا نو

بجے اور شام بارہ بجے اور عشاء سوا ایک بجے ہوتی ہے۔

بغداد شریف سے قبلہ شریف جنوب کو ہے۔ ذرّا سا مغرب کو منحرف ہے۔ پورا جنوبی مغربی گوشہ میں نہیں۔ ہمارا مکان جس میں چند آدمی رہتے تھے۔ مسجد شریف اور روضہ مقدسہ سے شمال مغربی گوشہ میں تھا۔ لہٰذا ہم پاؤں مغرب اور شمال کو خوب پھیلا کر سوتے تھے کیونکہ ہمارے ملک پنجاب میں مغرب کی طرف پاؤں اس لئے نہیں کیے جاتے کہ اس طرف قبلہ ہے اور شمال کو اس لئے نہیں کہ اس طرف بغداد شریف ہے اور اس میں حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا مرقد پاک ہے۔ لیکن ہمارے مکان سے قبلہ اور روضۂ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ دونوں جنوب کی طرف تھے۔ لہٰذا ہم ان دو قیدوں سے آزاد رہے۔

ہمارے حضرت مدظلہ کو حضرت نقیب الاشراف سیّد عاصم محمود صاحب دام بقائہ نے ایک غلاف عنایت فرمایا ہے جو کہ حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے مزار پر دس سال تک متبرک ہوتا رہا۔ یہ غلاف مبارک ہمارے حضرت اعلیٰ قدس سرہ العزیز کے مزار پر انوار پر خاص ایام زیارت کے لئے رکھا جائے گا اور اسی روز ہمارا جہاز تقریباً دو بجے خرم بندرگاہ کے نزدیک آ کر کھڑا ہوا۔

چونکہ آبادان میں کھڑا نہیں ہونا تھا اس لئے آبادان کے لوگ خرم شہر میں آ کر جہاز میں سوار ہوئے۔

ایک آدمی نے بتایا کہ یہاں سے پانچ میل کے فاصلہ پر میدانِ جمل ہے۔ جہاں حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک تاریخی جنگ ہوئی تھی اور اس میدان میں چند شہداء کی قبریں بھی ہیں۔

10 مئی 1948ء بروز پیر

محمد شفیع صاحب راولپنڈی والے نے بندہ کو آ کر فرمایا کہ قبلہ حضرت تم کو یاد فرما

رہے ہیں۔ جب بندہ سیکنڈ کلاس کے برآمدہ میں اپنے حضرت کے دربار گوہر بار میں حاضر ہوا تو ہمارے حضرت دام بقائہ اور حضرت مدنی صاحب اور ایک اجنبی عرب آرام دہ کرسیوں پر تشریف فرما تھے۔ یہ عرب صاحب کچھ نجدی خیال کے ابن سعود کے مداح تھے اور ہمارے حضرت سے حیاتِ انبیاء علیہم السلام پر گفتگو کر رہے تھے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے:

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔

ہمارے حضرت دام لطفہ نے بندہ کو حکم فرمایا کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے؟ اور حیاتِ انبیاء کے متعلق ہمارا کیا عقیدہ ہے؟ بندہ نے عرض کیا کہ اولاً اس آیت میں اشکال ہے کہ اس آیت میں مخاطب جناب نبی کریم ﷺ ہیں۔ حالانکہ نزولِ آیت کے وقت آپ کا وصال نہیں ہوا تھا تو آپ کو میت کیوں کہا گیا؟ تو جواب یہ ہے کہ یہاں دو صورتیں ہیں۔ ایک مَیْتٌ کہ جو بالفعل مردہ ہو اور دوسرا مَيِّتٌ جو کہ آئندہ زمانہ میں مرنے والا ہو۔ تو یہاں آپ کو مَيِّتٌ فرمایا گیا یعنی اِنَّكَ تَمُوْتُ اور یہ درست ہے کہ ہر نبی پر كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کا وعدہ پورا کرنے کے لئے ایک آن میں موت طاری ہوتی ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام قبر میں جا کر پھر اسی حیاتِ ظاہرہ کے ساتھ زندہ ہو جاتے ہیں۔ ابن قیم نے اس پر دلیل قائم کی ہے کہ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن بعد از وصال نبی کریم ﷺ اس لئے نکاح نہیں کر سکتیں کہ ان کے ازواج زندہ ہیں اور زندہ کی بیوی نکاح نہیں کر سکتی۔ اس پر عرب صاحب نے اعتراض کیا کہ مردے کو سوال جواب کے وقت بھی زندہ کرتے ہیں تو پھر فرق کیا ہوا؟ تو بندہ نے جواب دیا کہ سوال و جواب منکر نکیر کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ اوّل یہ کہ جو عام کتب عقائد میں مذکور ہے کہ روح قبر میں واپس بدن میں داخل نہیں ہوتی البتہ روح کے تعلق کی وجہ سے

مردہ جواب پر قادر ہوتا ہے اور ثواب وعتاب کو بھی محسوس کرتا ہے۔ اب فرق ظاہر ہے۔

دوسرا یہ کہ سوال و جواب کے وقت روح واپس لوٹتی ہے لیکن ہمیشہ روح بدن میں نہیں رہتی۔ اب بھی فرق ظاہر ہوا۔ اس کے بعد ہمارے حضرت نے ابن سعود پر اعتراض فرمایا کہ وہ خود تو اپنے لئے معمولی لفظ بھی برداشت نہیں کر سکتا لیکن اس کے علماء جناب نبی کریم ﷺ کے حق میں نہایت گستاخانہ کلام کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک نجدی مولوی نے کہا کہ نعوذ باللہ نبی کریم ﷺ میری چھڑی کا کام بھی نہیں دے سکتے۔ کیونکہ چھڑی سے اونٹنی کھڑی ہو جاتی ہے اور حضور ﷺ کا نام ہزار بار بھی لیا جائے تو بھی اونٹنی کھڑی نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس نجدی نے ایک اونٹنی پر کئی بار آپ ﷺ کا نام پکارا تو وہ کھڑی نہ ہوئی اور پھر چھڑی ماری تو وہ کھڑی ہوگئی۔ اس پر راقم نے عرض کیا کہ یہی دلیل بعینہٖ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی ہو سکتی ہے تو گویا نجدیوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ بھی بیکار ہے۔ استغفر اللہ

اس پر اس عرب نے جواب دیا کہ ان باتوں سے ابن سعود پر الزام نہیں ہو سکتا کیونکہ ممکن ہے کہ کسی بے وقوف نے ایسا کہا ہو۔ اس پر محرر ایں سطور نے کہا کہ نجدی ابن سعود نے کئی آدمیوں کو قتل کروایا ہے جو کہ اس کے خلاف تقریر کرتے ہیں مثلاً حضرت مولانا نثار احمد بن مولانا احمد حسن کانپوری کو قتل کروا دیا کیونکہ آپ ہر جگہ اس کے خلاف تقریر فرماتے تھے۔

اس پر اس عرب نے جواب دیا کہ ہم نے اس قتل کا واقعہ نہیں سنا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ آپ کا نہ سننا عدم واقعہ پر دال نہیں ہے۔ اور نیز ایسے واقعہ کو ابن سعود اپنے ملک میں کیسے ظاہر کر سکتا ہے؟ کیونکہ اس کی بدنامی کا باعث ہے۔ کیونکہ وہ مولانا ہمارے ملک کے تھے لہٰذا ہم کو پورا علم ہے۔ اس پر عرب صاحب نے یہ آیت پڑھی کہ

اَطِيۡعُوۡا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ -- الآية

یعنی مولوی نثار احمد نے ابن سعود اولی الامر کی اطاعت نہ کی اور اس کے خلاف تقریر کی۔ لہٰذا ابن سعود نے اس کو قتل کروا دیا۔ اس پر بندہ نے جواب دیا کہ آپ نے پوری آیت نہیں پڑھی۔ آیت کا آخر یہ ہے کہ

فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ

یعنی اگر اولی الامر اور عوام میں تنازعہ واقع ہو جائے تو قرآن وحدیث سے اس کا فیصلہ طلب کرنا چاہیے نہ کہ اولی الامر اپنی قوت کا مظاہرہ کرے۔ مولانا نثار احمد ایک بڑے عالم تھے۔ وہ ابن سعود پر شرعی اعتراض کرتے تھے۔ ابن سعود کا حق تھا کہ ان کو دلائل سے جواب دیتا نہ کہ یہ ناروا حرکت کرتا۔ اب جو ہم یہاں بیٹھ کر ابن سعود پر اعتراض کر رہے ہیں تو کیا اس کی سزا یہ ہے کہ ہماری گردن ماری جائے یا کہ اس کا جواب دلیل سے دیا جائے۔ اس پر عرب صاحب خاموش ہو گئے اور کہا کہ اس کا جواب دلیل سے ہونا چاہیے۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ ہمارے ملک کے ایک شیخ پیر جماعت علی شاہ صاحب ہیں وہ روضہ انور پر جا کر دعا مانگتے تھے اور ابن سعود کے خلاف تقریر کرتے تھے۔ تو ان کو ابن سعود نے چند یوم قید رکھا اور لوگوں کے ڈرانے پر چھوڑا کہ ان کے بہت مرید ہیں اور ہندوستان میں تمہاری مخالفت بڑھ جائے گی۔ اس کا جواب بھی عرب صاحب نہ دے سکے۔

اس کے بعد میں نے کہا کہ جو آدمی روضہ انور کو بوسہ دے تو ابن سعود کہتا ہے کہ یہ شرک ہے۔ اس پر ابن سعود کے پاس کیا دلیل ہے؟ عرب صاحب نے کہا کہ شرک نہ ہونے پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ میں نے جواب دیا کہ مدعی ابن سعود ہے، اس پر بینہ لازم ہے نہ

کہ ہم پر اعتراض آپ نے خلافِ قاعدہ کیا ہے؟ اور نیز علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں ایک صحابی کا حال بایں الفاظ ذکر کیا ہے کہ:

" اذا رای قبور الصالحین قبلها۔ "

یہ عدم شرک پر کافی دلیل ہے۔ اس پر عرب صاحب نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ مقولہ ذکر کیا کہ آپ نے حجر اسود کو بوسہ دینے کے وقت فرمایا تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو بوسہ نہ دیتے تو میں بھی نہ دیتا کیونکہ تو نافع اور ضار نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل نہیں ہے وہ نہ کرنا چاہیے۔ اس پر بندہ نے اس حدیث کی تشریح کی جو کہ پہلے گزر چکی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ فرمائے تھے تو حضرت مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے جواب دیا کہ حجرِ اسود نافع بھی ہے اور ضار بھی اور محدثین نے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کلام کی توجیہہ کی ہے کہ آپ کا مطلب یہ ہے کہ حجر من حیث نافع اور ضار نہیں اور حجر انه مکرم من عند الله تعالیٰ اور من حیث انه قبله رسول الله ﷺ پس وہ نافع اور ضار ہے۔ اور قیامت کے دن بوسہ دینے والوں کے حق میں شہادت دے گا۔ پس ہم جو روضہ انور کو بوسہ دیتے ہیں تو نہ اس وجہ سے کہ:

" بیت البیوت اور جدار من الجدار بل من حیث انهامستراح النبی ﷺ۔ "

اس لئے نہیں کہ یہ گھروں میں سے ایک گھر یا دیواروں میں سے ایک دیوار ہے بلکہ اس لئے بوسہ دیتے ہیں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام فرمانے کی جگہ ہے۔

پس یہ دلیل تو ہماری ہے نہ کہ آپ کی۔ اس پر عرب صاحب نے کہا کہ پھر تو ہاتھ پاؤں بھی قیامت کے دن گواہی دیں گے لہٰذا ان کو بھی چومنا چاہیے۔ تو اس پر بندہ نے عرض کیا کہ محض گواہی بوسہ کی علت نہیں ہے بلکہ نسبت الی اللہ اور الی النبی ﷺ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک ﷺ کے ساتھ خصوصی تعلق ہے۔ یہ بات تو ہم نے بالطبع ذکر کی ہے کہ حجر اسود نافع اور ضار ہے۔ اور جو مطلب امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کلام کا آپ لوگ سمجھتے ہیں وہ نہیں ہے۔ اس پر عرب صاحب خاموش ہو گئے۔

اس کے بعد عرب صاحب نے کہا کہ یہ حدیث ہے کہ اس قبر پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے جو غیر معروف ہے اور غیر معروف کا مطلب یہ ہے کہ جو قبر زمین سے مل گئی ہو۔ لہٰذا ابن سعود نے قبروں کو مٹا دیا۔ اس دلیل پر ہم خوب ہنسے اور بندہ نے عرض کیا کہ سب سے رحمت کی زیادہ مستحق قبر النبی ﷺ ہے۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ آپ کی قبر زمین سے ایک بالشت اونچی ہے نہ کہ مٹ چکی ہے۔ نعوذ باللہ منہ نیز غیر معروف کا معنی مٹنا نہیں ہے بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو کوئی جانتا نہ ہو۔ جیسے قبل ازیں میں آپ کو اور آپ مجھ کو نہیں جانتے تھے

آخر میں عرب صاحب فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ بیت الحرام کو محبوب رکھتا ہے یا کہ نہیں؟ میں نے کہا۔ ہاں محبوب رکھتا ہے۔ اس پر وہ بولے کہ اگر ابن سعود برا ہوتا تو خداوند عالم اس کو اس خطہ مبارکہ پر ہرگز مسلط نہ فرماتا۔ بندہ کو یہ دلیل سن کر ذرا غصہ آیا۔ میں نے جواب دیا کہ

" یا اخی دلیلك هذا اوهن من بیت العنکبوت و اضعف۔"

تمہاری یہ دلیل مکڑی کے جالے سے زیادہ نازک اور بہت کمزور ہے۔

مگر اس نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام خدا کے محبوب ہیں یا نہیں؟ جواب دیا کہ محبوب

ہیں تو میں نے کہا کہ کیوں نمرود کو خداوند عالم نے ان پر مسلط کیا۔ اور اس نے آپ کو آگ میں ڈالا۔ بتایئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ خدا کے محبوب ہیں یا نہیں؟ پس کیوں یزید پلید کو اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلط کیا؟ بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام جاہلین کفار کے زمانہ میں مبعوث ہوئے اور کفار نے ان کو تکالیف پہنچائیں اور اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خداوند عالم کے محبوب ہیں، اس کے باوجود کفار مکہ کے ظلم کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کا حکم دیا۔ اس پر عرب صاحب بولے کہ مکہ شریف کو بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح فرمایا۔ اس پر بندہ نے زور سے کہا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم بھی ابن سعود پر فتح پائیں گے اور اسی ارض مقدس سے اسے بھگا دیں گے۔ میرے یہ الفاظ تمام حاضرین نے سخت محسوس کئے۔ ہمارے حضرت دام ظلہ نے بعد میں فرمایا کہ ممکن ہے کہ نجدی جا کر ابن سعود سے شکایت کرے اور اس کی وجہ سے مدنی صاحب پر کوئی تکلیف نہ واقع ہو جائے۔ کیونکہ قبل ازیں بھی مدنی صاحب اور ابن سعود کے تعلقات اچھے نہ تھے۔

نیز اس وقت میرے حضرت نے مجھے فرمایا کہ اس کو وہ آیت سناؤ کہ جس کا آخر یہ ہے فدمرنھم تدمیرا پس میں نے اس کو یہ آیت سنائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

إِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا ۔ الآیة

پس ابن سعود فسق کر رہا ہے

فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا۔ (الاسراء: 14/17)

لہٰذا عنقریب اہل نجد پر کوئی آفت نازل ہوگی۔ اس پر عرب صاحب کچھ خاموش ہو گئے اور ہمارے حضرت کا خادم حاضر ہوا کہ کھانا تیار ہے۔ لہٰذا آپ مع مدنی صاحب کھانا کھانے کے لئے مدنی صاحب کے کمرے میں تشریف لے گئے۔ بندہ کھانا کھا چکا تھا۔ لہٰذا

اجازت طلب کی کہ اپنی جگہ پر جاؤں لیکن نیچے کا رستہ نہ ملتا تھا۔ اس لئے پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کھانا کھاتے رہے اور خادم بیٹھا گلزار احمدی کا تماشا دیکھتا رہا۔ آپ نے کھانے کو بہت دفعہ فرمایا لیکن مجھے کھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ آپ اس حقیر سراپا تقصیر پر تلطف بے غایت فرماتے رہے نیز فرمایا کہ میں تمہاری طبیعت کو اداس محسوس کرتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ کبھی گرانی نہیں ہوئی البتہ گذشتہ رات بعد از نماز عشاء یکا یک طبیعت پر بوجھ آیا اور پھر حضرت صاحبزادگان کی خدمت میں حاضر ہوا تو گرانی دور ہوگئی۔ آپ نے گرانی کی وجہ دریافت فرمائی۔ میں نے بہت ٹال مٹول کی لیکن آخر آپ نے پوچھ ہی لی۔ نیز آپ نے فرمایا کہ بغداد شریف میں دو دفعہ مجھے ایک خیال آیا کہ تم کو بلا کر کہوں لیکن پھر حجاب کی وجہ سے نہیں کہا۔ خداوند تعالیٰ یہ حجابات دور کرے (سبحان اللہ زہے عز و شرف) کسی موقعہ پر تمہیں بیان کروں گا۔ اس کے بعد بندہ نے ایک رفیق کو کہا کہ مجھے راستہ بتاؤ۔ لہٰذا میں نیچے اپنی جگہ پر آ گیا اور رات کو حضرت صاحبزادگان کریمان کی خدمت میں دیر تک حاضر رہا۔

11 مئی 1948ء بروز منگل

تقریباً گیارہ بجے جہاز بحرین پہنچا۔ یہاں گندم اتاری جا رہی ہے۔ سینکڑوں بوریاں گندم کی ہیں۔ اب ہم نمازِ عصر پڑھ چکے ہیں کہ یہ سطور لکھی جا رہی ہیں۔ کرین کے ذریعے گندم باہر کشتیوں پر اتاری جا رہی ہے۔ تین کرینیں دھڑا دھڑ مختلف مقامات سے گندم اور دیگر سامان اتار رہی ہیں۔ جہاز بحرین سے تقریباً بارہ میل دور سمندر میں کھڑا ہوا ہے۔ ہوا ذرا تیز ہے۔ لہٰذا کشتیاں خوب ہچکولے کھا رہی ہیں۔ آج مدنی صاحب تقریباً بارہ بجے بحرین اتر گئے۔ یہاں سے ہوائی جہاز اور بس کے ذریعے مدینہ منورہ جائیں گے۔ ہمارے حضرت صاحب کا ارادہ تھا کہ

ان کے ساتھ بحرین تک تشریف لے جائیں لیکن جہاز والوں نے کہا کہ سمندر میں تلاطم زیادہ ہو جائے گا اور آپ کو تکلیف ہوگی لہٰذا آپ تشریف نہیں لے گئے۔ سنا ہے کہ کل بروز بدھ جہاز یہاں سے روانہ ہوگا۔ آج بدھ کی رات کو ہم نے رجب شریف کا چاند دیکھا لیکن دوسری کا معلوم ہوتا تھا شاید منگل کا چاند ہے۔ بحرین میں سنا ہے کہ پندرہ ہزار بوری گندم اتاری گئی ہے۔

12 مئی بروز بدھ

تقریباً سوا چار بجے ہمارا جہاز بحرین سے روانہ ہوا۔ بعد از نماز عصر قوالی ہوئی آج کل محرر ایں سطور کی قوالی سے کوئی خاص دلچسپی نہیں لیکن بعض وجوہ کی بنا پر حاضر ہوا۔

13 مئی 1948ء بروز جمعرات

بعد از نماز صبح بندہ اپنے حضرت کریم کے پاس سیکنڈ کلاس کے برآمدہ میں حاضر ہوا آپ نے ایک مولوی عبدالحکیم کا قصہ سنایا جو کہ اجمیر شریف کا تھا اور ہمارے موجودہ حضرت مدظلہ پر مسمریزم کا عمل کیا۔ یہاں تک کہ آپ اس پر اتنے فریفتہ ہوئے کہ اگر وہ یہ کہتا کہ میں تم کو قتل کرتا ہوں یا تم کنویں میں چھلانگ لگاؤ تو آپ تیار ہو جاتے، اس نے کئی بار یہ خبیث ارادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔ آخر ہمارے بڑے حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو علم ہوا تو آپ نے اس کو گولڑہ مقدسہ سے اخراج کا حکم فرمایا، کچھ مدت کے بعد وہ تائب ہوا اور گولڑہ شریف میں [illegible] ہوا یہ قصہ عجیب وغریب ہے لیکن اس کی تفصیل تحریر کرنے سے بندہ قاصر ہے، بعد از نماز عصر پھر بندہ اپنے حضرت کے حضور حاضر ہوا آپ نے گاڑی پر فائرنگ کا واقعہ بیان فرمایا نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد حضرت اعلیٰ قدس سرہ العزیز نے کسی آدمی کو خواب میں فرمایا کہ غلام محی الدین (دام بقاۂ ظلہ علی رؤس المشتاقین) رات کو

بہت دیر سے آتا ہے اور مجھے فکر رہتی ہے، نیز خواب میں کسی آدمی نے آپ کو دیکھا کہ جائے وقوعہ پر کھڑے آپ آگ کا مقابلہ فرمارہے ہیں، نیز آپ نے پستول والا واقعہ بھی بیان فرمایا کہ دو آدمی آپ کی تاک میں پستول لے کر لنگر شریف اور شہر گولڑہ مقدسہ کے درمیان بیٹھے تھے جب آپ رات کو گزرے تو ان کا پستول نہ چلا اور آپ بعافیت گھر پہنچ کر کھانے اور نماز سے فارغ ہو کر وسمہ لگائے بیٹھے تھے کہ ایک سے پستول چل گیا اور دوسرا مارا گیا، آخر آپ کی امداد سے قاتل کو باوجود سزائے موت کے رہائی حاصل ہوئی اور اس آیت ظہور حضرت محمد ﷺ کے اولاد پاک سے ظاہر ہوا (لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ) اور بھی بہت سے واقعات آپ نے بیان فرمائے، نماز مغرب کے قریب بندہ نیچے آیا اور بعد از نماز یہ چند سطور تحریر کیں۔

14 مئی 1948ء بروز جمعہ

تقریباً دس بجے جہاز مسقط آ کر ٹھہرا یہ شہر ایک عرب شیخ کی حکومت ہے اور حکومت برطانیہ (یخزیھا اللہ تعالیٰ) کے ماتحت ہے البتہ اس کا سکہ علیحدہ ہے، تمام پہاڑ ہی پہاڑ ہیں ،مغرب کی طرف شہر ہے اور مشرق کی طرف شاہی محلات ہیں، لیکن یہ محلات کوئی بہت خوش نما نہیں ہیں، کسی زمانہ میں یہ تمام علاقہ ترکی کا تھا جہاز تقریباً میل کے فاصلہ پر ٹھہرا اور دکاندار کشتیوں میں سودا لے کر جہاز کے پاس آ پہنچے، یہاں مچھلی بہت ارزاں ہے اور آم بھی ہیں تقریباً بارہ بجے کے نزدیک مسقط کا بادشاہ عرب جہاز دیکھنے کیلئے آیا نہایت متشرع اور باجلال انسان تھا۔ داڑھی نہایت خوبصورت اور بقدرِ قبضہ تھی اور داڑھی میں کافی سفید بال تھے چالیس سال کا معلوم ہوتا تھا۔ اس کیساتھ جتنے وزراء ورؤسا تھے سب نہایت متشرع اور نورانی چہروں والے تھے۔ آگے پیچھے رائفل بردار سپاہی تھے لیکن سب عربی لباس میں ملبوس تھے۔

یہ لوگ جہاز تک کشتی میں آئے۔اور جہاز پر سیڑھی کے ذریعے اوپر چڑھے سیڑھی بالکل ہمارے ساتھ تھی ہم نے تمام آدمیوں کو نہایت قریب سے دیکھا نیز تمام اشخاص مع بادشاہ کے سب نے عربی طرز کی چپل پہن رکھی تھی، بادشاہ مسقط جہاز میں اب سیکنڈ کلاس کے کمروں میں پھر رہا ہے اور بندہ یہ سطور تحریر کر رہا ہے، جب واپس جائے گا تو روانگی کا حال تحریر کیا جائے گا۔ان لوگوں میں سب سے پیچھے ایک سکھ بھی تھا۔سنا ہے کہ مسقط کے پہاڑ بصرہ تک چلے گئے ہیں یہاں سے سمندر بالکل تنگ ہے۔اس لئے پہاڑوں پر بڑے قلعے ہیں لیکن دو تین ذرا بڑے اور باقی چھوٹے چھوٹے، بادشاہ کی کشتی بڑی عجیب تھی۔اس میں ایک چھت والا کمرہ تھا جو کہ کوٹھی کی طرز کا تھا اور اس میں قالین بچھے ہوئے تھے۔اوپر ایک چبوترہ تھا جس کے تین جانب سے لکڑی کی دیوار تھی اور ایک ستون پر سرخ جھنڈا لہرا رہا تھا۔سیکنڈ اور فرسٹ کلاس کے کمرے دیکھ کر بادشاہ تیسرے درجہ میں بھی آیا اور کشتی پر سوار ہو کر تقریباً ساڑھے بارہ بجے واپس اپنے محلات میں چلا گیا اس بادشاہ کا نام سعید بن تیمور ہے اور تیمور لنگ کی اولاد سے ہے اور حنفی مذہب رکھتا ہے اس نے پانچ حج کئے ہیں اور پانچوں دفعہ مدینہ طیبہ حاضر ہوا ہے، سنا ہے بڑا نیک ہے پانچ وقت نماز کے لیے مع اپنے امراء کے جاتا ہے مسقط سے کچھ پہاڑ میں ایک متھرا شہر سنا ہے وہ بڑا عالیشان شہر ہے قبل از نمازِ عصر بندہ اپنے حضرت کے دربار میں حاضر ہوا۔آپ نے ایک دن جہاز میں فرمایا تھا کہ بغداد شریف میں مجھے ایک چیز کا خیال آیا کہ تم کو کہوں لیکن کسی وجہ سے نہیں کہی اب تم کو بتلا دوں گا محرر ایں سطور چند روز سے اسی کام کے لئے حاضر ہوتا تھا۔آج آپ نے وہ چیز بیان فرمادی۔

اس کے بعد آپ نے ایک خواب بیان فرمایا کہ گولڑہ مقدسہ میں کسی نے آپ کا نقصان بھینس کے متعلق کیا ہے اور حضرت اعلیٰ قدس سرہ العزیز کے ہاتھ میں پستول ہے اور

آپ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارا دل تنگ ہے تو میں اس پر پستول چلاتا ہوں۔ آپ نے جواب دیا کہ آپ یہ کام نہ فرمائیں بلکہ روحانی قوت سے کام لیں کہ مال بھی مل جائے اور جھگڑا بھی نہ ہو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ممکن ہے گولڑہ مقدسہ میں کوئی واقعہ ہوا ہو، یہ دن 14 مئی 1948ء بروز جمعہ کا ہے اور یہ خواب آپ کو اس جمعہ کی رات کو آئی ہے اللہ تعالیٰ خیر کرے بندہ نماز عصر اور شام پڑھ کر واپس اپنی جگہ پر آ گیا۔

15 مئی 1948ء بروز ہفتہ

پھر بندہ بعد از نماز عصر اپنے حضرت دامت برکاتہ کے حضور حاضر ہوا آج پھر فوٹو کی بحث شدید رہی راقم سطور نے یہی عرض کیا کہ یہ تصویر حرام ہے اگر چہ امر مسنون کیلئے ہی اس کا ارتکاب کیا جائے کیونکہ فقہاء کا قاعدہ ہے کہ اگر سنت اور بدعت جمع ہو جائیں اور بدعت کو اپنائے بغیر سنت پر عمل نہ ہو سکے تو سنت کو چھوڑ دیا جائے اور بدعت کو نہ اپنایا جائے۔ تو بہت سے پیر بھائی اس بات سے بہت بگڑے مگر ہمارے حضرت دام ظلہ العالی نے ان کو فرمایا کہ یہ شرعی مسئلہ ہے اس میں رائے کا دخل نہیں ہے۔

نیز اولیائے کرام کے مذاکرات بھی ہوئے کیونکہ آج بروز ہفتہ رجب شریف کی پانچویں تاریخ ہے اور اتوار کی رات چھٹی ہے اس لئے شیخ بڈھا صاحب مجاور حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ کھانا ہمارے حضرت کی خدمت میں پیش کیا کہ ختم شریف پڑھا جائے آپ نے محرر ایں سطور کو ختم کا ارشاد فرمایا بندہ نے تعمیل ارشاد کی بعد از ختم بڑا سرور حاصل ہوا۔ کیونکہ کھانا حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ کے عرس مبارک کی تقریب کے لیے پکایا گیا تھا ہمارے حضرت دام لطفہ کل بروز اتوار چھٹی رجب کو ختم دلوائیں گے۔

بعد از نماز مغرب بندہ مع اپنے ہمراہیان واپس اپنی جگہ پر آ گئے۔ کل سولہ مئی بروز اتوار تقریباً ساڑھے چھ بجے جہاز انشاء اللہ تعالیٰ کراچی پہنچ جائے گا لہٰذا احباب نے آج رات ہی سامان باندھ رکھا ہے، جب محرر ایں سطور بصرہ سے جہاز پر روانہ ہوا ہے تو یہ معمول ہے کہ بعد از نماز صبح صاحبزادہ شاہ محمد عبد الحق طال بقاہٗ تقریباً ایک گھنٹہ تک سلم العلوم کا سبق تکرار فرماتے ہیں۔ اور بعد از نماز ظہر میبذی کا سبق مرحمت فرماتے ہیں۔ اور بعد از نماز عشاء دونوں اسباق دہراتے ہیں۔

16 مئی 1948ء بروز اتوار

ساڑھے سات بجے جہاز بندرگاہ کراچی پہنچا کسٹم کی بڑی فکر تھی۔ ہمارے رفقاء نے بے شمار مال خریدا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور ہمارے حضرت کی توجہ سے افسروں نے کوئی خاص تلاشی نہیں لی۔ بلکہ چند ایک اشیاء کی معمولی تلاشی لے کر باقی اسباب کی تلاشی نہیں لی، سامان بسوں پر رکھا اور ہم خود بھی بسوں پر سوار ہو کر اسٹیشن پہنچ گئے۔ رات کو جہانگیر باغ میں حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کا عرس مبارک تھا۔ اس میں حاضر ہوئے اور بہت دیر کے بعد واپس آئے۔

17 مئی 1948ء بروز پیر

صبح ڈالی گاڑی پر سید نجیب علی شاہ صاحب اور چوہدری اورنگزیب خاں صاحب سندھ ایکسپریس پر روانہ ہو گئے اب ہمارا پتہ نہیں ہے کس گاڑی پر جائیں گے۔ منگل کی رات ملک فتح شیر خان اپنے لڑکے محمد رشید کے ساتھ، ملاقات کو آئے اور بہت دیر بیٹھے رہے۔

18 مئی 1948ء بروز منگل

صبح کی گاڑی میں سید عبد القادر شاہ صاحب چلے گئے وہ ملتان اتریں گے پھر ہمارے

ساتھ ملتان سے گاڑی پر سوار ہوں گے ظہر کے بعد فتح محمد ساگھری پدھراڑ والے کالڑ کا اسٹیشن پر ملنے آیا اور بندہ کا سامان گاڑی کے پاس رکھواتا رہا اور ہمارے حضرت قبلہ دامت برکاتہ کی زیارت سے مشرف ہوا ہماری گاڑی پاکستان میل بروز منگل ساڑھے پانچ بجے شام کراچی سے روانہ ہوئی سیکنڈ کلاس کا ایک ڈبہ ریزرو ہے اور تھرڈ کلاس کے دو کمرے ریزرو ہیں۔

19 مئی 1948ء بروز بدھ

تقریباً دس بجے سید نجیب علی شاہ صاحب ڈیرہ نواب کے سٹیشن پر ہمارے حضرت کی زیارت کو تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ اور بھی بہت سے آدمی تھے۔ سمہ سٹہ کے اسٹیشن پر حضرت شیخ الجامعہ کے ہر دو صاحبزادے حضرت دام لطفہ کے استقبال کو آئے ہوئے تھے اور ریل پر سوار ہو کر بہاولپور تک آئے۔

ملتان اسٹیشن پر حاجی غلام محمد لوٹھرڑ والے نے اور اسٹیشن خانیوال پر سردار دوست محمد وٹو نے تمام زائرین کی پرتکلف دعوت کی منٹگمری (اب ساہیوال) کے اسٹیشن پر میاں محمد مسعود صاحب اور حکیم فیروز الدین صاحب مع دیگر معتقدین کے ہمارے حضرت سلمہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لیے موجود تھے۔ نیز میاں محمد مسعود صاحب کے گھر والے بھی زیارت بغداد شریف کو گئے وہ بھی یہاں اترے ملتان اسٹیشن پر میاں مظفر محمود اور منظور حسین مع اپنے دیگر رفقاء کے اترے۔

خانیوال میں سردار دوست محمد وٹو اور سرفراز خان مع دیگر ساتھیوں کے اترے لاہور اسٹیشن پر گاڑی تقریباً ساڑھے سات بجے شام کو پہنچی۔ زائرین کا جم غفیر تھا۔ گولڑہ شریف سے جرنیل محمد حیات اور فضل حق صاحب حضرت دامت برکاتہ کے استقبال کو آئے ہوئے تھے چونکہ ان دنوں نواب محمد حیات صاحب قریشی آف صابو والی بیمار ہیں اور لاہور میں علاج کروا

رہے ہیں اور نواب صاحب کا بڑا لڑکا میاں محمد سعید بھی لاہور اسٹیشن پر زیارت کے لیے آیا ہوا تھا۔ لہٰذا ہمارے حضرت دام ظلہ العالی میاں صاحب کی معیت میں نواب صاحب کی بیمار پرسی کو تشریف لے گئے اور تقریباً نصف گھنٹہ کے اندر واپس تشریف لائے اور محرر ایں سطور کا ٹکٹ لاہور سے سرگودھا کا تھا۔ لیکن لاہور آکر خیال ہوا کہ لالہ موسیٰ سے سرگودھا جاؤں تا کہ کچھ زیادہ دیر شرف محبت حاصل کر سکوں ملک تاج محمود صاحب کو عرض کیا گیا انہوں نے فوراً وہی ٹکٹ لالہ موسیٰ سے سرگودھا کا بنوا دیا اللہ تعالیٰ ملک صاحب کو دارین میں خوش رکھے بڑے کارکن آدمی ہیں۔ اور تمام سفر میں بندہ کیساتھ خاص طور پر مہربانی کرتے رہے ہیں۔

لاہور اسٹیشن سے بندہ حضرت صاحبزادگان القمران النیّران کے ڈبہ میں سوار ہوا تا کہ کچھ زیارت سے فیض یاب ہو سکے۔ گوجرانوالہ اسٹیشن پر بندہ اس ڈبہ سے اتر کر اپنے حضرت دام لطفہ کے حضور میں حاضر ہو کر زمینِ خدمت کو بوسہ دے کر وداع ہوا۔ اور لالہ موسیٰ اسٹیشن پر اترا۔ چونکہ اس وقت بارہ بجے رات کا وقت تھا اور حضرت استراحت فرماتے تھے لہٰذا یہاں زیارت کا موقع نہیں ملا۔

امید ہے کہ میرے حضرت پچیس مئی بروز جمعرات تقریباً ساڑھے پانچ بجے صبح گولڑہ مقدسہ کے اسٹیشن پر اتریں گے۔

لالہ موسیٰ سے پتہ چلا۔ کہ گوجر خان اور راولپنڈی سے فون آرہے ہیں کہ حضرت دامت برکاتہ لالہ موسیٰ پہنچ گئے ہیں یا نہیں؟ نیز بعض رفقاء کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت نقیب الاشراف صاحب کا ایک تار گولڑہ مقدسہ آیا ہے کہ امید ہے کہ آپ بخیریت گھر پہنچ گئے ہوں گے۔

بندہ محرر ایں سطور کے ساتھ لالہ موسیٰ بابو غلام محی الدین صاحب آف جوڑا بھی

اترے۔ ہماری گاڑی ساڑھے پانچ بجے لالہ موسیٰ سے سرگودھا روانہ ہوئی۔ میں بڑے آرام سے تقریباً گیارہ بجے سرگودھا پہنچ گیا اور تین بجے بس پر سوار ہو کر پانچ بجے 20 مئی 1948ء بروز جمعرات سیال شریف پہنچ گیا۔

راقم سطور جب سیال شریف سے بارادہ زیارت بغداد شریف گیا تھا تو طلباء کا یہ انتظام کر گیا کہ برادرم علی محمد میری جگہ آ کر کام کرے گا۔ چونکہ برادرم نے آنے میں تاخیر کی تو حضرت سجادہ نشین صاحب نے مولوی احمد بخش کو بلوایا جو کہ سیال شریف کے متوسلین سے ہیں اور جامعہ عباسیہ بہاول پور کے فارغ ہیں۔ لیکن مولوی صاحب نے طلباء کے اسباق سن کر معذرت کی کہ میں یہ اسباق نہیں پڑھا سکتا اور مولوی صاحب چلے گئے۔ اس کے بعد سب طلباء بھی چلے گئے تو بعد میں برادرم علی محمد آئے تو چونکہ کوئی طالب علم نہ تھا لہٰذا وہ بھی واپس ہو گئے اور حضرت سجادہ نشین نے پھر مولوی احمد بخش کو بلوایا۔

اور جب بندہ محرر ایں سطور یہاں حاضر ہوا تو مولانا صاحب یہاں سیال شریف میں موجود ہیں۔ یہ ہے تمام سفر کا خلاصہ

بندہ سیال شریف سے چار جمادی الاولیٰ 1367ھ بمطابق 16 مارچ 1948ء بروز منگل روانہ ہوا اور واپس 10 رجب 1367ھ بمطابق 20 مئی 1948ء بروز جمعرات آیا۔

میرے حضرت دام بقائہ کی معیت میں مع آپ کے یک صد آٹھ نفر تھے۔ میرے حضرت غریب نواز نے بغداد شریف میں خیرات بلیغ فرمائی۔ جو راقم کی تحریر میں آئی انیس ہزار روپیہ ہے اور جو تحریر میں نہیں آئی اس کی تفصیل اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ یہ اندازہ محرر ایں سطور نے

ان لوگوں سے سنا جو کہ رقم کے حساب وکتاب پر متعین تھے۔ سجادہ نشین صاحب بغداد شریف نقیب الاشراف سید عاصم مدظلہ العالی کو ہمارے حضرت نے دو ہزار روپیہ نذرانہ پیش کیا ہے۔

تم الجزء الثانی ویلیه الجزء الثالث انشاء الله المالك